GOVT GIRLS COLLEGE
SRINAGA
ACC. NO 15241
LIBRARY

تاریخ صحافت اردو

جلد سویم

۱۸۷۶ء سے ۱۹۰۰ء تک کے اخبارات کی تاریخ، ایڈیٹروں کی سوانح عمری اور اس دور کے تاریخی، سیاسی، سماجی و ادبی حالات اس میں درج ہیں۔

امداد صابری

ناشر: مولانا شاہ اسرالحق صاحب کوٹہ راجستھان۔

سول ایجنٹ برائے پاکستان: جناب رہبر کنجاہی صاحب، افقرا کاڈمی
ڈی ۱/۸ چوہڑ ہرپال، راولپنڈی۔

سول ایجنٹ برائے ہندوستان: شمع بک ڈپو، آصف علی روڈ، نئی دہلی

قیمت: دس روپے پچاس نئے پیسے

مطبوعہ جدید پرنٹنگ پریس، ۲۲۔ گلی کیا بیاں، جامع مسجد دہلی

تاریخ صحافت اردو کی تیسری جلد کو میں

حضرت مولانا حسرت موہانی سے

معنون کرتا ہوں

جن کی تمام زندگی فقیرانہ و قلندرانہ گذری اور جنہوں نے حق گوئی اور حق پرستی اور دیانتداری کی خاطر مصائب و آلام برداشت کئے اور خاص طور پر ان کا ان صحافیوں میں شمار ہوتا ہے جن کی وجہ سے صحافت کا معیار بلند ہوا اور ان کی قلم و زبان ظالم و جابر کے استبداد کی نقاب کشائی کرنے میں پیش پیش رہی اور کسی فرعونی و نمرودی طاقت سے کسی وقت بھی مرعوب نہیں ہوئی۔

کاش آجکل کے صحافی مولانا حسرت کی عملی زندگی سے سبق حاصل کریں اور ان کی طرح قوم کے جذبات کے صحیح ترجمان بنیں۔

اور اللہ رب العزت مجھ کو بھی اتنی طاقت و ہمت دے کہ مولانا حسرت کے نقش قدم پر چل کر حق و صداقت کی تبلیغ کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہ کروں۔

امداد صابری

محلہ چوڑیوالان، دہلی

یکم ستمبر ۱۹۶۲ء

GOVT GIRLS COLLEGE SRINAGAR ACC. No. 15941 LIBRARY

رئیس الاحرار حضرت مولانا حسرت موہانی

کے

حالاتِ زندگی

مولانا حسرت موہانی کا نام فضل الحسن تھا اور تخلص حسرت تھا اس لئے حسرت موہانی کے نام سے مشہور ہوئے۔

مولانا حسرت ۱۸۷۳ء میں یوپی کے ایک قصبہ موہان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے خاندان کا سلسلہ نسب نیشاپوری سادات سے ملتا ہے۔ چنانچہ آپ نے اس تعلق کا ذکر اپنے ایک شعر میں کیا ہے۔ ؎

کیوں نہ ہوں اردو میں حسرت ہم نظیری کے نظیر
ہے تعلق ہم کو آخر خاکِ نیشاپور سے

آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام علی موسیٰ رضا تک پہنچتا ہے۔ حضرت امام رضا کی اولاد میں سے سید محمود نیشاپوری نے ترک وطن کر کے قصبہ موہان میں سکونت اختیار کی۔ دسویں پشت میں حضرت شاہ وجیہہ الدین محمد قدس سرہ العزیز ۱۰۸۰ھ میں موہان میں پیدا ہوئے۔ ۱۷ شوال ۱۲۰۵ھ میں انہوں نے انتقال فرمایا۔ ان کا عرس ہر سال تاریخ مقررہ پر موہان میں ہوتا ہے۔ جس کے اخراجات کے لئے مولانا حسرت

نے اپنی موروثی جائیداد کا ایک حصہ وقف کر دیا ہے[1]۔ مولانا حسرت موہانی کے والد کا نام نامی سید ازہر حسن تھا۔

آپ کی ابتدائی تعلیم مکتب میں ہوئی۔ قرآن شریف پڑھنے کے بعد فارسی اور عربی کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ ۱۸۹۴ء میں مڈل کا امتحان پاس کیا تمام صوبے میں اول رہے ۱۸۹۹ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول فتحپور میں انٹرنس کا امتحان دیا اور ۱۹۰۲ء میں علی گڈھ یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔

۱۹۰۳ء میں امتحان دینے کے بعد نتیجہ کے شائع ہونے کا انتظار کئے بغیر مولانا نے علی گڈھ ہی میں رسالہ "اردوئے معلیٰ" جاری کیا۔ آپ کو وکٹوریہ کالج گوالیار میں ریاضی اور عربی کے پروفیسر کی حیثیت سے بلایا گیا تھا لیکن آپ نے ملازمت پسند نہیں کی اور ملازمت پر جرنلزم کو ترجیح دی۔

۱۹۰۸ء میں اس وقت جب کہ گاندھی جی جنوبی افریقہ میں بیرسٹری کر رہے تھے۔ موتی لال نہرو الہ آباد میں اپنا قصر فلک نما آنند بھون تعمیر فرما رہے تھے۔ جواہر لال نہرو لندن میں یکسوئی کی زندگی بسر کر رہے تھے، سردار پٹیل احمد آباد میں ایک ذہین وکیل تھے وکالت چمک رہی تھی، حکیم اجمل خاں صاحب کو فرنگی کی طرف سے حاذق الملک کا خطاب مل چکا تھا۔ مولانا محمد علی آئی، سی، ایس کا امتحان دینے کے بعد ریاست بڑودہ میں ایک اعلیٰ منصب پر فائز تھے۔ راجگوپال آچاریہ مدراس میں ٹھاٹ سے وکالت کے ذریعہ خوب کمائی کر رہے تھے۔ راجندر پرساد ایک گورنمنٹ کالج میں پروفیسر تھے۔ قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح کی بیرسٹری کا ڈنکہ بج رہا تھا۔ لیکن یہ

---

[1] حسرت موہانی مؤلفہ عبدالشکور ص ۸۔

علی گڑھ کا دیوانہ" اردوئے معلیٰ" میں نکات سخن کہہ رہا تھا اور ملک میں سودیشی کا پرچار کر رہا تھا اور انگریزی حکومت کا تختہ الٹنے کی ترغیب دے رہا تھا۔

یہ وہ دور تھا جب کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کے سالانہ جلسوں میں شاہ برطانیہ سے وفاداری کا اظہار کیا جاتا تھا۔ سیاست اور صحافت دونوں کے لئے آزادی کا تصور انوکھا تھا۔ اس وقت ۱۹۰۲ء میں مولانا حسرت تعلیم سے فارغ ہو کر بی اے کی ڈگری لیکر بجائے اس کے کہ وہ ملازمت کی کھوج میں نکلتے انہوں نے قوم کے جذبات کی ترجمانی کرنے کے لئے اردوئے معلیٰ رسالہ جاری کیا۔ جو ادبی و سیاسی اعتبار سے بے نظیر تھا۔ اس رسالہ نے کافی شہرت حاصل کی۔ آج جو غفلت شکن اور بیدار کن سیاسی زندگی قوم میں پائی جاتی ہے اس کا پہلا واعظ مولانا حسرت اور ان کا آرگن رسالہ اردو معلیٰ تھا۔ جس نے حکومت کی بے جا خوشامد و تملق کی پالیسی کے خلاف اس وقت جہاد کیا جب قدامت پسندی اور استبداد پرستی کا دیو تمام ملک پر مسلط تھا اور اس وقت حکومت برطانیہ کے خلاف معمولی سی نکتہ چینی کرنا باغیانہ حرکت تصور کی جاتی تھی۔ چنانچہ ملک میں اس وقت اردو معلیٰ کے حامی بہت کم تھے بلکہ اس کو "گمراہ کن" اور مولانا حسرت کو "دیوانہ ملا" کا خطاب دیا گیا تھا۔

مولانا حسرت کو میدان بغاوت میں قدم رکھے ہوئے چار سال گذرے تھے کہ امتحانات کی پرخطر وادیاں راستہ میں آنا شروع ہوگئیں تھیں اور وقتاً فوقتاً سخت گیریاں دامن گیر ہونے لگی تھیں۔ چنانچہ ۱۹۰۸ء میں اردو معلیٰ میں ایک مضمون "مصر میں انگریزوں کی پالیسی" شائع کرنے کے جرم میں ان کو دو سال قید سخت اور پانچسو روپے جرمانہ کی سزا ہوئی تھی۔

یہ مضمون جس کی بناء پر آپ کو دو سال کی سزا ہوئی تھی مولانا حسرت

موہانی کا لکھا ہوا نہیں تھا بلکہ علی گڈھ کالج کے ایک طالب علم کا تھا مگر آپ نے دوران مقدمہ اس کا نام نہیں لیا اور اس کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔

مولانا حسرت موہانی اور پانچسو روپے جرمانہ ادا کرنے سے نا ممکن تھا۔ چنانچہ اس کی وصولیابی مولانا کے کتب خانہ سے کی گئی۔ اس کتب خانہ میں کافی نادر و نایاب قلمی کتابیں تھیں جو چار ہزار روپے سے کم کی قیمت کی نہیں تھیں ان کو ساٹھ روپے میں نیلام کیا گیا۔

اس حرکت سے مولانا کو کتنی تکلیف پہنچی ہوگی، اس کا اندازہ اہل علم ہی لگا سکتے ہیں۔ چنانچہ مولانا حسرت نے اس زیادتی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

"اس جرمانہ کی بدولت کتب خانہ اردو معلی کی جو حالت ہوئی اس کا بیان نہایت دردناک ہے جن کتابوں کو راقم الحروف نے معلوم نہیں کن کن کوششوں اور دقتوں سے بہم پہنچایا تھا۔ جن کتابوں میں ایسے نادر و نایاب اور قلمی نسخے اور دواوین شعراء کے تھے جن کی نقل بھی کسی دوسری جگہ نہیں مل سکتی۔ ان سب کو پولس کے جاہل جوان تھیلوں میں اس طرح بھر بھر کے لے گئے جس طرح لوگ لکڑی اور گھاس لے جاتے ہیں۔ ان کتابوں کی فہرست بنانا تو درکنار کسی نے ان کو شمار تک نہ کیا۔ اس کے بعد ان کتابوں پر کیا گذری، اس کا ذکر کرتے ہوئے ہمارا دل دکھتا ہے۔ اس جبر و ظلم کا انصاف خدا کے ہاتھ ہے۔"

مولانا حسرت جب جیل سے رہا ہو کر آئے تو انھوں نے اردوئے معلی کو دوبارہ جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ ان کے چند مخصوص احباب نے ہمدردانہ طور پر یہ صلاح و مشورہ دیا۔

"اگر سیاسی مضامین ہوں تو مسلم لیگ کی مسلمہ پالیسی کے موافق ہوں۔ چند دوستوں نے جو زیادہ آزاد خیال تھے یہ رائے دی کہ اگر جمہور ہند کی ہم خیالی منظور ہو تو کانگریس کے نرم فریق کی روش اختیار کی جائے۔"

مولانا حسرت نے ان دوستوں کو یہ جواب دیا۔

"ہم پر ان تمام نیک نیت مشوروں اور مصلحت کوش صلاحوں کا شکریہ فرض ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمارے خیال میں یقین یا عقیدہ عام اس سے کہ وہ مذہبی ہو یا سیاسی ایک ایسی چیز ہے کہ جس کو کسی خوف یا مصلحت کے خیال سے ترک یا تبدیل کر دینا اخلاقی گناہوں میں سے ایک بدترین گناہ ہے۔ جس کے ارتکاب کا کسی حریت پسند یا آزاد خیال اخبار نویس کے دل میں ارادہ بھی نہیں پیدا ہو سکتا۔"

جس وقت مولانا حسرت نے دوبارہ رسالہ اردوئے معلیٰ جاری کیا تو اس وقت ان کے پاس کچھ بھی سرمایہ نہیں تھا اور حکومت کی انتقامی کارروائیوں نے اس قابل نہیں چھوڑا تھا کہ وہ اردوئے معلیٰ کو سابقہ شان کے ساتھ نکالتے اس لئے مجبوراً رسالہ کا حجم اور سائز اور سالانہ چندہ کم کرنا پڑا۔ چندہ سالانہ ایک روپیہ رکھا۔ ابتدا میں رسالہ کے ساڑھے سات سو خریدار بن گئے تھے۔ بعد میں لوگ خوفزدہ ہو گئے تو پانچسو کی اشاعت رہ گئی۔ گویا سال بھر میں پانچسو روپے مولانا حسرت کے ہاتھ میں آتے تھے۔ اس میں مولانا کے ذاتی اخراجات بھی شامل تھے۔ رسالہ کے اخراجات مہیا کرنے کے بعد مولانا حسرت کے ذاتی اخراجات کے لئے دس روپے ماہانہ سے زیادہ نہیں بچتے تھے اس حالت میں بھی مولانا خوش رہتے تھے۔ نہ کسی سے امداد و اعانت کے طلب گار ہوتے اور نہ ہی

قوم کی طرف سے ان کی کوئی حوصلہ افزائی ہوئی۔

اسی زمانے میں قانون مطابع کی دست درازیاں بھی شروع ہو گئی تھیں۔ جس پر پہلا وار کیا گیا وہ مولانا حسرت کا اردو پریس تھا جس کی تمام کائنات اور ساری حقیقت اس قدر تھی کہ ایک کاٹھ کی دستی مشین اور تین پتھر تھے جس میں دو جز کا ماہانہ اردوئے معلیٰ بھی چھپتا تھا۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ خود مولانا حسرت نے مشین چلائی اور مزدوروں کی طرح کام کر کے رسالہ کو وقت مقررہ پر نکالا۔

ایسا بے حقیقت پریس جس سے ایک پائی کی بھی آمدنی نہیں تھی ہز جیمس مسٹن کی گورنمنٹ نے پورے تین ہزار روپے کی ضمانت طلب کر لی۔ اس ضمانت طلب کرنے کا مقصد مولانا حسرت سے انتقام لیکر پریس اور رسالہ کو بند کرنا تھا۔ چنانچہ یہ تین ہزار روپے فراہم نہیں کر سکتے تھے۔ ان کو پریس اور رسالہ اردوئے معلیٰ کو بند کرنا پڑا۔ اور آخری پرچے میں انہوں نے یہ اعلان کیا۔

"اگرچہ اردوئے معلیٰ بند کر دیا گیا مگر میری زبان، میرا دل اور میری قوت عمل ہنوز آزاد ہے اور میں جس طرح پہلے کام کرتا تھا اب بھی خدا کی بخشی ہوئی طاقتوں سے کام لوں گا۔"

حکومت برطانیہ نے مولانا حسرت کا پریس اور رسالہ کیوں بند کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ جنگ طرابلس جاری تھی۔ انھوں نے رسالہ میں اٹلی کے خلاف بائیکاٹ کا فتویٰ شائع کیا تھا اور اسی پر اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ مسلمانوں کو آپ اس امر کے لئے آمادہ کر رہے تھے کہ وہ اٹلی کا مال خریدنا ترک کر دیں۔

گورنمنٹ کے اس طرزِ عمل سے مولانا حسرت کا جوشِ عمل اور بھی ترقی کر گیا اور وہ ہمہ تن اس تحریک کو فروغ دینے میں مصروف ہو گئے اور اردوئے معلیٰ کے بجائے "تذکرۂ شعراء" کے نام سے ایک سہ ماہی رسالہ نکال کر ادبی خدمت کرنے کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ [1]

آج سے ۵۵ سال قبل جیل میں اخلاقی قیدی ہی رکھے جاتے تھے "سیاسی قیدی" کے نام کا وجود تک نہیں تھا۔ نہ اے کلاس نہ بی کلاس نہ اسپیشل وارڈ تھا۔ مولانا حسرت موہانی بی۔ اے تھے، شاعر تھے، نکتہ سنج نکتہ داں تھے لیکن جب جیل پہنچے تو ان میں اور ایک قاتل، ایک ڈاکو، ایک غنڈے اور ایک جیب کترے میں کوئی فرق نہیں تھا۔ وہی جیل کے موٹے، بدہیئت کپڑے، وہی جیل کا کھانا، وہی گالیاں، وہی ہنٹر اور بید کی سزائیں، وہی چکی پیسنا، کولھو چلانا ان کو کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ مولانا سے ایک من گیہوں روزانہ پسینے کے علاوہ مونجھ کی رسیاں بٹوائی جاتی تھیں۔ ایک طرف بیل کو جوتا جاتا تھا اور دوسری طرف مولانا حسرت کو جتوا کر کنوئیں سے پانی کھچوایا جاتا تھا۔ رمضان شریف کا مہینہ ہے مولانا روزے سے ہیں اور من بھر گیہوں پیس کر دینا ہے۔ انہوں نے اسی حالتِ زار کا نقشہ اپنے ایک شعر میں کھینچا ہے۔

ہے مشقِ سخن جاری چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

رمضان شریف میں روزے بھی کس شان سے رکھتے تھے۔ بلغیر افطاری وسحری کے اور اس حالت میں یہ مشقتیں ان سے لی جاتی تھیں چنانچہ

---

[1] حالاتِ حسرت ص ۳۸۔

فرماتے ہیں۔؎

کٹ گیا قید میں ماہ رمضاں بھی حسرتؔ
گرچہ سامان سحر کا تھا نہ افطاری کا

حالات بدلے، وقت بدلا، یہاں تک کہ ہندوستان کی فضا میں آزادی کے نعرے گونجنے لگے۔ محمد علی شوکت علی زندہ باد، گاندھی جی کی جے، اللہ اکبر، بندے ماترم اور ست سری اکال کے ترانے زبان زد خاص و عام ہو گئے۔ ہندوستانی عوام میں علی برادران اور گاندھی جی پوجے جانے لگے۔ ایک انقلابی دور کا آغاز ہوا۔ ہندوستان کا بچہ بچہ حب الوطنی کے جذبے سے مامور تھا۔ غلامی کی لعنت کو دور کرنے کے لئے متفق ہو چکا تھا۔ جیل جانا حب الوطنی کی نشانی بن گئی تھی۔ اس طوفانی دور میں بھی حسرتؔ سب سے الگ تھے۔ پکے سچے انقلابی تھے سوچنے کا ڈھنگ بالکل جدا تھا۔

گاندھی جی عدم تشدد کے حامی تھے۔ اسی رنگ میں تحریک کو رنگنا اور چلانا چاہتے تھے۔ اس دور خلافت میں گاندھی جی کے اس فلسفہ کو بہت بڑی اہمیت دی جاتی تھی اور گاندھی جی کا یہ بہت بڑا کمال سمجھا جاتا تھا۔ اسی زمانہ میں احمد آباد میں ایک تاریخی اور ہنگامہ خیز کانگریس کا اجلاس ہوا۔ اس اجلاس میں عدم تشدد کے فضائل اور محاسن بیان کرنے میں رہنمایان قوم رطب اللسان تھے۔ انگریزی حکومت کی اس اجلاس پر نظریں لگی ہوئی تھیں۔ ایک چھوٹے سے قد گٹھے ہوئے بدن کا آدمی اٹھا اور بلا کسی خوف و خطر اور جھجک کے بیباکانہ طور پر لیڈروں سے مخاطب ہو کر بولا۔

"عدم تشدد ہمارے درد کا درماں نہیں ہے۔ ہمیں اینٹ کا جواب پتھر سے دینا چاہیے۔ انگریز کے بڑے تشدد کے مقابلہ میں

ہمیں بھی چھوٹے تشدد کا آغاز کرنا چاہئے۔ وہ ہماری گردن کاٹ سکتا ہے، ہم اس کا سر پھوڑ سکتے ہیں۔ ہمیں طے کر لینا چاہئے کہ نہ ہم انگریز کو تسلیم کریں گے نہ اس کی حکومت کو نہ اس کے بنائے ہوئے آئین و قانون کو۔"

گاندھی جی گھبرائے حکیم اجمل خاں حیرت میں پڑ گئے اور دوسرے بڑے بڑے ہندو اور مسلمان لیڈروں کے چھکے چھوٹ گئے۔ پنڈال کے کونے کونے سے تجویز کو منظور کرانے کے لئے نعرے بلند ہوئے۔ اگر گاندھی جی اس تجویز کی مخالفت میں ایڑی چوٹی تک کا زور نہ لگاتے اور اپنی ذات کو بیچ میں ڈال کر اسے نامنظور نہ کراتے تو یقیناً یہ تجویز متفقہ طور سے منظور ہو جاتی۔ مولانا حسرت موہانی عدم تشدد کے اصول کے سخت مخالف تھے۔ چنانچہ ایک شعر میں اس کے متعلق۔ ۔ ۔ فرماتے ہیں۔ ؎

جسے کہتے ہیں اہنسا اک اصول خودکشی تھا
عمل اس پہ کوئی کرتا نہ کبھی عوام کرتے

مولانا حسرت کی تجویز مسترد ہوئی مگر حسرت نے ایک مرتبہ پھر کھڑے ہو کر بہ بانگ دہل اعلان کیا، میں ہر حال میں اس تجویز پر عمل کروں گا۔

حکومت ہند نے وہ موقعہ بھی مہیا کر دیا اور بہت جلد کیا، مولانا کی گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوئے پولس ان کو گرفتار کرنے کے لئے آئی۔ پولس افسر نے کہا چلئے ہمارے ساتھ آپ کی گرفتاری کا وارنٹ ہے۔ مولانا نے پولس افسر سے صاف صاف کہدیا کہ وہ دست و بازو کی مدد سے مجھ کو گرفتار کر سکتا ہے، مجھ سے رضاکارانہ گرفتاری کی توقع عبث ہے۔ یہ منظر انتہائی دل چسپ تھا پولس افسر بار بار منت سماجت کرتا رہا گرفتار ہو جایئے لیکن مولانا اڑے

ہوئے ہیں۔ میں نہیں گرفتار ہوتا۔ تمہیں گرفتار کرنا ہے تو طاقت استعمال کرد اور گرفتار کرلو۔ بالآخر یہی ہوا۔ مولانا پابدستے دگرے دست بدستے دگرے گرفتار کرکے تھانے پہنچے۔ تھانے سے عدالت۔ وہاں سے چھ برس کی سخت سزا کا حکم سنکر جیل پہنچا دیئے گئے۔ لیکن اپنی آن اور اپنے قول پر ثابت قدم رہے۔

ڈاکٹر انصاری وغیرہ انگریزوں کے ساتھ نرمی برتنے کے حامی تھے اور مولانا اس طریقہ کے خلاف تھے۔ جب مولانا جیل چلے گئے تو ڈاکٹر انصاری نے بیگم حسرت کو خرچ کا منی آرڈر روانہ کیا۔ بیگم حسرت نے منی آرڈر واپس کردیا اور لکھا کہ میں انگریزوں کے دوست کی مدد قبول نہیں کرسکتی۔ یہ بیگم حسرت کا کیرکٹر مولانا حسرت کا ہی بنایا ہوا تھا۔ ڈاکٹر انصاری اسی زمانے میں علی گڑھ تشریف لے گئے۔ بیگم حسرت نے ملنے سے انکار کر دیا۔

مولانا حسرت کی انقلابی تجویزوں سے اس زمانے کے رہنما اور لیڈر خائف رہتے تھے اور ان کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ کوئی ایسی صورت اختیار کی جائے کہ مولانا حسرت جلسوں اور میٹنگوں میں شامل نہ ہوں۔ چنانچہ ۱۹۲۵ء کا زمانہ یاد کیجئے۔ کان پور میں مسز سروجنی نائیڈو کی صدارت میں کانگریس کا سالانہ اجلاس ہو رہا ہے۔ کانگریس ہائی کمانڈ جس میں موتی لال نہرو سے لیکر گاندھی جی تک شامل تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ ڈیلی گیٹ بن کر اجلاس میں شامل ہوں اور ایسی انقلابی تجویز پیش کریں جو "ارباب اقتدار" کی مرضی کے خلاف ہو۔ کان پور کانگریس کمیٹی نے انہیں اپنا ڈیلی گیٹ منتخب نہیں کیا۔ ہائی کمانڈ کو اطمینان ہو گیا کہ اب اجلاس میں گڑبڑ یا مخالفانہ فضا پیدا نہیں ہو گی۔ لیکن حسرت کہاں خاموش بیٹھنے والے تھے۔ راتوں رات فتح پور

جلتے ہیں اور اپنے آپ کو ڈیلی گیٹ منتخب کرانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ دوسرے روز جب اجلاس شروع ہوتا ہے تو جلسہ میں شرکت کے لئے پہنچتے ہیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو دیلو اور کے سالار کی حیثیت سے انہیں اجلاس میں داخل ہونے سے روکتے ہیں، اس لئے کہ ان کو یہی اطلاع تھی کہ مولانا ڈیلی گیٹ منتخب نہیں ہوئے۔ بیگم حسرت موجود ہیں وہ اس چیز کو برداشت نہیں کر سکیں پنڈت نہرو کو دھکا دیکر راستہ سے ہٹا دیا۔ اور مولانا حسرت پنڈال میں داخل ہو گئے۔

اگست ۱۹۲۸ء میں قیصر باغ کی شاہی بارہ دری میں مہاراجہ سر علی خاں کی قیادت اور ڈاکٹر انصاری مرحوم کی صدارت اور پنڈت موتی لال نہرو آنجہانی کی حمایت میں آل پارٹیز کانفرنس ہو رہی تھی۔ اجلاس شروع ہوا، اجلاس کے ساتھ حسرت کی مخالفت کا طوفان بھی شروع ہوا۔ وہ موتی لال سے بہت ناراض تھے، اس لئے کہ نہرو رپورٹ میں "ڈومینین اسٹیٹس" مطمح نظر بنایا گیا تھا اور مولانا آزادیٔ کامل کے داعی تھے۔ لوگ موتی لال نہرو کو مبارکباد دے رہے تھے، ان کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کر رہے تھے۔ مولانا کا کہنا تھا کہ جو شخص آزادیٔ کامل کو نظر انداز کر کے ڈومینین اسٹیٹس پر قناعت کرے وہ قابلِ ستائش نہیں ہے بلکہ قابل مذمت ہے۔ مضحکہ خیز تالیوں اور نعروں کے شور میں حسرت کی تجویز رد ہو گئی مگر ان کے استقلال میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا اور دوسری ترمیمیں پیش کرتے رہے۔

کانفرنس کے اس ہنگامہ کے دوران میں عصر اور مغرب کا وقت آیا۔ حاضرین میں مسلمان بھی کافی تھے لیڈر بھی اور عالم بھی لیکن سب اپنی جگہ پر بیٹھے رہے۔ نماز کا وقت آیا بھی اور گذر بھی گیا۔ اس سارے مجمع میں ایک شخص تھا جسے اپنی نماز کا بڑا خیال تھا اور وہ شخص حسرت موہانی تھا۔ عصر

کے وقت بھی اور مغرب کے وقت بھی مولانا حسرت ڈائس سے اٹھے اور ایک گوشہ میں آکر اچکن اتاری مصلے کے طور پر اسے بچھایا اور پورے اطمینان کے ساتھ نماز پڑھی۔ ... گویا کانفرنس میں نہ تقریریں ہو رہی ہیں اور نہ نعرے لگ رہے ہیں۔

مولانا حسرت موہانی انتہا پسند انقلابی طبیعت اور ارادوں کے مالک تھے جہاں بیٹھتے جس سے ملتے اور جس جماعت میں جاتے وہاں اپنے انقلابی باغیانہ خیالات پھیلاتے اور حامی بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ ۱۹۳۷ء میں لکھنؤ میں آل انڈیا مسلم لیگ کا تاریخی اجلاس ہو رہا ہے۔ قائداعظم مسٹر محمد علی جناح کرسی صدارت پر رونق افروز ہیں۔ مسٹر فضل الحق اور سر سکندر حیات پنجاب کے وزیر اعظم کی حیثیت سے شریک جلسہ ہیں۔ اتنے میں قائداعظم اعلان کرتے ہیں کہ مولانا حسرت موہانی ایک تجویز پیش کریں گے۔ مولانا ڈائس پر تشریف لاتے ہیں اور مکمل آزادی کی تجویز پیش کرتے ہیں۔ اب تک مسلم لیگ کا نصب العین ڈومینین اسٹیٹس تھا مگر مولانا کی تجویز کے بعد یہ نصب العین مکمل آزادی میں بدل گیا۔

۱۹۴۶ء میں لارڈ ویول اپنے وعدے سے پھر چکے ہیں۔ انہوں نے مسلم لیگ کو نظر انداز کر کے عبوری حکومت کانگریس کے حوالے کر دی ہے۔ بمبئی کے قیصر باغ میں مسلم لیگ کونسل کا اہم ترین اجلاس قائداعظم کی صدارت میں ہو رہا ہے۔

اس اجلاس میں مسلم لیگ کے چوٹی کے لیڈر شریک ہیں۔ لیاقت علی خاں لیگ کے سکریٹری ہیں۔ ان کے پاس اجلاس میں پیش ہونے کے لئے ممبروں کی طرف سے آئی ہوئی تجویزوں کا انبار لگا ہوا ہے۔ لیاقت علی مولانا حسرت موہانی کو بلاتے ہیں۔ مولانا تشریف لاتے ہیں اور اپنی شعلہ بیانی سے حاضرین میں ایک نئی زندگی پیدا کر دیتے ہیں۔ وہ صرف ایک ہی بات جانتے ہیں۔

وہ فرماتے ہیں کہ اس بدعہد حکومت سے تعاون نہ کرنا ہمارا فرض ہے، ہمیں اپنا دست تعاون کھینچ لینا چاہئے۔ کابینہ مشن کے پلان کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دینا چاہئے اور سر سے کفن باندھ کر ہر قربانی کے لئے سینہ سپر ہو کر میدان میں آجانا چاہئے۔ تقریر بڑی توجہ اور غور سے سنی جا رہی ہے۔ قائد اعظم پورے انہماک و استغراق سے تقریر سن رہے ہیں۔ کبھی مسکرا دیتے ہیں کبھی تائید میں گردن ہلا دیتے ہیں۔ مولانا کی تقریر کے بعد قائد اعظم تقریر کرتے ہیں۔ ان کی تقریر کے بعد ترک خطابات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

۴۶ - ۱۹۴۵ء کے عام انتخابات میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر پارلیمنٹ کے رکن منتخب ہوئے۔ حسرت مصلحت پرستی کے مقابلہ میں ہمیشہ جرات رندانہ کے قائل رہے اور اسی لئے تقسیم ہند کے بعد انہوں نے مسلم لیگ کے اکثر لیڈروں کی پیروی کرنے کے بجائے ہندوستان ہی میں رہنا پسند کیا۔ نہ صرف یہ کہ انہوں نے ہندوستان چھوڑنے سے انکار کیا بلکہ وہاں رہ کر عام لوگوں خصوصاً پسماندہ اور ستم زدہ مسلمانوں کے لئے پارلیمنٹ میں لڑتے رہے اور ان نام نہاد رہنماؤں کے مقابلہ میں جن کو اپنے جہاد پر بہت ناز تھا اور انگریزی دور کی باغیانہ تحریکوں کے بانی ہونے کا دعویٰ تھا، مولانا حسرت موہانی نے وہ بے باکی اور حق گوئی کی مثال پیش کی جو ہندوستان کی تاریخ کے صفحات میں سنہرے حرفوں سے لکھی جائے گی۔ حیدر آباد میں پولس ایکشن کے نام پر جو ظلم و ستم ہوئے اس کو دہراتے ہوئے مولانا نے بہانگ دہل پارلیمنٹ کے لیڈر کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔

"خدا کے غضب سے ڈرو۔ جو مظالم حیدر آباد میں ہوئے ہیں۔

مولانا کی وہ مقدس ذات تھی جن کا سر کسی کے سامنے نہیں جھکا۔ اس نے تخت کو ٹھکرایا۔ جاہ وجلال سلطانی نے اس کی راہ میں آنکھیں بچھائیں وہ گذر گیا۔ سیم وزر کی چمک نے اسے روکنا چاہا وہ آگے بڑھتا گیا۔ بہاروں نے بہت چاہا کہ وہ رنگ وبو کی وادیوں میں کھو جائے لیکن وہ خارزار میں قدم رکھ چکا تھا، اس راہ میں وہ بڑھا اور بڑھتا چلا گیا۔

اسے نہ اقتدار کی خواہش تھی نہ حصول جاہ کا سودا۔ اس نے ایک مجاہد، ہر دو من کی طرح جنگ آزادی لڑی اور اس دور میں جب لوگ جیل جانے کی قیمت وصول کر رہے تھے، کھدر پہننے کا معاوضہ طلب کر رہے تھے اس نے اپنی خدمت کے صلہ میں پھوٹی کوڑی بھی وصول نہیں کی۔

وہ مرد قلندر اسی لئے کھری باتیں کہتا تھا کہ اس کا دامن تمام الائشوں سے پاک تھا، اس نے کسی کے آگے ہاتھ پھیلایا نہ کسی سے کچھ مانگا۔ وہ خدا کے سامنے جھکتا تھا کسی کے سامنے اس کی گردن نہیں جھکی۔ بڑی سے بڑی شخصیت سے اگر اسے رائے کا اختلاف ہوا تو اس نے بغیر جھجک کے اس کا اظہار کیا۔ اس کی پرواہ نہ کی کہ ہزاروں لوگ اسے کیا کہیں گے۔

۱۹۵۰ء میں مولانا حسرت موہانی حج بیت اللہ کی واپسی پر پاکستان گئے نیازمندوں نے درخواست کی کہ مولانا آپ پاکستان میں قیام فرمائیے۔ مولانا نے کہا میں ہندوستان کے مسلمانوں کو اس برے وقت میں چھوڑ دوں صرف اپنی آسائش کے لئے پاکستان چلا آؤں، ایسا نہیں ہو سکتا۔

مولانا نے فرمایا بہت سے لوگ آڑے وقت میں بھاگ آئے۔ یہ درست ہے کہ ان کو پاکستان میں دنیاوی فائدے حاصل ہوئے لیکن قیامت کے دن ان کا گریبان پکڑ کر پوچھنے والے پوچھیں گے کہ بتاؤ جب ہم مصیبت میں

تھے تم نے ہمارے لئے کیا کیا۔
مولانا نے یہ بھی فرمایا کہ مل حاصل کرنا، کوٹھی الاٹ کرانا، دنیا کا مال اور دولت سمیٹنا تو زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ بھارت میں جو بری بھلی خدمت کر رہا ہوں الحمد للہ مجھے اس پر فخر ہے۔ میں اپنے بھائیوں کے ساتھ زندہ رہوں گا اور ان کے ساتھ مروں گا۔
۱۹ ذی قعدہ ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۲ء کو مولانا نے پہلا سفر حج کیا۔ مرحوم کا یہ سفر دلچسپی سے خالی نہیں تھا۔ ایک روز دوپہر کے بعد مولانا پر کچھ غنودگی سی طاری ہوئی۔ اسی حالت میں ایک آواز سنی کہ حج کو جاؤ۔ مولانا بیدار ہوئے نماز ظہر ادا کی۔ اسی خیال میں بیٹھے ہوئے تھے کہ پوسٹ مین سے چار سو روپے کا منی آرڈر، کتابوں کے منافع کے کسی صاحب نے بھیجے تھے، وصول کیا اور مسکراتے ہوئے گھر میں چلے گئے۔ بے ساختہ نظم الحج کا پہلا شعر زبان سے نکلا۔ ؎

حج کو ہوا حکم رسول کریم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیگم حسرت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم حج کو جا رہے ہیں بیگم حسرت نے یہ سنکر تبسم کے ساتھ فرمایا کہ آپ کی باتیں بھی عجیب وغریب ہوتی ہیں۔ کیا کوئی الہام ہوا ہے۔ یہ سنکر مولانا نے جواب دیا کہ چار سو روپے آنے کے معنی یہ ہیں کہ ہماری طلبی ہوئی ہے اور ہمارا جانا بھی یقینی ہے بیگم حسرت نے جواب دیا کہ چار سو روپے میں اتنا لمبا سفر کیسے طے ہو سکتا ہے اور اس لئے سرو سامانی کے ساتھ، مولانا نے ہنستے ہوئے فرمایا کہ جس نے چار سو روپے کا انتظام کیا ہے وہی مزید سفر خرچ کا بھی انتظام کر دے گا۔ گھر کے تمام لوگ مولانا کے اس عزم پر تعجب کرتے رہے۔ مولانا نے

اپنا مختصر سا سامان سفر تیار کرنا شروع کر دیا اور اسی دن شب کی ریل سے حج کے ارادے سے بمبئی کے لئے روانہ ہو گئے اور بمبئی سے بذریعہ جہاز رحمانی مکہ معظمہ کے لئے روانگی ہوئی۔

جدے پہنچنے پر حسب قاعدہ مولانا سے بھی ٹیکس کا روپیہ طلب کیا گیا آپ نے ٹیکس کے روپے کی ادائیگی سے قطعی انکار کر دیا۔ وہاں کے حکام نے ہر چند آپ کو سعودی قانون کی پابندی کے لئے کہا لیکن مولانا نے کسی کی بات نہیں مانی۔ بالآخر سلطان ابن سعود کو اس قانون شکنی کی اطلاع کی گئی اور آپ کو جدے میں روک لیا گیا۔ اس واقعہ سے آپ کے مزاج میں کچھ برہمی سی پیدا ہوئی اور آپ نے وہاں کے افسران کو، مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ اپنے بادشاہ کو اطلاع کر دیجئے کہ اگر اس سال ہمارے حج میں کسی قسم کا خلل پیدا ہوا تو ہم تمہارے بادشاہ پر دعویٰ کر دیں گے۔ تمہارے بادشاہ کو ٹیکس لینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

ان تمام حالات کی اطلاع سلطان ابن سعود کو پہنچی۔ وہاں سے حکم صادر ہوا کہ ہم نے مخصوص مولانا حسرت موہانی کو ٹیکس سے ہمیشہ کے لئے مستثنیٰ کر دیا اور آپ کو اپنی خاص سواری کی گاڑی میں مکہ معظمہ تک نہایت احترام کے ساتھ پہنچا دیا گیا۔ حج بیت اللہ اور مدینۂ منورہ کی زیارت کے بعد کان پور میں حساب دیکھا گیا تو پورے چار سو روپے خرچ ہوئے تھے۔ مولانا نے تقریباً ۱۷، ۱۸ حج کئے تھے۔

تاجدار مدینہ کی شان میں ایک سلام لکھا جس سے آپ کے شوق کی ترجمانی ہوتی ہے۔ ؎

سلامٌ علیک اے جوار مدینہ　　جو ار سراپا بہار مدینہ

مشام تمنا میں خوشبوئے جنت بھرے لیکے ہم یادگار مدینہ
مدینہ چلیں کیوں نہ ہر سال حسرت بلائیں جو خود تاجدار مدینہ

۲۰ مارچ ۱۹۲۵ء کو ایک غزل لکھی جس کے دو شعر ملاحظہ ہوں جن سے مولانا کے قلبی تاثرات کا پتہ چلتا ہے۔ سہ

پسند شوق ہے آب و ہوا مدینہ کی عجب بہار ہے صلی علیٰ مدینہ کی
علاج علت عصیاں کی فکر کیا ہو اسے جسے نصیب ہو خاک شفا مدینہ کی

مولانا حسرت موہانی ۱۹۴۷ء سے قبل پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہو گئے تھے پارلیمنٹ کی جو تنخواہ ان کو ملتی تھی اس کو اپنی ذات پر بہت کم خرچ کرتے تھے۔ بلکہ تقریباً سب تنخواہ بیواؤں، یتیموں، طالب علموں اور ضرورت مندوں میں تقسیم ہوتی تھی۔

مولانا حسرت کے رہن سہن کا طریقہ بہت سادہ تھا اور ان کا خرچ بھی بہت کم تھا۔ کھانا پینا بھی بہت معمولی درجہ کا تھا۔ صبح کے وقت دودھ اور ڈبل روٹی پر گذارہ کرتے تھے اور شام کو ایک تندوری روٹی اور معمولی سے سالن سے پیٹ بھر لیا کرتے تھے۔ شام کے کھانے کے انتظام کی ذمہ داری قاری ادریس صاحب امام مسجد پارلیمنٹ کی تھی۔ وہ ایک تندوری روٹی جامع مسجد کے کسی دکاندار سے خریدتے اور ہمارے ہاں سے سالن لیکر مولانا حسرت کو پہنچا دیتے تھے۔

پارلیمنٹ کی ممبری کے زمانہ میں آپ پارلیمنٹ کی مسجد میں مقیم تھے اوپر کے حصہ میں ایک بہت ہی چھوٹا سا کمرہ رہائش گاہ تھا۔

مولانا حسرت کو انقلابی لوگوں سے خاص تعلق تھا۔ نیتاجی سوبھاش چندر بوس کے جاپان جانے کے بعد سرت چندر بوس آنجہانی سے آپ کے گہرے تعلقات ہو گئے تھے۔ وہ جو عوامی کام کرتے یا جماعت بناتے اس میں آپ

کی شرکت ضروری ہوتی تھی۔

نیتاجی سوبھاش چندر بوس سے آپ کو بے پناہ محبت تھی۔ جب بھی مجھ سے ملتے تو فرمایا کرتے تھے۔ نیتاجی زندہ ہیں ضرور ہندوستان آئیں گے۔ چین میں مقیم ہیں ان کے ہندوستان آنے کے بعد ہندوستان کے کسی لیڈر کی نہیں چلے گی۔ ہندوستان میں فوراً کایا پلٹ ہوجائے گی اور اسی وقت ہندوستانیوں کی قسمت جاگے گی۔

لالہ شنکر لال دہلی کانگریس کے بانی، ہندوستان کے مشہور انقلابی لیڈر اور نیتاجی سوبھاش چندر بوس کے دست راست تھے۔ ان کی کوٹھی بارہ کھمبا روڈ نئی دہلی پر تھی وہاں مولانا حسرت موہانی سے میری ۱۹۳۸ء میں پہلی ملاقات ہوئی۔ اس وقت میں دہلی کانگریس کا جنرل سکریٹری تھا۔

اس کے بعد سے مولانا حسرت کا یہ دستور بن گیا تھا کہ دہلی جب بھی تشریف لاتے مجھ سے ملے بغیر نہیں جاتے تھے۔ جب بھی ملاقات ہوتی، سوالات کی بوچھاڑ ہوتی کہ بتاؤ تم نے انگریزوں کی بیخ کنی کرنے کے لئے کیا کیا۔ جب تک پوری داستان سن نہیں لیتے تھے، اس وقت تک ان کو چین نہیں آتا تھا۔

۱۹۳۹ء کی بات ہے کہ ہندوستان بھر میں نوٹوں کا بائیکاٹ ہوا تھا۔ ہندوستان کی کوئی بنک نہیں بچی تھی جس پر لوگوں کی لائن نہ لگی ہو اور لوگوں نے نوٹ لیجاکر چاندی کے روپیوں سے بدلوانے کی کوشش نہ کی ہو۔ اس تحریک کا انچارج میں تھا۔ بلیٹن کا مضمون بنانا، اس کا چھپوانا اس کو ہندوستان بھر میں تقسیم کرنا میرا کام تھا۔

جب یہ تحریک شباب پر تھی تو مولانا مرحوم سے دہلی میں ملاقات ہوئی

کمرے میں بیٹھے۔ مجھ سے سوالات کی بوچھاڑ ہوئی لیکن میں نے اس تحریک کا جان بوجھ کر ذکر نہیں کیا۔ باتوں باتوں میں مولانا نے خود اس تحریک کا ذکر چھیڑا، بہت تعریف کی اور فرمایا میں بمبئی سے چلا آرہا ہوں وہاں کی بنکوں پر لوگوں کا اژدہام ہے اور لوگ نوٹوں کو چاندی کے روپوں سے بدلوا رہے ہیں۔ اس کے بعد میں نے مولانا کو تمام بلیٹن سلسلہ وار دکھائے۔ بہت مسرور ہوئے اور فرمایا۔ یہ کام کیا ہے ان کم بختوں کو جڑوں سے ہلانے کا۔

۱۹۴۰ء میں دہلی میں آزاد مسلم کانفرنس ہو رہی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دوسری جنگ عظیم زوروں پر تھی۔ اس کانفرنس سے کچھ روز قبل میں ایک پمفلٹ تیار کر رہا تھا جس میں ہندوستان کے محکموں یعنی ریل کے ملازموں پولیس اور فوج کے ملازموں، تار گھروں، ڈاک خانوں اور بنکوں کے ملازموں کو بغاوت کرنے کی سکیمیں بنائی گئی تھیں۔ جب یہ پمفلٹ تیار ہو گیا تو مولانا حسرت بھی اتفاقاً تشریف لے آئے۔ میں نے ان کو سنایا۔ انہوں نے جو ترمیمیں کیں اس سے میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ مولانا ہر محکمہ کے کاموں اور ان کے فن سے بخوبی واقف تھے۔ ہر ایک محکمہ کے ملازموں کے صورتِ حال کے مطابق سکیمیں لکھوائیں اور ہندوستان بھر کے انقلابیوں کے پتے دیئے اور ان کو پہنچانے کے طریقے بتائے۔

چنانچہ کانفرنس سے قبل یہ پمفلٹ ہزاروں کی تعداد میں ملک کے کونے کونے میں پہنچا اور جب دو ہزار پمفلٹ میں کانفرنس میں تقسیم کرانے کے لئے ایک پریس میں چھپوا رہا تھا اس وقت پریس کے مالک کی سازش سے وہ پمفلٹ پولس کے ہتے لگ گیا۔ جس پر پولس نے مجھ کو کانفرنس کے اسٹیج سے گرفتار کیا اور مجھ پر مقدمہ چلایا۔

مولانا حسرت مرحوم کی لائبریری نایاب و تاریخی کتابوں کا مجموعہ تھی اس لائبریری کی تباہی کی داستان بڑی دردناک ہے۔ مولانا کے خاندان والوں نے کتابوں کے ساتھ بڑی بے دردی کا ثبوت دیا ہے۔ بڑی نادر و نایاب کتابیں ردی میں چار چار آنہ سیر فروخت ہوئی ہیں اور کچھ خلفشار کی نظر ہوئیں۔

اس لائبریری میں ایسی ادبی تاریخی مذہبی کتابیں تھیں جن کو میں نے ہندوستان کی کسی لائبریری میں نہیں دیکھا۔ خاص طور پر پرانے اخبارات ۱۸۵۷ء سے قبل اور بعد کے بے مثل تھے اور شعراء کے تذکرے، قدیم شعراء کے دیوان بھی ان کی لائبریری کی زینت بنے ہوئے تھے۔

مولانا حسرت کو کتابوں، رسالوں اور اخباروں سے بے پناہ محبت تھی۔ تقریباً ان کے دور و عہد کا ہر ایک رسالہ و اخبار مولانا کے ہاں ضرور آتا تھا۔ اور آزاد پسند اخبارات ان کے ہاں نہ آئیں یہ ناممکن تھا۔

اگر مولانا کے پاس کسی رسالہ کا کوئی نمبر نہیں آتا تھا تو مولانا اس نمبر کو غالباً لکھ لیتے تھے اور دفتروں سے منگواتے تھے۔ اگر دفتر والے توجہ نہیں کرتے تو جب بھی ان کا اس شہر میں جانا ہوتا تو اس کے دفتر میں جاتے نمبر لیکر فائل مکمل کرتے تھے۔ چنانچہ مولانا حسرت میرے ہمراہ ہمدرد دواخانہ تشریف لے گئے اور وہاں سے ہمدرد صحت کے پرچے لائے۔ اور مجھ سے بھی دو تین مرتبہ مولانا نے "قومی حکومت" کے پرچے طلب کئے۔ میں نے مولانا سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا "قومی حکومت" کے پرچے میرے پاس نہیں پہنچے تھے فائل نامکمل تھا۔ ان پرچوں کی ضرورت تھی۔

موت کا ذائقہ ہر انسان کو چکھنا پڑتا ہے خواہ انبیاء و پیغمبر ہوں،

ولی ہوں، رشی ہوں یا منی ہوں سب موت کا لقمہ بنے۔ قبر میں دفن ہوئے یا نذرِ آتش ہوئے۔ مولانا حسرت موہانی کے لئے بھی یہ وقت آنا تھا۔ چنانچہ آپ ۱۳/مئی ۱۹۵۱ء کو لکھنؤ میں فوت ہوئے ــــ

انا للہ وانا الیہ راجعون

••

امداد صابری

چوڑیوالان، دہلی

GOVT GIRLS COLLEGE
LIBRARY
ACC. NO. 15241
LIBRARY

تالیف کی دقتیں

ہندوستان میں اردو کے خوددار اہل قلم طبقہ کے لئے تحقیقی وتاریخی وادبی کتابیں لکھنا انتہائی مشکل ہے۔ اس کے لئے تحقیقی ذرائع انتہائی محدود اور مسدود ہیں اور وہ کن مشکلات اور دقتوں کے ساتھ ان کتابوں کے لئے مواد فراہم کرتا ہے وہ اسی کا دل جانتا ہے۔ سالہا سال کی محنت شاقہ کے بعد جب کتاب مرتب ہو جاتی ہے تو اس کے سامنے دوسرا مسئلہ اس کے طبع کرانے کا آتا ہے جو سب سے زیادہ مشکل اور جوئے شیر لانے کے مترادف ہوتا ہے۔

جو ادارے تحقیقی وادبی کام انجام دے رہے ہیں ان میں سے ہر ایک کا ایک خاص حلقہ ہے جو زیادہ تر سرکاری ہیں۔ اور کانگرسی حکومت کی نظر کرم کا محتاج ہی نہیں بلکہ حکومت کی منشاء کے مطابق اردو کو ترقی دینے کی آڑ میں اس کو فنا کرنے کے درپے رہتے ہیں اور قابل ولائق مصنفوں سے دور کا بھی واسطہ رکھنا نہیں چاہتے بلکہ سرکاری نااہل لوگوں کی تصانیف چھاپنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

تاریخ صحافت اردو کی پہلی جلد بڑی دقتوں اور پریشانیوں کے

بعد ۱۹۵۲ء میں شائع ہوئی تھی اس کے بعد نو سال گذر گئے، مگر کوئی صورت دوسری جلد کے شائع ہونے کی نظر نہیں آتی تھی۔ ۱۹۶۲ء کا نیک سال آیا اس میں میرے کرم فرما جناب حسن زماں صاحب نے دوسری جلد کے ... طبع کرانے کا تمام بار اپنے ذمہ لے لیا اور اس کو پورا بھی کر دیا اور وہ چھپ کر ادبی دنیا میں پہنچ بھی گئی۔ جو الحمدللہ علی احسانہ پسند کی گئی۔

تاریخ صحافت اردو کی چھے جلدوں میں تین جلدیں ابھی طبع ہوئی ہیں۔ تین جلدیں ابھی طبع ہونی باقی ہیں۔ لیکن اس کتاب کے علاوہ اور حسب ذیل کتابیں بھی ہیں۔

(۱) ۱۹۴۷ء سے پہلے کی دہلی (تین ہزار صفحات پر مشتمل) (۲) دہلی کے شعراء (کافی ضخیم) (۳) دہلی کے علماء (انتہائی ضخیم)۔ (۴) ہند کی تحریک آزادی میں مسلمانوں کا حصہ (کافی ضخیم)۔

ان کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں۔

یہ کتابیں تقریباً مرتب ہو چکی ہیں۔ میں تو اللہ رب العزت کی شان کریمی کا منتظر ہوں کہ دیکھئے وہ کب میری محنت قبول فرما کر تاریخ صحافت اردو کے بقایا جلدوں اور دوسری کتابوں کے طبع کرانے کے ذرائع پیدا فرماتے ہیں۔

اس حصہ کے میٹر حاصل کرنے کے لئے کہاں کہاں جانا پڑا، اور کہاں کہاں سے اخبارات حاصل ہوئے، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

اس وقت کی بات ہے جب کہ تاریخ صحافت اردو کی دوسری جلد کا پہلا حصہ پریس میں چھپنے کے لئے چلا گیا تھا آگرہ اخبار کے سرورق کا فوٹو لینا ضروری تھا۔ اس کے مالک و ایڈیٹر خواجہ یوسف علی صاحب اور خواجہ

صدیق حسن خاں صاحب کے فوٹو بھی درکار تھے۔ اسی کے ساتھ "تیرھویں صدی" اور "زمانہ" کے فائلوں کا تاریخ صحافت اردو کی تیسری جلد کے لئے مطالعہ کرنا لازمی تھا۔ آگرہ اخبار سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے محمد میاں اکبر صاحب کے دیرینہ تعلقات ہیں۔ ان سے میں ان ضرورتوں کا تذکرہ بار بار کرتا رہتا تھا اور جب یہ آگرے جاتے تو ان کو یاد دلاتا رہتا تھا۔ چنانچہ وہ ۴ر اکتوبر ۱۹۶۲ء کو آگرہ اخبار والوں سے تیرھویں صدی کی پہلی جلد ۱۲۹۶ھ اور خواجہ یوسف علی صاحب اور جناب خواجہ صدیق صاحب کے فوٹوؤں کے بلاک تک بنوا کر لے آئے۔ صدیق حسن صاحب کا بلاک اچھا نہیں بنا تھا اس لئے طبع نہیں ہو سکا۔

اتفاق کی بات ہے کہ محمد نقی الدین صاحب کراچی سے آئے ہوئے تھے۔ اکتوبر کا مہینہ تاج محل کے لئے خصوصی حیثیت رکھتا ہے بلکہ اس مہینہ کی ہجری کی چودھویں کی رات بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس رات کو تاج محل برسات میں دھل دھلا کے نکھرا ہوا انتہائی دل کش نظر آتا ہے۔ اس دل افروز سینری اور منظر کو دیکھنے کے لئے لوگ لاکھوں کی تعداد میں آتے ہیں۔ نقی صاحب کو اس کے دیکھنے کی تمنا تھی۔ ان کا ارادہ آگرے جانے کا تھا۔ ان کے ساتھ میرے بھانجے واصف کمال، اشرف کمال اور بھانجی زکیہ سلطانہ بھی جانا چاہتی تھی۔ چند روز ہوئے میری اہلیہ صابرہ خاتون بھی اپنے عزیزوں کے ہمراہ آگرے جا چکی تھیں۔ چنانچہ میں بھی نقی صاحب وغیرہ کے ہمراہ ۱۲ر اکتوبر ۱۹۶۲ء کو آگرے پہنچا۔ حافظ عبدالمنان صاحب کے ہاں میری اہلیہ ٹھیری ہوئی تھیں وہیں میں بھی مقیم ہوا۔ یہ مکان نئی بستی میں ہے۔

میرے نزدیک تاج محل دیکھنا اتنا ضروری نہیں تھا جتنا مذکورہ اخبارات کا مطالعہ کرنا اہمیت رکھتا تھا۔ چنانچہ میں ۱۲ر اکتوبر کی صبح کو گلی چھم چھم میں حافظ محمد مسلم صاحب کے مکان پر پہنچا۔ وہاں جناب خواجہ طہارت حسین صاحب نبیرہ خواجہ یوسف علی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اسی گلی میں دفتر آگرہ اخبار پریس ہے۔ ان کے ہمراہ وہاں گیا۔ تکلفات کے بعد وہاں سے خواجہ یوسف علی صاحب کی کوٹھی پہنچا۔ جہاں نایاب کتابوں کا ذخیرہ تھا جو چار المماریوں میں بند تھا۔ خواجہ طہارت حسین صاحب نے ان کتابوں کی مجھ کو فہرست عنایت کی۔ میں نے دو روز تک ان کتابوں میں سے اخبارات و رسائل نکالے۔ تیرھویں صدی، معدن القوانین اور رسالہ زمانہ کے علاوہ کوئی اخبار یا رسالہ ۱۹۰۰ء سے قبل کا نہیں تھا۔ حتیٰ کہ آگرہ اخبار کے فائل بھی ۱۸۹۹ء کے بعد کے ملے۔ جو اخبارات و رسائل میری نظر سے گذرے وہ یہ ہیں۔

۱۔ کشمیری میگزین لاہور، فروری ۱۹۱۲ء تا دسمبر ۱۹۱۳ء۔ اس رسالہ کے تین مختلف سالوں کے فائل بھی موجود ہیں۔
۲۔ نقاد آگرہ ۱۹۱۳ء اور ۱۹۱۴ء کا مکمل فائل۔
۳۔ ادیب الہ آباد ۱۹۱۱ء ۱۹۱۲ء کا مکمل فائل۔
۴۔ شاہد سخن حیدرآباد دکن۔ فروری ۱۹۱۴ء۔
۵۔ ترقی سخن بمبئی۔ جولائی ۱۹۱۴ء
۶۔ پردہ نشیں آگرہ۔ ۱۹۱۱ء کے فائل کے علاوہ چھ سات سالوں کے اور بھی فائل ہیں۔
۷۔ اصلاحِ سخن لاہور۔ ۱۹۰۷ء اور ۱۹۰۸ء کا مکمل فائل۔

۸۔ الحجاب بھوپال۔ اپریل ۱۹۰۰ء۔
۹۔ ادب پٹیالہ۔ جنوری تا جون ۱۹۲۳ء۔
۱۰۔ اولڈ بوائز علی گڈھ۔ فروری ۱۹۱۲ء
۱۱۔ عصر جدید میرٹھ یکم جون تا ۱۹، نومبر ۱۹۱۴ء۔
۱۲۔ صلائے عام دہلی ۱۹۱۰ء اور ۱۹۱۱ء کا مکمل فائل۔
۱۳۔ تنویر الشرق کلکتہ ستمبر ۱۹۰۸ء تا دسمبر ۱۹۰۹ء
۱۴۔ شمس بنگالہ۔ فروری ۱۹۰۸ء تا اکتوبر ۱۹۰۸ء
۱۵۔ لسان الہند والعجم حیدرآباد جنوری تا نومبر ۱۹۱۲ء
۱۶۔ تصویر یار احمدآباد نومبر ۱۹۲۹ء۔
۱۷۔ فصیح الملک جنوری ۱۹۰۹ء
۱۸۔ میزان لکھنؤ فروری ۱۹۱۰ء
۱۹۔ ضیاء الاسلام مرادآباد ۱۹۰۷ء کا مکمل فائل۔
۲۰۔ المرفیق رنگون۔ اگست ۱۹۱۰ء
۲۱۔ زبان ۱۹۱۱ء کا مکمل فائل۔
۲۲۔ زمانہ کان پور ۱۹۱۲ء کا مکمل فائل۔
۲۳۔ معدن القوانین آگرہ جنوری ۱۸۶۳ء۔
۲۴۔ دبدبہ آصفی حیدرآباد دکن ۲۶، محرم ۱۳۲۶ھ
۲۵۔ نشتر لاہور جنوری ۱۹۰۷ء
۲۶۔ خلاصہ علی گڈھ دسمبر ۱۹۰۹ء
۲۷۔ یار شاطر پشاور۔ فروری ۱۹۱۰ء
۲۸۔ آزاد لاہور ۶، دسمبر ۱۹۰۷ء

۲۹۔ العزیز آگرہ ۱۹۰۹ء کا فائل۔
ان ہی رسالوں ادیب الہ آباد، زبان دہلی شمس کلکتہ اور زمانہ کانپور
سے حسب ذیل ایڈیٹروں کے فوٹو حاصل ہوئے۔
۱۔ مولانا سید احمد حسن صاحب شوکت میرٹھی ایڈیٹر شحنہ ہند میرٹھ (ادیب الہ آباد دسمبر ۱۹۱۲ء)
۲۔ مولانا سید احمد دہلوی ایڈیٹر اخبار النساء، دہلی (شمس کلکتہ اکتوبر ۱۹۰۶ء ادیب الہ آباد)
۳۔ شمس العلماء مولانا مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی، ایڈیٹر خادم الطلباء (زبان دہلی جنوری ۱۹۱۱ء)
۴۔ پنڈت، برجموہن دتاتریہ کیفی ایڈیٹر اخبار خیر اندیش انبالہ (ادیب الہ آباد اکتوبر ۱۹۱۲ء)
۵۔ فوٹو گروپ ۲۸۔ اخبار نویسان لاہور (ادیب جولائی ۱۹۱۲ء)
۶۔ سید نظام الدین دلگیر اکبر آبادی ایڈیٹر آگرہ اخبار، مفید عام، مرصع نقاد، (زمانہ کانپور)

جناب طہارت حسین صاحب نے خواجہ صدیق حسن صاحب کا ایک بڑا فوٹو اور آگرہ اخبار ۱۹۰۰ء کا فائل عنایت فرمایا، جن کے بلاک بنوانے تھے۔ صدیق حسن صاحب کا فوٹو صاف نہیں بنا اس لئے بلاک نہیں بنا صرف آگرہ اخبار کا بلاک بنوایا گیا۔

۱۵ ؍اکتوبر ۱۹۶۲ء کی رات کو ہندوستان و پاکستان کے مشہور و معروف شاعر و ادیب جناب محمد علی صاحب میکش اکبر آبادی سے ملاقات ہوئی۔ آپ کٹرہ سیب کے بازار میں رہتے ہیں، خلیق، بامروت اور علم دوست انسان ہیں۔ اس محفل میں جناب پروفیسر   فریدی صاحب بھی تشریف فرما

تھے جو دہلی یونیورسٹی میں کچھ مہینوں سے لیکچرار مقرر ہو گئے ہیں۔ ان سے صحافت اور اردو ادب پر تبادلۂ خیال ہوا۔ میکش صاحب سے پرانے اخبارات کا تذکرہ آیا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس اودھ پنچ کے کچھ پرچے موجود ہیں، اب تو رات کا وقت ہے صبح تشریف لائیے نکال کے پیش کر دوں گا۔ پروفیسر فریدی صاحب نے بھی افادہ رسالہ دینے کا وعدہ فرمایا۔

چنانچہ میں دوسرے روز صبح کے وقت میکش صاحب کے پاس پہنچا میکش صاحب نے اودھ پنچ کے پرچے نکالے اور مجھ کو عنایت فرمائے۔ بہت بوسیدہ حالت میں تھے کافی کرم خوردہ تھے۔ نعمت سمجھ کر...... بصد شکریہ...... ان کو وصول کیا۔ ان میں تین پرچے اخبار... قبلہ گاہ لاہور اور اودھ پنچ ۱۸۸۰ء ۱۸۸۱ء ۱۸۸۳ء ۱۸۸۴ء ۱۸۸۶ء کے مختلف ہفتوں کے تیس پرچے، دو پرچے سرمہ رنگار آگرہ یکم مارچ ۲۴ر نومبر ۱۹۰۰ء اور دہلی پنچ لاہور کا ایک پرچہ ۳۰ر اگست ۱۸۸۲ء کا تھا۔

جناب پروفیسر فریدی صاحب میرے گھر محلہ چوڑیوالان میں ۲۵ر اکتوبر ۱۹۶۲ء کو جناب اصغر جمالی صاحب دہلوی کے ہمراہ تشریف لائے اور خوددار مصنفین کو اپنی تصانیف چھپوانے اور ان کو فروخت کرانے میں جو پریشانیاں پیش آتی ہیں۔ اس پر کافی غور ہوا جس کا انشاءاللہ کچھ نہ کچھ نتیجہ ضرور نکلے گا۔ پروفیسر فریدی صاحب نے حسب وعدہ رسالہ افادہ آگرہ ۱۹۱۴ء اور اس کے ساتھ انتخاب سخن جلد پنجم سلسلہ جرأت مؤلفہ مولانا حسرت موہانی بھی مجھ کو عنایت فرمایا۔ فریدی صاحب نے انتخاب سخن اس لئے دیا کہ میں نے ۱۸۵۷ء کے مجاہد شعراء میں معروف صاحب کے کلام کے نایاب ہونے کے بارے میں لکھا تھا۔ چونکہ اس کتاب میں مولانا حسرت موہانی نے معروف صاحب

صاحب کے دیوان سے تیرہ اشعار منتخب کر کے درج کئے تھے تاکہ میں ۱۸۵۷ء
کے مجاہد شعراء کے دوسرے ایڈیشن میں ان کو درج کر دوں۔ یہ خدا ہی بہتر
جانتا ہے کہ "۱۸۵۷ء کے مجاہد شعراء" دوبارہ چھپے گی یا نہیں۔ یہ اشعار بڑی
اہمیت رکھتے ہیں اور مصروف صاحب کا کلام دستیاب نہیں ہوتا۔ اس لئے
اسی کتاب میں نقل کئے دیتا ہوں۔ ؎

قصد کرتا ہوں ترے گھر سے جو میں جانے کا
دل یہ کہتا ہے کہ تو چل میں نہیں آنے کا

شمع گو تجھ کو بھی ہے سوزِ محبت کی لگن
لیک قائل ہوں میں پروانے کے جل جانے کا

ناصحا دستِ جنوں ہے یہ سلامت جب تک
چھوڑ سکتا ہوں میں دامن کہیں ویرانے کا

نہیں معلوم مزا کیا ہے تجھے اے مصروف
خونِ دل پینے کا اور لختِ جگر کھانے کا

یارب جس کا عزیزہ درپئے آزار ہو　　زندگی اپنی سے کیونکر پھر نہ وہ بیزار ہو

ہے مثلِ حباب زندگانی　　اک نقش برآب زندگانی
جیتا ہوں جو ہجر میں تو ہمدم　　کرتی ہے عتاب زندگانی
مصروف جہاں کے میکدے میں　　لی ہم نے خراب زندگانی

مجھ سے کیا پوچھے ہے ہمدم تو کہاں رہتا ہے
کہیں ایک جا بھی فقیروں کا مکاں رہتا ہے

دل ہے غش یار کی اس طرزِ فراموشی پر
جب ملوں ہوں تو وہ پوچھے ہے کہاں رہتا ہے

احوال دردِ دل کوئی اظہار کیا کرے
بے مہر ہو طبیب تو بیمار کیا کرے
مرہم تمہارے لطف کا ہے غیر کے لئے
فرمایئے کہ یہ جگر افگار کیا کرے
مصروف ایک بوسے پہ دل دے کے چپ رہا
قیمت جو خوب پاوے تو تکرار کیا کرے

پانچ چھ مہینے سے طوطئ ہند اخبار اور پروانہ رسالہ کے حصول کے لئے سطوت صاحب نبیرہ جناب شوکتؔ میرٹھی ایڈیٹر شحنۂ ہند میرٹھ اور نسیم احمد نبیرہ جناب بیانؔ میرٹھی ایڈیٹر طوطئ ہند میرٹھ اور حکیم ظہیرالدین صاحب کو میرٹھ برابر خط لکھا کیا تھا اور بابو ظہوراللہ صاحب کی توجہ بھی مبذول کراتا رہتا تھا۔ لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکل رہا تھا۔ میرے چند احباب کو میرٹھ میں ضروری کام پڑ گیا تھا اس میں ان کو میری ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ میں ان کے ہمراہ ۳۱؍ اکتوبر ۱۹۶۲ء کو میرٹھ گیا اور محلہ عید گاہ میں بابو ظہوراللہ صاحب کے مکان میں مقیم ہوا۔ بابو صاحب کے ہمراہ اسی رات کو حکیم ظہیرالدین صاحب کے پاس پہنچا۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس طوطئ ہند اور پروانہ کا ایک بھی پرچہ نہیں ہے۔ کچھ دیر مختلف مسائل پر تبادلہ خیال ہوا اور بے نیل و مرام واپس لوٹنا پڑا۔

یکم نومبر ۱۹۶۲ء کی صبح کو بابو ظہوراللہ صاحب کے ہمراہ سطوت صاحب کے مکان پر پہنچا۔ انہوں نے پروانہ کے سات پرچے اکتوبر ۱۸۹۶ء مارچ اپریل مئی ۱۸۹۸ء اکتوبر دسمبر ۱۸۹۹ء اگست ۱۹۰۲ء اور قصیدہ نعتیہ پردرد شوق بر قصیدہ حضرت ابراہیم ذوق مصنفہ مولوی محمد شفیع صاحب رئیس رامپور

ضلع سہارن پور عنایت فرمایا اور وعدہ فرمایا کہ حل کلیات غالب اور جناب شوکت میرٹھی کے خاندانی حالات تحریر فرما کر جلد روانہ کر دیں گے۔ اسی روز دوپہر کو نسیم صاحب کے دولت کدہ پر گیا۔ افسوس ان سے ملاقات نہ ہو سکی وہ ناگھر پر موجود نہیں تھے۔ امید تھی کہ طوطئ ہند کے درشن ہو جائیں گے اور جناب بیاں کا کلام اور حالات زندگی بھی مل جائیں گے۔

تین چار مہینے ہوئے میں مراد آباد گیا تھا اور قمر مراد آبادی صاحب سے نظام الملک کے ایڈیٹر و مہتمم قاضی احتشام الدین صاحب کے حالات زندگی اور فوٹو کے بارے میں معلوم کیا۔ انہوں نے قاضی محمد شہاب الدین صاحب اثر مراد آبادی کا کراچی کا پتہ لکھ کر دیا۔ قاضی احتشام الدین صاحب اثر صاحب کے تایا تھے۔ میں نے اثر صاحب کو خط لکھا انہوں نے یکم نومبر ۱۹۶۲ء کو ان کے حالات لکھ کر مجھ کو بھیجے اور لکھا کہ قاضی صاحب کا فوٹو مہیا نہیں ہو سکا میں قاضی اثر صاحب کا بیحد ممنون ہوں کہ ان کو اپنے بزرگوں سے محبت اور تعلق ہے اور انہوں نے اس پیرانہ سالی میں ان کے حالات زندگی بھیجنے میں دلچسپی لی۔ یہ جذبہ اب لوگوں میں مفقود ہو چکا ہے۔ ان کو اپنے بزرگوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ان کے پاس ان کے بزرگوں کے حالات لینے کے لئے چکر لگائے جاتے ہیں خطوط لکھے جاتے ہیں لوگوں کو بھیجا جاتا ہے لیکن وہ ذرہ برابر بھی توجہ نہیں کرتے۔

۱۵ دسمبر ۱۹۶۲ء کی بات ہے کہ کرم الٰہی صاحب جو پرانی اور نایاب کتابوں کا کاروبار اردو بازار جامع مسجد پر کرتے ہیں انہوں نے تذکرہ کیا تھا کہ میرے پاس گوالیار گزٹ اور کایستھ سماچار الہ آباد کے پرچے آئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ میں ان کو دیکھنے کا آرزو مند ہوا۔ دو تین مرتبہ دکان

پر گیا چوتھی مرتبہ ۳ جنوری ۱۹۶۳ء کو دکان پر حاضری دی۔ رحم الٰہی صاحب اس وقت موج میں تھے۔ گوالیار گزٹ کے دو شمارے ۲۹ مئی ۱۸۹۸ء اور ۱۹ اکتوبر ۱۸۹۹ء اور کایستھ سماچار کا ایک شمارہ ۹ مئی ۱۸۹۱ء کا عنایت فرمایا۔ جس سے میں نے استفادہ کیا، اور میرے والد ماجد مولوی شرف الحق صاحب کے کتب خانہ کی زینت بنے۔

افسوس ہے کہ اب تک پیسہ اخبار لاہور اور طوطیٔ ہند میرٹھ کے فائل تو کجا، ان کا ایک پرچہ بھی دیکھنے کو نہیں ملا، کھوج و تلاش جاری ہے امید ہے درمیان کتابت مل جائیں گے۔

میں جناب خواجہ طہارت حسین اکبرآبادی، جناب کرم الٰہی صاحب دہلوی اور جناب محمد علی صاحب میکش اکبرآبادی، پروفیسر فریدی جناب عمران احمد صاحب، سطوت میرٹھی، جناب قاضی محمد شہاب الدین صاحب اثر مرادآبادی کا بیحد ممنون ہوں کہ انہوں نے اس حصے کے مرتب کرنے میں مدد کی اور اخبارات دیکر اور خاندانی حالات لکھ کر روانہ فرمائے۔ اور خاص طور پر جناب فیروز آرٹسٹ صاحب کا بیحد شکرگذار ہوں کہ انہوں نے دوسری جلد ... ... اور اس تیسری جلد کے لئے بھی پرانے فوٹوؤں کو بلاک بنانے کے قابل بنا دیا، جو اس کتاب کی زینت بنے۔

اس تیسری جلد کی طباعت کی ذمہ داری جناب مولانا شاہ اسرار الحق صاحب کوٹہ راجستھان نے لے لی تھی چنانچہ انہوں نے اپنے حلقہ احباب اور مجھ سے تعلق رکھنے والوں سے مالی امداد لیکر اس جلد کو طبع کرایا جس کا میں بیحد ممنون ہوں۔ میرے والد ماجد مولوی شرف الحق صاحب کے کتب خانہ میں

حسب ذیل اخبارات ٹے سائی موجود ہیں۔ یہ اخبارات پہلی جلد اور دوسری جلد کے پہلے حصے کے علاوہ ہیں۔

(۱) تیرھویں صدی آگرہ شوال ۱۲۹۶ھ (۲) زبان آگرہ محرم صفر ربیع الاول ۱۳۰۱ھ شعبان رمضان ۱۲۹۰ھ

(۳) گلدستہ عروج بہار بمبئی جنوری تا جولائی ۶

(۴) محبوب الکلام حیدرآباد دکن یکم ستمبر ۱۳۲۲ھ

(۵) حامی سخن ذی قعدہ ذالحجہ ۱۳۲۸ھ (۶) معیار سخن بمبئی دسمبر ۱۹۲۳ء

(۷) ترقی سخن بمبئی جنوری فروری مارچ ۱۹۱۴ء۔

(۸) نہال سخن بریلی فروری ۱۹۱۴ء (۹) گلدستہ منظر لکھنؤ اگست ۱۹۲۲ء

(۱۰) ضیاء الاسلام مرادآباد ۱۵ مئی ۱۹۱۱ء

(۱۱) گلدستہ معیار لکھنؤ جنوری ۱۹۱۲ء (۱۲) گلدستہ معراج سخن مدراس جون ۱۹۱۵ء

اس جلد کے مرتب کرنے کے لئے حسب ذیل کتابوں اخباروں اور رسالوں کا مطالعہ کیا اور ان سے اخذ کیا گیا۔

۱۔ اختر شہنشاہی مؤلفہ حاجی سید محمد اشرف شاہ۔

۲۔ خم خانۂ جاوید مؤلفہ لالہ سری رام۔

۳۔ تذکرہ خندۂ گل مؤلفہ مولوی عبدالباری آسی۔

۴۔ اخبار نویسوں کے حالات مؤلفہ منشی محمد دین فوق۔

۵۔ مخبر عالم مرادآباد ۸ نومبر ۱۹۲۶ء

۶۔ اردو کے چاند ستارے مؤلفہ امیر حسن

۷۔ ملخص تسلیم مؤلفہ منشی انوار حسین تسلیم

۸۔ محاکمہ مرکز اردو مؤلفہ مولوی سید احمد صاحب دہلوی۔

۹۔ مضامین چکبست مؤلفہ چکبست

۱۰۔ گلدستۂ پنج مرتبہ کشن پرشاد کول

۱۱۔ منشورہ محمدی بنگلور ۵ شوال ۱۳۰۵ھ

۱۲۔ ساقی دہلی نمبر نومبر ۱۹۳۰ء

۱۳۔ دکن میں اردو مؤلفہ نصیر الدین ہاشمی۔

١٤۔ مدراس میں اردو مؤلفہ نصیر الدین ہاشمی۔
١٥۔ تاج التواریخ مؤلفہ مولوی نصرت علی۔
١٦۔ تذکرۃ العلماء والمشائخ مؤلفہ منشی محمد دین فوق۔
١٧۔ مرقع نگار لکھنؤ فروری ١٨٨٥ء
١٨۔ تذکرہ کاملان رامپور مؤلفہ حافظ احمد علی شوق۔
١٩۔ گلدستۂ ناز بمبئی مئی ١٨٨٥ء
٢٠۔ تحفۂ عشاق لکھنؤ جنوری ١٨٨٥ء
٢١۔ ریاض سخن رامپور ٢٠ جنوری ١٨٨٥ء
٢٢۔ دامن گل چیں لکھنؤ اکتوبر ١٨٨٦ء
٢٣۔ کمال راسخ مؤلفہ مولانا راسخ دہلوی
٢٤۔ تیغ فقیر بر گردن شریر مؤلفہ مولانا محمد حسین فقیر۔
٢٥۔ ہندوؤں میں اردو مؤلفہ رفیق مارہروی۔
١٦۔ آئینۂ سخن انبالہ ستمبر ١٨٨٥ء
٢٧۔ بڑی جنتری ١٨٨٩ء
٢٨۔ آفتاب سخن سرسی جولائی ١٨٨٥ء
٢٩۔ حالات حسرت مؤلفہ سکریٹری انجمن نظر بندانِ سلام دہلی
٣٠۔ تاریخ اقوام کشمیر مؤلفہ منشی محمد دین فوق۔
٣١۔ رسالہ فٹ ویر کراچی دسمبر ١٩٥٢ء
٣٢۔ تاریخ نظم و نثر اردو مؤلفہ باقر۔
٣٣۔ تذکرہ محبوبیہ مؤلفہ گوہر حیدرآبادی
٣٤۔ رسالہ عروج بہار بمبئی فروری ١٨٩٨ء
٣٥۔ جائزہ زبان اردو مؤلفہ مولوی عبد الحق۔
٣٦۔ تراجم علماء حدیث مؤلفہ مولانا ابو یحییٰ۔
٣٧۔ رسالہ جلسۂ احباب شملہ ٣٠ اپریل ١٨٩٤ء
٣٨۔ مصنفین اردو مؤلفہ سید نادر حسین
٣٩۔ کتاب المرقوم مؤلفہ مولانا راسخ دہلوی
٤٠۔ دیوان فقیر در مدح بشیر و نذیر مؤلفہ مولانا محمد حسین فقیر۔
٤١۔ وصال الجمیل مؤلفہ مولوی امان الرحمٰن۔
٤٢۔ در منع حقہ و شقہ مؤلفہ مولانا محمد حسین فقیر۔

۴۳۔ روز روشن مؤلفہ مولوی مظفر حسین
۴۴۔ یادگار دہلی مؤلفہ مولوی سید احمد دلی اللہی۔
۴۵۔ واقعات دارالحکومت مؤلفہ مولوی بشیر الدین دہلوی۔
۴۶۔ خدنگ نظر لکھنؤ مارچ ۱۹۰۲ء
۴۷۔ جامعہ دہلی ستمبر ۱۹۶۲ء
۴۸۔ صلیب کے علمبردار مؤلفہ پادری برکت علی۔
۴۹۔ یادِ رفتگاں مؤلفہ جگر بریلوی۔
۵۰۔ داستان ادب اردو مؤلفہ سید محی الدین قادری زور۔
۵۱۔ سخنوران دکن مؤلفہ سید تسکین عابدی۔
۵۲۔ سخن شعرار مؤلفہ مولوی عبد الغفور نساخ۔
۵۳۔ گلدستہ نتیجہ سخن فروری ۱۸۸۳ء
۵۴۔ انتخاب یادگار مؤلفہ امیر مینائی۔

امداد صابری
محلہ چوڑیوالان، دہلی
یکم ستمبر ۱۹۶۳ء

۱۸۷۶ء

ادیب عالم مراد آباد محلہ مغل پورہ کہنہ مکان میر احمد علی سے یکم جنوری ۱۸۷۶ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا ہر جمعہ کو نکلتا تھا۔ مہتمم حکیم ہادی حسین خاں، ایڈیٹر منشی محمد علی خاں یکتا تھے۔ چندہ سالانہ بارہ روپیہ تھا مطبع ہادی المطابع میں چھپتا تھا۔

سفیر بڈھانہ قصبہ بڈھانہ ضلع مظفر نگر سے یکم جنوری ۱۸۷۶ء کو یہ ہفتہ وار اخبار شائع ہوا۔ ہر چہار شنبہ کو نمودار ہوتا تھا۔ مالک راؤ امراؤ سنگھ آنریری مجسٹریٹ، مہتمم پنڈت رام پرشاد تھے۔ سالانہ چندہ آٹھ روپے دس آنے تھا۔ امر سنگھ پریس میں طبع ہوتا تھا۔

قاصد پٹنہ ڈاک خانہ باقی پور محلہ رمنہ سے ۲ جنوری ۱۸۷۶ء کو یہ ہفتہ وار اخبار چار صفحات پر جاری ہوا تھا۔ اس کی اشاعت دوشنبہ کو ہوتی تھی۔ مالک اقبال علی تھے۔ سالانہ چندہ ساڑھے چار روپیہ تھا۔

البرٹ گزٹ لاہور حویلی کابلی مل سے ۱۴ جنوری ۱۸۷۶ء کو ۱۶ صفحات پر ہفتہ وار جمعہ کو یہ اخبار نکلتا تھا۔ مالک خواجہ احمد حسن

جی، سی، ایل، پی تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا۔ مطبع البرٹ گزٹ میں چھپتا تھا۔
البرٹ گزٹ پر ناصر الاخبار دہلی نے یکم مارچ ۱۸۷۶ء کے شمارے میں تبصرہ
کیا ہے۔

"یہ اخبار جو لاہور سے نکلا ہماری نظر سے گذرا بہت پسند آیا۔ ابھی سے پرانے اچھے اخباروں سے کسی طرح کم نہیں تو ترقی پا کر خدا جانے کیا بلا کا ہو گا، جو بات اخبار کو چاہئے اس میں موجود ہے۔ خاص کر لٹریچر بہت معقول ہے جس کی ہم بھی داد دیتے ہیں اور ہماری داد محض بے غرض ہے۔"

فرحت الاحباب بمبئی محلہ بھنڈی بازار سے یہ ہفتہ وار اخبار چار صفحوں پر جنوری ۱۸۷۶ء کو عالم ظہور میں آیا تھا۔ چہار شنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک منشی محمد منظور قریشی تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ دتاسی لکھتے ہیں اس کو منشی محمد دین نے نکالا تھا۔ (۲۵۶)

ظہیر الاسلام مدراس پیٹرس روڈ محلہ رائے پیٹہ نمبر ۲۴ سے ۱۵ اپریل ۱۸۷۶ء کو یہ پندرہ روزہ اخبار جاری ہوا جس کے سرپرست نواب معز الدولہ غلام محی الدین خاں مہتمم سید مرتضیٰ قادری تھے۔ ۱۶ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ تین روپے بارہ آنہ تھا۔ مطبع قادری میں چھپتا تھا۔

اس اخبار کا نام مدراس کے رئیس نواب ظہیر الدولہ کے نام پر رکھا گیا تھا اور جریدہ روزگار کے ضمیمہ کے طور پر نکالا گیا تھا۔ جریدہ روزگار میں دنیوی قصے درج ہوتے تھے، اس میں مذہبی مسائل کو غلط ملط کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا اس لئے یہ پرچہ علیحدہ مذہبی تبلیغ و اشاعت کے لئے جاری کیا گیا تھا۔

گلدستۂ سخن لکھنؤ محلہ نوبستہ سے یہ ماہانہ رسالہ ۲۴ر جولائی ۱۸۷۶ء کو شائع ہوا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا مالک لالہ پورن چند مہتمم لالہ رام سہائے تمنا تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ آٹھ آنے تھا۔ مطبع تمنائی میں طبع ہوتا تھا۔

بہارِ پنج پٹنہ محلہ لودی کٹرہ سے ۲۶ر نومبر ۱۸۷۶ء کو یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر جاری ہوا۔ جمعہ کے روز نکلتا تھا۔ مالک محمد اکثیر خاں، مہتمم منشی نوروز علی خاں شیدا تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپے بارہ آنے تھا۔ مطبع انتظامی میں چھپتا تھا۔

منبع الاحکام لکھنؤ کوٹھی بادہ منزل سے پندرہ روزہ یہ اخبار ۱۸۷۶ء میں آٹھ صفحات پر نکلا۔ مہتمم منشی خیراتی لال طاہر تھے۔ سالانہ چندہ ساڑھے چار روپیہ تھا۔ مطبع خیر خواہ اودھ میں طبع ہوتا تھا۔ یہ اخبار قانونی تھا۔ اس میں ہائیکورٹ کے فیصلے درج ہوتے تھے۔

منشی خیراتی لال طاہر: منشی طاہر بختہ گو اور خیال آفریں شاعر تھے۔ بندش کی نفاست اور معنی کی خوبیوں کے ماہر تھے مگر کلام تعقید لفظی اور معنوی سے پاک نہیں ہے۔ [۱]

اب تک دہانِ غنچہ گلوں سے نہ وا ہوا
منقار بلبلوں کی کھلی بھی تو کیا ہوا

کس کا یہ روئے کتابی یاد آیا بزم میں
چشم حیرت حلقہ زن ہے حلقۂ زنجیر پر

وصفِ دہانِ یار میں طاہرؔ نہ ہو خموش
گویا زباں منہ میں نہیں ہے تو کیا ہوا

[۱] خم خانہ جاوید جلد پنجم ص ۲۷

مجمع الفوائد

مونگیر سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم جولائی ۱۸۷۶ء کو ظہور میں آیا۔ چار صفحات پر نکلتا تھا۔ مالک رام پرشاد دل تھے مطبع مرات ہند میں چھپتا تھا۔ نادر الاخبار کا یہ ضمیمہ تھا۔

انیس بہار

پٹنہ محلہ خواجہ کلاں گھاٹ سے یہ روزنامہ اخبار چار صفحات پر ۱۸۷۶ء میں جاری ہوا تھا۔ مالک سید اصغر علی مہتمم سید فضل کریم تھے۔ سالانہ چندہ اٹھارہ روپیہ تھا۔ مطبع محمدی میں اس کی طباعت ہوتی تھی۔

پریس آف ویلس گزٹ

کیمپ میرٹھ محلہ گنیش گنج مقام کوٹھی ہوا چکی سے ہفتہ وار آٹھ صفحات پر ۱۸۷۶ء کو ظہور میں آیا۔ ہر سہ شنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک رائے گنیش لال، ایڈیٹر لالہ خوش وقت رائے مہتمم لالہ شمبھو ناتھ تھے۔ عام سالانہ چندہ بیس روپیہ تھا۔ مطبع شہنشاہی میں چھپتا تھا۔

تحفۂ کشمیر

سری نگر سے ہفتہ وار ۱۸۷۶ء میں جاری ہوا۔ ہر شنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک رائے ہر سکھ رائے اور مہتمم منشی جمنا پرشاد تھے۔ سالانہ چندہ پندرہ روپیہ تھا۔ مطبع تحفۂ کشمیر میں طبع ہوتا تھا۔

جامِ جمشید

مراد آباد محلہ سنبھلی دروازہ سے آٹھ صفحات پر ہفتہ وار ۱۸۷۶ء کو نکلا تھا۔ ہر شنبہ کو اس کی اشاعت ہوتی تھی مالک منشی سید قاضی جمشید علی جم، مہتمم سید مہدی حسن اور پرنٹر عبد العلی صاحب تھے۔ عام سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا۔ مطبع آفتاب ہند میں طباعت ہوتی تھی۔

سیف الاسلام

بمبئی نوا ناگپاڑہ محلہ چر کی جانب مشرق ہفتہ وار چار صفحات پر ۱۸۷۶ء کو جاری ہوا تھا۔ ہر یکشنبہ کو اشاعت ہوتی تھی۔ مہتمم فتح محمد عرف نواب تھے عام سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔

گنجینۂ نظائر لاہور سے ۵۶ صفحات پر یہ قانونی رسالہ یکم جنوری ۱۸۷۶ء کو شائع ہوا تھا۔ یہ انڈین لاء رپورٹ کا ترجمہ تھا۔ مالک منشی ہر سکھ رائے، مترجم خواجہ احمد حسن، مہتمم چرنجی لال تھے۔ سالانہ چندہ سوا نیس روپیہ تھا۔ مطبع کوہ نور میں طبع ہوتا تھا۔

مجمع البحرین جزیرہ جشاں مقام مردد سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۷۶ء کو دس صفحات پر جاری ہوا تھا۔ پنجشنبہ کو اردو ہندی زبان میں نکلتا تھا۔ مالک منشی حبیب اللہ تھے سالانہ چندہ سات روپے تھا۔ مطبع عباسی میں چھپتا تھا۔

رہیل کھنڈ پنچ مراد آباد محلہ سنبھلی دروازہ سے ۱۸۷۶ء کو یہ ہفتہ وار اخبار چار صفحات پر نکلا تھا۔ یک شنبہ کو شائع ہوتا تھا۔ قاضی جمشید علی مالک اور ایڈیٹر منشی مہدی حسن تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے بارہ آنہ تھا۔ مطبع آفتاب ہند میں چھپتا تھا۔

کس نوعیت کا پرچہ تھا، اس کے ایڈیٹر کی زبانی سنئے:

"یہ پرچہ ظریف ولطیف تازہ بتازہ دل لگی کے مضامین سے آراستہ ہوکر دل شائقین کو گل کی طرح کھلاتا ہے اس کا نکتہ نکتہ لفظ بلفظ اپنے حسن مذاق سے تہذیب کے پیرایہ میں روتوں کو ہنساتا اور سوتوں کو جگاتا ہے"۔

مخبر بسرور اختر شہنشاہی میں ہے کہ یہ اخبار ۱۸۸۶ء کو بمبئی ناگپارہ شیخ برہان کمان دان عرف تیلی محلہ مقابل مسجد و محلہ شیخ عبداللہ ایف ایم متصل مسافر خانہ اسماعیل سیٹھ سے شائع ہوا۔ بعد میں بھنڈی بازار نظام پورہ اسٹریٹ متصل مسجد نواب سے نکلا۔ مالک حاجی مولابخش، مہتمم حاجی عبدالرحیم

تھے۔ ہفتہ میں دو بار پنجشنبہ و دوشنبہ کو چار صفحات پر شائع ہوتا تھا۔ عام سالانہ چندہ ... روپے چار آنے تھا مطبع مخبر سرور میں چھپتا تھا۔

گارساں دتاسی نے اپنے مقالہ ۱۸۷۷ء میں اس اخبار کا ان الفاظوں میں ذکر کیا ہے:

"مخبر سرور بمبئی کا ہفتہ وار اخبار، اسے حاجی مولا بخش کی ادارت کا شرف حاصل ہے۔ حاجی صاحب انگریزی، گجراتی، ترکی اور عربی وغیرہ کئی زبانوں کے ماہر ہیں اور ان سے اپنے اخبار کے لئے ترجمہ کیا کرتے ہیں۔" (۲۵۷)

اخباروں کا قبلہ گاہ

اختر شہنشاہی کے مولف لکھتے ہیں کہ یہ اخبار لاہور محلہ دہلی دروازہ متصل مسجد نواب وزیر خاں سے ۱۸۷۸ء میں ہفتہ وار جاری ہوا ہر جمعہ کو نکلتا تھا۔ جاری کرنے والے مولوی فصیح الدین بسمل، مالک مولوی فیروزالدین گھائل، ایڈیٹر مولوی نہال الدین، مہتمم دیوان بھگوانداس تھے۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ عام چندہ سات روپے دس آنے تھا۔ قبلۃ المطابع میں طباعت ہوتی تھی۔ انگریزی میں اس اخبار کا نام پنجاب پنچ سرورق پر لکھا ہے۔

ناصر الاخبار دہلی مورخہ ۲۱ جنوری ۱۸۷۶ء نے اس اخبار پر حسب ذیل ریویو کیا ہے:

"اخباروں کا قبلہ گاہ بھی دیکھا لوح میں ایک دراز ریش انگریز کا چہرہ تھا جو قبلہ گاہی کے ثبوت میں ہو۔ لیکن جس طرح اس نام کو مضامین اخبار سے کچھ نسبت نہ معلوم ہوئی، اس انگریز کی تصویر کو بھی پیشانی سے کچھ مناسبت نہ تھی۔ ہم سمجھتے تھے کہ ولایت کے

پنچ کی طرح کچھ اہتمام ہو گا لیکن وہ ہی معمولی ایک آدھا مضمون اور خبروں کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس وضع کے اخبار کے لئے آگرہ اخبار کے میاں مذاق سے صلاح لینی تھی یا اس زمانہ میں ناصر الاخبار میں جو خطوط ان دنوں مشتہر ہوتے ہیں کچھ اس ڈھنگ پر ہوتا مگر ان سب باتوں کے لئے بڑا اہتمام ہونا چاہئے جو چار ورق کے چھوٹی تختی کے اخبار میں، بھلا کہاں ممکن ہے؟"

قبلہ گاہ اپنی تعریف اس طرح فرماتے ہیں۔ سے

پھر ہند میں نے بھی وہ رتبے پائے پائے — تشریف شریف کو وہ لائے لائے
اخباروں کے قبلہ گاہ آئے آئے — کیا دھوم ہے کس خوشی سے

ہمارے سامنے اخباروں کا قبلہ گاہ کا ۸ / مارچ ۱۸۸۱ء نمبر ۱ جلد ۴ کا شمارہ ہے جس کے حساب سے اس پرچہ کا اجرا ۱۸۷۸ء کو ہونا چاہئے۔ اس جلد کے نمبر سے ۱۸۷۶ء میں جاری ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ جب نصرت الاخبار کی تاریخ و سنہ کو دیکھتے ہیں تو اس کو بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ وہ دو سال کے بعد نمودار ہونے والے اخبار پر پہلے سے رائے زنی کیسے کر سکتا ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ اخبار کچھ دنوں ۱۸۷۶ء میں شائع ہوا بند ہونے کے بعد ۱۸۷۸ء میں دوبارہ وجود میں آیا ہو گا۔

۸ / مارچ ۱۸۸۱ء کے اخبار کے سرورق پر مذکورہ رباعی بھی درج نہیں ہے بلکہ اخبار کا تعارف ان اشعار سے کرایا گیا ہے جو بسمل صاحب کے ہیں۔ سے

تعلی کا نہ دخل اس میں ذرا ہے — یہی اجرا سے اس کے مدعا ہے
کہ جس کا ایک نو کھا ہی مزا ہے — ہو شائع خوب اردوئے معلیٰ
یہ پنچ اس واسطے اجرا کیا ہے — ترقی ہووے اس اردو زباں کو

اصول اب اس صحیفے کے سنو سب — کہ اس نے کون سا ذمہ لیا ہے
ہو باہم قوموں میں اخلاص از حد — تعصب میں نہیں کچھ بھی مزا ہے
اصول دوئی ہے کام نازک — اسے بھی خوب اس نے حل کیا ہے
حقوق ملک اور سرکار میں جو — کہاں ہر اک ان کو جانتا ہے
انہیں یہ پنچ بتلا دے گا ہر دم — کہ جو واللہ فرض اخبار کا ہے
اصول سوئم تہذیب اقوام — کہ جس کا ان دنوں چرچا ہوا ہے
اصول چہارمیں ہے کام بیڈھب — یہ حامی ہر ریاست کا بنا ہے
وہاں پھیلائے گا سائنٹفکی کو — کہ اس کی بات کا سکہ جما ہے
کوئی ان کو جو جھوٹ الزام دیگا — قلم اپنا ہے اور اس کا گلا ہے
لکھے گا پنچ پنجابی زباں کو — کہ اس مسلک میں بھی از بس مزا ہے

رہے ان سب اصولوں پر یہ قائم
یہی ہر دم، خدا سے التجا ہے

البتہ اس اخبار کا ٹائیٹل دل چسپ ہے، وہ ازرلیش) انگریز کی صورت میں اخباروں کا قبلہ گاہ بنا جان ہے، اور دائیں ہاتھ پر اودھ پنچ، انڈین پنچ، دہلی پنچ، خواہ خواہ اور بائیں ہاتھ پر لنڈن پنچ، جوڈی پنچ وغیرہ کے کارٹون بنے ہوئے ہیں۔

اس اخبار کے تین شمارے دیکھنے کے بعد مضامین کے بارے میں ناصر الاخبار کی رائے سے ہمیں اتفاق ہے کہ اس میں تعلّی ہی تعلّی ہے ورنہ دوسرے اخباروں کے مقابلہ میں یہ کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ "اخباروں کا قبلہ گاہ" کی بہادری ملاحظہ کیجئے۔ ایک کارسپانڈنٹ نے عیسائیوں کے تثلیث کے نظریہ کی مخالفت میں مضمون بھیجا تھا جو چھپ گیا تھا جس پر پادری فورمن صاحب نے ان کو قانونی طور

سے جھنجھوڑا ہوگا تو ۱۲ر جولائی ۱۸۸۰ء کے اخبار میں ایک معافی نامہ شائع ہوا ہے جس میں یہ وعدہ بھی ہے کہ اس کو دوبارہ آئندہ کے پرچے میں بھی شائع کریں گے معافی نامہ کی عبارت یہ ہے۔

"ہمیں ایک عیسائی دوست کے ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ ۲۹ مارچ ۱۸۸۱ء کے پنجاب پنچ میں جو مضمون کسی کارسپانڈنٹ کی جانب سے ہماری غیر حاضری میں شائع ہوا ہے اس سے ہمارے شہر کے معزز اور کریم النفس پادری فورمن صاحب پرنسپل مشن سکول لاہور کبیدہ خاطر ہو گئے ہیں۔ وجہ یہ کہ اس میں خیالی طور پر تثلیث کے متعلق کچھ ذکر تھا۔ چونکہ ہم قدیم سے پادری صاحب کو ایک فرشتہ طینت اور خیر مجسم آدمی سمجھتے ہیں اور ہم کو کسی طرح رنج خاطر پادری صاحب گوارا نہیں اس لئے ہم اس اتفاقی کارروائی پر جو ہماری غیبت میں ہوگئی ہے نہایت افسوس کر کے ادب کے ساتھ پادری صاحب سے معافی چاہتے ہیں کیونکہ کسی قوم یا فرقہ کا دل دکھانا ہمارا کام نہیں خصوصاً ایسے معزز شخص کا جو بجائے خود پیشوائے قوم ہو۔ ہم اس کا اکسٹرا ذکر ۱۲ر جولائی ۱۸۸۱ء کے اخبار میں بھی کر دیں گے۔"

زار روس کے زمانہ کا ایک دلچسپ واقعہ اور زار روس کی لوگوں اور اخباروں کی نظر میں کیا وقعت و پوزیشن تھی وہ ۹ر اگست ۱۸۸۱ء کے شمارے میں پڑھئے۔

"۱۶ر جون کو بوقت صبح شہنشاہ روس نے حکم دیا کہ تین روز بعد مابدولت مع شاہی خاندان کے قلعہ پیٹرہاف میں داخل ہوں

ACC. No. 15291

گے لہذا اس کی احتیاط و درستی کی جائے۔ حسب الحکم وزیر داخلیہ نے تین جنگی جہاز مع توپوں اور فوج کے اس حفاظت کے لئے تعینات کئے۔ شب کو وہ سب پہرہ دیتے رہے لیکن دن نکلنے سے پہلے جب تھوڑی سی روشنی ہوئی ہر جہاز پر چاروں طرف یہ اشتہار جلی قلم سے سرخ و سبز کاغذ پر چھپا ہوا پایا گیا۔

" نصف شب ۱۶ر جون ۱۸۸۱ء مطبع ہملسٹ قریب درکجم اگیزیکٹو کمیٹی یہ اشتہار سپاہیوں اور افسران فوجی کی اطلاع کے لئے مشتہر کیا جاتا ہے۔ آج صبح تار برقی شہنشاہ کے حضور سے اس مضمون کی تم لوگوں کے پاس آئی کہ شاہی خاندان اس قلعہ میں آئے گا تم نے ابھی سے اس کی حفاظت کی۔ آگاہ ہو کہ ہماری مجلس ہر ہفتہ اس قلعہ میں ہوا کرتی ہے تم نے کبھی انتظار و صبر نہ کیا کہ ہم اپنا دفتر یہاں سے اٹھا لیتے لہذا اس کو غرق کر دینا پڑا۔ اگرچہ وہ تو غرق ہوا مگر قسم ہے الیگزنڈر ثالث کے خوف کی کہ اسی طرح "تارپیڈو" لگا کر ہم تم کو غرق کر دیں گے اور بتلا دیں گے کہ کس طرح بربادی کرنی چاہئے ہوشیار و خبردار، شہنشاہ کے تشریف لانے سے پہلے ہی یہ واقعہ ہو جائے گا۔ اس وقت زیادہ تحریر کی فرصت نہیں ورنہ بہت کچھ کان کھولے جاتے۔"

دو آدمی قلعہ میں سے گرفتار ہوئے فوراً شہنشاہ روس کو اطلاع دی گئی۔ حکم دیا دونوں آدمیوں کو گولی سے اڑا دو۔ اخبار ہوم نیوز لندن بڑے افسوس سے یہ سوال کر کے کہ زار کون ہے خود ہی جواب دیتا ہے کہ جالی جاہ قیدی، ایک بدنصیب بادشاہ، ایک مغموم شہنشاہ،

ہر شے کا مالک، اور کوئی چیز نہ رکھنے والا، قلعۂ کنجینہ میں ہزارہا فوجی سپاہیوں سے گھرا ہوا، ایک شخص سے بھی بے تلاشی ملاقات نہ کرنے والا، کسی مصاحب کو دو یا تین دن سے زیادہ غیر حاضر رہنے کی اجازت نہ دینے والا، سارے خاندان کو ۹ بجے رات کے بستر پر آجانے کا حکم دینے والا، رات کو فوج کو جگانے والا، خواب گاہ پر دو ہزار فوج کا پہرہ لگانے والا قتل سے ڈرنے والا، جان کو خوف کے ساتھ ہتھیلی پر رکھنے والا دارالسلطنت کسچیتہ تک خطرہ میں سفر کرنے والا، نہلسٹوں کا نشانہ، شہنشاہوں کی عبرت کا نمونہ، مالدار مفلس، والک سلطنت مگر غمگین، ایک جگہ پہنچکر دوسری جگہ نہ جاسکنے والا آجکل زار کہلاتا ہے۔"

مذاحیہ انداز میں اشعار کی صورت میں یہ اخبار حکومت پر نکتہ چینی کرتا تھا۔ پولس اور انگریزی حکومت کی طرف سے ہندوستانیوں کے ساتھ جو امتیاز برتا اور حقارت بھرا سلوک کیا جاتا تھا، اس کا بھی اظہار کرتا تھا۔ ۸ مارچ ۱۸۸۱ء کے پرچے میں پولس کی بدعنوانیوں پر روشنی ڈالی ہے۔ ؎

شکوہ گوروں سے شکایت ہے نہ کالوں سے
ناک میں دم ہے رعایا کو پولس والوں سے
کون سنتا ہے رعایا کے بھلا نالوں کو؛
چوتھ جب چوروں سے ملتی ہے پولس والوں کو
کوئی سنتا نہیں فریاد ہماری ہیہات
ظلم ہوتا ہے رعایا پہ پولس کا دن رات

اب تو گنتی ہے اسی فکر میں سب کی اوقات
دیکھیں سرکار تلک پہنچے ہماری کب بات

کب تلک جور و ستم اہل پولس کے جھیلیں
اور کب تلک اب جان پہ اپنی کھیلیں

کوئی کرتا نہیں چوری کی رپٹ اس ڈر سے
الٹا کچھ اور بھی دان دینا پڑے گا گھر سے

۹ اگست ۱۸۸۱ء کے شمارے کی غزل کے چند شعر ملاحظہ ہوں :-

عاجز ہیں، خاکسار ہیں ہم کالے آدمی
خم مثل تیغ ہیں، کبھی سینہ سپر نہیں

ہم تو کہیں گے موتھ پہ پوڈر ملیں وہ لاکھ
کالوں کی ہوگی خال، برابر بھی ور نہیں

ہندوستاں ہے بھائی: نفاق اس کا ہے اصول
اس گھر میں اتفاق کا گا ہے گذر نہیں

ان کے بھرد سے جنگ نہ کابل کی چھیڑنا
اب ہندیوں کے پاس کسی کے بھی زر نہیں

ہے بوٹ و کوٹ و جاکٹ و پتلون و ٹر کی ہیٹ
دُم کی بھی اب تو آپ میں باقی کسر نہیں

بردہ فروشی ترک ہو، خود جورو بیچ لیں
غیروں کی ہے ادھیڑ بن، اپنی خبر نہیں

یورپ کے سمت چل کے مٹر گشت کیجیے
اوقات اب تو ہند میں ہوتی بسر نہیں

مولوی فتیح الدین بسمل : آپ پنجابی اخبار نویسوں میں امتیازی درجہ رکھتے تھے بڑے ہوشیار، ذکی اور لائق مضمون لکھنے والے تھے۔ اخباروں کا قبلہ گاہ کا ضمیمہ پنجاب پنچ نکلتا تھا اس کے بھی آپ ہی ایڈیٹر تھے۔ دینی وعلمی کاموں کے علاوہ رفاہ عام کے کاموں سے بھی دل چسپی رکھتے تھے۔ مذاحیہ مضامین لکھنے میں اپنا جواب آپ تھے۔ عالم شباب میں ستمبر ۱۸۸۱ء میں تپ کے مرض میں فوت ہوئے۔ آپ کا کلام دستیاب نہیں ہو سکا۔ ایک سیاسی غزل حاصل ہوئی جو غالباً سابق جنگ افغانستان کے وقت لکھی گئی ہوگی۔ [۱]

کابلی بر سرِ پیکار ہیں لو اور سنو	ان کی اب موت کے آثار ہیں لو اور سنو
جن کے صدقے سے پلے اور ہوئے اتنے بڑے	ان سے ہی لڑنے کو تیار ہیں لو اور سنو
شاہ کھیانہ تو اور کپ، نہ مصالحہ موجود	سونٹھ کی گانٹھ پہ عطار ہیں لو اور سنو
کل جہالت میں جو غرقاب تھے وہ کالا لوگ،	سول سروس کے طلبگار ہیں لو اور سنو
دو قدم گو نہیں چل سکتے مگر اس پر بھی	جنگ میں چلنے کو تیار ہیں لو اور سنو
ہم ترے مولوی تھے آجکل طفیل سرکار	پنچ ہیں صاحب اخبار ہیں لو اور سنو

جیب میں نافے پڑے رہتے ہیں بسمل کے مدام
آج ہم غیرت تاتار ہیں لو اور سنو

لٹن گزٹ دہلی محلہ پیپل مہادیو چھتہ صوفی جی سے ۱۸۷۶ء سے پندرہ روزہ اخبار جاری ہوا۔ مہتمم منشی بلاقی داس تھے۔ بعد میں اس کے ایڈیٹر بابو گنیشی لال مقرر ہوئے۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ مطبع میور پریس میں چھپتا تھا۔

---

[۱] تذکرہ خندۂ گل صـ۱۱۔

GOVT GIRLS COLLEGE SRINAGAR ACC. No. 15

یہ اخبار لارڈ لٹن کی یاد میں نکلا تھا. انتہائی خوشامدی اخبار تھا. ٹائیٹل پیج خوشامد سے بھرا پڑا ہے. لٹن گزٹ کا نام انگریزی میں لکھا ہوا ہے. اس کے نیچے " الٰہی تو شاہنشاہ ہندوستان کو سلامت رکھ آمین " تحریر ہے ارد گرد حضرت مریمؑ کی تصویر ہے جس میں ان کو اڑتا ہوا دکھایا گیا ہے. ایک بڑی تصویر گرجا کی بنی ہوئی ہے جس کے درمیان اردو میں لٹن گزٹ درج ہے اور یہ اشعار لکھے ہوئے ہیں. ؎

صبحِ عشرت نے کیا مطلعِ بہجت سے ظہور
شبِ غم ہو گئی ہوتے ہی سحر کے کافور
ایک مدت سے جو تھی میری تمنا دل میں
پردۂ غیب سے خالق نے کیا اس کا ظہور
قیصرِ ہند ہوئیں آج سے ملکۂ انگلینڈ
ہند و انگلینڈ وغیرہ میں ہے اس کا مذکور
سن کے یہ مژدۂ جاں بخش نہ کیونکر ہو خوشی
اس نویدِ طرب افزا سے نہ کیونکر ہو سرور
مسند آرا ہوئے نواب گورنر جنرل
جلوہ افروز ہوئے تخت پہ خدامِ حضور

معلوم ہوتا ہے اس زمانہ میں غیر ملکی خبروں سے لوگ زیادہ دلچسپی لیتے تھے. چنانچہ اخبارات کے صفحات ان ہی خبروں سے بھرے ہوتے. لٹن گزٹ کی بھی یہی حالت ہے. اس میں غیر ملکی خبریں بہت زیادہ اور ملکی کم ہیں.

افسوس ہے کہ دہلی میں اب تک ایک بھی مسلم مسافر خانہ نہیں ہے. حالانکہ دہلی میں بڑے بڑے سرمایہ دار تھے اور اب بھی ہیں. لیکن انہوں نے اس کی طرف

توجہ نہیں کی۔ لیکن لٹن گزٹ مورخہ ۷ مئی ۱۸۷۷ء سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے عوام کی خواہش رہی ہے کہ دہلی میں مسلم مسافر خانہ تعمیر ہو لیکن خواص اور با اثر لوگوں نے اس کام میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ لٹن گزٹ نے دہلی کے عوام کی خواہش کی ترجمانی ان الفاظ کے ساتھ کی ہے۔

"جناب ڈپٹی کمشنر نے مرزا سلیمان جاہ صاحب، جناب نواب ضیاء الدین احمد خاں صاحب رئیس لوہارو، خان محبوب بخش سوداگر، حاجی قطب الدین سوداگر، حافظ عزیز الدین صاحب وکیل، حکیم محمد حسن خاں صاحب اور بخشی انعام اللہ خاں ان سات آدمیوں کو فتحپوری کی جائیداد کا ممبر مقرر کر دیا۔ صاحبان مذکورہ بالا کا ارادہ ہے کہ آمدنی مذکور سے ایک مدرسہ جاری کریں مگر ہم ممبران موصوفین کی اس رائے سے اتفاق نہیں کرتے بلکہ ہمارے نزدیک آمدنی مذکور سے مسجد فتحپوری میں غریب مساکین نووارد خستہ حال لوگوں کے واسطے ایک محتاج خانہ قائم کرنا چاہیئے جس سے ہر شخص کو راحت پہنچے۔"

دہلی کا عطار جس کو دہلی کے حکیموں کی صحبت حاصل تھی وہ بھی مطب کرنے جرأت کرتا تھا اور ان کے ہاتھوں میں خدائے تعالیٰ نے ایسی شفا دی تھی کہ دہلی والے ان سے علاج کراتے تھے۔ ایک ایسے عطار کے مطب جاری کرنے کی خبر، ۷ مئی ۱۸۷۷ء کے اخبار میں پڑھیے۔

"ہمیں اس بات کے سننے سے نہایت خوشی حاصل ہوئی کہ ہمارے شہر دہلی کے نامی گرامی لالہ بندامل صاحب عطار کہ جن کو ابتدا ر تشخیص نبض و نیز ہر امراض میں ید طولیٰ حاصل تھا، دکان عطاری سے ترک تعلق کر کر پھاٹک حبش خاں میں طبابت کرنی اختیار

کی ہے اور ساتھ اس کے اپنے فراخ حوصلگی اور سیر چشمی سے یہ بھی عمدہ طریقہ اختیار فرمایا کہ کسی مریض سے طمع ایک حبہ کی نہیں رکھتے۔ پس ہم یقین کرتے ہیں کہ یہ صاحب جو حکیم احسن اللہ خاں صاحب کے تربیت یافتوں میں سے ہیں بہت عمدہ طبابت فرمائیں گے اور بخیال اس امر کے کہ جناب موصوف کی طبیعت میں طمع کا اثر مطلق نہیں ہے روز بروز ان کے ہاتھ سے مریضوں کو شفا حاصل ہوتی جائے گی۔"

ہندوستان میں عیسائی مشنری اس بری طرح چھائے ہوئے تھے کہ ہندوستانی لوگ عیسائی مذہب اختیار کرتے جاتے تھے۔ مشنری لوگ قحط افلاس سے فائدہ اٹھاتے تھے لیکن خدا کے کچھ نیک بندے ان کا توڑ بھی کرتے تھے۔ اسی قسم کی خبریں ۸ جنوری ۱۸۹۷ء کے شمارے میں پڑھئے۔

"اخبار نودیانوی خوشی کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ انندپور مشہور سکھوں کی جگہ میں بھی مسیحی کام ترقی پر ہے یعنی نو شخص عیسائی بنائے گئے۔"

"ایک عیسائی میم صاحبہ توجہ دلاتی ہیں کہ اس زمانۂ قحط میں عیسائی بہت جلد بنائے جا سکتے ہیں۔ عیسائیوں کے لئے یہ خدا کی برکت ہے۔"

"بمبئی کے اہل اسلام کے چند سر برآوردہ اصحاب نے ایک کمیٹی نگرانی قائم کرنی چاہی ہے۔ جو مفلس اور یتیم بچوں کی تا زمانہ قحط باقاعدہ نگرانی کرے گی۔"

یہ اخبار ۱۹۱۲ء تک جاری رہا اور اس کی عمر ۳۶ سال کی ہوئی۔

GIRLS COLLEGE
LIBRARY
1524

۱۸۷۷ء

قیصر الاخبار الٰہ آباد محلہ پان دریبہ سے یکم جنوری ۱۸۷۷ء کو یہ ہفتہ وار اخبار شائع ہوا۔ یک شنبہ کو اشاعت ہوتی تھی۔ مالک منشی سراج الدین احمد خاں صاحب تھے۔ بارہ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا۔ قیصر الاخبار پریس میں چھپتا تھا۔ یکم نومبر ۱۸۷۷ء سے روزانہ شائع ہونے لگا تھا۔

عمدۃ الاخبار کیمپ فتح گڈھ محلہ بزازہ سے یکم جنوری ۱۸۷۷ء کو یہ ہفتہ وار اخبار بارہ صفحات پر جاری ہوا۔ چہار شنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک حکیم اصغر حسین مہتمم حسین بخش تھے۔ سالانہ چندہ نو روپے تھا۔ مطبع حسینی میں طبع ہوتا تھا۔

محمدی کلکتہ محلہ سیالدہ سے یکم جنوری ۱۸۷۷ء کو ہفتہ میں دو بار جمعہ اور شنبہ کو نکلنا شروع ہوا۔ اردو ہندی زبانوں میں نکلتا تھا۔ مالک مولوی عبدالخالق داروغہ کتب خانہ مدرسہ عالیہ تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپے بارہ آنہ تھا۔ **چشمۂ انصاف**: آگرہ سے یکم جنوری ۱۸۷۷ء کو جاری ہوا۔ ہفتہ وار آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔

معدن الحکمت آگرہ سے یہ ماہانہ رسالہ یکم جنوری ۱۸۷۷ء کو ظہور میں آیا۔ آٹھ صفحات تھے۔ مالک صادق علی قیصر اور نگراں مولوی شیخ سبحان علی ایم، بی، ایل، ایم، ایس اسسٹنٹ سرجن ٹامس ہسپتال آگرہ تھے۔ سالانہ چندہ سوا روپیہ تھا۔ مطبع عزیزی میں طباعت ہوتی تھی۔

یہ طبی رسالہ تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اس رسالہ میں ایسے نسخے درج کئے جائیں جو ہر جگہ حاصل ہو جائیں اور طبیب ان کو یاد کر کے حسب موقع تحریر کر دے۔

حکیم محمد صادق قیصر: حکیم صاحب ایک کامیاب و پختہ گو شاعر تھے۔ ان کے تین نعتیہ شعر گلزار خلد قنوج صفر ۱۲۰۶ ہجری میں نظر آئے ملاحظہ ہوں۔ ؎

آئے دنیا میں شہِ کشورِ دیں آج کی رات
نام باقی نہیں ظلمت کا کہیں آج کی رات

آئیں گے عرش پہ اے دوستو سلطان امم
آئے ہیں لینے کو جبریل امیں آج کی رات

مانگ کچھ حق سے دعا ہاتھ اٹھا کر قیصر
ہوگا اللہ محمدؐ کے قریں آج کی رات

نیر اعظم مراد آباد محلہ تما کہ سے ۲ جنوری ۱۸۷۷ء کو یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر جاری ہوا۔ ہر دو شنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک مولوی امجد علی مدرس فارسی مشن اسکول، مہتمم منشی ابن علی نیر۔ پرنٹر اشفاق علی، ایڈیٹر قاسم علی ذکا تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا۔ مطبع العلوم۔۔۔ میں چھپتا تھا۔

منشی ابن علی نیر: یوں تو اخبار نیر اعظم منشی صاحب کے بھائی مولوی امجد علی صاحب نے جاری کیا تھا جو نثر و نظم میں کافی دستگاہ رکھتے تھے۔ نیک دل اور بامروت انسان تھے۔ منشی انوار حسین تسلیم کے شاگرد تھے۔ انہوں نے تخلص تسلیم

مؤلفہ منشی انوارحسین صاحب تسلیم کی یہ تاریخ کہی تھی۔ ؎

چوں ملخص بار اول طبع گشت نقش اول شد پئے اہل کمال
ایں عجب نقشی است نقش دل پسند نقش ثانی و نظیرش شد محال
فلک نیر بہر تاریخش نوشت باالف ممدود و مراۃ الخیال

اس کے ایڈیٹر ان کے والد مولوی قاسم علی صاحب ذکا تھے جو ۱۲۹۵ ہجری میں فوت ہوئے۔ تسلیم نے یہ تاریخ وفات بیت اول تعمیہ خارجی بیت دویم تعمیہ داخلی میں کہی[1]۔ ؎

مولوی قاسم علی چوں رفت از دار فنا گفت تسلیم حزیں از بحر تاریخ الم
رفت از خاطر شکیب از ہوش خالی شد دماغ
شد بصر از چشم رخصت بود را بگذاشت دم

اخبار کی جان اصل میں منشی ابن علی تھے۔ منشی جی ۱۴ رجب ۱۲۸۱ ہجری کو مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۳۰ھ میں آپ کی پچاس برس کی عمر تھی۔ تاریخی نام محمد ابوظفر ہے۔ عربی و فارسی میں واقفیت تھی انگریزی تعلیم انٹرنس تک تھی، یہ امتحان انہوں نے گورنمنٹ ہائی سکول مراد آباد میں ۱۸۷۶ء میں پاس کیا تھا۔ آپ کے بھائی مولوی امجد علی کا انتقال ۱۹۰۱ء میں ہوا۔ چونکہ آپ کو اخبار نویسی کا ۲۷ سالہ تجربہ تھا اس لئے آپ نے ایڈیٹری کی ذمہ داری کو بڑی خوش اسلوبی سے نبھایا۔ بھائی کے انتقال کے وقت اخبار کی اشاعت تین سو کے قریب تھی، جلد ہی آپ نے آٹھ سو تک پہنچا دی۔ آپ ۱۹۰۷ء میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی لنڈن کے ممبر نامزد ہوئے جو اس وقت بہت بڑا اعزاز مانا جاتا تھا۔ آپ نے ایک کتاب شرارت لکھی تھی جس میں انگلستان کے شریروں کے قصے درج کئے

[1] ملخص تسلیم۔ صفحہ ۔

کئے گئے تھے۔ یہ ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ تھا۔ آپ نے اس زمانے میں ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کا سفر کیا تھا اور برما کی کئی مرتبہ سیاحت کی تھی۔ ۱۹۰۲ء کے دربار دہلی میں بطور وزیٹر شریک ہوئے تھے اور دربار دہلی ۱۹۱۱ء میں بطور مہمان گورنمنٹ ہند بارہ دن تک پریس کیمپ میں رہے۔[1]

منشی جی کا قلم بہت تیز اور نکتہ چیں تھا جو بات دیکھتے یا سنتے خواہ وہ کسی سے متعلق ہو اس کو اخبار میں شائع کر دیتے تھے۔ چنانچہ مخبرِ عالم کے ایڈیٹر سے ان کی مقدمہ بازی ہوئی۔ اس کے بعد ایک اور مقدمہ چلا جس میں اس کو سزا تو نہیں ہوئی لیکن خان صاحبی کا خطاب ضبط ہو گیا تھا۔ مذہب سے ان کو انتہائی محبت تھی۔ اور خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت تھی۔ حج کے جانے کے لئے بیتاب رہتے تھے عرصہ کے بعد ان کی یہ تمنا پوری ہوئی۔ حجاز کے علاوہ اور مقامات پر بھی گئے تھے۔ چنانچہ ایک سفرنامہ جس کا نام "روزنامچہ مقدس" رکھا تھا وہ بڑی آب و تاب سے شائع کیا۔

آپ موتی جھرہ اور بخار میں ایک ہفتہ بیمار رہ کر ۵ ستمبر ۱۹۲۶ء یوم شنبہ کو قریباً ایک بجے دن کے فوت ہوئے۔ شاہی مسجد مراد آباد میں بعد نماز مغرب نماز جنازہ پڑھی گئی اور گل شہید کے قبرستان میں آٹھ بجے رات کو دفن ہوئے جنازہ کے ہمراہ کافی حضرات تھے۔ آپ کے پسماندگان میں ایک صاحبزادی ہیں۔ آپ کے خویش سبط نبی صاحب عدالتی کلکٹری میں کلرک تھے۔[2] ۱۹۴۷ء کے فسادات میں یہ پورا خاندان پاکستان چلا گیا۔ منشی جی کا کتب خانہ بے مثل تھا۔ سینکڑوں نایاب کتابیں تھیں جو ردی کے بھاؤ بکیں۔

سلہ اخبار نویسوں کے حالات ص۸۳۔ سلہ مخبرِ عالم مراد آباد ۸ ستمبر ۱۹۲۶ء

منشی صاحب کو شعر و شاعری سے بھی شغف تھا۔ منشی انوار حسین تسلیم سہوانی کے شاگرد تھے۔ نیر تخلص تھا۔ ان کا کلام اور نیر اعظم کے پرچے مراد آباد میں تلاش کئے گئے لیکن ایک ورق بھی دستیاب نہیں ہوا۔ اسی طرح کلام بھی نہیں ملا۔ مخبر عالم کے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ایڈیٹر جناب عابد علی صاحب جواہر العروض مؤلفہ مولانا احمد شاہ بیگ جوہر مراد آبادی دیکھ رہے تھے جب وہ پڑھ چکے تو میں نے بھی ورق گردانی کی تو صفحہ ۱۵۲ پر منشی ابن علی صاحب نیر کی حسب ذیل تقریظ نظر آئی۔ ؎

حبذا جوہر نوشتہ نسخۂ — در عروض و قافیہ بس انتخاب
می چکاند لولوئے شعر و سخن — طبع گوہر بار او مثلِ سحاب
در فن تاریخ آں مقبول عام — در عروض آں مرجع ہر شیخ و شاب
کامل و اکمل در اردو فارسی — گشتہ تا الیف اے بہ انگلش کامیاب
جوہر و من در جوانی گشتہ ایم — از در تسلیم ہر دو فیضیاب
طبع کردم زیں سبب ایں نسخۂ — طالبانِ را تا بود بہتر نصاب

گفت نیر از پئے تاریخ سال
مژدہ گردد طبع شد در کتاب

۱۳۴۷ھ

نسیم سحر پٹنہ محلہ گذری سے جنوری ۱۸۷۷ء کو یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات کا شائع ہوا۔ ہر جمعہ کو نکلتا تھا مالک سید وزیر علی تھے، ایڈیٹر مولوی سید علی محمد شاد تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ مطبع صبح صادق میں طباعت ہوتی تھی۔

شاد عظیم آبادی: شاد ۱۸۴۶ء کو ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ لڑکپن میں عظیم آباد (پٹنہ) میں چلے گئے۔ وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ شاد کو ابتدا جوانی سے شاعری کا

شوق تھا۔ سید الفت حسین فریاد شاگرد خواجہ میر دردؔ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ ساری عمر شعر و سخن کی خدمت کی۔ تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی لیکن سب سے زیادہ شہرت غزل اور مرثیہ میں حاصل کی۔ ان کا مجموعہ شادؔ طبع ہو چکا ہے۔ جذبات نگاری میں میرؔ کا رنگ غالب ہے۔ صنائع و بدائع استعمال کرتے ہیں۔ تغزل میں بڑی سادگی و متانت ہے۔ سادہ ترکیبیں اور دل کش الفاظ ہیں۔ دہلی اور لکھنؤ کے دونوں رنگوں کا حسین امتزاج ہے جس سے کلام میں ایک انفرادیت پیدا ہو گئی ہے۔ ۱۹۲۷ء کو پٹنہ میں فوت ہوئے۔ سہ

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

میں کہاں، واعظ کہاں، توبہ کرو ۔۔۔ جو نہ سمجھا خود وہ کیا سمجھائے گا
سنی حکایت ہستی تو درمیاں سے سنی ۔۔۔ نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

مرغانِ قفس کو پھولوں نے اے شادؔ یہ کہلا بھیجا ہے
آ جاؤ جو تم کو آنا ہو ایسے میں ابھی شاداب ہیں ہم

یونہی راتوں میں تڑپیں گے، یونہی جاں اپنی کھوئیں گے
تری مرضی نہیں اے دردِ دل اچھا نہ سوئیں گے!

کہاں سے لاؤں صبر ابو بلے ساقی ۔۔۔ خم آئے گا، صراحی آئیگی، تب جام آئیگا

کانٹوں میں ہے گھرا ہوا چاروں طرف سے پھول
اس پر کھلا ہی پڑتا ہے کیا خوش مزاج ہے

پھر گئے راستے سے وہ گردِ غبار دیکھ کر ۔۔۔ رہ گئی میری بیکسی ہوئے مزار دیکھ کر

دیکھا کئے وہ مست نگاہوں سے بار بار
جب تک شراب آئے کئی دور ہو گئے

ACC. No. ... LIBRARY ... GIRLS COLLEGE

ترے قربان ساقی! بزم کی ترتیب پھر کرنا
ذرا مستوں کے آگے رکھ تو دے جام و سبو پہلے

مجھے تو حشر کی آتی ہے دیکھئے کیا ہو — یہ ایک وعدۂ ناا ستوار باقی ہے
لیا تھا نام فقط عشق کا قیامت میں — ہزاروں طرح کے ہم پر سوال ہونے لگے
غنچوں کے مسکرانے پہ کہتے ہیں ہنس کے پھول — اپنا کرو خیال، ہماری تو کٹ گئی

خموشی سے مصیبت اور بھی سنگین ہوتی ہے
تڑپ اے دل تڑپنے سے ذرا تسکین ہوتی ہے

خورشید عالم لاہور سے یکم جون ۱۸۷۷ء کو یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر شائع ہوا تھا۔ ہر دوشنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک منشی جگن ناتھ مہتمم منشی جیا لال تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ دو آنہ تھا مطبع خورشید عالم میں طبع ہوتا تھا۔

اختر ہند بمبئی محلہ بھنڈی بازار متصل مسجد نواب سے یہ ہفتہ وار اخبار چار صفحات پر ۱۸ اگست ۱۸۷۷ء کو جاری ہوا۔ ہر جمعہ کو نکلتا تھا مالک غلام علی تھے، مطبع قاصد میں چھپتا تھا۔

سر پنچ ہند لکھنؤ مقام اصطبل متصل راجہ بازار سے یکم ستمبر ۱۸۷۷ء کو یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر ظہور میں آیا۔ اس کے نکلنے کا دن پنجشنبہ تھا۔ مالک منشی امبکا پرشاد تھے، سالانہ چندہ سات روپے تھا، مہتمم عبدالغنی تھے مطبع مجمع العلوم میں طباعت ہوتی تھی۔

اتالیق زمینداران ہوشیارپور سے یکم اپریل ۱۸۷۷ء کو یہ پندرہ روزہ اخبار ۳۲ صفحات پر شائع ہوا تھا۔ مالک لالہ نرائن داس وکیل درجہ اعلیٰ، عدالت ہائے ممالک مغربی و شمالی تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا مطبع اتالیق زمینداران میں طبع ہوتا تھا۔

دھرم پرکاش

یہ رسالہ ماہانہ گوجرانوالہ سے ۱۸۷۷ء کو سولہ صفحات پر جاری ہوا مہتمم منشی برج لال تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ دو آنہ تھا۔ مطبع کوہ نور میں چھپتا تھا۔

مشیر قیصر

یہ اخبار محلہ نیا گاؤں لکھنؤ سے ہفتہ وار ہر چہار شنبہ کو یکم ستمبر ۱۸۷۷ء سے جاری ہوا۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا، چودہ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر و مالک مولوی غلام محمد خاں تپش دہلوی تھے، مطبع بحر العلوم میں چھپتا تھا۔

ملکی و غیر ملکی خبروں کے علاوہ تاریخی و ادبی مضامین شائع ہوتے تھے، تنقید و تبصرہ اور معاصرین کے کلام پر اعتراضات و مباحث کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ دہلی اور لکھنؤ کی فضیلت پر بھی زور قلم دکھایا جاتا تھا۔

تپش صاحب نے اودھ اخبار میں کافی عرصہ ایڈیٹری کے فرائض انجام دیئے اور اخبار کو معیاری بنانے میں کافی حصہ لیا۔ لیکن مشیر قیصر میں اپنے جوہر دکھانے میں ناکام رہے۔ پرچہ کا معیار اونچا نہیں ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہؒ اور حضرت مولانا رحمت اللہؒ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تھے۔ ان کی مسحور کن شخصیتیں اس وقت بھی اسی طرح ہندوستان میں ہر دلعزیز تھیں جس طرح ہندوستان کے قیام کے زمانہ میں عزت و وقار کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ ان حضرات کی طرف مکہ معظمہ میں ہندوستان کے مسلمانوں کی نگاہیں لگی رہتی تھیں۔ ان کے ارشاد فرمان و مشورہ کو دل میں جگہ دیتے تھے ان کی ذات پر مکمل اعتماد و بھروسہ تھا۔ چنانچہ آج سے ستر سال قبل عرب میں اور خاص طور پر حجاز میں زبردست قحط پڑا تھا۔ اس وقت ہندوستان کے مسلمان عربوں کی امداد کرنا

چاہتے تھے۔ حجاز میں اعانت کس کے ذریعہ کی جائے، اس وقت ان ہی بزرگ کے نام سامنے آئے اور مشیر قیصر کے ایڈیٹر نے ۱۲ فروری ۱۸۹۰ء کے شمارے میں ان ہی کے نام نامی شائع کئے۔

"مکہ معظمہ صانہا اللہ شرفاً و تعظیماً کی تحریرات سے معلوم ہوا کہ ملک عرب قیامت کی مصیبت قحط سالی میں مبتلا ہے۔ انسان و دواب پر فقدان غلہ و حشیش سے عرصہ عالم تنگ ہو رہا ہے۔ یہاں تک نوبت پہنچی ہے کہ انسان غیر ماکول اللحم جانور مثل گربہ وغیرہ کے کھانے پر بحالت اضطرار مجبور و ناچار ہوئے ہیں۔ کاہ جس میں چند چوب مثل نرکل وغیرہ کے ہوتے ہیں ایک ریال قیمت پانے لگے۔ غرض ہر چہار طرف شور الغیاث بلند ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔"

"... ... اس میں شک نہیں کہ ابھی تک ہند کے دولت مند اور عالی ہمت مسلمانوں کو خبر ہی نہیں ہوئی ورنہ ہمسائیگان الٰہی و ہموطنان ختمی پناہی کی امداد کے لئے ضرور بالضرور کلکتہ، بمبئی، رام پور، جوناگڈھ، ٹونک، بھوپال، بہاولپور، پٹنہ، دہلی کے علاوہ ہندوستان کے اور بہت سے نامی مقامات سے کافی چندہ جمع ہونا شروع ہو گیا ہوتا۔ اگر عجلت کو کام فرمایا جائے اور فراہمی چندہ کے لئے جا بجا انجمنیں قائم ہوں۔ روپیہ یا غلہ کے بھیجنے کا انتظام ہندوستان میں جناب مولوی رحمت اللہ صاحب و جناب حاجی امداد اللہ صاحب کے ذریعہ ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل جود و عطا کو توفیق خیر عطا کرے آمین۔"

عرب میں قحط کے بارے میں لوگوں میں شک پیدا ہو گیا تھا اس لئے کہ انگریزی اخبارات اس ... معاملہ میں ہمہ نوش تھے. لیکن گورنمنٹ کے اشتہارات سے قحط کی تصدیق ہو گئی تو ایک طبقہ میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ارادہ حج فسخ کر دو. مگر اخبارات اردو نے بتایا کہ قحط ضرور ہے مگر اتنا نہیں ہے جتنا پروپیگنڈہ کیا گیا ہے. اس لئے کہ وہاں ایک روپیہ میں پانچ چھ سیر آٹا فروخت ہو رہا ہے اس مخدوش حالت اور فریضہ کی حیثیت کو دیکھتے ہوئے ایڈیٹر مشیر قیصر نے ۹ اپریل ۱۹۰۸ء کے پرچے میں یہ مشورہ دیا ہے کہ مولانا رحمت اللہؒ وغیرہ کے مشورہ پر عمل کیا جائے، عبارت اخبار ملاحظہ ہو۔

"علاوہ اس کے لوگ انڈسن کمپنی بمبئی نے اشتہار دیا ہے کہ جو حاجی حج کو جانا چاہیں وہ شوق سے آئیں، اس سال بھی برابر آگبوٹ جدہ کو روانہ ہوں گے، چنانچہ ۱۱ اپریل ۲ مئی ۲ جون تاریخ روانگی آگبوٹ کی مقرر ہوئی۔ ان خبروں اور اشتہاروں کو دیکھ کر بعض شائقان حج تو اپنے ارادہ پر قائم رہیں... حاجی و مہاجر عبدالرحیم جو کعبہ شریف کے حلوائی ہیں ان سے مہتمم مشیر قیصر سے بارہا ملاقات ہوئی۔ انہوں نے قحط کی تصدیق کی۔ اور جناب حاجی منشی خیرات علی خاں کے پاس جوناگڈھ متعدد خطوط متواتر آئے اور آرہے ہیں جن میں شدائد قحط کا بیان ہے، ایک خط میرے سامنے بھی آیا تھا جس میں ان کے کسی عزیز یا دوست نے لکھا تھا کہ جدہ سے کعبہ شریف تک ساٹھ اونٹ راستے میں مرے ہوئے میں نے دیکھے ہیں۔ اسی پر قیاس کر کے منشی صاحب ممدوح کی رائے تو یہ ہے کہ اس سال ہر گز نہ جانا چاہئے اس لئے کہ جس کے پاس سرمایہ

ہے۔ان کو تو راستہ غیر مامون ہونے سے لٹ جانے کا خوف ہے اور
جن کے پاس سرمایہ کم ہے ان کی ہر طرح خرابی ہے۔لیکن بعض آدمی
تاہم اپنے شوق صادق سے باز نہیں آتے حتیٰ کہ بعض رئیس جوناگڈھ
تک سے روانہ ہوئے اور مقامات میں لوگ عازم حج بیت اللہ ہیں
چونکہ ہزارہا آدمی کعبہ شریف میں ایسے ہیں جن کی اسی پر گذر ہے
کہ حاجیوں کو مکان کرایہ پر دیتے ہیں اور سینکڑوں مساکین اور
دکانداروں کی معیشت کا سہارا حاجیوں کے سبب ہے پس بعض
لوگوں کی رائے ہے کہ اگر حاجی نہ جائیں گے تو اہل حرم کو اور زیادہ
نقصان پہنچے گا۔اور سب قافلوں کا لٹنا یقینی نہیں بہت سے
قافلوں کے صحیح سلامت پہنچنے کی امید ہے۔ایسی حالت میں
مناع الخیر بن کر حج سے روکنا نہیں چاہیے،خصوصاً ذی مقدور
اور امراء کے جانے میں جب کہ ان کے پاس روپیہ اور غلہ بکثرت
ہو اور سامان حفاظت بھی ہو تو ان کو اختیار ہے،جہاں لٹ جانا
احتمال ضعیف ہے اگر احتمال قوی بھی ہو تو خدا پر چھوڑ دیا جائے
ہاں جن صاحبوں کو خوف ہو وہ نہ جائیں۔اب جن کو زیادہ اطمینان
منظور ہو وہ مولانا رحمت اللہ سے مشورہ فرمالیں۔"

حاجی امداد اللہ اور مولانا رحمت اللہ کرانوی مرحوم و مغفور صرف عالم ہی
نہیں بلکہ روحانی پیشوا تھے۔ان کی دوررس نگاہیں بہت کچھ دیکھتی تھیں جو کتابی
ملا یا عالم قطعاً نہیں دیکھ سکتا۔یہ ہر دو حضرات انگریزوں کے سخت ترین مخالف
تھے۔ان کی بقا کسی صورت سے نہیں چاہتے تھے۔جب مولانا رحمت اللہ صاحب
سے شرکت کانگرس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے جو جواب دیا

۵ فروری ۱۸۹۰ء کے مشیر قیصر میں درج ہے۔ ان کی رائے کی تصدیق تجربے نے بھی کر دی کہ شرکت ان ہی نظروں کے ساتھ، جو قدم قدم پر فرقہ پرست، دشمن ملک، پاکستانی ایجنٹ ہونے کا خطاب دیتے ہیں، کیسی مفید ثابت ہوئی۔

"حاجی نواب عمر علی خاں صاحب رئیس باسودہ نے مشیر قیصر مطبوعہ ۳۰ جنوری ۱۸۹۰ء میں مولانا رحمت اللہ صاحب مہاجر مقیم مکہ معظمہ کا ایک خط چھپایا ہے جو کانگریس کی بابت ہے۔ یہ خط نواب صاحب صاحب نے مولانا صاحب کو لکھا تھا۔ اس کے جواب میں انہوں نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ اول تو میں کانگرس کے اصول سے اچھی طرح واقف نہیں۔ تاہم اگر اس کے اصول اچھے بھی ہوں تو بعض وجوہ سے مسلمانوں کے حق میں کانگریس مضر ہے۔"

انگریزوں نے اپنے مخالف اور دشمن کو کسی صورت سے نہیں بخشا، اس کی زندگی اجیرن کی اور اس کی ہر چیز کو مٹانے اور نیست و نابود کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ واجد علی شاہ سے انگریزوں نے وطن چھڑایا، کلکتہ میں زندگی گذارنے پر مجبور کیا۔ اس پر بھی چین نہیں آیا تو اس کی جائیداد کو نیلام کرایا۔ اس خبر کو "شان ایزدی" کے عنوان کے تحت نیئر دہلوی نے ۹ اپریل ۱۸۹۰ء کے شمارے میں شائع کیا ہے۔

"حضرت واجد علی شاہ مغفور شاہ اودھ کی جائیداد غیر منقول ۱۸ مارچ ۱۸۹۰ء کو کلکتہ میں نیلام پر چڑھائی گئی۔ جل جلالہ کیسا عبرتناک واقعہ ہے۔ یہ وہی واجد علی شاہ ہیں جنہوں نے لکھنؤ میں باغ بہشت تیار کرایا تھا۔ جن میں درختوں کو سونے چاندی سے منڈھا گیا تھا اور بعض خاص درختوں میں گل و ثمر کی جگہ موتیوں اور زمرد، یاقوت

وغیرہ قیمتی جواہرات کے گچھے لگائے گئے تھے، ہر ایک درخت کے نیچے زرق برق بادشاہی پوشاکوں سے آراستہ جواہرات سے مرصع پر لٹکائے ہوئے پریاں کھڑی کی جاتی تھیں جو اپنے معشوقانہ اندازِ دلربائے درخت کی ٹہنیاں ہاتھ میں لئے ہوئے ایک عجیب عشوہ عابد کش و زاہد فریب کے ساتھ کھڑی ہوتی تھیں ... آج اس کے مقامات اور خاص دیوان خانہ سلطانی کا مجمع عام میں نیلام بولا جا رہا ہے۔ کیسا رقت انگیز منظر ہے کہ عمارت شکنی کے ساتھ عمارات مذہبی یعنی شاہی مسجد، قبرستان اور عمارت پاک امام باڑہ کا بھی نیلام بولا جا رہا ہے۔ کیونکہ وہ بھی حدود احاطہ محلو کہ حضرت شاہ مرحوم میں واقع ہیں۔"

عجب اتفاق ہے کہ ہندوستان کی مایۂ ناز اور ہم نام تین ہستیاں بیک وقت معیشت کی تلاش میں حیدر آباد دکن پہنچیں اور نظام نے ان تینوں علماء باوقار کے لئے وظیفے مقرر کئے۔ یہ تین ہستیاں عبدالحق خیر آبادی، عبدالحق کانپوری اور عبدالحق دہلوی کی تھیں۔ وظائف کیونکر مقرر ہوئے وہ ۷، مئی ۱۸۹۰ء کے مشیر قیصر کی زبانی سنئے۔

"چند روز سے مولانا عبدالحق خیر آبادی، مولانا شاہ عبدالحق کانپوری اور مولانا عبدالحق دہلوی یہ تینوں حضرات یعنی مجموعہ ثلاثہ بلدہ حیدر آباد دکن میں بامید قدردانی شاہ دکن وارد تھے۔ مولانا شاہ عبدالحق کانپوری نے تو وعظ کہنا شروع کیا اور اپنی خوش بیانی اور فصاحت و بلاغت سے تسخیر قلوب کی۔ واقعی خوش بیانی اس شخص پر ختم ہے نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ ان کے پانچسو روپے ماہوار سرکار عالی سے

مقرر ہو گئے۔ اب رہے مولانا عبدالحق خیرآبادی، ان سے جو وعظ کی فرمائش ہوئی تو انہوں نے اس سے پہلوتہی کی۔ وجہ کیا، ان کو وعظ کا بالکل ملکہ نہیں مگر منطق ان کے گھر کی لونڈی ہے معقول میں ان کا جواب کا ہے کو ہے، ہو بھی تو یہ شہرت ناموری معلوم، آخر وہ بھی کامیاب ہوئے دو سو روپے ماہوار بلاخدمت سرکار عالی سے مقرر ہو گیا جہاں چاہیں رہیں۔ اب باقی رہے تیسرے مولوی عبدالحق دہلوی مصنف تفسیر حقانی۔ آپ کی فضیلت اور قابلیت بھی اظہر من الشمس ہے۔ علی الخصوص علاوہ اور کمالات کے صرف تفسیر ہی ایسی جامع لکھی ہے کہ قلم توڑ دیا ہے۔ پھر تحریر و تقریر کا مکالمہ و مناظرہ وغیرہ سب میں لائق فائق بلکہ اکثر بے مثل ثابت ہوئے اور فی زمانہ بہت مغتنم سمجھے جاتے ہیں۔ ان کا بھی دو سو یا ڈھائی سو روپے ماہوار سرکار عالیہ نے مقرر فرما دیا۔"

دہلی اب اہل کمال اور اہل فنون سے خالی ہو گئی ہے۔ ساٹھ ستر سال قبل دہلی علوم و فنون اور کمالات کا مخزن تھی۔ اس کے اہل کمال بہت دور دور تک جاتے تھے اور اپنی قابلیت کا سکہ منواتے تھے۔ چنانچہ جب امیر کابل نے صنعت و حرفت کی طرف توجہ دی اور کارخانے کھولے تو دہلی کے اہل کمال بھی وہاں پہنچنے شروع ہوئے۔ ۱۵ر جنوری ۱۸۹۰ء کے پرچے میں اس کی تفصیل درج ہے۔

"مرزا عبدالرزاق خوشنویس جو مہتمم مطبع ہیں ان کے علاوہ سنا ہے بہت سے کاریگر وہاں جا کر نوکر ہوئے ہیں یہاں تک کہ بعض پہلوان کابل میں شاہ کابل کو اپنی پہلوانی کے جوہر دکھا رہے ہیں۔ چنانچہ دہلی کا ایک پہلوان تفضل نامی جس کی ڈیڑھ سو روپیہ تنخواہ ہے، اس کو

علاوہ تنخواہ کے امیر صاحب بہت کچھ انعام و اکرام بھی عطا فرماتے ہیں اور اس کی کشتی کا تماشا دیکھتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جس طرح شہر دہلی پر کل کمالات کا خاتمہ ہے کشتی کا فن بھی دلی والوں سے بڑھ کر کوئی نہیں جانتا۔ دہاں کے لوگوں کو بخلاف اور شہروں کے کشتی کا شوق بھی حد سے زیادہ ہے۔ ہر محلہ میں ایک ایک دو دو اکھاڑے ضرور ہیں۔"

اخبارات کی جہاں عزت ہے وہاں ان کی مشکلات و پریشانیاں بھی بہت زیادہ ہیں۔ اگر حق گو بنتے ہیں تو مصیبتوں اور مقدمات کا شکار ہوتے ہیں اور چاپلوسی و خوشامد کرتے ہیں تو ضمیر فروشی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ غریب دہلی پنچ نے مطلق العنان راجہ فرید کوٹ کی بدعنوانیوں کو بے نقاب کیا تھا تو بقول ۱۴ مئی ۱۸۹۰ء کے شمارے کے راجہ صاحب نے مہتمم دہلی پنچ پر مقدمہ دائر کر دیا۔

"راجہ فرید کوٹ نے ابھی دہلی پنچ کے مہتمم کا پیچھا نہیں چھوڑا اور نہ آئندہ ان کا پیچھا چھوڑتے معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ مہاراجہ صاحب کو ایک ہزار روپیہ جرمانہ کرا کے بھی چین نہیں آیا۔ نہیں معلوم بیچارے مہتمم کا ان زیر باریوں اور فوجداری کی کشاکشی میں کیا حال ہوا ہوگا۔"

اخبار دہلی پنچ پر جس وقت سے جرمانہ ہوا ہے اخبار کا اجرا بند ہو گیا ہے۔

مولانا عبدالحق مفسر تفسیر حقانی نے بھی مولوی نصرت علی خاں صاحب ایڈیٹر نصرت الاخبار دہلی پر اپنی توہین کا مقدمہ دائر کیا تھا۔ اس مقدمہ کا بھی ۵ ستمبر ۱۸۹۰ء کے اخبار میں ذکر ہے۔ یہ مقدمہ ایک تاریخی مقدمہ تھا اس میں دہلی اور غیر دہلی کے اہل قلم اور اہل علم حضرات نے ہر دو فریق کی طرف سے دلچسپی لی تھی۔

"مولانا عبدالحق صاحب مصنف تفسیر حقانی نے آخر کار مجبور

ہو کر اپنے حفظ آبرو کے لئے عدالت سے چارہ جوئی کی۔ یہ دعویٰ مولوی نصرت علی مالک نصرت الاخبار اور ان کے والد مولوی ابو المنصور صاحب پر کیا ہے جن کے اخبار میں ان پر متواتر حملے ہوئے تھے۔ یکم ستمبر کو آخر نجم ہونے والا تھا۔۔۔ ایک خط سے معلوم ہوا ہے کہ مدعا علیہ کے دوستوں کی طرف سے صلح کی کوشش ہو رہی ہے۔ چونکہ مدعی و مدعا علیہ دونوں ہمارے معزز دوست ہیں اور دونوں مسلمان ہیں اس واسطے ہم تو مولانا کو اصلاح ذات البین کی صلاح دیں گے۔"

منشی ہر سکھ رائے مالک کوہ نور اخبار لاہور کی وفات کی خبر ۱۵ ستمبر ۱۸۹۰ء کے اخبار میں ہے لیکن تاریخ وفات درج نہیں ہے۔ ۱۵ جنوری ۱۸۹۰ء کے شمارے میں اخبار دارالسلطنت کی تبدیل ملکیت کی خبر درج ہے کہ "اخبار دارالسلطنت کے پہلے مالک میاں احسان اللہ نے تو دو ایک سال ہوئے حافظ حاتم کے ہاتھ اخبار دارالسلطنت کو فروخت کیا تھا فی الحال انہوں نے مولوی عبدالباری کے نام فروخت کر ڈالا۔"

مشیر قیصر میں داغؔ دہلوی، امیرؔ مینائی اور نیشؔ دہلوی کی غزلوں کے علاوہ کسی اور شاعر کی غزلیں کم نظر آتی ہیں۔ مولوی اکبر حسین اکبر آبادی کی ایک دل چسپ غزل ۲۶ فروری ۱۸۹۰ء کے نمبر میں شائع ہوئی ہے۔؎

اکبرؔ سے آج حضرت واعظ نے یہ کہا | چرچا ہے جا بجا ترے حالِ تباہ کا
سمجھا ہے تو نے نیچر و تدبیر کو خدا | دل میں ذرا اثر نہ رہا لا الٰہ کا
ہے تجھ سے ترکِ صوم و صلوٰۃ و زکوٰۃ و حج | کچھ ڈر نہیں جناب رسالت پناہ کا
شیطاں نے دکھا کے جمالِ عروسِ دہر | بندہ بنا دیا ہے تجھے حبِّ جاہ کا
اس نے دیا جواب کہ مذہب ہو یا رواج | راحت میں جو مخل ہو وہ کانٹا ہے راہ کا

افسوس ہے کہ آپ ہیں دنیا سے بے خبر
کیا جانئے جو رنگ ہے شام و پگاہ کا
لندن کا پیش آئے اگر آپ کو سفر
گذرے نظر سے حال رعایا و شاہ کا
آئے نظر علوم جدید کی روشنی
جس سے خجل ہو نورِ رخِ مہر و ماہ کا
سرکار ذی وقار کا دربار ہو نصیب
ممبر بنائیں آپ کو وہ بارگاہ کا
دعوت کسی امیر کے گھر میں ہو آپ کی
کمسن مسوں سے ذکر موافقت کا چاہ کا
نوخیز و دلفریب و گل اندام و نازنیں
عارض پہ جن کے بار ہو دامن نگاہ کا
رکھئے اگر تو ہنس کے کہے ایک بت حسیں
وِل مولوی یہ بات نہیں ہے گناہ کا
اس وقت قبلہ آپ کو جھک کر کریں سلام
پھر نام بھی حضور جو لیں خانقاہ کا
پتلون و کوٹ و بنگلہ و بسکٹ کی دھن بندھے
سودا احباب کو بھی ہو ترکی کلاہ کا

ممبر پہ یوں تو بیٹھ کے مسجد میں اے جناب
سب جانتے ہیں وعظ ثواب و گناہ کا

جناب مولوی سیف الحق صاحب ادیب دہلوی پریس ریورٹر گورنمنٹ نظام کی ۱۵ ستمبر ۱۸۹۰ء کی غزل کے چند منتخب اشعار پڑھئے۔ ــ

انہیں چاہنے میں نہ خامی کریں گے
وہ یوسف بنیں ہم غلامی کریں گے
قیامت بھی مشتاق ٹھیری ہوئی ہے
وہ کب دیکھئے خوش خرامی کریں گے
کوئی کھیل ہے ان کو لانا منا کر
نہ حامی بھریں گے نہ حامی کریں گے
مبارک ہو ملتے ہو گر دشمنوں سے
تمہاری یہی نیک نامی کریں گے
نہ مٹ جائیو بے مٹائے ہمارے
ہم اے درد تجھ کو مقامی کریں گے
بھلا آپ تو کہہ کے کچھ دیکھ لیجئے
یہ دشمن تو کیا بد کلامی کریں گے

رہا گر یہی بت پرستی کا عالم
تخلص ادیب اپنا رامی کریں گے

بوستان العاشقین

لکھنؤ محلہ مولوی گنج قریب چوک منڈی واقع جہانگیر باغ ڈاک خانہ امین آباد سے ۷ دسمبر ۱۸۷۷ء کو یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر شائع ہوا۔ مالک بابو مول راج، مہتمم بابو چھوٹے لال، ایڈیٹر لالہ مادھو پرشاد تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا مطبع بوستان العاشقین میں طبع ہوتا تھا۔

افضل الاخبار

میرٹھ سے ۱۸۷۷ء کو یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر جاری ہوا۔ چہارشنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک حافظ محمد اکبر، ایڈیٹر منشی عبدالصمد خاں تھے۔ سالانہ چندہ ساڑھے چار روپیہ تھا۔ مطبع اعلیٰ پریس میں چھپتا تھا۔

دبدبۂ قیصری

بانس بریلی سے ۱۸۷۷ء کو یہ ہفتہ وار اخبار سولہ صفحات پر ظہور میں آیا۔ ہر دوشنبہ کو اس کی اشاعت ہوتی تھی۔ مالک بابو رودر سہائے، مہتمم منشی ٹھاکر پرشاد، ایڈیٹر مولوی انتظام علی تھے۔ سالانہ چندہ سات روپے دس آنہ تھا۔ مطبع قیصری میں طباعت ہوتی تھی۔

دبیر ہند

الہ آباد محلہ کٹڑہ جی سنگھ سے یکم مارچ ۱۸۷۷ء کو یہ ہفتہ وار اخبار بارہ صفحات پر وجود میں آیا۔ مالک مرزا محمد حسین تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپے تھا۔

عمدۃ الاخبار

بھوپال سے ۱۸۷۷ء کو یہ اخبار بارہ صفحات پر جاری ہوا۔ ہر سہ شنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک حکیم اشرف حسین اور مہتمم عبدالمجید خان تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ مطبع سکندری میں چھپائی ہوتی تھی۔

کلید امتحان مڈل اسکول و انٹرنس

یہ رسالہ ماہانہ ۱۸۷۷ء کو گوجرانوالہ سے شائع ہوا۔ ۴۲ صفحات

پر مشتمل تھا، مہتمم منشی محبوب عالم تھے، سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا، مطبع خادم التعلیم میں طباعت ہوتی تھی۔

ضیاء الاسلام دہلی متصل بلبلی خانہ سے ۱۸۷۷ء کو یہ اخبار عشرہ وار آٹھ صفحات پر جاری ہوا تھا۔ مالک سید میر حسن رضوی، ایڈیٹر شاہزادہ مرزا عبدالغنی ارشد تھے، سالانہ چندہ تین روپیہ تھا، مطبع رضوی میں چھپتا تھا۔

مرزا عبدالغنی ارشد: مرزا ارشد کے والد مرزا علی بہادر اور دادا شاہزادہ دلاور شاہ بن احمد شاہ بادشاہ تھے، آپ شفیہ بیگم کے حقیقی نواسے تھے جو بہادر شاہ ظفر کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ یہ دہلی کے لال قلعہ میں پیدا ہوئے، چھ یا سات برس کے ہوں گے کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی وجہ سے ان کو لال قلعہ سے نکلنا پڑا اور کئی برس تک قطب صاحب میں رہائش اختیار کرنی پڑی، وہیں تعلیم بھی حاصل کی، انتہائی ذہین تھے، جس سبق کو ان کے ہم جماعت گھنٹوں میں رٹ کر یاد کرتے تھے، یہ منٹوں میں ذہن نشین کر لیا کرتے تھے اور ہمیشہ جماعت میں اول نمبر پاس ہوتے تھے۔ مرزا قادر بخش صابر مؤلف گلستان سخن ان کے رشتے کے ماموں تھے۔ ان سے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اور تکمیل مولوی احسان الحق معروف منجھلے آکا سے کی۔ انہی کی ایماء سے امراؤ مرزا انور صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مینا بازار خریدی اور بلا مطالعہ اس کو پڑھنے کیلئے بیٹھ گئے خاص توجہ سے نہیں پڑھ سکے۔ انور صاحب نے اس پر طنزاً یہ بات کہدی کہ میں تمہارا کلام سنکر یہ سمجھا تھا کہ تم اچھی استعداد رکھتے ہو گے، یہ فقرہ ان کو ناگوار گذرا اور استاد سے یہ کہہ کر چلے آئے کل سے پڑھوں گا رات کو توجہ سے کتاب دیکھی دوسرے دن حاضر ہوئے اور کتاب پڑھنی شروع کی تو انور صاحب متحیر ہو کر

بولے کہ کل کیا تم میرا امتحان لے رہے تھے۔ حقیقت یہ تھی کہ مرزا صاحب نے کل کتاب دیکھی نہیں تھی جس سے بدظنی پیدا ہوئی۔

فارسی کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مرزا ارشد نے عرفی کے قصیدہ پر (دہانِ علم زبانِ علم) ایک قصیدہ کہا اور مولانا حالی مرحوم کے ہمراہ نواب ضیاء الدین نیر درخشاں کے پاس پہنچے۔ قصیدہ سنایا تو انہوں نے بے حد پسند کیا اور داد دی۔

یہ بات اگر کہی جائے تو غلط نہیں ہوگی کہ پنجاب میں تعلیم پھیلانے میں ماسٹر پیارے لال آشوب، مولانا محمد حسین آزاد، مولانا الطاف حسین حالی، مولوی سیف الحق ادیب، مولوی سید احمد مؤلف فرہنگ آصفیہ اور مرزا عبدالغنی ارشد نے جو نمایاں حصہ لیا ہے، اس کو تاریخ فراموش نہیں کر سکتی۔ چنانچہ اس تعلیمی جانفشانی کا ذکر مولوی سید احمد اپنی تالیف محاکمہ مرکز اردو میں فرماتے ہیں۔

> "انگریزی سے اکثر ترجمے رائے بہادر ماسٹر پیارے لال یا ماسٹر چندولال یا مولوی محمد یوسف کیا کرتے تھے۔ ان کی نظر ثانی کبھی مولانا آزاد، کبھی خواجہ ضیاء الدین، کبھی خواجہ حالی کبھی مولوی مرزا اشرف بیگ کبھی مولوی محمد سعید کبھی بندہ سید احمد کبھی مرزا ارشد گورگانوی، کبھی سیف الحق ادیب کبھی مولوی مرزا بیگ ۔۔۔۔ دہلوی وغیرہ کیا کرتے تھے۔" (۲۰)

چنانچہ مرزا ارشد کی ملازمت کا سلسلہ پنجاب کے محکمہ تعلیم سے شروع ہوا۔ کچھ عرصہ آپ محکمہ تعلیم کی ملازمت میں لاہور میں رہے، مگر زیادہ حصہ فیروزپور میں گذارا۔ آپ فارسی کے ہیڈ مولوی تھے۔

مرزا قادر بخش صابر کو فارسی کے علاوہ عروض پر بڑا عبور تھا۔ اس فن میں

اپنا جواب نہیں رکھتے تھے اور فن شعر میں استادوں میں شمار ہوتے تھے، مرزا صابر مرزا ارشد کی ذکاوت دیکھ کر تاڑ گئے تھے کہ ان کو قدرت نے ایک غیر معمولی دل و دماغ دیا ہے۔ چنانچہ مرزا صابر نے ان کی تربیت کی طرف کافی توجہ دی۔ فنِ عروض سکھایا اور طبیعت کی مناسبت کی وجہ سے شعر گوئی کی طرف توجہ دلائی۔ تھوڑی سی محنت و توجہ دینے کے بعد مرزا ارشد ایسے اشعار کہنے لگے تھے کہ استاد پھڑک جاتے تھے۔ اسی زمانہ میں ارشد کی شعر گوئی کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک غزل سو ہو، ڈیڑھ ڈیڑھ سو شعر کی کہہ جاتے تھے۔ چنانچہ اس قابلیت کو دیکھ کر بعض اوقات حیرت زدہ ہو کر ان کے استاد کہہ دیا کرتے تھے۔ خدا بری نظر سے بچائے یہ استاد کا نام روشن کرے گا۔ ابتدائی غزل گوئی کا زورِ طبع دیکھئے۔ ؎

کیا ہے قید، تو لٹکا قفس کو گلشن میں
لئے پھرے گا مجھے تو کہاں کہاں صیاد

مرزا صابر نے ارشد صاحب کے کلام میں زیادہ عرصہ تک اصلاح نہیں دی تھوڑے عرصے کے بعد ان کو لکھ دیا تھا کہ اب تمہیں اصلاح کی ضرورت نہیں ہے۔ ارشد صاحب شعر اچھے کہتے تھے اور پڑھنے کا ڈھنگ، و انداز نرالا تھا، شعر کی صورت بن جاتے تھے اس کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی تھی۔ تاریخ گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔ شعر کہنے کے لئے ہر وقت طبیعت حاضر رہتی تھی۔ جس وقت چاہتے جس مضمون پر لکھنا ہوتا قلم برداشتہ لکھ دیتے تھے۔ اکثر جلسوں کے لئے طویل نظمیں ریل میں لکھ ڈالتے تھے۔ سخن سنجی کے ساتھ انتہائی ظریف اور ہنس مکھ تھے۔ لطیفہ گوئی ان کا شیوہ تھا۔ دوستوں کو ہمیشہ خوش رکھتے تھے۔ مزاج میں زندہ دلی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ سیر و سیاحت کا شوق تھا اکثر رامپور مالیر کوٹلہ اور بہاولپور جاتے تھے۔ ۱۹۰۲ء میں حیدرآباد دکن بھی چند دنوں کے لئے گئے تھے۔ بہاولپور

کی سرکار سے قصیدہ گوئی کے سلسلہ میں دو سو روپیہ سالانہ وظیفہ آپ کو ملا کرتا تھا۔ انجمن حمایت الاسلام کے سالانہ اجلاسوں میں پندرہ سال تک برابر شریک ہوتے رہے اور اپنے کلام سے سامعین کو متاثر کرتے تھے ہزاروں روپیہ کا چندہ فوراً ہو جاتا تھا۔ اسی طرح علی گڑھ کالج کی ترقی کا بھی باعث بنے۔ ۲۴ جون ۱۸۹۸ء میں جو وفد سر سید میموریل فنڈ کے سلسلے میں لاہور پہنچا اس میں نواب محسن الملک، مولوی مہدی علی خاں، ڈپٹی نذیر احمد، آفتاب احمد خاں، مولانا الطاف حسین حالی اور مسٹر بیگ، پرنسپل مسلم کالج کے ہمراہ جناب ارشد بھی تھے اور انہوں نے بھی ۲۵ جون کے اجلاس میں اپنی نظم سے لوگوں کے دلوں میں ولولہ و ہمت پیدا کی تھی۔

(خم خانہ جاوید اول صہ ۲۶۶)

مرزا ارشد صاحب تصانیف تھے۔ عشرۂ کاملہ، نالۂ یتیم، سوانح عمری ملکہ وکٹوریہ مرقع حکمت، جوہر تیغ اور تحفۂ وغیرہ شائع ہو چکی ہیں۔ ان کے علاوہ منشآت ارشد، مرقع عبرت، اردو دیوان اور مجموعۂ نظم و نثر کے مسودہ غیر مطبوعہ پڑے ہیں۔ مرزا آخری زمانہ میں بیمار رہنے لگے تھے مسلسل ایک سال علیل رہے۔ چنانچہ رخصت لیکر دہلی گئے تھوڑے دنوں کے بعد فیروزپور جانا پڑا۔ اس کے بعد اپنے صاحبزادے مرزا بلند اختر رشید جو ملتان میں ریلوے کے دفتر میں نقشہ نویس تھے، کے پاس چلے گئے اور وہیں ۵۸ برس کی عمر میں ۱۲ فروری ۱۹۰۶ء کو فوت ہوئے۔ فوت ہونے سے قبل یہ شعر کہا۔ ؎

از کشاکش ضعفم نگسار رواں از تن   ایں کہ من نمی میرم زناتوانی ہاست

صاحب عالم مرزا مجاہد الدین شاہی جو آپ کے رشتے میں ماموں تھے انہوں نے آپ کی یہ تاریخ وفات کہی۔ ؏

کہد شاہی میرزا ارشد سوئے جنت گئے

آپ کے شاگردوں کی تعداد بھی کافی تھی جن میں قابل ذکر نام یہ ہیں۔
استاذی نواب سراج الدین احمد خاں صاحب سائلؔ دہلوی، نواب ممتاز الدین خاں مائلؔ، منشی احمد حسین خاں احمدؔ، سر اقبالؔ، بسملؔ اور بزمی گورگانونی وغیرہ تھے۔ ؎

کچھ وہ کھنچے کھنچے رہے کچھ ہم کھنچے کھنچے
اس کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا

کثرت نے جرم کی مجھے محشر میں دی نجات
گر اٹھ سکے تو پیش ہو دفتر گناہ کا

تجھ کو کیا کہہ کہہ کے کوسوں نزع میں اے بیخودی
لوگ کہتے ہیں جنازے پر وہ دل بر ہو گیا

ضعف سے یہ حال ہے اب مجھ نحیف و زار کا
رشک دشمن کیا نہ اٹھا ناز بھی اس یار کا

دل کے آنے کی خبر واللہ ہم کو بھی نہ تھی
ہم تو حیراں ہیں انہیں معلوم کیونکر ہو گیا

میکدے کو چھوڑ کعبے کون جائے واعظا
وہ بھی اک فرض ضروری ہے ادا ہو جائیگا

میں تو کہدوں صانعا اسکے حسن کی کیا شان ہے
پر خداوند دو عالم تو خفا ہو جائے گا

غم ہجر اور اس پہ رشک رقیب
مرض میں مرض دوسرا ہو گیا

اجی شیخ جی زر سے ہے میکشی
جو مفلس ہوا پارسا ہو گیا

الٰہی جان دی ہے میں نے کس کے رُوئے روشن پر
ہزاروں شمعیں پروانہ بنی ہیں میرے مدفن پر

دہائی انصاف اور اپنی وفا کی داد یا قسمت
گمان دوستی ہے سادگی سے ہم کو دشمن پر

کیا آہ اثر دے دل مضطر سے نکل کر
چنگاریاں بجھ جاتی ہیں پتھر سے نکل کر

اللہ یہ نفرت ہے یہ بیزاری ہے
بیٹھنے بھی نہیں دیتا ہمیں دیوار کے پاس

آج ارشدؔ کو عجب حال سے دیکھا ہم نے
رو رہا تھا وہ کسی شخص کی دیوار کے پاس

تصور میں بھی جانے سے مرے ظالم کو نفرت ہے
مگر میں معنیٔ نقطِ وفا ہوں، ذہن جاناں میں
...بات میں یہ ٹوٹ کر سو ٹکڑے ہوتا ہے
مرے دل کی نزاکت آگئی ہے تیرے پیماں میں

زاہد ساری خدا... کا نمونہ ہے یہیں — آپ کہتے ہیں کہ بنیادِ بشر کچھ بھی نہیں

اے شوخ یہ دیکھتے جو تری آگئیں آنکھیں
کیا دل کے دکھانے کا مزا پا گئیں آنکھیں
ہاں تم مری الفت سے مکر جاؤ، مکر جاؤ
کیا ہو گا اتنہ شرم سے شرما گئیں آنکھیں

وہ بن سنور کے میرے جنازے پہ آئے ہیں — کرنا پڑے گا سہو کا سجدہ امام کو
رندو چلو سلام تو کر آؤ آخری — سنتے ہیں شیخ جاتے ہیں دارالسلام کو
سفرِ ملکِ عدم میں ہے بڑا اپنا مقام — پہلی منزل وہ ہمیں آئے ہیں پہنچانے کو
زاہد کی آنکھ دخترِ رز پر جو پڑ گئی — جھٹ پی گئے وہ معنی لفظِ حرام کو

نہ میں آپ میں ہوں نہ پہلو میں دل ہے
چلے آؤ کوئی مرے ہاں نہیں ہے

اودھ پنچ

لکھنؤ محلہ رد گاؤں سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۶ جنوری ۱۸۷۷ء کو جاری ہوا۔ ہر پنجشنبہ کو بارہ صفحات پر نکلتا تھا۔ مالک منشی سجاد حسین تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ تیرہ آنے تھا۔ ۲۷ اپریل ۱۸۷۷ء سے پہلے مطبع کالیستھ سماچار میں چھپتا تھا۔ ان ہی تاریخوں میں اخبار کا ذاتی مطبع بنام اودھ محلہ گولہ گنج میں قائم ہوا تھا۔ اس وقت سے اس میں چھپنے لگا تھا۔

اس زمانے کے اخباروں کا نہ کوئی خاص سیاسی و سوشل مسلک تھا، نہ

کسی مستقل اصول کے پابند تھے محض خبروں کی تجارت کرتے تھے۔ البتہ لارنس گزٹ میرٹھ، شحنۂ ہند میرٹھ، ہندوستانی لکھنؤ اور اودھ پنچ ان اخباروں میں تھے جن کی نظر عوام کے حقوق پر رہتی تھی۔ اخبار کو محض تجارت کا ذریعہ نہیں سمجھتے تھے۔
اگرچہ یہ ظریف پرچہ تھا مگر سیاسی اور سوشل معرکے سر کرتا تھا۔ قدیم خیالات کا حامی تھا اور نئی روشنی کے بجاریوں کی مکروہ کرتوتوں کا پردہ فاش کرتا تھا۔ ابتداء سے عوام کے خیالات کی ترجمانی کرنی شروع کر دی تھی اور حکومت برطانیہ کی ملک اور قوم دشمن حرکتوں کے خلاف اپنے مخصوص انداز میں لکھتا تھا اور عوام کا ساتھ دیتا تھا۔ الحاق اودھ، انکم ٹیکس اور البرٹ بل وغیرہ کے متعلق نثر و نظم میں آزادانہ تبصرے اور نکتہ چینی کرتا تھا۔ یہ اخبار کانگریس کا حامی تھا۔ اس میں مشہور و معروف ادیبوں اور شاعروں سے عالمانہ چھیڑ بھی ہوئی ہیں اور اپنے معاصرین سے بھی نمٹتا تھا۔ معلوم دیتا ہے اجراء سے قبل ہی منشی سجاد حسین حکومت کے خلاف بھرے بیٹھے تھے۔ انہوں نے اخبار کے نکلتے ہی تیر و نشتر چلانے شروع کر دیئے تھے۔

جس وقت یہ پرچہ جاری ہوا تھا اسی وقت الحاق اودھ کا مسئلہ حکومت کے زیر غور تھا۔ اس کو منظور کرانے کے لئے سرکاری لوگوں نے رئیسوں اور عوام کو ڈرانے دھمکانے اور بہکانے کا کام شروع کر دیا تھا۔ حکام متعلقہ حتیٰ کہ لفٹنٹ گورنر بھی لوگوں کو مرعوب کرنے لگے تھے۔ منشی سجاد حسین بھلا ان دھمکیوں کی کب پرواہ کرنے والے تھے انہوں نے اس کے خلاف لکھنا شروع کیا اور تیسرے پرچے ۳۰ جنوری ۱۸۷۷ء میں یہ خبر شائع کی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ صوبہ اودھ کے اضلاع مغربی و شمالی میں شامل ہونے سے تعلقداران اودھ خوش نہیں ہیں اور انہوں نے اپنی

ناراضامندی اس طور پر ظاہر کی کہ جس رات کو دہلی میں روشنی ہوئی تو
وہ آتشبازی کا تماشہ دیکھنے اور رئیسوں کے ساتھ جامع مسجد میں
نہیں گئے، اور نہ انہوں نے روشنی کی۔"

اس کے بعد ۱۲ فروری، ۱۹ جون ۱۸۷۷ء کے مختلف پرچوں میں بھی زورِ قلم دکھایا جس وقت اودھ پنچ جاری ہوا ہے تو بقول اودھ پنچ ۶ فروری ۱۸۷۷ء منشی نول کشور نے اس اخبار کی ہر طرح کی امداد و اعانت کا وعدہ کیا تھا اور الحاق اودھ کا ابتدا میں اودھ اخبار مخالف تھا۔ لیکن جب ۴ اپریل ۱۸۷۷ء کو لارڈ لٹن نے لکھنؤ کے رؤسا کے ساتھ سختی کرنی شروع کر دی تو اس وقت سے اودھ اخبار نے اس سلسلہ میں اپنی پالیسی بدلی اور سرکاری بولی بولنے لگا تھا اور الحاق اودھ کا حامی بن گیا تھا اور اس کی حمایت میں پروپیگنڈہ کرنے لگا تھا۔

اودھ پنچ عوام کا ترجمان تھا کسی سے مرعوب ہونے کا سوال نہیں تھا۔ وہ سرکاری پالیسی اور اودھ اخبار کی خوشامدانہ دلائل کا بھی جواب دیتا تھا۔ چنانچہ ۱۵ جولائی ۱۸۷۷ء کے اودھ اخبار نے الحاق اودھ کی حمایت میں ایک طویل مضمون لکھا تھا۔ اودھ پنچ نے ... ... اس کے جواب میں اپنا ایک ضمیمہ شائع کیا تھا جس میں دلائل و شواہد سے الحاق اودھ کے نقصانات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا تھا۔ یہ جواب کافی طویل ہے اور اس کا اقتباس کتنا ہی مختصر کیوں نہ کیا جائے وہ بھی طویل ہوگا لیکن اب جب کہ مہا دہلی کی ... ... تحریک شروع ہو چکی ہے اس کے اقتباس سے اس تحریک کو تقویت پہنچے گی اس لئے اس کا اقتباس نقل کرنا ضروری ہو گیا ہے ملاحظہ ہو۔

" اس اخبار نے ایسا خوشامد کا جامہ پہن لیا ہے اور زمانہ سازی
اور فوائد ذاتی کے لحاظ سے مضامین خیالی میں مبالغہ کرنا تو در کنار

واقعات اور مشاہدات کو ایسا رنگتا ہے کہ جن لوگوں پر وہ واقعات گذرے ہیں وہ اس کی ڈھٹائی اور لغویت پر مضحکہ کرتے ہیں۔ یہ بھی زمانہ کی خوبی ہے کہ اودھ کا اخبار اودھ ہی کے مٹانے پر تیار۔ لیکن ایسے زمانہ ساز اور خوشامدی اخبار کو جو وقعت و اعتبار ارباب دانش کے نزدیک حاصل ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ چنانچہ اس الحاق اودھ کے مقدمہ کو ملاحظہ کیجئے کہ اس وقت تک جس انگریزی یا اردو اخبار نے اس بحث کو لکھا ہے گورنمنٹ انڈیا اور لوکل گورنمنٹ کی اس ناجائز کارروائی کے خلاف رائے دی ہے۔ انگریزی اخباروں میں فرینڈ آف انڈیا، ٹائمز آف انڈیا کہ یہ دونوں نہایت معزز اور معتبر اخبار ہیں۔ لکھنؤ ٹائمس کو دیکھئے کہ کس شد و مد سے اس انتظام کو رد کر چکا ہے۔ . . . شہر کے اخبارات میں سوا اودھ اخبار کے کوئی ایسا اخبار نہیں ہے جس نے اس انتظام کے بخوبی چیتھڑے نہ اڑائے ہوں۔ اودھ اخبار کا یہ کہنا کہ اس انتظام کا عملدرآمد بوجہ احسن عمدگی سے ہو گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اودھ کی رعایا کو اس انتظام سے مطلق انتشار نہیں ہوا۔ اس کی کیفیت تو تمام عالم جانتا ہے کہ نواب لفٹننٹ گورنر بہادر کی تشریف آوری کے وقت سے لکھنؤ میں کیا تہلکہ پڑ گیا تھا کہ زمین قدموں کے نیچے سے نکلی جاتی ہے۔ ایک نمونہ قیامت اور ہنگامہ محشر نمودار تھا۔ اللہ وہ رستخیز ہر دم اور وہ اضطرار اور انتشار خلائق کبھی نہ دکھائے ہر شخص کی زبان پر یہ کلمہ جاری تھا کہ آج اودھ کی سلطنت چھن گئی اور لکھنؤ تباہ ہو گیا۔ اگر یہ کہئے انتظامات معمولی میں فرق نہیں آیا تو سررشتہ تعلیم کو صدر

اور پولس وغیرہ کو جا کر دیکھئے تو سہی کہ سارا کارخانہ بھر بھنڈ ہے مگر کوئی ڈر کے مارے دم نہیں مارتا صبر و شکر کئے بیٹھے ہیں۔ یہ اضطرار و انتشار اور اس طوائف الملوکی کو آپ "بوجہ احسن عمدگی" سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ زمانہ سازی نہیں تو اور کیا ہے۔۔ ۔۔ ۔۔ اب کفایت خرچ کو ملاحظہ فرمایئے کہ اودھ کی سالانہ رپورٹ انتظامی سے صاف ظاہر ہے کہ اس صوبہ کی آمدنی خرچ سے زیادہ ہے اور کئی لاکھ روپیہ سالانہ کی بچت ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ انتزاع سلطنت کے وقت جو عہد نامہ مابین کرنیل سلیمن صاحب اور بادشاہ معزول اودھ کے تحریر ہوا تھا اس میں صاف شرط یہ لکھی ہے کہ اس صوبہ کا محاصل اسی کی رفاہ و بہبودگی میں صرف کیا جائے گا اور اس میں سے ایک پیسہ بھی کمپنی کے خزانے میں داخل نہ ہوگا۔ بعد اس کے لارڈ کننگ صاحب بہادر اور سر چارلس ونگفیلڈ صاحب نے اس عہد نامہ کی تجدید فرمائی اور اس وقت سے ہر ایک گورنر جنرل نے اس عہد نامہ کی پابندی کی ہے پس کیا وجہ ہے کہ لارڈ لٹن اور ان کے مشیران خاص دو تین لاکھ روپے کی تخفیف کے لحاظ سے صریحاً عہد شکنی کرتے ہیں۔ اگر حضور عالی کے عہد معدلت میں عہد و پیمان کوئی چیز نہیں ہے تو خدا حافظ۔۔ ۔۔ ۔۔ سب سے پہلے ملازمین سرکاری کو دیکھئے کہ ان کا نقصان صریح اور فوری اس انتظام سے ہوا۔ سب صاحب جانتے ہیں کہ اودھ کے بارہ ضلع ہیں۔ بارہ ضلعوں میں جو حکام یورپین ابتدائی عہدوں پر مقرر ہوتے تھے وہی رفتہ رفتہ اعلیٰ عہدوں پر ترقی پاتے تھے، اب رہے ہندوستانی افسر اور اہل عملہ پولس سوائے ان لوگوں

کے جو اہلکار عملداری میں غیر ملک سے اودھ میں مقرر ہو کر آتے تھے تو ملازم لوگ اودھ ہی کے تعلیم یافتہ لوگوں میں سے مقرر کیے جاتے تھے پس غور کر کے دیکھیے کہ اس انتظام کی ادنیٰ خوبی یہ ہے کہ جب چھتیس ضلعوں کے تجربہ کار اور قدیم الخدمت ملازموں کی ترقی کی فکر سرکار کرے گی تب کچھ بچی کھچی آخوماں بار دضلع داروں کو عنایت ہوگی یہ بچارے کم بختی کے مارے ایک ہی عہدہ پر پڑے ہوئے برسوں ایڑیاں رگڑا کریں گے۔ چنانچہ ابھی چار مہینے کے عرصہ میں ہردوئی کی ڈپٹی کمشنری خالی ہوئی تو اودھ کے لائق اور کارگذار اسسٹنٹ کمشنروں کو امید قوی تھی کہ تا ہنگام مراجعت اصل عہدیدار اس عہدہ جلیل پر مامور ہوں گے۔ بطور قائم مقامی سہی اور ہمارا استحقاق اس عہدہ پر قائم ہو جاوے گا۔ کہ اتنے میں کیا سنتے ہیں کہ بریلی کے صاحب مجسٹریٹ ہردوئی میں بدل آئے۔ پس اودھ کے ذی حق لہو کا گھونٹ پی کر رہ گئے۔ پھر دیکھیے کہ اودھ کے محکمۂ ڈائرکٹری میں ایک اوسط درجہ کا عہدہ خالی ہوا۔ صاحب ڈائرکٹر ممالک مغربی و شمالی نے ایک صاحب کو الہ آباد سے اس عہدہ پر مقرر کر کے بھیجدیا۔ اودھ کے امیدوار کلیجہ مسوس کر رہ گئے۔ اب دو تین برس میں دیکھیے کہ منصف، صدر اعلیٰ، صدر الصدور، جج اضلاع مغربی و شمالی کے ترقی پا کر آئیں گے اور اودھ والے برسوں یوں ہی پڑے ہوئے مکھیاں مارا کریں گے ...... سنیے جناب اصل روداد اس مقدمہ کی یہ ہے کہ جب یہ خبر وحشت اثر لکھنؤ میں مشتہر ہوئی کہ آج اودھ کا خاتمہ بالخیر ہوا اور اہلِ شہر کو معلوم ہوا کہ تعلقداروں میں سے معدودے چند حاکموں

کی دھمکیوں سے سہم کر علیحدہ ہو گئے اور محکمات صدر شکست ہو کر الہ آباد
کو منتقل کئے گئے اور ایک چھوٹے سے گروہ نے جس میں مالک اودھ
اخبار شریک غالب تھے بدون اطلاع دہی و اجازت تمام شہر کی طرف
سے ایک اڈریس بنا کر پیش کیا جس سے الحاق اودھ کی منظوری ظاہر
ہوتی تھی۔ غرض جب یہ حالت عبرت مآل معززین اہل شہر کو معلوم ہوئی
تو اکثر لوگوں نے اپنے یار آشنا اور اہل محلہ کو جمع کر کے باہم مشورہ کیا
کہ اس بلائے ناگہانی کے انسداد کی کیا تدبیر کی جائے۔ غرض ان سب
حضرات نے ایک عام کمیٹی رفاہ عام میں تمام عمائد اور اراکین شہر کو
اس کیفیت سے مطلع کر کے شریک کمیٹی کیا۔ اور سب نے بالاتفاق
شہزادوں میں سے نواب صارم الدولہ بہادر خلف الصدق نواب
جراز الدولہ بہادر برادر زادہ خویش نواب سر محسن الدولہ کو اور
تعلقداروں میں سے امیر الدولہ سعید الملک راجہ محمد امیر خاں والی محمود آباد
کو خط لکھ کر اس کمیٹی کا مربی اور سرپرست قرار دیا اور رضا حسین خاں
صاحب و سید یوسف مرزا صاحب رؤسائے شہر لکھنؤ میں سے عہدیداران
کمیٹی مقرر کئے گئے۔ اگرچہ حالات زمانہ اور رجحان حاکم وقت اس
کے خلاف کا مقتضی تھا مگر ان وطن دوست اور عالی ہمت رئیسوں
نے محض قربۃً الی اللہ صرف اپنے ملک کی رفاہ اور بہبودگی کی نظر سے
اس نازک مقدمہ میں دخل دینا گوارا کیا جس کا ثمرۂ نیک سردست
یہ ظاہر ہوا کہ لکھنؤ کی چیونٹی چیونٹی ان عالی ہمت رئیسوں کی ہمہ تن
مداح اور بدل شکر گذار ہے اور ان کے حق میں شب و روز دعائے خیر
کرتی ہے۔ ... بعد اس کے شہزادوں کا حال سنئے کہ تمام

عیان و اکابر خاندان شاہی مثل صاحب عالم مرزا محمد مصطفیٰ علی حیدر جن کا نمبر دربار میں زمرۂ شہزادگان میں سب سے اول ہے اور صاحب عالم مرزا دارا سطوت، صاحب عالم مرزا سلیمان قدر برادر حقیقی حضرت سلطان عالم، نواب اقتدار الدولہ، عظمت اللہ اور معز الدولہ وغیرہم شریک عذر داری ہوئے ... .. نواب لفٹننٹ گورنر نے اس عذر داری کو ملاحظہ فرمایا تو معلوم ہوا کہ تمام رعایائے اودھ کی طرف سے یہ عذر داری ہے۔ ممدوح نے صاحب کمشنر لکھنؤ کو حکم فرمایا کہ ان دستخطوں کی تصدیق باضابطہ ڈپٹی کمشنر صاحب کے ذریعہ سے کرائی جاوے۔ بچارے بہت متحیر ہوئے کہ ایک جمہور کثیر اور جم غفیر کے دستخط جن کے مقامات سکونت مختلف، اوقات فرصت مختلف مراتب فہم و فراست مختلف، کئی برس میں اور کیونکر تصدیق ہوں گے۔ یہ کوئی فوجداری کا مقدمہ تو ہے نہیں کہ گواہوں کی طلبی بذریعہ وارنٹ کی جائے نہ کوئی تمسک یا بیعنامہ ہے کہ دس بارہ گواہوں کی تصدیق ایک ایک اجلاس میں بہ اطمینان تمام کی جائے یہ تو ایک بڑی بھاری خلقت کی ناراضگی کا اظہار ہے۔ ڈپٹی کمشنر نے مہتمان عذر داری کو حکم فرمایا کہ ایک عام کمیٹی قرار دو جس میں ہر گروہ کے معزز لوگ شریک ہوں۔ چنانچہ ۵ جون کو چار بجے سے شام تک یہ کمیٹی بعد تشریف آوری ڈپٹی کمشنر کے ہوئی۔ قریب ہزار آدمی معزز اور ممتاز جمع ہوئے اور ان میں شاہزادگان درجۂ اعلیٰ بھی شامل تھے۔ ڈپٹی کمشنر جمعیت کثیر کو دیکھ کر نقش دیوار ہو گئے۔ ہر شخص کو اپنے قریب بلا کر سمجھایا کہ اس انتظام سے کچھ نقصان آپ کا

نہیں ہے۔ ...سے نے کہا نقصان عظیم ہے۔ ہم اس انتظام سے ہرگز راضی
نہیں ہیں ہر... کے دستخط بکمال احتیاط اپنے سامنے کرا کے رخصت
کیا۔ جب صاحب ممدوح شام کو سوار ہو کے جانے لگے اس وقت
سو ڈیڑھ سو آدمیوں نے بہ آواز بلند کہا آپ حاکم ہیں اس انتظام سے
ہمارا ملک مٹ جائے گا ہم راضی نہیں ہیں ڈپٹی کمشنر نے وہ دستخط
مع کیفیت تفصیلی روانہ صدر کئے۔ وہاں سے حکم آیا کہ اس طرح
تصدیق کرانے میں بڑا عرصہ گذرے گا تحصیلداروں کے ذریعہ
تصدیق کراؤ۔ لہذا ہر ضلع کے تحصیلداروں کو پروانہ کے ذریعہ حکم
تصدیق بھیجا گیا۔ تحصیلدار صاحب لکھنؤ نے چوک کی مچھلی والی
بارہ دری کو مقام تصدیق تجویز فرمایا۔ ادھر حسین آباد کی کمیٹی کے
بعض پھندیوں نے یہ کارروائی کی کہ اپنے پٹھو جا بجا دوڑا دیئے
انہوں نے چوک وغیرہ کے دکانداروں سے جا کر کہدیا کہ خبردار
رہنا آج سہ پہر کو مچھلی والی بارہ دری میں تحصیلدار صاحب تم سے
ٹیکس کے کاغذ پر تصدیق کرائیں گے اور جو تم اپنے دستخط قبول دوگے
تو بڑا بھاری ٹیکس دینا پڑے گا۔ یہ سنتے ہی ان کی روح فنا ہو گئی
اور ایک صاحب بظاہر نور اور بباطن شب دیجور نے اوسط درجے
کے لوگوں کو جو آئین ملکی سے بالکل ناواقف تھے یوں دھمکایا کہ
جو شخص اپنے دستخط قبول کرے گا وہ سرکار کا مجرم ٹھیرے گا۔ یہ
بیچارے بھی سناٹے میں آئے خیر۔ ادھر یہ کارروائی کر کے تحصیلدار
صاحب مچھلی والی بارہ دری میں آئے اور سر رشتہ کے چپڑاسیوں کو
حکم دیا کہ دکانداروں کو لے آؤ۔ ان کا تو پیشتر ہی دم نکلا ہوا تھا

چپراسی کو عزرائیل کا پیادہ سمجھے۔ تحصیلدار نے چھ سات کو بلا کر پوچھا کہ یہ تمہارے دستخط ہیں انہوں نے فوراً اقبال کیا۔ مگر ایک نے گھبرا کر کہا صاحب اگر یہ ٹیکس کا کاغذ ہے تو ہمارے دستخط نہیں ہیں۔ بعد اس کے تحصیلدار نے پیچیدہ سوالات کرنے شروع کیے مگر اصلی امر نہ پوشیدہ ہو سکا۔ جب یہ کیفیت ڈپٹی کمشنر نے نینی تال لکھ کر بھیجی اور لکھا جس طرح آپ چاہتے ہیں اس طرح پچاس ہزار آدمیوں کی تصدیق کرنا غیر ممکن ہے۔ تو وہاں سے حکم آیا کہ ممبران انتظامی کمیٹی رفاہ عام سے دستخط کنندوں کی سکونت اور پیشہ لکھوا کر اس کارروائی کو جلد ختم کر کے ہمارے پاس بھیجو۔ چنانچہ حسب ہدایت نواب لفٹنٹ گورنر سکونت وغیرہ لکھی گئی۔ ڈپٹی کمشنر لکھنؤ نے جو رپورٹ اس کے ہمراہ بھیجی اس کا مضمون معتبر ذریعوں سے یہ سنا گیا کہ دستخط صحیح ہیں اور اودھ کی رعایا بیشک اس انتظام سے ناراض ہے اور اودھ اخبار کی قدح خوشامد اور واقعہ سازی کے سوا کچھ نہیں۔ ․ ․ ․ ․ ․ ․ ․ اب اپنے شفیق اور اودھ کے مشفق حضرت اودھ اخبار کی خدمت میں ہماری التماس ہے کہ ایک امید موہوم پر لاکھا بندگانِ خدا کی بد دعا اور شماتت مول لینا کون فخر کی بات ہے۔ لکھنؤ میں کوئی محلہ بھی ایسا ہے جہاں آپ کی خیر خواہیوں اور دل سوزیوں کا چرچا نہ رہتا ہو۔ دیکھئے خدا کے غضب سے ڈریئے لکھنؤ کی مظلوم خلقت کا دل نہ دکھایئے اور ان کی آہ سے حذر مانگیے۔ آپ کی وہی مثل ہوئی جس ہانڈی میں کھائیں اسی میں چھید کریں۔ اب ہم اس مضمون کے آخیر میں سچے اور پاک دل اور خالص نیت سے دعا مانگتے ہیں کہ خداوند تو

"...ا بے سروسامان ملک کے حال پر رحم فرما اور اس تباہی زدہ
...کے سر سے اس آفت کو دفع کر کے اڑی ہوئی مشکل میں مدد کر۔"

انکم ٹیکس کی مخالفت میں اودھ پنچ نے کافی لکھا ہے۔ اس کی نثر طولانی ہوتی تھی جس میں مطلب کی بات کم ہوتی ہے۔ "ٹیکس کی دم" جیسے مضمون اس نے لکھے ہیں جو بیکار محض ہیں، لیکن اس کی نظم جاندار ہوتی ہے۔ لیجئے ٹیکس کی منظوم مخالفت سنئے۔ ۲۹ مئی ۱۸۷۷ء کے شمارے میں نظم کا عنوان "ٹیکس پر واویلا" ہے۔ ؎

کہتے ہیں جسے ٹکس وہ ہے قہر الٰہی
دیکھیں ہمیں کب ہوتی ہے اس سے رہائی

روٹی ہی نہیں صبح سے تا شام میسر
اس حال میں ہو ٹکس کی کس طرح سمائی

الٹی یہ بنا لیتا ہے عالم کی حجامت
ہے ٹکس بھی شاید کوئی اللہ کا نائی

کانٹا سا کھٹکتا ہے یہ آنکھوں میں ہماری
نشتر سا چبھا دل میں ہے جانوں پہ بن آئی

کونسل سے چلا ٹیکس، ادھر چرخ سے ہیضہ
دونوں نے پہنچتے ہی عجب دھوم مچائی

وہ مال کا جج ہے تو یہ جانوں کا کلکٹر
منظور ہے دونوں کو سر رشتے کی صفائی

بربادی کے آثار، خرابی کی علامات
اس ٹیکس میں ہر شخص کو دیتے ہیں دکھائی

کھٹکا ہے کہیں شعر یہ بھی ٹکس نہ بندھ جائے
خاموش ہوں اصغر کہ اسی میں ہے بھلائی (ج، ب، فروغ)

۸ مئی ۱۸۷۷ء کے اخبار میں ٹکس سپھار چائی گئی ہے۔ فرماتے ہیں۔ ؎

باجی مہوں میں قوم کا اور ٹکس ہے میرا نام
چھری گلے پہ پھیرنا سدا ہے میرا کام

سدا ہے میرا کام اجاڑوں شہر اور منڈی
بچے نہ کوئی ذات، بھڑوا ہو یا رنڈی

نام ہے ٹکس مرا، قہر خدا کا ہوں میں
جسم بد دور کہ دجال کا باوا ہوں میں

کوڑی کوڑی پہ مرا دانت رہا کرتا ہے
نادیا بیل سے بھی دیکھو لو سنڈا ہوں میں

عرضی پڑھتا ہوں، نہ سنتا ہوں کسی کی فریاد
آنکھوں سے اندھا ہوں اور کانوں سے بہرا ہوں میں

مہاراجہ ہولکر سے رزیڈنٹ اور انگریزی حکام اس وجہ سے ناراض تھے کہ انہوں نے عیسائی مشنریوں کو اپنے مذہب کی حمایت اور دوسرے مذاہب کی تکذیب کے لئے اجازت نہیں دی تھی۔ "تین بیسی کے ساٹھ" کے عنوان کے ماتحت ۲۲ جون ۱۸۸۴ء کے اخبار میں انگریزی حکومت کے اس دعوے کا کہ ہم زبردستی نہیں کرتے مذاق اڑایا ہے۔

"بھلا یہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ مذہب عیسوی کی اشاعت میں کسی جگہ زبردستی کی جاتی ہے یہ تو اصول مذہب ہی کے خلاف ہے۔ مسلمانوں کا جہاد ہر طرح سے قابل الزام ہے لیکن عیسائیت میں جس وجہ سے چاہو یہ بات غیر ممکن سمجھو۔ اگر مہاراجہ ہولکر پر سرکار کی جانب سے اس امر کا تشدد ہوتا ہے کہ وہ اپنی ریاست میں پادریوں کو وعظ کہنے دیں تو یہ کوئی زبردستی نہیں۔ رزیڈنٹ "لے ڑیں" اس پر خفا ہیں تو یہ کوئی زبردستی نہیں ہے۔ حکام سرکاری کشیدہ ہیں تو یہ کوئی زبردستی نہیں یہ صرف وحشت اور ناتعلیم یافتگی کے خیالات ہیں کہ عیسائیت میں اگر جبر نہیں ہے تو مہاراجہ ہولکر سے ناچاقی یعنی چہ۔"

انگریزی دور میں ریاستوں کے اصل مالک رزیڈنٹ تھے جو زیادہ تر انگریز ہوتے تھے۔ ان کو ریاستوں کا خون چوسنے کے لئے لگایا جاتا تھا۔ ان کے اختیارات بدپرہ ۲۲ جون ۱۸۸۴ء کے شمارے میں طنزیہ طور پر لکھا گیا ہے۔

"مثل مشہور ہے "خدا دیکھا نہیں عقل سے پہچانا" ہندوستانی درباروں میں لازم ہے اس کی یوں ترمیم کی جائے "خدا دیکھا نہیں رزیڈنٹ سے پہچانا" کیا سبب کہ خدا کا معاملہ تو شاید مرنے پر کھلے لیکن رزیڈنٹ بہادر شیطان کی طرح جیتے جی ہلکان کرتے ہیں۔ اگر کوئی رئیس

نیک [illegible] ہو کر آسائش رہا چاہے تو اس کو لازم ہے کہ رزیڈنٹ کے کتے اور بلی تک کو بھی نظر گرم سے نہ دیکھے۔ یہ بگڑے تو دین کا حال خدا جانے دنیا میں کہیں ٹھکانا نہیں۔ اگر ہماری سنو تو دیسی رئیسو ایک رزیڈنٹ کو قابو میں رکھو پھر جو چاہو کرو سب جگہ بیڑا پار ہے۔"

اودھ پنچ جہاں انگریزی حکام کی بدعنوانیوں کو بیان کرنے میں جھجک محسوس نہیں کرتا تھا وہاں ہندوستانی ریاستوں کی غفلت شعاری پر بے باکانہ تبصرے کرتا تھا چنانچہ کشمیر کے مہاراجہ کی بدعنوانیوں کا ذکر ۹ ستمبر ۱۸۸۱ء کے شمارے میں کیا ہے،

"ملازموں کا مشاہرہ برسوں سے چڑھا ہوا ہے۔ سپاہ اور دیگر لشکری بھوکے مرتے ہیں، ان کو کیوں نہ دیا جائے کہ وہ رشوت ستانی سے باز آئیں رعایا کو بیجا نہ ستائیں... ... شہر کے اطراف دیہات کے سارے درخت ہائے میوہ دار پر پہرے بیٹھ گئے ہیں۔ سپاہ مقرر کی گئی کوئی شخص اپنے درخت سے میوہ نہ توڑنے پائے جرمانہ لیا جائے گا۔ بچارے غربا جو اس کو کھا کر اور بازاروں میں بیچ کر روزی پیدا کرتے اور زندگی کاٹتے تھے وہ مرے یا بچے۔ اجی یہ مول کیوں کر نہیں لیا جاتا انہیں قیمت کیوں نہیں دی کہ اپنی خوشی سرکار میں پہنچاتے۔ اس پر طرہ اور سنئے کہ سپاہی کھاتے بھی زمینداروں کے سر ہیں... ... اس ملک میں مسلمان رعایا کثرت سے ہیں مسلمان ملاح موقوف، مسلمان اہل کار مورد عتاب، مسلمان بے تکلف بیگار میں پکڑے جائیں، مسلمانوں کی مسجد میں غلہ خانے بنائے جائیں، مسلمانوں کی قدیم عمارتوں کے پتھر اکھیڑ کر مندر میں لگائے جائیں مسلمانوں کی کھودی نہریں بند کی جائیں، گوٹن اور زینہ گیر کا پرگنہ

ویران ہو جائے۔ ۔۔ پنڈت بچار دے کہ خواب گاہ میں جن ہے۔ فقیروں عاملوں کو تین لاکھ روپیہ دینے کا وعدہ ہو گا اگر وہ جن جلایا جا سکے۔ کیمیا کی تلاش میں ہزاروں من معدنیات روز صرف ہوتے ہیں۔ ۔۔ کسی پنڈت نے یا کسی مفسد نے کہدیا کہ فلاں شخص باغی سرکار ہے فی الفور سپاہی پیچھے لگا دیئے گئے یا پا بجولاں ہو گیا۔ کسی اہل حرفہ مثلاً بڑھئی، لوہار، دباغ، سرّاج وغیرہ کی ضرورت ہوئی تو کیا مجال کہ سپاہی بے طلبانہ لئے چلا آوے۔"

دیسی پریس کو دبانے کے لئے حکومت نے سخت قانون بنایا تھا جس کے ماتحت بابو سرندرناتھ ایک بنگالی ایڈیٹر کو سزا ہوئی تھی۔ یہ قانون انگریزی اخبارات کے زور دینے پر نافذ کیا گیا تھا۔ ان انگریزی اخبارات کی فتنہ پروری اور اس قانون کی مذمت کرتے ہوئے ۲۹ مئی ۱۸۸۳ء کے اخبار میں حکومت کو خطرناک نتائج سے آگاہ کیا تھا۔ عنوان ہے "دمڑی کی ہانڈی گئی مگر کتے کی ذات پہچانی گئی۔"

"بابو سرندرناتھ بنرجی ایڈیٹر بنگالی نے سخت سزا پائی ہے۔ اس معاملہ میں یہ ضرور معلوم ہو گیا کہ انگریزی اخبار ایسے کمینے اور ذلیل خیالات کے ہندوستان میں ہیں جو اپنی خود غرضی اور ہٹ کے نشے میں بدمست ہو کر موثر طور سے ایسی خرابیاں اور ہنگامے پیدا کرنے میں باک نہیں کرتے جو ملک و قوم کے امن و امان اور سرکاری حکومت کے حق میں سم قاتل سے زیادہ مضر ہیں۔ اگر خدانخواستہ آئندہ ہماری سرکار کو کسی زمانے میں انگریزوں اور ہندوستانیوں کے نفاق کے باعث کچھ فکر لاحق ہو گی تو انہیں دشمنانِ ملک و قوم و سلطنت کی شیطنت اور زہر آلود کارروائی سے۔ ۔۔ لارڈ لٹن نے جھوٹی

افواہوں اور غلط بیانات کے دھوکے سے ڈر کر دیسی اخبارات کا گلا گھوٹنے کا قانون نافذ کیا تھا. کیا آجکل انگریزی اخبارات کی زہریلی تحریر پر نظر کرتے مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ ان وریدہ دہن مفویوں فسادیوں فتنہ برپا کرنے والے غمازوں کی زبان میں لگام دی جائے۔" عوام کا خون چوسنے والا طبقہ ہر دور میں رہا ہے. اس کو انسانیت سے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی جو بے ایمانیوں سے اپنا پیٹ بھرتا ہے اور عوام کو دھوکہ دیکر ان کی جیبیں خالی کراتا ہے. یہ مشہور طبقہ بنیوں کا ہے. لکھنؤ میں قحط کی وجہ سے گرانی ہوگئی تھی. اس موقعہ پر اس قابوچی طبقہ نے کیا حرکتیں کیں ۹ اکتوبر ۱۸۷۷ء کے اخبار میں پڑھیے:

"ایک تو گرانی دوسری بنیوں کی یہ مہربانی کہ کم وزن باٹوں سے تولتے ہیں لکھنؤ کا خدا ہی حافظ ہے. اسی جرم میں چہارشنبہ گذشتہ کو عدالت سٹی مجسٹریٹ سے چھ بنیوں کو چھ چھ ہفتے قید کی سزا ملی اور چند پر بید پڑے. مگر یہ قوم ایسی باحیا ہے کہ ان میں سے بڑے بڑے کب ایسی باتوں پر خیال کرتے ہیں. ۵ اکتوبر کو انسپکٹر پولس فتح گنج بنیوں کے باٹ جانچ رہے تھے کہ ان لوگوں نے کیا فقرہ چست کیا کہ "امین آباد لٹا جاتا ہے بنیوں کا غلہ لوگ لئے جاتے ہیں دوڑیو دوڑیو" اور یہ کہہ کر سب نے دکانیں بند کرلیں کہ باٹوں کا فریب کھلنے نہ پائے. پولس والے امین آباد کی طرف متوجہ ہوئے ان کی جان بچی ورنہ اس روز خوب قلعی کھل جاتی. سنا ہے سرکاری باٹوں کو بھی یہ ظالم کم وزن کرلیتے ہیں. ترکیب یہ ہے کہ آگ میں گرم کر کے جب سرد پانی میں بجھاتے ہیں تو تولہ بھر کے قریب

وزن کم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر یہ ترکیب چند مرتبہ کی گئی تو بہت وزن کم ہو جاتا ہے۔"

اودھ پنچ کے مضامین کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ دنیا کا کوئی مسئلہ ایسا نہ تھا جس پر اودھ پنچ کا قلم نہ اٹھتا۔ خاص طور پر لکھنؤ کے طرزِ معاشرت کی پرمذاق اور دل کش تصویروں سے اس کے صفحات مزین رہتے تھے۔ محرم، چہلم، عید، شب برات، ہولی، دیوالی، بسنت کے جلسے، عیش باغ کے میلے، مشاعرے، پتنگ بازی، مرغ بازی، بٹیر بازی، الیکشن کے معرکے اس اخبار کے ظریفوں کی نظر میں رہتے تھے۔ اودھ پنچ کے مشہور مضمون نگار مرزا مچھو بیگ معروف ستم ظریف، جناب احمد علی شوق، پنڈت تربھون ناتھ ہجر، نواب سید محمد آزاد، بابو جوالا پرشاد برق، منشی احمد علی کسمنڈوی اور جناب اکبر حسین اکبر الہ آبادی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے چٹکلوں اور لطیفوں کے ساتھ اودھ پنچ میں صحتِ زبان کے متعلق اور شعراء کے کلام پر اصلاح دینے اور اعتراضات جڑنے اور مباحثے چھیڑنے کا سلسلہ مہینوں نہیں بلکہ بعض تو سال بھا سال چلا۔ ان مضامین کے عنوانات اور اشعار مخصوص تھے۔ چنانچہ صحت زبان کا سلسلہ جب چلا تو اس کا عنوان یہ شعر تھا:

ہم ان کے حسنِ بیاں کے اثر کو دیکھتے ہیں
وہ کون ہیں جو پہلے ادھر کو دیکھتے ہیں

اس کی چوتھی قسط ۷، ۲ فروری ۱۸۸۳ء کے شمارے میں شائع ہوئی ہے گوش ہوش سے سنئے۔

"شگفتہ ع چھالا زبان تیغ ستمگر میں آگیا۔ چھالا پڑنا صحیح، آنا غلط۔ اس کے اعتراض کے جواب میں راقم شاگرد شگفتہ نے لکھا ہے

[illegible] اور چھالا پڑنا اور چھالا آنا بال پڑنا سب درست ہے۔

اس [illegible] مثالیں پیش کیں۔ اول درد سے

دیکھ او قاتل میری آتش مزاجی کا اثر
میرے خوں سے آ گئے چھالے تری تلوار میں

معترض کہتا ہے کہ ہمارے پاس دیوانِ درد علیہ الرحمۃ مطبع مصطفائی جو کمال صحت سے چھپا ہے موجود ہے سب ڈھونڈھ مارا کہیں یہ شعر نہیں اور اگر کسی دیوان میں ہو بھی تو اس کا ذکر ہی بے سود، اس لئے وہ باتیں آجکل متروک اور ناجائز اور خلاف فصاحت سمجھی جاتی ہیں۔ دوسری مثال لالہ موجی رام موجی سے

شعلے اٹھتے ہیں بدن سے میرے قاتل وقت ذبح
دیکھنا خنجر میں تیرے آبلہ آجائے گا

اس شعر کو معترض بالکل اصل ہی نہیں سمجھتا۔ لغو اور واہیات بتاتا ہے۔ لالہ موجی رام نے اپنی موج میں کہدیا۔ علاوہ اس کے وہ ایسے بڑے استادوں میں کب ہیں۔ تیسری مثال داغ دہلوی سے

شبِ وصال میں بھی ان کی بے رضامندی
جو بوسہ لوں تو مرے منہ میں آبلہ ہو جائے

اس بیت پر معترض نے کمال گرمیاں کی ہیں اور بڑی جسارت سے کہتا ہے کہ یہ تو سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ ان شعروں تک تو خیریت تھی کہ درد اور موجی نے اپنی اپنی آتش مزاجی اور بے آگ کے جلنا قبول کیا ہے۔ اس شعر میں تو بات ہی اور پیدا ہے۔ دیکھئے نا جو بوسہ لوں تو مرے منہ میں آبلہ ہو جائے۔ یعنی بوسہ سمٹ کر آبلہ کی شکل

پیدا کرلے۔ اگر بے رضامندی یعنی زبردستی سے ہوں تو یہ سزا طے
اگر وہ خود دیں تو کچھ نہیں۔ اور سنئے معشوق صاحبہ کا انگارا ہونا آگ
کا پتلا، یا بھاڑ، یا آتشبازی کا کھلونا، یا آتشک میں بھرا ہونا بھی
پیدا ہے۔ کیا معنی کہ بوسہ لیتے ہی چھ کر پڑے اور منہ بڑھاتے ہی
چھالا موجود یا اللہ خیر معشوق بھی آج کے زمانے میں الٹے جلنے لگے، یہ
عاشقوں کے جلانے کی سزا ہے۔ لیجئے مثالوں کی تو قلیا تمام، رہا محاورہ
جیسا وہ کہتے ہیں کہ بال آنا اور پڑنا اور چھالا آنا اور پڑنا صحیح ہے۔
محض غلط کبھی فصحا اس کو نہیں بولتے اور اس کے قطع نظر سوال
از آسماں جواب از ریسماں۔ بحث چھالے میں ہے نہ بال میں۔
چھالے کے لئے پڑنا باندھتے ہیں نہ آنا۔ جیسا یہ مصرع استاد کا ہے۔

" پڑ گیا چھالا زبانِ مرغ آہ "

یہ مضمون بھی ہم نے مکمل نقل نہیں کیا ہے۔ اس قسم کے مباحث اس اخبار میں کافی درج ہیں ان کے لئے ایک کتاب چاہئے۔ شاد عظیم آبادی کی غزل بھی اودھ پنچ کی اصلاح کی زد میں آئی ہے جو ۲۰ر جون ۱۸۸۶ء کے اخبار میں درج ہے۔

یکم جون ۱۸۸۶ عیسوی کے مشیر قیصر میں علی محمد شاد نے اپنی طبعزاد
دو غزلیں چھپوائی ہیں۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ بزعم خود اچھی اچھی
جن کے یہاں بھیجی ہوں گی کیا وجہ کہ گنتی کے کل سات شعر دونوں
غزلوں میں ہیں۔ لیکن یاروں کی نگاہوں میں وہ کچھ بھی نہ معلوم ہوئیں
خیر صاحب۔ ادھر ادھر سے جو سامنے آجائیں ان کو دیکھ بھال
لینا چاہئے ضرور ہزار کام چھوڑ کے۔ مگر یہ تو کہئے شاد ہیں کون
بزرگوار؟ اجی کوئی پٹنے کے رہنے والے ہیں۔ رہی قابلیت، اس کا

لفافہ انہیں غزلوں سے کھلا جاتا ہے۔ ہم تو سمجھے تھے لالہ دہلی ہی شاعر غرا ہیں مگر آج کھلا حضرت شاد بھی اسی رنگ میں سترا بیٹے ہیں۔ پھر آجکل اور ہے کیا؟ دمڑی کی پڑیا لے کے جو چاہے رنگا سیا بن جائے یہی گت شاعری کی ہے۔ دو چار شعر بے تکے کہہ کے جو چاہے استاد بن جائے۔ بھئی خدا خدا کر دیوں کوئی استادی کو ماننے کیوں لگا؛ اور بننے کو نہ کہو ایسے دو چار یہاں آ کے روز بن جایا کرتے ہیں۔ ہم بالکھرے آدمی۔ شاد کی طبعزاد اچھی نہ ہو گی تو صاف کہدیں گے کبھی بھونڈی ہے پسند کے قابل نہیں سنئے نیت کرتا ہوں میں شاد کی طبعزاد پر ایک حرکت وحشیانہ کرنے کی۔ منہ میرا طرف اسی طبعزاد کے شیطان بدتر۔ لاحول ولا قوۃ یہ کفر بھانکنے لگے ارمان نیت نماز کی نقل اس بدعنوانی کے ساتھ! جی بے عنوانی اس میں کیا ہوئی بڑے کام کے واسطے نیت بھی بڑی چاہیے۔ آپ سمجھے نہیں۔ خیر شرح سن لیجئے۔ طبعزاد سے مراد وہ غزلیں جو مشیر قیصر میں چھپی ہیں۔ اعتراض کرنا گویا سرزمین سخن میں لڑائی کا بیج بونا ہے اور لڑائی حرکت وحشیانہ ہے۔ طبعزاد یعنی ان غزلوں کی طرف منہ نہ ہو گا تو کوئی دیکھے گا کیا خاک۔ بشیطان بدتر نہ ہوتا تو لڑنے بھڑنے کی صلاح کیوں دیتا۔ لے اب خشو وزائد کو چھوڑ کر اشعار آبدار ملاحظہ فرمائیے۔ شاد کی پہلی بیعت۔ ؎

اسی بہانے سے دل کو اسے دکھا دینا
یہ چیز کیسی پڑی ہے ذری اٹھا دینا

"کیسی پڑی ہے" کیا اس سے یہ مطلب ہے کہ کالی، گوری، لال

اس کا محل نہیں پھر بجائے "کیسی" کے کون کہنا چاہئے تھا۔ انجان نئے تو یہاں بات بنتی ہی نہیں۔ "ذری" کو اساتذہ نے آجتک نظم میں داخل نہیں کیا بے شبہ متروک ہے۔ ایک بار بڑی بحث ہوئی تھی صرف منیر کی رائے "ذری" پر مائل ہوئی تھی مگر تمام اساتذۂ وقت نے اختلاف کیا اور یہ لفظ متروک کا متروک رہا۔ اگر بھولے چوکے ایک آدھ نئے گھن کے شاعر نے کہدیا ہو تو سند نہیں۔ اساتذہ موجودہ میں آج شاد پوچھ لے۔ بے شبہ بجائے "ذری" کے "ذرا" کہنا چاہئے تھا۔ "دل کو اسے دکھا دینا" خطا نہیں مگر عیب ضرور ہے۔ دو دھڑ کی بات ہے، آیا معشوق کو دل دکھا دینا یا دل کو معشوق دکھا دینا۔ خیر شاد گھبرائے نہیں بندہ صحیح کئے دیتا ہے، سنئے۔ ؎

اسی بہانے سے دل یار کو دکھا دینا
یہ کون چیز پڑی ہے ذرا اٹھا دینا

تیسری بیت ؎

اسی دریچے سے ہر چیز کی ہے آمد و رفت
ادب سے دور ہے آنکھوں میں اس کو جا دینا

پوچھئے میاں شاد کو شاعری کی ضرورت ہی کیا پڑی ہے۔ شاعری کچھ سوت تو ہے نہیں کہ کاتا اور لے دوڑیں۔ اب بھی سمجھے۔ جی نہیں سمجھے اور پتھر کے ہوئے، خدا نے سمجھ ہی نہیں دی اس میں شاد بچارہ کا کیا قصور؟ واہ حضرت، شاد تخلص ناشاد کرنے والا کلام

ع برعکس نہند نام زنگی کافور

خیر صاحب سنئے "اسی دریچے سے" یعنی اسی ایک دریچے سے

ہر چیز کی آمد و رفت ہے۔" اسی" "دریچہ" دونوں شہادتیں واحد ہونے کی دلالت موجود ہیں۔ پھر دوسرے مصرع میں "آنکھوں میں اس کو جا دینا" یہ کیوں؟ آنکھوں کی جمع سے کم سے کم دو دریچے ثابت ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ دو ہی آنکھیں انسان کے جسم میں ہوتی ہیں۔ ایسی حالت میں یا تو بجائے "اسی" کے "انہیں" اور "دریچہ" جس کو شادؔ صیغۂ واحد میں لائے ہیں اس کو صیغہ جمع میں لاتے۔ یا بجائے "آنکھوں" کے "دیدے" کہتے۔ لیکن "دیدے" سے شعر کا لطف مٹی میں ملا جاتا ہے۔ کیونکہ لوگ کہیں گے شاید جس کا شعر ہے وہ کانا تھا بہر حال ایں جانب دخل در معقولات کرتے ہیں سنئے۔ ؎

زمانے بھر کی ہے ان کھڑکیوں سے آمد و رفت
ادب سے دور ہے آنکھوں میں اس کو جا دینا

"ادب" سے زیادہ اس موقع پر حیا کا پاس مزہ دیتا ہے۔ شاہ راہ کی آمد و رفت میں اعلیٰ و ادنیٰ کا لحاظ کوئی چیز نہیں۔ اس سبب سے اگر شادؔ یوں کہیں تو شعر بہت چمک جائے۔ ؎

زمانے بھر کی ہے ان کھڑکیوں سے آمد و رفت
حیا پہ ظلم ہے آنکھوں میں اس کو جا دینا

چھٹی بیت ؎

ہماری آہ نے یہ ایک کام سیکھ لیا
نکل کے دل سے درِ عرش کو ہلا دینا

بجا ہے! شادؔ کی آہ کچھ ان سے بڑھ کے بدحواس تھی، زنجیر چھوڑ "در" ہلانے لگی۔ کوئی پوچھے دروازہ کھٹکھٹایا جاتا ہے یا ہلایا جاتا

ہے، نہیں جی۔ میاں شاد کی جگہ گوشہ آہ ایک مرتبہ گرما کے دل سے جو نکلی عرش تک پہنچی۔ بوکھلاہٹ کا زور تھا۔ دماغ میں گرمی بہت تھی، زنجیر نہ بجھائی دی، لگی در ہلانے۔ کیا در ہلا بھی تھا؟ جی ہاں، عمارت ٹھیکے میں بنی تھی۔ خیر صاحب اب کچھ نہ کہئے میاں شاد جھپے جاتے ہیں، لگے ہاتھوں قلم اصلاح پر چل جائے۔ سنئے، سہ

ہمارے نالۂ دل کو ہے بائیں ہاتھ کا کھیل
نکل کے عرش کی زنجیر کا ہلا دینا

راقم سہ

دعوئ زباں کا لکھنؤ والوں کے سامنے
اظہار بوئے مشک غزالوں کے سامنے

اودھ پنچ: حضرت شاد ٹینوی کی شاعری کی بحث میں دہلی لکھنؤ کی شاعری کا پرانا قضیہ زبان پر نہ آنا چاہئے۔ ہم ان اعتراضات کے جواب بھی درج صحیفہ کر سکتے ہیں بشرطیکہ بحثی اور بدتہذیبی سے دور ہوں۔"

ہر ہمدرد قوم اور ملک کا شیدائی اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا کہ ملک کی بے عزتی و سوداکرنے والے کا کوئی بھی شخص ساتھ دے۔ چنانچہ جناب منشی نول کشور کے اودھ اخبار نے الحاق اودھ کی حمایت کر کے منشی سجاد حسین کے نزدیک اودھ کے ساتھ بڑی بے وفائی اور دشمنی کی تھی۔

سرشار ابتدا میں اودھ پنچ کے نامہ نگار تھے اور اسی محفل کے بیٹھنے والے اور اسی دل و دماغ کے انسان تھے جس رنگ کو اودھ پنچ پسند کرتا تھا، وہی پسندیدہ رنگ سرشار کا بھی تھا۔ اودھ پنچ کے اجراء کے ایک سال بعد اودھ اخبار

میں فسانۂ آزاد قسط وار چھپنا شروع ہوا اور سرشار اس کے ایڈیٹر بھی مقرر ہو گئے، یہ تعلق منشی سجاد حسین کو کھٹکا۔ اودھ اخبار کا الحاق اودھ اور دیگر قومی و ملکی معاملہ میں اودھ پنچ سے شدید اختلاف ہو چکا تھا اور اودھ اخبار کو اودھ پنچ کی طرف سے "بنیا اخبار" کا خطاب مل چکا تھا۔ کچھ دنوں اودھ پنچ کو سرشار کے تعلقات کا لحاظ رہا اور ذاتی مراسم حارج ہوئے۔ آخر اودھ پنچ میں فسانۂ آزاد پر اعتراضات ہونا شروع ہو گئے۔ خاص اعتراض یہ تھا کہ جو بیگمات کی زبان اس میں لکھی گئی ہے وہ محلات کی زبان نہیں بلکہ ماماؤں اور مغلانیوں کی زبان ہے۔ اس قسم کے اعتراضات کا سلسلہ عرصہ تک چلتا رہا اور ظرافت کی بجلیاں چمکتی رہیں اور بقول چکبست ان اعتراضات کی حقیقت یہ تھی کہ بعض ضرور درست تھے مگر زیادہ تر طبّاعی پر مبنی تھے۔ سلہ

اعتراضات کے عنوان "فسانۂ آزاد کی دم میں نمدا"، "فسانۂ آزاد کے پرخچے"، "بنیا اخبار کے فسانۂ آزاد پر سرسری نظر"، "ماہی سقنقور کی ثانی فسانۂ آزاد کی جلد ثانی" اور "کھو دیا حسن اودھ پنچ نے افسانہ کا" وغیرہ وغیرہ تھے۔

"بنیا اخبار کے فسانۂ آزاد پر سرسری نظر" ۲۶ اکتوبر ۱۸۸۰ء کے پرچے میں شائع ہوئی ہے۔

> "فسانۂ آزاد سا بدنہاد ہو اور اس پر صلاح دینے والا مسٹر پنچ سا استاد ہو۔ اگر وہاں ہر صفحہ پر غلط کاری کا التزام ہے تو یہاں بھی صحیح کرنے اور واجبی نکتہ چینی میں اہتمام۔ اس توجہ خاص کی وجہ ہم کو صرف یہی معلوم ہوتی ہے کہ ماشاء اللہ سے اس کا انداز ظرافت

سلہ مضامین چکبست ص ۲۳۲

طرز بیان، خوبی زبان، دنیا سے انوکھی ہوا کرتی ہے۔ ظرافت، سچی ظرافت، اصلی ظرافت، وہ ظرافت جس کا باپ دادا تک ظرافت ہو، اگر کسی کو دیکھنا منظور ہو تو اس کو دیکھے کیا معنی کہ وہ ظرافت کی ظرافت ہے، مرثیہ کا مرثیہ۔ ادعا تو ظرافت کا اور مضمون رونے دھونے کا۔ کسی کا گھر جل گیا، کوئی پھانسی چڑھا۔ کبھی علیل کراہتا ہے کبھی بڑھیا کو مقتل میں لاکر کیفیت جان کندنی دکھائی جاتی ہے، کبھی پھانسی پر چڑھتے ہوئے باپ سے ننھا سا بچہ فاقہ کشی کی شکایت کرتا ہے۔ کہیں جہاز ڈوبتا ہے، کسی جگہ ریل ٹکراتی ہے۔ ہزاروں کی جان جاتی ہے۔ واقعی ان واقعات سے بڑھ کر ہنسانے اور دل خوش کرنے والے اور کون مضامین ہوں گے۔ طرز بیان وہ پاکیزہ کہ قدم قدم پہ ٹھوکر۔ اپنا قول خود آپ ہی کو یاد نہیں۔ اختلافات بیان سے عبارت بالکل دیوانے کی بڑ کا یقین ہوتا ہے۔ بعض کا یہ شبہ ہے کہ اس قسم کی عقل مندی عمداً عمل میں آتی ہے تاکہ جو حضرات لطافت مضمون کے مفقود ہونے سے منغص ہوں وہ بھی ہنس پڑیں۔ بلا سے اسی طرح عبارت تختۂ زعفران ہو جائے۔ آخر تو کشمیر کا اثر ہے۔ زبان و محاورہ کے تو گویا حضرت ہی موجد ہیں۔ قوت اختراع خدا نے ایسی عطا فرمائی ہے کہ ایسے ایسے الفاظ محاورات گڑھے جاتے ہیں کہ ہیر بخارا کے شہدے، سعادت گنج کے تنبولی، دوگونوے کے تیلی، امین آباد کے نفرے، نظیرآباد کی ٹکائیاں، صدر بازار کے بوچڑ تک شاگردی کا دم بھرتے ہیں۔ خیالات وہ نفیس کہ بجز آوارگی، شراب خوری، بدمعاشی کے دوسری

چال ہی نہیں معلوم۔ آوارگی کی ترکیبیں، لگاوٹ کی باتیں اور محض دل دکھانے کے واسطے بالتخصیص مسلمانوں کے طرزِ معاشرت اور عقائد سے جھوٹے خلافِ واقعہ حالات منسوب کر کے اعتراض جمانا ہمیشہ کا کام ہے۔ اگرچہ اودھ پنچ نے نہایت دیانت داری کے ساتھ عموماً اس کے تمام عیوب آئینہ کر دیئے ہیں مگر زبان اور محاورے کے اغلاط قصہ کی سستگی، ژولیدہ بیانی تو اس طرح ثابت کر دی ہے کہ کوئی ایسا ہی ہٹ دھرم ہوگا جو اس سے انکار کرے بلکہ اگر مولف فسانہ کو خدا نے ذرا بھی انصاف میں نظرِ عطا کی ہوگی تو خود دل میں اودھ پنچ کے احسان مند اور شکر گذار ہوں گے کہ اس نے ان کو بہت سے عیوب سے آگاہ کر دیا۔ اب مولف صاحب اپنی زبان اور محاورہ کی تعریف کا نہ قصد کسی لائق آدمی سے نہ رکھیں۔ اب صرف مطالب اور خیالات اور نفس قصہ کی حسن و قبح کی بحث باقی رہی ہے وہ بھی امید ہے کہ عنقریب چھڑے اور تمام اس کے خوشامدیوں پر یہ بات حالی کر دی جائے کہ اس میں بھی یہ اسی طرح ناقص ہے اور ردیوں میں پھینک دینے کے لائق۔"

"فسانہ آزاد کے پرخچے" ۵ اکتوبر ۱۸۸۰ء کے شمارے میں اڑائے گئے ہیں۔

"ہوشیار خبردار!! ادب سے! قاعدے سے! فسانہ آزاد ذری سنبھل کے لکھا جائے۔ مسٹر اودھ پنچ سر پرستی حواس کے واسطے موجود ہیں صفحہ ۲ فسانہ آزاد ضمیمہ اودھ اخبار تک تو مابدولت قلعی کھول چکے ہیں، اب آگے ملاحظہ ہو۔

۲۳۔ حسن کی آرا، کی علالت کو باوجودیکہ کھٹی ڈکاروں کے جو بڑی بیگم نظر

کا اسرار سمجھیں اس کی وجہ بیان نہیں کی گئی ہے۔ سپہر آرار تو میں دیوان حافظ لے آئی۔ بڑی بیگم پھر فال دیکھو خورشید دولھا مطلب بتا دیں گے۔" واہ وا، نظر گذر کی فال اور دیوان حافظ میں اچھی منہ کی کھائی۔ اجی حضرت ان کے فالنامے علیحدہ ہوتے ہیں۔ آپ کو اتنا تو معلوم ہی نہیں۔ اس پر مسلمانوں کے حالات پر ناول لکھنے کو قلم اٹھایا۔ بس دیبی، بھوانی، پوجا پاٹ، بھینٹ پر طبع آزمائی فرمائی اس دشوار گذار میدان میں قدم مارنا آپ کو ہنسوانا زبان دانی کی قلعی کھلوانا ہے۔ اسی صفحہ میں ایک جگہ لکھا ہے: "بڑی بیگم پڑھی لکھی تو ہی نہیں" اور دوسری جگہ لکھا ہے: "بڑی بیگم کو آخر شد کے معنوں نے خون رولایا سمجھیں کہ حسن آرا آخر ہو گئی۔ معلوم نہیں "شد" کے معنی کس نے بتائے۔"

۲۴۔ "اس خاتون ... ۔ کو ضعیف الاعتقادی ... ... سے نفرت تھی۔ بس چلتا تو ... ۔ کو نکلوا دیتیں۔" ذرا اس اور نکلوا دیتیں ملاحظہ ہو۔ لاحول ولا ایک سیدھا سا جملہ تک صحیح نہیں ہوا۔

۲۵۔ "چوگوشہ ٹوپی" معقول۔ نیا رنگ لائی گلہری۔ دنیا میں اور ہزاروں ٹوپیاں سنی تھیں دوپلی چوگوشیہ مندیل۔ مگر یہ چوگوشہ گی ایک ہی ہوئی۔ شاید حضرت گنج میں کسی دکان پر بکتی ہوں۔

"حکیم صاحب ہاتھ": حکیم صاحب ہاتھ نہیں کہتے نبض کہتے ہیں۔

۲۶۔ "نواب صاحب کے پانچ روپے نذر کیے": پھر آپ بھوے حکیم صاحب کے نذر کیے گئے ہوں گے۔

۲۷۔ حسن آرا ایسی باتیں ہمارے ناخون میں ہیں۔ غلط، نہ محاورہ

نہ مطلب ۔ نیز بطعہ ۔ دیوانے کی زٹل ہو تو ہو۔

۲۹۔ "موئی چھوئی" باغوں میں تو چھوئی موئی ہوتی ہے۔ یہ مؤلف کوئی نئی لائے ہوں گے۔

۳۱۔ محمدی خانم نے ایک بندرہ کا نقش بنایا ہے جس کو بڑی بیگم نے کہا یہ پندرہ کا نہیں۔ اس پر محمدی خانم کہتی ہیں کہ گن لیجیے چنانچہ بڑی بیگم نے گننا شروع کیا ہے۔ صفحہ ۲۲ میں بیان کیا گیا ہے کہ بڑی بیگم پڑھی لکھی نہیں بس اب یہاں نقش کی نسبت کوئی رائے وہ کیونکر دے سکتی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ گننے بھی لگیں۔ واہ واہ بھولے، بھولے، بھولے، اچھا غچّا کھایا۔

۳۴۔ (حسن آرا کے دوبارہ تپ آنے پر) "پھر تسگو فہ لائیں"۔ غلط اس کا کچھ مطلب نہیں۔ یہاں پر حرارہ لانا بولتے ہیں۔ افسوس جو اردو زبان سے اس قدر بے بہرہ ہو وہ اس میں ناول لکھنے کو قلم اٹھائے۔

۳۵۔ "حسن آرا کے سر کے بال سرہانے کے ادھر ادھر لٹک رہے تھے"۔ عموماً چوٹی بندھی ہوتی ہے یا جوڑا۔ حسن آرا کی نزاکت و نفاست مزاج والے بالوں کو بلاوجہ یوں کھلے رکھنا معیوب سمجھتے ہیں۔

۳۶۔ اور کئی بار پاٹی پر سر دے دے مارا۔ "اہو ہو ہو، اللہ ری فصاحت، یہ "پاٹی" تو دیکھیے کس ولایت کا جتور نکالا ہے۔ پلنگ کی پٹی سنی تھی تو کوئی اور علمی لفظ معلوم ہوتا ہے۔ بھلا پٹی کی جگہ ایسا غلط مہمل لفظ مؤلف فسانہ سا شخص ہرگز نہیں لکھ سکتا

وہ تو ایسا خوش لیاقت ہے کہ باوجود ناواقف اور غیر قوم ہونے کے مسلمانوں کی زبان اور شہر کی زبان، طرزِ معاشرت پر دلیری کے ساتھ ناول لکھتا ہے۔ اجی نہیں بٹی ہی کے معنوں میں مگر عمداً لکھا گیا ہوگا۔ بھئی اس سے کیا حاصل؟ واہ وا، ایک حاصل یہی کیا کم ہے کہ جو نہ سمجھیں گے وہ حضرت کو لال بجھکڑ سمجھ کر معنی پوچھنے دوڑے جائیں گے، دوسرے یہ کہ جو سمجھ جائیں گے وہ ہنس دیں گے۔ فہوالمقصود! بھئی واہ کیا فصیح لفظ پاٹی تراشا ہے۔ خدا جانے کن کندہائے ناتراش کی زبان لکھی ہے۔ ہمارے شہر کے اگر بازاری لونڈے تک، سنیں تو پکار اٹھیں مولف فسانہ کی پاٹی ہے۔"

"ماہی سقنقور کی نانی فسانۂ آزاد کی جلد ثانی" کی بھی کیفیت ۱۲ستمبر ۱۸۸۰ء کے پرچے میں پڑھیے۔

"ہم اپنے دعوے کے موافق آج پھر صاحب فسانۂ آزاد کی خدمت میں آ دھمکے۔

صفحہ ۱۰۔ (سفید پوش کی زبانی جوگن کی تعریف میں) "بے اختیار جی چاہے کہ بوسہ لے لیجیے۔" اسے بھٹے سے منہ، اسی پر ادعائے تہذیب!

صفحہ ۱۱۔ "جوگن اس کی (شہسوار کی) چتون سے تاڑ گئی کہ حضرت کا دل آیا ہے۔" آتے ہی آتے شہسوار کی نسبت جوگن کا ایسا خیال کرنا اس کے صرف صاحب کشف ہونے ہی پر دال نہیں بلکہ حضرت کی وساطت کو بھی ثابت کرتا ہے۔

صفحہ ۱۲۔ شہسوار جو میاں آزاد کے رقیب بنائے گئے، آزاد کی تعریف اس طرح کرتے ہیں "بڑا طرار خوبرو، قوس ابرو" رقیب کی تعریف

اور غائبانہ پھر کوئی دباؤ بھی نہیں۔ اس طرح غیر ممکن ہے۔ دستور ہے
کہ انسان کے دوست اور دشمن کے ایک ہی قسم کے اوصاف اس
کے دل پر مختلف اثر پیدا کرتے ہیں۔ جن اوصاف کو دوست میں
دیکھ کر طبیعت خوش ہوتی ہے ان کو دشمن میں پاکر خاطر رنجیدہ۔
اسی وجہ سے وہ ہمیشہ ناپسندیدہ ظاہر کرتا ہے اور اس کو مجبوراً
ان کی تعریف کرنا پڑتی ہے تو خفیف اور حقیر کر کے بیان کرتا ہے
مثلاً یہی بیان اگر اس طرح ہوتا تو صحیح تھا: "ان ذرا چھریرے بھرے
ہے درست اور زبان سے بڑے تیز ہیں"۔ جوگن آزاد کا صرف نام
سنکر سوچنے لگی: "وہ ... ... قول ہارا ہے روم سدھارا ہے"۔ یہ
علم جوگن کو کیوں کر ہوا۔ شہسوار کی گفتگو میں ابھی تک اس کا ذکر نہیں
آیا۔ خیر پھر آپ "لکیر پر فقیر ہوئی ہو ہوئی"۔ "آئیں یہ کیا" "ہوئی ہو ہوئی"
بھینس چرانے لگے۔
صفحہ ۱۳: "گو دل قابو میں نہ تھا مگر ضبط کر کے دل ہی دل میں آزاد
فرخ نہاد کو یاد کریں گے"۔ "یہ" یاد کریں گے" کیسا۔ جوگن شہسوار سے
پوچھتی ہے "(آزاد) آجکل ہے کہاں۔ شہسوار نے کہا واللہ اعلم مگر
سنا روم گیا ہے۔ صفحہ بارہ میں تو جوگن کو قول ہارنے روم جانے
کا حال معلوم ہی تھا یہاں اب شہسوار سے کیوں پوچھتی ہے۔ دو میں
سے ایک امر غلط۔ افسوس ایک ہی صفحہ کے بعد قصہ یاد نہ رہا۔ یہ سب
پراگندگی خیالات، پریشانی حواس کے نتائج ہیں۔
صفحہ ۱۴: "عشق دل سے نہ جانے گا" یہ کس جنوروں کی زبان ہے۔ اٹلی
کا تماشا گر "شاہ عالی مقام ذوی المجد والاحترام" سے کہتا ہے

"اگر پیٹ بھر کر کھانا پاؤں" یہ کلمات ذلیل، نکمّے مداری، بندر، ریچھ سانپ والے کہتے ہیں بادشاہوں کے حضور میں نہیں کہے جاتے اس سے ظاہر ہے کہ مؤلف کو آداب امرار و سلاطین سے مطلق واقفیت نہیں۔

صفحہ ۱۵ "بام پر بیش بہا شال کا خیمہ نصب ہوا" اچھے مقام پر نصب کرایا۔ کیوں صاحب اور میخ کہاں ٹھکوائی۔ چھت تو اس کام کی ہوتی نہیں یا چھت بھی آپ نے اپنے ہی ٹھیکے سے بنوائی تھی۔ ابھی تو خیمے کو چھت پر پہنچایا کہیں کسی دن ریل کا انجن دماغ میں نہ گھس جائے۔

صفحہ ۱۶۔ "رسی کو شعبدہ باز نے زور سے پکڑا مگر دیو نے اس زور سے گھسیٹی" واہ ایک جگہ پکڑا، ایک جگہ گھسیٹی۔"

اردو شاعری کے بارے میں مولینا الطاف حسین مرحوم نے مقدمہ شعر و شاعری میں اپنے ان خیالات کا اظہار کیا تھا کہ صنعت کے پھیر اور مبالغہ آمیز جھوٹ کے پلندوں میں شعر کو لپیٹنا نہیں چاہیے۔ سادہ زبان ہو اور سچائی کا جامہ پہنی ہوئی ہو۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ان خیالات کا اعادہ اپنے ایک قطعہ میں بھی کیا تھا۔ تین شعر پڑھیے۔ ؎

صنعت پہ ہو فریفتہ عالم اگر تمام ہاں سادگی سے آئیو اپنی نہ باز تو
وہ دن گئے کہ جھوٹ تھا ایمانِ شاعری قبلہ ہو اب ادھر تو نہ کیجو نماز تو
چپ چاپ اپنی ریچ سے کئے جاد لوں میں گھر اونچا بھی نہ کر علمِ امتیاز تو

سرسید نیچر دفطرت کے قائل تھے اور مولانا حالی بہت حد تک سرسید کے خیالات سے اتفاق کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا حالی نے سرسید کے خیالات

نے شاعری میں بھی انہیں خیالات کو سمونے کی کوشش کی تھی۔
... کے شیدائیوں نے مولانا حالی کے خیالات سے اختلاف کیا
اور ان کے بارے میں صاف طور پر کہا۔

ہم ان کو شاعر نہیں سمجھتے اور زبان داں نہیں جانتے۔ [1]

جہاں اخبارات میں نیچریوں کے خلاف طوفان اٹھا وہاں مولانا حالی کے ان خیالات کے خلاف بھی لکھا جانا شروع ہوا۔ جس میں اودھ پنچ اور تیرھویں صدی نے کافی حصہ لیا اور اودھ پنچ بہت پیش پیش رہا۔ جہاں اس کو مولانا حالی کے پیر نیچر سرسید کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر رنج تھا وہاں ان پر ان کے دو اعتراض تھے۔ پہلا اعتراض یہ تھا کہ ان کی شاعری کا مفہوم غلط ہے جس کو وہ شاعری سمجھتے ہیں وہ محض قافیہ پیمائی ہے اور فطرتی شاعری کی لطافت و رنگینی سے خالی ہے۔ اختلاف کی دوسری وجہ یہ تھی کہ مولانا حالی نے اپنے مقدمہ میں مصنوعی اور خلاف فطرت شاعری کی جس قدر مثالیں دی تھیں۔ ان کا کثیر حصہ لکھنؤ کے شعراء کے کلام سے لیا تھا۔ جس کا لازمی منشا اودھ پنچ کے نزدیک یہ تھا کہ لکھنؤ کے شاعروں کی توہین ہو۔ [2]

مقدمہ شعر و شاعری سے قبل ہی مولانا حالی کے کلام پر اودھ پنچ نے اعتراض کرنے شروع کر دیئے تھے۔ زیادہ تیزی مقدمہ شعر و شاعری کی اشاعت کے بعد ہوئی اور مولانا حالی کی ایک ایک سطر، ایک ایک شعر، دیوان، مقدمہ شعر و شاعری، رباعی پر اعتراضات ہوئے اور اودھ پنچ میں تینتیس مہینے تک یہ سلسلہ جاری رہا جس کا عنوان یہ شعر بنا۔ [3]

ابتر ہمارے حملوں سے حالی کا حال ہے   میدان پانی پت کی طرح پائمال ہے

---

[1] ریاض الاخبار گورکھپور ۲۸ جنوری ۱۹۰۵ء۔ [2] مضامین حکمت ص ۲۳۳۔

اتنی طویل مخالفت اور اعتراضات کا شائع کرنا ناممکن سے ہے۔ ایک یا دو مضمون نقل کیے جاتے ہیں۔ ۱۶ مارچ ۱۸۹۹ء کے شمارے میں م ا ب علیہ الرحمۃ نے مولانا حالی کے کلام سے یوں چہل اور مذاق کیا ہے۔

"حالی صاحب نہ تو زبان داں ہیں اور نہ شاعر مانے جاتے ہیں، ان کا کلام جزو کل شاعری کے عیوب سے بھرا ہوتا ہے اور زباندانی کے کف دست میدان میں وہ وہ ٹھوکریں کھاتے ہیں کہ بعض اوقات تو بیچارے بھربھرا کے اوندھے منہ گر پڑتے ہیں جیساکہ اشعار ذیل سے معلوم ہو جائے گا۔

اس کی سرحد میں غلاموں نے جو ہیں رکھا قدم
اور کٹ کر پاؤں سے اک اک بیڑی گر پڑی

اعتراض یہ کیا گیا کہ "جو ہیں" کے ساتھ "اور" بالکل خلاف محاورہ ہے۔ غزل کے اس شعر پر

ابر و برق آئے ہیں دونوں ساتھ ساتھ دیکھئے برسے گا یا برسائے گا

اعتراض یہ ہوا کہ "برق" سے پانی برستا ہی ہے۔ جتنے زبان داں ہیں سب برق کو برسنے کے واسطے باندھتے ہیں واہ۔ ایک اور شعر

قانون ہے بنایا یہ ان مفتنوں نے
عالم میں آجکل جو مانے ہوئے ہیں دانا

مانے ہوئے مفعول کے ساتھ ملنے ہوئے کیا خوب ہے۔ غرضکہ کہاں تک لکھا جائے پورا دیوان غلطیوں سے بھرا ہے جو شخص ایک شعر بھی صحیح نہیں کہہ سکتا، اس کو ساتویں آسمان پر چڑھا دینا نہیں تو اور کیا ہے۔ دلی کے کچھ خزانہ تو ہے نہیں کہ جنم پانی پت میں لیا

اور دہلی میں رہنے سے ترش تر شا کے شاعر ہو گئے۔"

...ت اللہ رعد کان پوری نے مولانا حالی کی رباعیات کا مجموعہ چھپا یا تھا اس پر اودھ پنچ نے جو گل افشانی ۲۶ مئی ۱۹۰۴ء کے پرچے میں کی ہے اس کی پہلے سرخی ملاحظہ ہو۔

"رباعیات حالی لطافت سے خالی اور حضرت رعد کی تعریف خیالی"

"جب رباعیات کی شاعری پر نظر جاتی ہے تو بعینہٖ یہی عالم نظر آتا ہے کہ کسی کریہہ منظر ہشتاد سالہ بڑھیا کو نئی نویلی دلہن کا لباس اور زیور پہنا دیا ہے۔ ایک رباعی تمثیلاً ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے۔ ؎

کپڑے پہ جب تلک ہے دھبا باقی | دھونے کی ہے اسے ریفارمر جا باقی
دھبا ہے کپڑے پہ نہ کپڑا باقی | دھو شوق سے کپڑے کو پر اتنا نہ رگڑ

جو لوگ مولانا حالی کی شاعری پر ایمان لائے ہوئے ہیں کہیں کہ جس کی ایک رباعی میں یوں گوڈر پٹیا ہو وہ کس رخ سے نیچہ بند نہیں شاعر ہے۔ فصاحت ایسی کہ چار مصرعوں میں چار جگہ کپڑوں کا عارضہ موجود ہے۔ رباعی کیا ہے پیر مل کی گودڑ کی ہانڈی یا دھوبی کی لادی ہے۔ ترکیب الفاظ ایسے بانکے کہ شاید باید۔ خصوصاً "رگڑ" کا لفظ تیسرے مصرعے میں لطافت کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔ تلازمہ اور استعارہ ایسا نفیس کہ معلوم ہوتا ہے کہ جرکین کے دیوان سے رباعی نقل کی ہے۔ مولانا حالی بھی اردو شاعری کے ریفارمر ہیں اگر کلام بھی طہر متخلل رہا تو جو داغ ان کے نزدیک اردو شاعری کے دامن پر ہے وہ نہ رہے گا نہ دامن رہے گا اور یہ رباعی انہیں کے حال پر صادق آجائے گی۔ مگر اردو شاعری ایسے حملوں سے محفوظ

ہے وہ زبان حال سے کہہ رہی ہے۔ ؎

تو پاک باش برادر مباش از کس پاک
زنند جامۂ ناپاک گازران بر سنگ

افسوس تو یہ ہے کہ ایسی رباعیوں کی تعریف میں حضرت رعدؔ کڑک کڑک کر فرماتے ہیں: "یہ رباعیاں عمر خیام کی رباعیوں سے زیادہ کارآمد ہیں" چہ خوش چرا نباشد، اگر دو چار ایسے قدر داں اور پیدا ہو جائیں تو اردو شاعری کے طفیل میں فارسی شاعری بھی درست ہو جائے رعدؔ صاحب شاعری میں خواہ مخواہ کیوں دخل درمعقولات دیتے ہیں ... رباعیات کی اور خوبیاں بیان کی ہیں جن کو شاعری سے ایسا تعلق ہے جیسا اونٹ کو عرق گاؤزباں سے۔ ؎

عدوے سامری فن دیکھئے اعجازِ رقم میرا
عصا موسیٰ کا ہے تنقید حالی میں قلم میرا"

دہلی اور لکھنؤ کی رقابت نے بڑے بڑے رنگ دکھائے اور عجیب وغریب ادبی معرکے ہوئے۔ حالیؔ پر بھی لکھنؤ دشمنی کا الزام تھا۔ داغؔ تو تھے ہی دہلی کے، یہ بھی اس رقابت کا نشانہ بنے۔ اودھ پنچ نے ان کو بھی نہیں بخشا۔ داغؔ کے شاگردوں نے لکھنؤ کی ادبی عظمت کو تسلیم نہیں کیا اور استاد کی شاعری پر تمام لکھنؤ کو قربان کیا اس شکنجہ میں غریب داغؔ کو کسا گیا اور ان کو خمیازہ بھگتنا پڑا۔ اودھ پنچ نے داغؔ کی شاعری کو کبھی نہیں مانا، عرصہ تک یہ چھیڑ خانی بھی جاری رہی۔ ان کی شاعری کے علاوہ حسب نسب، صورت سیرت، قابلیت ولیاقت پر خوب لے دے ہوئی۔ بقول چکبستؔ ان اعتراضات سے داغؔ کی شہرت میں فرق نہیں آیا، بلکہ تھوڑے زمانہ تک ہنسنے ہنسانے کا مشغلہ قائم رہا۔

۹ [illegible] ۱۹۰۲ء کے اودھ پنچ میں داغ کس کے شاگرد تھے اور داغ کی والدہ ماجدہ کس درجہ کی تھیں۔ اور اسی کے ساتھ لکھنؤ و دہلی کی فوقیت پر روشنی ڈالی گئی ہے مضمون انتہائی دلچسپ ہے۔ تذکرۂ داغ پر نکتہ چینی کی گئی ہے۔

"مذاق کی باتوں سے الگ ہو کر ناظرین بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ داغ کی سوانح عمری بالکل فرضی تصنیف بایں وجوہ ——

۱۔ داغ اگر ذوق کے شاگرد ہوتے تو حضرت آزاد ضرور ان کا ذکر کرتے۔

۲۔ داغ اگر ذوق کی حیات میں سن رشد کو پہنچتے اور مشاعروں میں آتے تو ضرور آزاد ان کا ذکر کرتے۔

۳۔ داغ کی والدہ مکرمہ اگر دہلی کے طبقہ اعلیٰ یا کسی معزز خاندان سے ہوتیں تو ضرور ان کا نسب نامہ حسب نسب تحریر کیا جاتا۔ معلوم ہوا کہ بیرونجات کے کسی شریف گھرانے کی ہوں گی اور قصبات کی زبان چاہے کوئی کتنا ہی شریف ہو تسلیم نہیں کی جاتی۔

۴۔ چھ سال کا بچہ درسی کتابوں میں کامیاب نہیں ہو سکتا چاہے کتنا ہی ذکی و ذہین ہو۔

۵۔ داغ علوم و فنون عربیہ فارسیہ میں رامپور آنے تک کامل نہ تھے اور تحصیل علم عربی بالکل نہیں کی تھی صرف و نحو معانی و بیان فصاحت و بلاغت سے ناآشنا تھے۔ مؤلف نے خود اقرار کیا ہے کہ فارسی صاحب غیاث سے پڑھی اور پھر دہلی آکر مولوی احمد بخش سے فارسی کی تکمیل۔ ان اصول کے بعد اب یہ دیکھنا چاہیے کہ جو شخص بیس سال تک قلعے میں رہا ہو اور فارسی کے سوا دوسرا علم نہ پڑھا ہو وہ ایسی صحبت میں جیسے رامپور میں تھی شریک ہو کر کیسا کھویا گیا ہوگا اور

واقعی یہی ہوا کہ جب داغ صاحب آئے اس وقت ان کی عمر ۱۴، ۱۵ سال کی تھی اور بالکل الڑا نیلے تھے ذریعہ ایسا زبردست تھا کہ سب لوگ ان کو چشم وابرو پر جگہ دیتے تھے۔ عربی زبان سے چونکہ ناآشنا تھے اس واسطے علمی صحبتوں میں آتے ہوئے جھجکتے تھے کیونکہ رامپور میں ہر علم وفضل والے اس وقت موجود تھے۔ نواب خلد آشیاں کے زمانۂ حکومت میں داغ صاحب بھی غزل پڑھا کرتے تھے مگر سینکڑوں ٹھوکریں عروض وقافیہ کی ناواقفیت کے باعث کھاتے تھے۔ جس کو مہذب متین شعرا سنجیدگی کے ساتھ اشاروں اور باتوں باتوں میں سمجھا دیا کرتے تھے۔ چونکہ آدمی تھے طبیعت دار تھوڑے زمانہ میں راہ پر آگئے اور شعر کہنے لگے۔ گلزار داغ ساتھ تھا اس کے رنگ کو دیکھ دیکھ کر گل فشانیاں ہونے لگیں۔ مگر وہ بات کہاں سے آتی اسی وجہ سے گلزار داغ میں جو غزلیں انہوں نے رامپور میں لائی ہیں ان کا رنگ بالکل پھیکا اور مدھم ہے۔ شاگرد رشید فرماتے ہیں کہ اگر بہ فرض محال مان بھی لیا جائے تو ہم کو بتانا چاہئے کہ داغ نے کیا تقلید اہل لکھنؤ کی کی ہے۔ کون محاورے کون بندشیں اس نے لی ہیں۔ یہ دعویٰ تو کسی لکھنؤ والے نے آجتک نہیں کیا کہ نواب مرزا خاں صاحب بہادر نے لکھنؤ کے محاورات اور زبان کو استعمال کیا ہے اگر ایسے سمجھدار ہوتے تو پھر استاد آپ سے سوانح عمری نہ لکھواتے۔ کہا تو جاتا ہے کہ داغ صاحب نے جو کچھ حاصل کیا ہے لکھنؤ والوں کی صحبت کی برکت سے حاصل کیا ہے اگر دہلی یا اہل دہلی یا ذوق مرحوم کی صحبت سے فیضیاب ہوتے

توگلزار [illegible] کی جو شاعری ہے وہ ان کے ہر دیوان میں ہوتی اور چونکہ
رامپور [illegible] نا تجربہ کاری اور خامی کی حالت میں آئے
تھے ثقات لکھنؤ کی فیض صحبت نے یہ اثر کیا کہ وہ کچھ کہنے لگے
اور اس میں [illegible] شک نہیں کہ رامپور جانے سے قبل کا جو دیوان ان
کا ہے وہ بالکل [illegible]ب داغ کے رنگ سے الگ ہے اور کوئی
نہیں کہہ سکتا کہ یہ دونوں تینوں رنگ ایک ہی استاد کے ہیں۔
اس کے بعد جو کچھ فاضل شاگرد رشید یا خلیفہ صاحب نے تحریر
فرمایا ہے وہ سب آب حیات سے لیا ہے اور زبان پر بحث کی
ہے اور ثابت کرنا چاہا ہے کہ دہلی کی زبان کو ہر طرح لکھنؤ کی زبان
پر فضیلت ہے۔ ہم اس بحث سے کوئی تعلق نہیں رکھتے نہ دہلی اور
لکھنؤ والوں کو لڑانا مقصود ہے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ
اگر ناسخ کو کوئی علاقہ دہلی و لکھنؤ سے نہ تھا تو داغ کو بھی کوئی علاقہ
دہلی سے نہیں اگر ہے تو اتنا ہی جتنا ایک عام آدمی کو ہونا چاہیے
وہ دہلی میں گر وہ ثقات سے خارج ہیں اور ان کی زبان کو دہلی
والے تسلیم نہیں کرتے۔ اگر پانی پت کے خواجہ نے تعریف کی ہے
تو ہم کوئی سند ان کی نہیں مانتے اول وہ خود سند حاصل کریں
نواب شمس الدین خاں صاحب کا خاندان سب باہر کا رہنے والا
تھا۔ والدہ صاحبہ مکرمہ کے اصلی ماوی و ملجا کا پتہ نہیں پھر داغ کیونکر
ناسخ سے بڑھ سکتے ہیں، اسی بحث میں آپ نے ایک نکتہ بیان
کیا ہے جس میں ایک مثال پیش کی ہے اور یہ بات ثابت کرنا
چاہی ہے کہ داغ پشتہا پشت سے زبان داں ہیں اور ناسخ

ایک اجنبی ناواقف شخص تھا۔ اس کو کچھ دقت اختراع میں نہیں پڑی۔ داغ کو بڑی محنت اور دقت اٹھانا پڑی سبحان اللہ کیا منطق ہے۔ اول تو داغ کی ہفتاد پشت کو زبان داں ثابت کرنا لازم ہے۔ اس کے بعد اور کچھ کہنا چاہیئے۔"

جلوۂ داغ پر قسط وار تبصرہ کیا جارہا تھا۔ چنانچہ دوسری قسط ۱۷ جولائی ۱۹۰۲ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔ بحث وہی سابقہ چل رہی تھی اس کے لئے اور مضبوط دلائل بیان کئے گئے۔ ملاحظہ ہو۔

"مرزا صاحب نے رام پور میں رہ کر شعراء لکھنؤ کی صحبت میں لکھنؤ ہی کی طرز گویائی اختیار کی اور اہل لکھنؤ کی تقلید کر کے اپنی زبان کو درست کیا اور کیونکر نہ کرتے۔ بڑے بڑے اساتذہ وہاں موجود رئیس خود لکھنؤ کا مقلد۔ مرزا صاحب دلی کے ایک نابالغ یہ ممکن کب تھا کہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بناتے اور حق تو ہے کہ لکھنؤ والوں ہی کے طفیل شاعر بنے۔ مؤلف صاحب لکھتے ہیں کہ "جس اہل زبان ، زبان داں نے ۳۰۔۳۲ برس تک اپنی جگہ مشق سخن کی ہو وہ دوسری جگہ جا کر اپنی مادری زبان سے ایسا ناآشنا ہو جائے کہ اپنے مقلدوں کی تقلید کرنے لگے یہ ناممکن ہے"۔ ہم تھوڑی دیر کے لئے مانے لیتے ہیں کہ ۳۲ برس مرزا صاحب نے دلی میں مشق سخن کی اور گیارہویں برس شعر کہنا شروع کیا۔ اس حساب سے ۴۳ برس مرزا صاحب دلی میں رہے اس کے بعد رامپور آئے اور رامپور میں مؤلف کا بیان ہے کہ ۲۵ برس ملازم رہے اور اب پندرہ برس سے دکن میں لہذا مجموع

آپ کی عمر ایک سو تین برس کی ہوئی اور زائچہ ملاحظہ کیجئے تو اس کی رو سے آپ کو تہتر واں سال ہے۔ اب فرمائیے کہ وہ مشق سخن والے ۳۰-۳۲ برس کدھر گئے۔ جناب مؤلف صاحب اسی کو غوطے کھانا کہتے ہیں۔ برا نہ مانئے گا۔ آپ اپنی رَو میں ۳۲ برس کی مشق سخن تو کہہ گئے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ مرزا صاحب بنے بنائے شاعر دلی سے رامپور آئے تھے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اب ہم صحیح بیان کئے دیتے ہیں مرزا صاحب سولہ برس کے سن میں دلی سے رامپور آئے۔ چالیس برس رامپور میں رہے وہاں علیحدہ ہو کر ایک سال تک ادھر ادھر بیکاری کی حالت میں پڑے رہے مولوی غیاث الدین سے فارسی پڑھی۔ اگر گیارھویں برس سے شعر کہنے کا شوق تھا جب ان کی شاعری کی عمر دلی میں پانچ برس سے زیادہ نہیں ہوئی۔ یہ روشن دلیل ہے کہ وہ طفل مکتب دلی سے آئے تھے اور دلی کا کہا ہوا ایک شعر بھی وہ پیش نہیں کر سکتے۔ بکثرت شواہد موجود ہیں کہ ان کی شاعری کی بنا رامپور ہی پڑی اور جو کچھ آیا وہ اساتذہ لکھنؤ کی تعلیم سے آیا۔ اب اس کو نہ مانیں اور ان کے شاگرد لکھنؤ پر طعن کریں۔"

اودھ پنچ کا آخری تاریخی معرکہ گلزار نسیم کے سلسلے میں ہوا۔ اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ مولانا عبدالحلیم شرر صاحب نے گلزار نسیم کی زبان اور شاعری پر اعتراضات کئے اور اسی کے ساتھ یہ دعویٰ بھی کیا کہ یہ مثنوی دراصل آتش کی ہے اس پر نسیم کا فرضی نام ہے۔ اودھ پنچ نے اعتراضات کے پرخچے اڑائے اور یہ جواب دیا کہ اگر یہ مثنوی آتش کی ہے تو اس میں زبان اور محاورے کی غلطیاں کیوں ہیں۔ مولانا شرر نے اس اعتراض پر توجہ نہیں دی اور اس طرح کا جواب دیا کہ فریقین میں جوش پیدا

ہو گیا۔ اودھ پنچ کی بجھی ہوئی آگ ایسی بھڑکی کہ اس کی چنگاریاں پھیلنے لگیں۔ ایک سال تک یہ گل فشانیاں ہوتی رہیں۔

ان بحث مباحثوں کے علاوہ اودھ پنچ اپنے معاصروں سے بھی الجھتا رہتا تھا اور خاص طور پر طوطیٔ ہند میرٹھ اور اودھ اخبار پر خاص نظرِ عنایت تھی۔ اس نوک جھونک میں پھکڑ بازی اور لفاظیت زیادہ تھی۔ اس کا نمونہ بھی ۲۷ دسمبر ۱۸۸۱ء کے پرچے میں دیکھ لیجیے۔ طوطیٔ ہند پر برس رہے ہیں۔ عنوان ہے "پہلا چھاپڑ یعنی لیڈروں کا ابوالجد"۔ مضمون کا آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے ؎

"نہ بھونکو بانو بتادیں دل میں اپنے کیا سمجھتے ہیں
تمہیں بھی ہم سگِ قصاب کا پلا سمجھتے ہیں
گدھے میرٹھ کے، اپنے خر کو عیسیٰ سمجھتے ہیں
پناہ تاج دگاہِ کشورِ معنیٰ سمجھتے ہیں
دوات ایک کوسِ شاہی ہے قلم ڈنکا سمجھتے ہیں
اد ٹکم بیس ہو، مصرع نہیں اصلا سمجھتے ہیں
فقط اتنا سمجھتے ہیں کہ ہم خمسا سمجھتے ہیں
نہ واقف شانگاں سے ہیں، نہ کچھ ایطا سمجھتے ہیں
درِ درگاہِ دل پر، شیر کا پھرا سمجھتے ہیں
صریرِ کلک کو اب شعر کا نعرہ سمجھتے ہیں

اے ذناب! توبہ بھول گیا جناب آپ ہی کی مبلغ استعداد و حسنِ لیاقت پر کیا کم شور و غوغا تھا۔ خمسہ مورخہ ۱۲ نومبر ۱۸۸۱ء میں اپنے حضرت استاد کو کیوں گرد آباد کیا۔ اگر بقول شخصے خود فراموشی کند نامی نہد ابد ستا درا" کا مضمون ہے تو خیر، اگر واقعی آپ کے استاد جی

کا زہ خمسہ تضمین شریف ہے تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم
مانتا ہوں مصرعوں کو ایسا گانٹھا ہے جیسے دیہاتی چمار پھٹا جوتا گانٹھتے
ہیں، ہر مصرع بادہوائی، گورشنر، کوئی کل درست نہیں۔ الفاظ بے
معنی، ترکیب لایعنی، پناہ تاج وگاہ کشور معنی کیا خوب، لونڈ ہائے
بہ نظر ظرافت ترکیب دی گئی ہے، کچھ اور نہ سمجھنا۔ الفاظ کے سوا
معنی خاک نہیں، مصرعہ ثانی کی ترکیب بھی نئے نقش کی، مصرعہ ثالث
مصرعہ چہارم کے مقابل میں اگر کوئی بانگ بول اٹھا ہے۔ اے چمار
پوری فکر کیوں نہ کی اپنے ہی شعر پہ مصرعے لگائے ہوتے۔"

اودھ اخبار سے بھی اسی قسم کی نوک جھونک کی جاتی تھی۔ "بنیئے کی گود میں نومن کا دھوکہ" جیسے عنوانات جڑے جاتے تھے۔ اودھ پنچ نے اردو کی جو خدمت کی ہے اس کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اودھ پنچ ظرافت کا سرچشمہ تھا اس کے پڑھنے اور سننے والے اس کے فقروں اور لطیفوں پر لوٹ جاتے تھے جو پھبتی اس میں نکل جاتی وہ مہینوں لوگوں کی زبانوں پر رہتی تھی اور دور دور تک مشہور ہو جاتی تھی اور ان کا جو نشانہ بنتے تھے وہ دل مسوس کر رہ جاتے تھے اور دیکھنے والے بیکسی پر ہنستے تھے۔ اودھ پنچ کے ظریف اسی زمانہ کے مذاق کے عادی تھے۔ اس وقت مذاق وظرافت کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ بے اعتدالیوں پر توجہ نہیں دیتے تھے۔ موجودہ زمانہ کے مذاق کے معیار کے مطابق اودھ پنچ کی ظرافت کو مجموعی طور پر اعلیٰ درجہ کا مذاق نہیں کہا جا سکتا لطیف مذاق اور سنجیدہ طنز اودھ پنچ میں بہت کم پایا جاتا ہے۔ لیکن بعض بعض جگہ کمال کا طنز اور مزاح کیا ہے جو پورے معیار پر اترتا ہے۔

اودھ پنچ نے ریاستوں کی خوشامد وچاپلوسی سے اپنا دامن پاک رکھا اور ہمیشہ ان کی غفلت پسندی کا پردہ فاش کرتا تھا۔ اودھ پنچ انسانوں سے نفرت

نہیں کرتا تھا، انسانیت نواز تھا۔ ہندوؤں کے تہواروں کی خوشی میں عید و بقرعید و شب برات سے کم سرگرمی نہیں دکھاتا تھا۔ ہولی اور بسنت کے زمانہ میں اس کا پرچہ سرخ اور زعفرانی رنگ کے کاغذ پر شائع ہوتا تھا اور مزاح نگار ترانے اور ساقی نامہ کافی ہفتوں تک چھاپتے تھے۔ سلہ

بعض مضامین کو چھوڑ کر اودھ پنچ کے مضامین کے علاوہ نظم کا حصہ بہت اہمیت رکھتا ہے وہ ایک ادبی خزانہ ہے، اس میں بے انصاف لوگوں، حکمراں طبقوں اور حاکموں کو بھی بے نقاب کیا گیا ہے اور نیچریوں کے خلاف بھی زہر اگلا ہے۔

انگریز ہندوستانیوں کو کالا آدمی کہہ کر حقارت و نفرت بھری نظروں سے دیکھتا تھا، وہ خود کو گورا سمجھتا تھا۔ ایک گورے چمار کی عزت ایک ہندوستانی رئیس نواب سے زیادہ تھی۔ چنانچہ اس امتیازی ذہنیت پر جناب شہرت نے ایک غزل کہی ہے جو ۲۰ نومبر ۱۸۷۷ء کے اودھ پنچ میں شائع ہوئی ہے۔ سہ

کچھ نہیں کام ہے لیاقت کا
مرتبہ ہے تو گوری رنگت کا

سول سروس سے ہو گئے محروم
خانہ برباد ایسی رنگت کا

پوشش خوش ہے کوٹ اور پتلون
ہندی پہناوا ہے جہالت کا

طوف لندن کا جو ہے کر آیا
نہیں قائل وہ ہوتا جنت کا

ہنس کے کہتے ہیں لوگ سب سنکر
ریختہ عمدہ ہے یہ شہرت کا

۲۴ اگست ۱۸۸۰ء شمارے میں ایک انگریز لڑکے اور ایک ہندوستانی کا منظوم مکالمہ شائع ہوا ہے جس میں انگریزی لڑکا طنزیہ گفتگو کرتا ہے اور ہندوستانی اوربائیں کہنے کے بعد یہ بات کہنے سے نہیں چوکتا کہ ہمارے ہی صدقہ میں تم کو یہ عزت ملی ہے، انگریزی لڑکے کی سنئے۔ سہ

سلہ گلدستۂ پنچ صک۔

ہمیں تو ہے دل سے مروت تمہاری مگر ہم ہیں مجبور قسمت تمہاری
بھلا کیا ہے اندھیر اب بھی خبر لو تجارت میں کیونکر ہے ذلت تمہاری

ہندوستانی کا جواب۔ سے

ہر اک طور پر ہے عنایت تمہاری کروں میں کہاں تک شکایت تمہاری
ہمارے ہی صدقہ میں سب کچھ ہوا ہے کمائی ہماری ہے دولت تمہاری
بڑے عہدے ہم کو بھی دیدیجئے ذرا ہم بھی دیکھیں سخاوت تمہاری

معلوم دیتا ہے کہ سرکاری ملازموں کی بدعنوانیاں ازل سے جاری ہیں اور ابد تک قائم رہیں گی۔ چنانچہ ایک پولس مین اپنی عوام دشمن حرکتوں کا اظہار ۲ر اکتوبر ۱۸۷۷ء کے پرچے میں کرتا ہے۔ سے

عاجزوں کو خوں رلانا کوئی ہم سے سیکھ جائے صاف شہدوں کا بچانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
لاکھ واویلا کرے خلقت، پر شنوائی نہ ہو اعتبار اپنا جمانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
کس کی شامت آئی ہے دے رپورٹِ واردات دے تو پھر سیدھا بنانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
مدعی ملزم بنے، بن جائے ملزم مدعی لار کا بڑھنا، بڑھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
بدمعاشوں کی غریبی لائق الطاف ہے بیکسوں پر رحم کھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

کون کر سکتا ہے چٹ یوں مال خلقت بیدھڑک
ایسی حکمت، یہ بہانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

۱۸۷۷ء میں لکھنؤ کے عمائدین اور دوسرے عوامی لوگوں نے ہزاروں کی تعداد میں الحاق اودھ کی مخالفت میں محضر نامہ بھیجا لیکن انگریزی حکام نے اس پر کوئی توجہ نہیں کی۔ بھلا اودھ پنچ اور ایسے سانحہ کی تاریخ نہ کہتا چنانچہ یہ کسر بھی اودھ پنچ بہادر نے پوری کر دی اور ۲۰ر نومبر ۱۸۷۷ء کے شمارے میں شائع کی۔ سے

چلی ہے خلق اودھ پہ یہ کار بیداد
کہ بن گیا وہ یکایک دمِ الہ آباد

گرہ گلوئی رعیت میں ہو گئی فریاد
غریب چیخ اٹھے ولئے ہم ہوئے برباد

اودھ کے مثل نہ تھا ہند میں کوئی صوبہ
بندھا یہ اس کی خرابی کو ہائے منصوبہ

خدا بچائے ہوا ان دنوں وہ کایا پلٹ
کہ مثلِ تختۂ یونان اودھ گیا ہے پلٹ

کہی یہ آپ نے تاریخ واہ واہ اخ تھو
ملا ہے سن کے یہ تاریخ کیا مزا اخ تھو

قلم یہ بولا کہ اجڑا ہے لکھنؤ بن کر
دریغ دہائے کہ بگڑا ہے لکھنؤ بن کر

۱۸۷۷ء

آپ نے محبوب و معشوق کی تعریف شاعروں سے سنی ہو گی۔ کیسے کیسے اوصاف کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ہمارے اودھ پنچ کی ہر کل الٹی ہے۔ ان کا معشوق بھی نرالی شان کا ہے اور نرالی خصوصیات اور انوکھی خوبیوں کا مالک ہے۔

۳۰ نومبر ۱۸۸۰ء کے اخبار میں وہ بے بہا غزل شائع ہوئی ہے بغور ہوش سنئے۔ ؎

بنفشہ خط ہے، لب عناب ہے، پستاں سپستاں ہے
تنِ معشوق کا ہے کو ہے پنساری کی دکاں ہے

کلائی مچھلیاں ہیں، دانت موتی، پنجہ مرجاں ہے
بتوں کا جسم خاکی ہے کہ قعرِ بحرِ عمّاں ہے

دھواں گیسو میں، لب میں آگ، شعلے دو آنکھیں ہیں
رخِ محبوب ہے یہ شاعرو یا روئے شیطاں ہے

نگہ میں ہجر، غصہ میں قیامت، چال میں آفت
تمہارا یار کیا اہلِ سخن غولِ بیاباں ہے

مژہ مہمیز ہے، گیسوئے پیچاں تازیانے ہیں
بتوں کا حسن دل کش، یا کوئی یہ اسپِ جولاں ہے
صدا میں بلبلِ بیمار اور باتوں میں ہے مینا
کہو للّٰہ یہ معشوق انساں ہے کہ حیواں ہے
زنخدان چاہ ہے، خط کشت، کاکل ہے رسن اس کی
یہ معشوقوں کے اعضا ہیں کہ یہ اسباب دہقاں ہے
ہیں مژگاں تیر، منہ سوفار ہے ابرو ہیں تلواریں
یہ طفل نازنیں یا جد مہراب و زمیاں ہے

نیچریوں کے خلاف کافی مضامین اور لمبی لمبی نظمیں اس اخبار میں نظر آتی ہیں۔ ایک بند جس کا عنوان تحفۂ بند نیچر پسند ۸ جولائی ۱۸۸۴ء کے اخبار میں درج ہے وہ نقل کیا جاتا ہے۔ ؎

یہ مسئلہ ہے خاص ہدایت کے واسطے
سب نیچری جمع ہوں ہدایت کے واسطے
نیچر کا حکم ہے یہ اشاعت کے واسطے
مذہب ہے ایک یہ بھی طہارت کے واسطے
پانی اگر نہ ہو دے تو کاغذ سے پونچھ ڈال

منشی محمد سجاد حسین: ایک کھاتے پیتے اور بڑے خاندان سے منشی صاحب کا تعلق تھا۔ آپ کے والد منشی منصور علی صاحب ڈپٹی کلکٹر تھے۔ پنشن پانے کے بعد کافی عرصہ حیدرآباد میں سول ججی کی خدمت انجام دی۔ ان کے ماموں فدا حسین وکیل حیدرآباد کے چیف جسٹس تھے جس کی وجہ سے ریاست میں کافی اثر اور رسوخ تھا۔

منشی سجاد حسین صاحب ۱۸۵۶ء کو کاکوری میں پیدا ہوئے۔ نواب فدا حسین صاحب کی نگرانی میں ابتدائی تعلیم پائی۔ ۱۸۷۳ء کو انٹرنس میں پاس ہوئے، انگریزی زبان سے ان کو کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا۔ کیننگ کالج میں داخل ہوئے لیکن ایف اے کے امتحان میں شریک نہیں ہو سکے۔ کالج چھوڑ کر فکر روزی میں فیض آباد پہنچے وہاں اردو پڑھانے کے لئے فوج میں منشی مقرر ہوئے۔ یہ کام بھی طبیعت کے موافق نہیں تھا۔ سال بھر کے اندر ہی معلمی سے سبکدوش ہو گئے۔ اور ۱۸۷۷ء کو اودھ پنچ جاری کیا۔ منشی صاحب نیچری تحریک اور اس کے بانی سرسید احمد خاں صاحب کے خیالات کے مخالف تھے۔ قدیم تہذیب و خیالات کے حامی اور مغربی تہذیب کے سخت دشمن تھے۔ ۱۸۸۷ء میں کانگریس میں شامل ہوئے اور آخر دم تک شریک رہے اپنا طریقہ اور وضع نہیں بدلی۔

۱۸۸۸ء میں جب آکلنڈ کالون اور راجہ شیو پرشاد کانگریس کی مخالفت میں کمربستہ تھے اس وقت اودھ پنچ شمشیر برہنہ کانگریس کی تائید وحمایت میں آگے آگے تھا اور منشی سجاد حسین اپنی قلم کے جوہر دکھا رہے تھے۔ ۱۸۹۹ء میں جب کانگریس کا سالانہ اجلاس لکھنؤ میں ہونے والا تھا تو شہر کے چند بزرگوں نے اس کی مخالفت کے لئے شور و غوغا کیا۔ اس کی تردید میں ہندوستانی اور ایڈوکیٹ میں نصیحت آمیز مضامین شائع ہوئے۔ لیکن ان واعظانہ تحریروں کے مقابلہ میں اودھ پنچ کا مضمون "انڈے بچے والی چیل چلہار" کافی اثر انداز ہوا۔ اس صوبہ میں سیاسی تحریکوں کو کامیاب کرنے والے منشی سجاد حسین صاحب ہی تھے۔

منشی سجاد حسین صاحب میں عجیب وغریب خوبیاں تھیں۔ خلیق و ذہین و فہیم ہونے کے علاوہ زندہ دلی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ مصیبت و

تکلیف کے زمانے میں بھی کسی نے ان کے چہرے پر سوائے مسکراہٹ کے افسردگی
د مایوسی کی شکن نہیں دیکھی۔ بیماری کے زمانے میں اگر کوئی مزاج پرسی کرتا تو کہتے
تھے، زندگی کا عارضہ ہے اور اپنی تکلیفوں کو اس طرح بیان کرتے تھے کہ ہنسی
آجاتی تھی۔ دوا دارو سے مایوس ہو چکے تھے مگر کہتے تھے کہ یہ سلسلہ محض اس
لئے جاری کر رکھا ہے کہ باضابطہ موت ہو۔ بلا علاج مرنے کو بے ضابطہ کہتے تھے اس
زندہ دلی کے ساتھ تنگ نظری اور تعصب سے کوسوں دور رہتے تھے۔ دنیا کے ناہموار
اور بے تکے پہلوان کی نگاہوں میں بری طرح کھٹکتے تھے۔ [1]

منشی سجاد حسین صاحب اردو اخبار نویسی میں طرز مذاق وظرافت کے موجد،
لکھنؤ کی زبان اور اپنے رنگ کے استاد تھے۔ آپ نے آزادی وایمانداری کو کبھی
بھی اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ بلا کی شوخ طبیعت پائی تھی۔ بذلہ سنجی وظرافت تو
گویا مزاج کا خمیر تھی۔ منشی جوالا پرشاد برق سے خصوصی تعلقات تھے۔ ان کے قدردانوں
میں پنڈت بشن نرائن در، راجہ سر محمد علی خاں صاحب والی محمود آباد اور بابو گنگا
پرشاد ورما وغیرہ تھے۔ [2]

اودھ پنچ منشی صاحب کی پوری زندگی کا اثاثہ تھا۔ بڑی جانکاہی کے ساتھ اس
کو پروان چڑھایا تھا۔ منشی سجاد حسین کی بیماری کی وجہ سے اودھ پنچ کی مالی حالت
انتہائی خراب ہو گئی تھی۔ ان کی غیرت کو یہ گوارا نہ تھا کہ وہ جب تک زندہ ہیں اپنی
آنکھوں سے اودھ پنچ کی موت دیکھیں۔ منشی جی پر ۱۹۰۱ء میں پہلی مرتبہ فالج گرا۔ چند
مہینے بیمار رہنے کے بعد کچھ حالت سدھر گئی تھی۔ دوبارہ ۱۹۰۴ء میں فالج کا دورہ پڑا
جس نے صحت وتندرستی کو خاک میں ملا دیا۔ اس وقت بولنے کی طاقت تقریباً

---

[1] مضامین چکبست ص۔ [2] گلدستۂ پنچ ص۲۔

ختم ہوگئی تھی۔ بولنے کی کوشش کرتے تھے لیکن بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ چلنا پھرنا جاری تھا دماغ بھی برابر کام کر رہا تھا۔ اور اسی زمانہ میں منشی سجاد حسین صاحب نے حسب ذیل خط منشی بالمکند گپتا کو لکھا تھا جو "زمانہ" میں شائع ہوا تھا۔ اس کے پڑھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ منشی جی اودھ پنچ کی زندگی کو اپنی زندگی سمجھتے تھے۔ فرماتے ہیں:

"مکرمی تسلیم! خط پہنچا۔ بہت بجا ہے۔ اودھ پنچ مردہ ہاتھوں سے اس لئے نکلتا ہے کہ کوئی اٹھانے والا نہیں۔ دو ایک سطروں کے سوا نہ ہاتھ سے لکھ سکتا ہوں نہ منہ سے بول سکتا ہوں کچھ نوکر ہمت کرکے نکال دیتے ہیں۔ دس سال سے فالج میں گرفتار لب گور ہوں۔ جب کسی طرف سے اطمینان نہیں تو کیا انتظام ہو سکے۔ اخبار صرف اس لئے نکالتا ہوں کہ جیتے جی مر نہیں سکتا۔ ورنہ اس عارضہ کے ہاتھوں۔ ع مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا۔

اودھ پنچ زندہ اخباروں میں نہیں کہ اس کا ذکر ہو، ہاں گذشتہ زمانہ میں کچھ تھا"

لیکن حالات بتا رہے تھے کہ اودھ پنچ کی یہ حالت قابل اطمینان نہیں ہے۔ جب کہ منشی صاحب انتہائی ضعیف ہو گئے تھے۔ جسم میں خون کے دس بیس قطرے ضرور باقی تھے مگر جیب میں ایک کوڑی نہیں تھی، تو اودھ پنچ بھی کیسے چل سکتا تھا منشی صاحب کے انتقال سے دو سال قبل ۱۹۱۲ء میں آخر اس کو بند ہونا پڑا۔ منشی سجاد حسین کیسے زندہ رہ سکتے تھے۔ حالت روز بروز بری ہوتی چلی گئی اور ۲۲ جنوری ۱۹۱۵ء کو اس فانی دنیا سے منشی صاحب بھی چل بسے۔

منشی سجاد حسین مرحوم نے چند ظریفانہ ناول بھی لکھے تھے جو اس

زمانے میں بہت مقبول ہوئے اور بہت چلے۔ جو آج بھی دنیائے ظرافت کے لئے مایۂ ناز ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ میٹھی چھری: ایک ہیرون کے ملکہ کی قرضداری اور بربادی اولاد کی عشق دگرفتاری کا قصہ پرمذاق انداز میں ہے۔

۲۔ احمق الذین: اس میں جدید خیالات کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ اور حیدرآبادی ماماؤں کے پھندے میں پھنس کے انسانوں کی کیا حالت ہوجاتی ہے اور اس کا کیا انجام ہوتا ہے۔

۳۔ کایا پلٹ: اس کے پرمذاق فقرے دل کھینچ لیتے ہیں۔ زندہ تصویریں کھینچدی ہیں۔

۴۔ پیاری دنیا: یعنی افسانہ گیتی بیگم، ایک مصری شاہی لاش کا قصہ۔

۵۔ حاجی بغلول: ظرافت لطیف میں شرابور، فصاحت و بلاغت میں ڈوبا ہوا، نئے رنگ ڈھنگ کا بانکا ناول۔ جس کے ہر لفظ میں مذاق اور نفس قصہ میں مضحکہ خیز واقعات کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں۔

۶۔ دھوکہ یا طلسمی فانوس: رینالڈز کا ناول "ماسٹر ٹموتھیز بک کیس" اور منشی سجاد حسین کا ترجمہ، عجیب دل آویز پیرائے میں دکھایا گیا ہے کہ دنیا کے معاملات کا ظاہر کچھ ہوتا ہے اور باطن کچھ۔ لہٰذا ظاہری صورت پر اعتبار کرکے رائے قائم کرنی چاہئے۔

۷۔ طرح دار لونڈی: ایک متمول خاندان میں ایک چالاک لونڈی کا جائز اور ناجائز تدبیروں سے ترقی حاصل کرنا اور مار آستین بن کے اپنے آقا کے خاندان پر تباہی لانا۔ آخر کار ایک مقدمہ میں پھنس کر جیل جانا۔

منشی سجاد حسین صاحب کو ایک مستقل شاعر کہنا تو صحیح نہیں ہے مگر ان

کی ذہین طبیعت سے کہیں کہیں اشعار بھی نکل گئے ہیں وہ بھی ان کی یادگار ہیں۔ یہ اشعار انہوں نے اپنے ناولوں کی عبارت کے دوران موقع و محل کی مناسبت سے چسپاں کئے ہیں، جو نقل کئے جاتے ہیں۔ [1]

حیات شیخ چلی ختم ہوئی تو انہوں نے اس کی یہ تاریخ کہی۔ ؎

چہچہے ہیں، قہقہے ہیں جو شوخیاں ہیں ہر طرف
ہے جو ہر سو تی المثل فرخندگی خندیدگی
سال تاریخش جو ڈھونڈا، ہاتف غیبی بگفت
شیخ چلی آگئے، دنیا میں باسنجیدگی

۱۳۱۹ھ

15241

حاجی بغلول جب کنڈے والی پر عاشق ہوئے ہیں تو ہجر میں کچھ اشتیاقیہ شعر بغلول کی زبانی آپ نے لکھے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔ ؎

مرے دل کے مونڈھے پہ بیٹھو صنم تم
تنِ زار گھٹ کر بھٹیھرا ہوا ہے

یاروں کو کیوں ہے واقعہ یہ کھیل ہو گیا — کیا امتحانِ عشق میں فیل ہو گیا
تن ہو گیا ہے سوکھ کے کانٹا ببول کا — اپنے تو حق میں عشق امر بیل ہو گیا
اسٹیشنِ عدم کو چلے ہم فراق میں — جانی تمہارا ہجر ہمیں ریل ہو گیا
دیوانی فوجداری سے جھگڑے میں عشق کے — بغلول کیا ڈرے گا اگر جیل ہو گیا
قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں رسن — دو ایک ہاتھ چاہ میں جب ڈول رہ گیا
پہنچا جب ان کے گاؤں میں اور وہ نہ مل سکے — منہ کھولے غم سے ہائے یہ بغلول رہ گیا

---

[1] تذکرہ گل خنداں ص ۲۵۶۔

نالہ یوں ہم نے بطرزِ دگر ایجاد کیا
ساتھ سائیں کو لے گاؤں میں فریاد کیا

حاجی صاحب جب مقدمہ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو فرماتے ہیں ؎

وہ جانیں حساب کم و بیش را
عزیز و حق تعالیٰ کبریا ہے

حاجی صاحب جب گڑھیا میں غرقاب ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں۔ ؎

ہوئے بچکے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ در گڑھیا
وہیں رہتے مثل مینڈک، وہیں غائیں غائیں کرتے

۱۸۷۸ء

احسن الاخبار

الہ آباد محلہ جان سین گنج سے یکم جنوری ۱۸۷۸ء کو یہ ہفتہ وار اخبار بارہ صفحات پر جاری ہوا۔ ہر شنبہ کو نکلتا تھا مالک شیخ کبیر الحق مچھلی شہری تھے۔ سالانہ چندہ سات روپے دس آنہ تھا۔ مطبع جلالی میں چھپتا تھا۔

آریہ درپن

شاہجہاں پور سے یکم جنوری ۱۸۷۸ء کو یہ ماہانہ رسالہ ۲۸ صفحات پر شائع ہوا۔ یہ آریہ سماجیوں کا اخبار تھا۔ مہتمم منشی بختاور سنگھ فورتھ ماسٹر گورنمنٹ سکول ضلع و سکریٹری آریہ سبھا تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے چھ آنے تھا۔ مطبع آریہ بھوشن میں طبع ہوتا تھا۔

اشاعت السنہ

لاہور سے یہ ماہانہ رسالہ چھوٹے بتیس صفحات پر اور اس کا ضمیمہ ۱۸۷۸ء کو نکلا۔ مولوی ابوسعید محمد حسین غیر مقلد کے اہتمام سے شائع ہوتا تھا۔ سالانہ چندہ سات روپے آٹھ آنہ تھا۔ رسالہ نکالنے کے اغراض و مقاصد یہ تھے۔

(۱) اصول اسلام اور اس کے فروع عظام سے خصوصاً جو متعلق معاشرت

ہوں بحث کرنا۔ (۲) اہل اسلام کے مختلف فرقوں کے باہمی اتحاد و اتفاق میں کوشش کرنا۔ (۳) مسلمانوں کے دنیاوی ترقی کے مضامین شائع کرنا۔ (۴) پولٹیکل مضامین سے جن کو مذہب سے تعلق ہو بحث کرنا اور قوم کی مذہبی ضرورتوں کو گورنمنٹ کے سامنے پیش کرنا۔

اس رسالہ میں تاریخی و ادبی مضامین قطعاً نہیں ہوتے تھے اور نظم و غزل بھی کوئی اس میں نظر نہیں آتی۔ سر سید مرحوم کے نیچری خیالات کی تردید کرنے میں زیادہ زور صرف کیا جاتا تھا تقریباً تمام صفحات ہی اس کے لئے وقف تھے۔ کبھی دیوبندی یعنی مقلدین کے خلاف لکھا جاتا تھا۔ لیکن ان سے زیادہ الجھتے نہیں تھے۔ چنانچہ اس پالیسی کا ذکر رسالہ اپریل ۱۸۸۰ء میں ہے۔

> "عرصہ ایک سال سے ہیں نے مقلدین کا خطاب چھوڑ کر حضرات نیچریہ کا معارضہ شروع کر رکھا ہے جس میں ہمارے اور مقلدین دونوں فریق کے مسائل مسلمہ کی نصرت و حمایت متحقق ہے، مقلدین کو مجھ سے الجھنا مناسب نہیں۔ ہم اور مقلدین باوجودیکہ مسائل فرعیہ عملیات میں باہم مختلف ہیں۔ تاہم اصول اعتقادیات میں متفق ہیں اور نیچریہ اصول و فروع دونوں میں ہم دونوں فریق کے مخالف ہیں۔ ایسی حالت میں ہم دونوں فریق کو مناسب ہے کہ باہمی فروعی جھگڑے چھوڑ کر ان مخالفین کی تحریراً و تقریراً خبر لیں۔ نہ یہ کہ آپس میں خانہ جنگی کریں۔"

نیچریوں کے بارے میں اس رسالہ کا کیا نظریہ تھا اور علی گڈھ مسلم کالج کی تعلیم کے اثرات کو یہ کیا محسوس کرتے تھے: "التفرقۃ بین الاسلام والزندقہ" کے زیر عنوان مضمون کے حسب ذیل اقتباس سے اندازہ ہو جائے گا جو مئی ۱۸۸۰ء کے رسالہ میں درج ہے۔

"چند روز کا عرصہ ہوا ہے کہ ایک نوجوان نیچری جو مدرستہ العلوم علی گڑھ میں تعلیم پاتا ہے لاہور میں آیا اور مجھ سے ملاقی ہوا اور یہی بات جس کا جواب دیا گیا ہے زبان پر لایا اور علاوہ براں اس پر یہ بھی حاشیہ چڑھا دیا کہ اگر ایک مومن کے لئے بعوض ایک دفعہ پانی پلانے کے اس قدر حوریں ملتی ہیں تو پھر بہشت میں اور رنڈیوں کے چکلہ میں کیا فرق ہے۔ اس کی آزادی دیکھ کر میں نے تو جواب سے مخاطب نہ کیا پر اس خیال سے کہ اب یہ لوگ ان باتوں کو عام مسلمانوں میں پھیلانے لگے ہیں اس کا جواب اس مقام میں مناسب سمجھا اور اس کو بھی یہی کہہ دیا کہ اس بات کا جواب اشاعت السنہ میں تحریر کریں گے۔ یہاں سے اہل اسلام تاثیر مدرستہ العلوم علی گڑھ کا اندازہ کرلیں اور جو جو ابطال وانکار اصول اسلام اس سے متفرع ہونے والا ہے اس کا نمونہ یہی ایک بات دیکھ لیں۔ حامیان مدرستہ العلوم کہتے ہیں کہ مدرستہ العلوم کی تعلیم میں سید احمد خاں صاحب کے خیالات و اعتقادات کو کیا دخل ہے۔ وہاں مذہبی تعلیم اہل سنت کی تو کتب اہل سنت سے ہوتی ہے۔ اور شیعہ کو کتب اہل تشیع سے مگر یہ بات ان کی سراسر دھوکہ ہے۔ مانا کہ وہاں دس پندرہ منٹ کے لئے ہدایہ یا شرائع کا شغل کرایا جاتا ہے مگر اس شغل کے بعد تو تمام روز وہی اشغال وخیال درپیش رہتے ہیں جو دین وایمان کے مخرب ہیں۔ کہیں تہذیب الاخلاق" مطالعہ میں آتی ہے کہیں تفسیر سراپا تحریف یا کسی اور دہریہ یورپ کی تالیف پڑھی جاتی ہے۔ کہیں آنریبل سید احمد خاں صاحب بہادر کلکتہ یا شملہ آتے یا جاتے کوئی لکچر مبطل اصول اسلام

دے رہے ہیں، کہیں آپ کے حواریں آپ کی تائید میں پیچ فرما رہے ہیں۔ غرض رات دن یہی دھن طالب علموں کے کان میں پڑتی ہے پھر وہاں دس پندرہ منٹ کے شغلِ شرح وقایہ یا شرائع کی کیا چلتی ہے۔ ۔۔۔ مدرسۃ العلوم علی گڑھ مشن سکولوں کے برابر نہیں بلکہ ان سے بدرجہا بدتر ہے اور اہلِ اسلام کے لڑکوں کے لئے نہایت مضر۔ اس لئے اگرچہ مشن میں پادری انجیل پڑھاتے ہیں مگر مسلمانوں کے اکثر لڑکے ان سے کچھ ضرر نہیں پاتے، وہ مذہب عیسائی کو باطل سمجھ کر جو کچھ زبان سے پڑھتے ہیں دل سے اس کو جھوٹ جانتے ہیں اور اس کے سبب اپنے اعتقاد کو چھوڑ نہیں دیتے۔ بخلاف خیالات سید احمد خانی کہ قرآن و حدیث کے لباس میں ظاہر کئے جاتے ہیں۔ اس کو مسلمانوں کے ناواقف لڑکے قرآن و حدیث کے مطابق سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں اور اسلام کو ہاتھ سے دے بیٹھتے ہیں ۔۔ ۔ ۔۔ جو اعتراض اسلام پر ہندو و عیسائی کرتے ہیں وہ اب نیچری کرنے لگے ہیں اور اس اعتراض میں وہ ہندوؤں اور عیسائیوں کی نسبت زیادہ افسوس کا محل ہے"۔

اس دور میں عیسائی مشنری منظم ہو کر ہندوستانیوں کے مذہب کو بدلنے اور عیسائی مذہب کو اختیار کرنے کے لئے ہر جتن کرتے تھے۔ ان خطرات کو ہندو مسلمان اور سکھ محسوس کرتے تھے اور ان کے مقابلہ کے لئے اخبارات وغیرہ میں آواز اٹھاتے تھے۔ چنانچہ اشاعت السنۃ نے جولائی اگست ۱۸۸۰ء میں ان خطرناک حالات کا نقشہ کھینچ کر منظم ہو کر مقابلہ کرنے کی تلقین کی ہے اور غفلت و بے توجہی کی مذمت کی ہے۔

"مذہب اسلام کو دیکھو جب تک اس کے انصار و جمہوری مددگار

سلاطین والا تبار علمار خیار رہے، دن بدن ترقی پذیر رہا اور جب سے اس سلسلہ کا انقطاع ہوا رونق مذہب اسلام میں تنزل شروع ہو گیا۔ اس وقت کے عیسائی مذہب کے لوگوں کو مذہب کی اشاعت کی طرف توجہ ہے اور اس پر ان کا جمہوری اتفاق و اجتماع موجود ہے امریکہ و افریقہ انگلینڈ وغیرہ بلاد میں جا بجا مذہب کی اشاعت کے لئے ان کی کمیٹیاں و سوسائٹیاں قائم ہیں اور ادنیٰ سے اعلیٰ تک ان کمیٹیوں میں چندہ دیتے ہیں جس سے لاکھوں روپیہ مشن میں جمع ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ سے دیہات، پہاڑوں، جنگلوں میں ان کی منادی و واعظین پہنچتے ہیں اور جا بجا ان کے مدرسہ قائم ہیں اور اکثر شہروں میں ان کے مطبع جاری ہیں جن میں ان کی مذہبی کتابیں تصنیف و مترجم ہو کر چھپتی ہیں اور ان کے مذہبی اخبار شائع ہوتے ہیں۔ جن میں ان کے خیالات عام لوگوں میں پھیلتے ہیں تو اس صورت سے یوماً فیوماً کچھ نہ کچھ ان کے مذہب کو ترقی ہے۔ مگر کمال افسوس کا مقام ہے کہ اہل اسلام سے اب یہ خیال بالکل اٹھ گیا ہے اور انہوں نے اس جمہوری اتفاق و تعاون کو کافروں کا شعار سمجھ کر اس کو ان ہی مخالفین مذہب کے سپرد کر دیا ہے۔ وبنار علیہ مذہبی اشاعت کا چارج بھی ان ہی کو دیدیا ہے اور خود دین سے فارغ ہو کر اپنا دل پسند کام اختیار کیا ہے۔"

چنانچہ اس لکھنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذہبی تعلیم دینے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ کس کے بل پر، حکومت کے بل پر نہیں بلکہ عام مسلمانوں کی امداد و اعانت سے مدرسے وغیرہ قائم ہونے لگے تھے۔ ان کی تعلیم کیسی تھی، مولانا نذیر احمد محدث

دہلوی کے مدرسہ کی خبر سے ہی اندازہ ہو سکتا ہے جس کی کیفیت اپریل ۱۸۸۰ء کے شمارے میں مختصر طور پر شائع ہوئی ہے۔

"دہلی میں حضرت جناب شیخنا مولوی سید محمد نذیر صاحب محدث دہلوی کی اتباع و احباب نے تعلیم ترجمہ قرآن شریف کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا ہے جس میں ایک سو کئی لڑکے ترجمہ قرآن شریف کی تعلیم پاتے ہیں۔ مہتمان مدرسہ مولوی عبدالمجید دمحبی میاں محمد عبدالعزیز نے ان لڑکوں میں سے دو لڑکے میرے سامنے پیش کئے ان میں ایک نے جو تخمیناً سات یا آٹھ برس کا ہوگا مجھے سورۂ فاتحہ کا ترجمہ سنایا، دوسرے نے جو تخمیناً دس یا گیارہ برس کا ہوگا سورۃ القدر کا ترجمہ سنایا۔ دونوں نے شان نزول و توجیہات، معنی آیات و تطبیق تفاسیر مختلفہ و مسائل نقیہ آیات کو اس تفصیل و خوش بیانی سے ادا کیا جیسے کوئی فاضل چہل سالہ بیان کرتا ہے۔ اگر یہ مدرسہ اسی طرح جاری رہا تو انشاء اللہ تعالیٰ چند روز میں مقصد قرآن جو آج تک عام مسلمانوں پر مخفی ہے کس دنا کس پر ظاہر ہو جاوے گا۔"

انتخاب قوانین و نظائر شام لال

کانپور محلہ گراں پر بیٹھ سے یہ ماہانہ قانونی رسالہ یکم جنوری ۱۸۸۸ء کو نمودار ہوا، ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک لالہ شیام لال وکیل، مہتمم منشی ہیرالال تھے سالانہ چندہ چار روپیہ تھا مطبع لاپریس میں طباعت ہوتی تھی۔ اس میں کل قوانین و کل احکام ضروری گورنمنٹ گزٹ ممالک مغربی و شمالی، دیگر احکام ضروری بطور خلاصہ و خلاصہ کل نظائر مندرجہ انڈین لاء رپورٹ شائع ہوتے تھے۔

سفیر ہند امرت سر سے یکم جنوری ۱۸۷۸ء کو یہ ہفتہ وار اخبار سولہ صفحات پر ظہور میں آیا۔ ہر شنبہ کو اشاعت ہوتی تھی۔ مالک پادری رجب علی تھے سالانہ چندہ تیرہ روپیہ تھا۔ مطبع سفیر ہند میں طباعت ہوتی تھی۔

پادری رجب علی: پادری رجب علی صاحب فیضی اور ابوالفضل کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ انگریزی، فارسی اور اردو اچھی جانتے تھے تعلیم پانے کے بعد عیسائی مشنریوں کے اثر میں آکر عیسائی ہو گئے تھے۔ پڑھے لکھے آدمی تھے اس لئے ان کو عیسائی مذہب کی اشاعت و تبلیغ کے کام پر لگایا گیا تھا۔ ان سے اسلام اور بانیٔ اسلام آقائے نامدار جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کتابیں لکھوائی گئیں جو حسب ذیل تھیں۔

۱۔ آئینۂ اسلام: جو ۱۸۷۰ء کو امریکن مشن پریس لکھنؤ میں چھپی تھی۔ جس میں ڈیڑھ سو اسلامی فرقوں کی تعداد لکھ کر دعویٰ کیا ہے کہ جس طرح اسلامی فرقے اصول و ایمان میں مختلف ہیں اس طرح عیسائی فرقے نہیں ہیں۔

۲۔ رسالہ الٰہی براہین: اس میں واجب الوجود خدا کی ہستی کا عقلی اور الٰہی دلیلوں سے اثبات کیا ہے۔ اس کے مؤلف پادری رجب علی کے علاوہ پادری ہوئیل صاحب بھی تھے۔ یہ کتاب ۱۸۶۹ء کو بلرام پور امریکن مشن پریس میں چھاپی گئی تھی۔

۳۔ شریف نسبتیں: کو ۵۴ صفحات پر اپریل ۱۸۶۷ء کو امریکن میتھوڈسٹ مشن گونڈہ نے چھپوایا تھا۔

پادری رجب علی صاحب کا تعلق امریکن میتھوڈسٹ مشن یوپی سے تھا۔ انہوں نے کافی اخبار شمس الاخبار ۱۸۶۹ء، کوکب عیسوی ۱۸۶۹ء، وکیل ہندوستان یکم جنوری ۱۸۸۴ء، ہندو پرکاش ۱۸۷۴ء، سفیر ہند یکم جنوری ۱۸۷۸ء اور پنجاب ریویو ۱۸۸۷ء نکالے تھے۔

ان کی اخبار نویسی کے بارے میں منشی محمد دین صاحب فوق نے اپنی تالیف "اخبار نویسوں کے حالات" میں لکھا ہے۔

"پادری رجب علی مرحوم جن کا رسالہ پنجاب ریویو غالباً سب سے پہلا اعلیٰ درجہ کا ادبی رسالہ تھا، نہایت قابل اہل قلم تھے، عیسائیوں میں وہ پہلے شخص تھے جن کو اردو کی لٹریری پبلک میں اس قدر رسوخ اور وقار حاصل تھا کہ ہندوستان میں بہت کم لوگ ان کی برابری کر سکتے تھے۔ ہندوستانی مسیحوں میں اردو کا مذاق بہت کم ہے بلکہ بالکل نہیں ہے۔"

حقیقتاً پادری رجب علی صاحب مسلمہ صحافی تھے جس اخبار میں چلے جاتے اس کو چار چاند لگا دیتے تھے۔ ان کا نام ہی اخبار کی ترقی کا باعث ہوتا تھا، چنانچہ جب یہ ہندو پرکاش کے ایڈیٹر ہوئے تو اس اخبار کو کیا پوزیشن حاصل ہوئی اور اس اخبار کے بارے میں لوگوں کے کیا خیالات بن گئے تھے وہ مرقع تہذیب لکھنؤ کے یکم جولائی ۱۸۷۴ء کے شمارے میں محمد حسین صاحب اغلب ایڈیٹر مرقع تہذیب کی رائے پڑھیے۔

"جب آگے ہم نے اس اخبار کو دیکھا تھا تو ہم کو معلوم ہوا تھا کہ ابھی اس اخبار میں کوئی ایڈیٹر عمدہ نہیں ہے مگر اب ہم کو معلوم ہوا کہ منشی اور پادری رجب علی صاحب جو ایک لائق و فائق انسان ہیں اور اس کام کو بخوبی جانتے ہیں اخبار (ہندو پرکاش) کے ایڈیٹر ہیں اور اسی سبب سے اس اخبار کو بڑی رونق ہے۔ اب اس میں عمدہ سے عمدہ مضمون اور رفاہ عام والے آرٹیکل درج ہوتے ہیں اور ضروری ضروری باتوں پر وقتاً فوقتاً بحث ہوا کرتی ہے چنانچہ

فی الحال ہائی کورٹ پنجاب میں جو ہندوستانی جج کی خواہش تھی
اس کے باب میں اس اخبار میں نہایت عمدہ طور سے دو ایک مضمون
درج ہوئے ہیں، ہم کو امید ہے کہ پادری صاحب کی سبب سے
پنجاب میں چند روز میں یہ اخبار سب اخباروں سے عمدہ ہو جائے
گا۔ محمد حسین اغلبیؓ

بالآخر پادری رجب علی صاحب نے اگست ۱۸۷۴ء کو اس اخبار سے علیحدگی اختیار کر لی تھی معلوم ہوتا ہے کہ مشنری لوگوں نے ان پر زور دیا ہوگا اور مجبور کیا ہو گا کہ وہ ایک ہندو اخبار سے قطع تعلق کر لیں۔

آخری زمانہ میں پادری رجب علی صاحب کی مالی حالت بہت خراب ہو گئی تھی اور وہ کافی مقروض ہو گئے تھے۔ چنانچہ منشور محمدی بنگلور مورخہ ۱۵ شوال ۱۳۰۵ھ میں "ظالم زرِ عشق نے کدھر کا بھی نہ رکھا" کے زیر عنوان اسی قسم کی خبر شائع ہوئی ہے۔

"پادری رجب علی صاحب ایڈیٹر رسالہ "پنجاب ریویو" کا تمام اسباب
امرت سر میں کوڑیوں کے مول نیلام ہو کر قرض خواہوں کو دیا گیا
جس کے حصول کے لئے کرسٹان ہوئے تھے وہ نہ حاصل ہوا، افسوس[5]

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم ۔۔۔ نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے

ان لوگوں کو جو زر اور لیڈیوں کے واسطے کرسٹان ہوتے ہیں ان کو
یہ شعر حفظ کرنا چاہیے۔ ۶ طمع را سہ حرف ست و ہر سہ تہی"

مجلس اخلاقیہ

امرت سر سے عشرہ دار ۲، ۱۲، ۲۲ کو یکم جنوری ۱۸۷۸ء کو یہ اخبار نکلا۔ بشن دت رام سکریٹری مجلس اخلاقیہ نے جاری کیا، مہتمم مولوی شاہ ولایت تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے تیرہ آنے تھا، مطبع

چشمۂ نور میں طبع ہوتا تھا۔

نسیم آگرہ پہلے یہ اخبار عشرہ وار آٹھ صفحات پر یکم جنوری ۱۸۸۰ء کو بابو دھشٹر داس اینڈ کمپنی باہتمام منشی موہن لال جاری ہوا اس کے بعد ہفتہ وار ۸، ۱۵، ۲۲، ۳۰ کو سالانہ چندہ پانچ روپے میں محلہ بازار سیب کوٹھی نمبر ۳۴ سے باہتمام بابو جمنا داس لبو اس وکیل ضلع عدالت دیوانی آگرہ نے شائع کیا۔ مطبع اندو پرکاش میں چھپتا تھا۔

یہ اخبار جہاں ملکی و غیر ملکی خبریں شائع کرتا تھا وہاں عیسائی مشنریوں کے مکر و فریب کو بھی آشکار کرتا تھا۔ چنانچہ ۸ جنوری ۱۸۸۸ء کے شمارے میں ان کے کرتوتوں کو بے نقاب کیا ہے۔

"اب تو حد سے گذر گئی کہ ہر طرح کے افعال واسطے ورغلانے اور گمراہ کرنے اور ناپاک کرنے کے پیدا کرتے جاتے ہیں۔ انجیل کی تقسیم اور منادی سے پیٹ نہ بھرا تو اسکول جاری کئے۔ اتوار سے انجیل کی پڑھائی روزمرہ کی گئی پھر بھجن بنائے تب مستورات میں میم لوگ بھجن سنانے بحیلۂ دستکاری جانے لگیں پھر بازاروں اور میلوں میں کرسچن بھجن گانے لگے پھر باجا لیکر لوگوں کو متوجہ کیا وہ بھی کچھ تعجبات سے نہیں معلوم ہوا یعنی سوائے قحط زدوں کے بہت کم خوشی سے کرسچن ہوئے پھر گیروا کپڑا پہننے اور فقیر بننے شروع ہوئے اور مدرسوں سے جب کام خاطر خواہ نہ نکلا تو اب ہسپتال ہو گئے ہیں مردانہ بھی زنانہ بھی۔ وہاں کی کارسازی سنئے کہ اول جب مریض جمع ہوتے ہیں تو ان کا حال دریافت کرکے نسخے تیار کئے جاتے ہیں اور پھر سب کو بھجن سنائے جاتے ہیں

مسیحی عظمتیں سمجھائی جاتی ہیں کہ مسیح نے فلاں مردہ زندہ کیا فلاں معجزہ ایسا کیا۔ اس کے بعد ان کو دوا دی جاتی ہے گھر جا میں منہ دھونے کی کلی وغیرہ کا پانی جسے پلاکر کرسچن بناتے ہیں وہ پانی بھی دوا سے علیحدہ دیا جاتا ہے اس کا نام برکت کا پانی رکھا گیا ہے۔ یہ کیسی ایمانداری لوگوں کی ہے جو خلاف مذہب چیز لوگوں کو کھلاتے ہیں۔ ہمارے ہاں کا مسئلہ تو یہ ہے کہ جو اس طرح کوئی ناجائز شے خلاف مذہب پلاوے کھلاوے تو کھلانے والے کا دھرم جاتا ہے۔ عیسائیوں کا مسئلہ معلوم نہیں کہ ان کا عیسیٰ مسیح کیا ایسی حرکت سے خوش ہوتا ہے اور نتیجہ اس کا کیا ہوگا۔"

نسیم سارن شہر چھپرہ محلہ رتن پورہ مقام کالی باڑی سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم جنوری ۱۸۷۸ء کو نکلا۔ ہر دوشنبہ کو نکلتا تھا۔ مہتمم بابو رکھی کمار چیٹرجی تھے سالانہ چندہ چھ روپے چھ آنے تھا۔ مطبع نسیم سارن میں طباعت ہوتی تھی۔

کاشی پترکا یہ علمی رسالہ ۱۵ جنوری ۱۸۷۸ء کو پندرہ روزہ اردو ہندی زبانوں میں بتیس صفحات پر اور سالانہ چھ روپے بارہ آنے چندہ پر باہتمام راما نند سب ینیجر، مالک بابو ایشور پرشاد نے محلہ وساسمیدھ سے جاری کیا اس کے بعد ہفتہ وار جمعہ کے روز سالانہ سات روپے دس آنے چندہ پر محلہ بیری خورد مقام تکیہ ادگھڑ ناتھ علاقہ تھانہ چیت گنج بنارس سے باہتمام پنڈت لکشمی شنکر مشرا بی اے، مطبع چندر پربھا پریس سے شائع ہوا۔

مجموعہ نظائر ہند ضلع گیا قصبہ صاحب گنج محلہ دہامی ٹولہ سے ماہانہ قانونی رسالہ ۲۰ جنوری ۱۸۷۸ء کو شائع ہوا۔ ۲۴

صفحات پر مشتمل تھا۔ مہتمم بابو ہری سندر بوس تھے سالانہ چندہ چھبیس روپے تھا۔ مطبع گلدستہ نظائر میں چھپتا تھا۔ اس میں انڈین لا رپورٹ، ہائی کورٹ کلکتہ الہ آباد، مدراس اور بمبئی کا اردو ترجمہ شائع کیا جاتا تھا۔

نظائر قانون ہند

الہ آباد محلہ شاہ گنج سے جنوری ۱۸۷۰ء کو یہ ماہانہ قانونی رسالہ ۸۴ صفحات سے سو صفحات تک جاری ہوا۔ مہتمم لالہ شنبھو دیال تھے سالانہ چندہ پچیس روپے چار آنہ تھا۔ مطبع نظائر قانون ہند میں طباعت ہوتی تھی۔

آصف الاخبار

حیدر آباد دکن چھاؤنی رزیڈنسی متصل چادرگھاٹ سے یکم فروری ۱۸۷۰ء کو بارہ صفحات پر یہ ہفتہ وار اخبار نکلا۔ مالک نرائن سوامی مڈ لیار کپتی تھے۔ سالانہ چندہ نو روپیہ تھا۔ مطبع مفید عام میں طباعت ہوتی تھی۔

حافظ صحت

لاہور محلہ موچی دروازہ سے یکم فروری ۱۸۷۰ء کو یہ ماہانہ طبی رسالہ آٹھ صفحات پر جاری ہوا۔ ایڈیٹر و پروپائٹر و بانی زبدۃ الحکما حکیم غلام نبی صاحب تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ چودہ آنہ تھا مطبع پنجابی میں چھپائی ہوتی تھی۔

اس رسالہ میں صحت کے لئے خوراک، پوشاک، خواب، بیداری وغیرہ باتوں کا انتظام اور ان تدابیر کا ذکر جو حسب تغیر موسم بطور علاج حفظ ماتقدم عمل میں لانی چاہیے اور کثیر الوقوع امراض کی خاص علامات طریق تشخیص اور علاج بتایا جاتا تھا۔

حکیم غلام نبی؛ حکیم صاحب کے والد کا نام خلیفہ ولی محمد تھا جو ایک دیندار متقی صوفی منش بزرگ تھے۔ یہ قوم اوان یا اعوان کے معزز اور باثر زمیندار تھے

جن کا سلسلہ نسب مختلف واسطوں سے حضرت عباس علوی سے ملتا ہے۔ ان کی اصل سکونت اوان کی تھی جو تحصیل انبالہ ضلع امرت سر میں قوم اوان کے زمینداروں کا ایک قدیم گاؤں اسی نام سے ہے اور چونکہ وہ بطریق سلسلہ مشائخ حضرت مولانا مولوی غلام محی الدین قصوری کے مشہور صاحبِ ارشاد بزرگ کے خلیفہ مانے جاتے تھے اس لئے ان کے نام کے ساتھ خلیفہ کا استعمال ضروری سمجھا جاتا تھا۔

خلیفہ صاحب کو اپنے دنیوی کاروبار اور دینی مشغولیتوں کے علاوہ عموماً خلق خدا اور خصوصاً اپنی اولاد کو تعلیم دینے کا بہت شوق تھا۔ اسی کام کے لئے ایک قابل و فاضل استاد جو سید شاہ حبیب دانا کی اولاد میں سے تھے اور نامور انشار پرداز اور فارسی داں تھے ان کو قوم کے دوسرے بچوں اور اپنے لڑکے کی تعلیم کے لئے موضع راماس سے بلا کر مقرر کیا تھا۔ ان ہی سے حکیم صاحب نے گلستاں، بوستاں، بہار دانش اور سکندر نامہ وغیرہ پڑھا۔ اس کے بعد عربی کی تعلیم کی تکمیل مولوی عبداللہ سکنہ تلونڈی ضلع ہوشیار پور، مولوی قاری عبدالعلی رئیس العلماً امرت سر اور مولوی حبیب اللہ پشاوری، حافظ ولی اللہ اور حافظ عبداللہ اور مولوی ابو سعید محدث بٹالوی سے کی۔

فارسی و عربی پڑھنے کے بعد حکیم محمد شریف کلانوری جو اس وقت امرت سر میں محکمہ نہر میں ملازم تھے ان سے طب کی ابتدائی کتب پڑھیں اور حکیم حسام الدین کے مطب میں رہ کر علوم طب یونانی میں تجربہ حاصل کیا۔

ان ہی ایام میں ایک ہمسایہ رفوگر کے ہاں اتفاقاً کچھ لڑائی ہو گئی اور مار پیٹ بھی خوب ہوئی۔ مقدمہ عدالت میں پہنچا زخموں کی شناخت وغیرہ کے لئے مستغیث نے طبی گواہ کے طور پر ان کو پیش کیا۔ ملزم کی طرف سے وکیل نے جب یہ جرح کی کہ زخم چاقو کے تھے یا چھری کے یا کسی اور تیز دھار یا نوک دار آلے وغیرہ

کیونکہ طب یونانی میں یہ باتیں نہیں سکھائی جاتی تھیں اس لئے آپ بہت غور کے بعد فیصلہ کیا کہ ڈاکٹری بھی ضرور سیکھنی چاہئے۔ چنانچہ آپ ڈاکٹری سیکھنے کے لئے لاہور سے امرت سر آئے اور بازار حکیماں میں حکیم ضیاء الدین صاحب کے ہاں ٹھہرے۔

اسی اثناء میں نواب محمد خاں اور نواب خان بہادر خاں والیان ریاست ممدوٹ گورنمنٹ کے حکم سے ریاست بدر ہوئے تھے اور لاہور میں مقیم ہوئے تھے۔ ایک دن حکیم صاحب معمول کے مطابق شام کے وقت حضوری باغ میں ٹہلتے ہوئے اپنا سبق یاد کر رہے تھے اتفاقاً اس وقت نواب محمد خاں بھی باغ میں آ گئے اس وقت حکیم صاحب کے ہاتھ میں قانونچہ تھا۔ اس طبی کتاب کو دیکھ کر نواب صاحب نے دریافت کیا۔ کیا تم حکمت جانتے ہو۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ ایک شکار میں نواب صاحب کی ہڈی پر چوٹ آئی تھی۔ انہوں نے اس کو دکھایا کہ اس میں تکلیف ہوتی ہے کیا کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے انڈے کی زردی کو لاہوری نمک میں ملا کر مالش کرنے کے لئے بتایا۔ اس سے نواب صاحب کو فائدہ ہوا۔ جب وہ دوبارہ باغ میں آئے اور حکیم صاحب سے معلوم کیا تم کہاں رہتے ہو۔ حکیم صاحب نے بتایا کہ میں فلاں مقام پر رہتا ہوں والد صاحب میری گذر اوقات کے لئے بھیجا کرتے ہیں۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ تم میرے پاس رہو اور مجھ کو طبی امداد دیتے رہا کرو تو میں تم کو بیس روپے ماہانہ کھانا اور کپڑا بھی دوں گا۔ چنانچہ حکیم صاحب نواب صاحب کے مکان میں منتقل ہو گئے۔

لاہور میں اسی زمانہ میں اورنٹیل کالج اور پنجاب یونیورسٹی کی بنیاد لوہاری دروازہ حویلی نونہال سنگھ میں ڈالی گئی تھی جس میں ڈاکٹر لیٹز نے مستند حکیموں کو داخل کیا تھا۔ ان کو تعلیم دینے کے لئے ڈاکٹر رحیم خاں کو مقرر کیا گیا تھا جو اِن

لوگوں کو ہفتہ میں ڈیسکٹنگ روم میں لے جا کر مردہ انسانوں کی لاشوں کی چیر پھاڑ کا کام سکھایا کرتے تھے۔ ان حکیموں میں حکیم غلام نبی بھی تھے۔ یہ ان سب حکیموں میں نوعمر تھے۔ انہوں نے چار سال کا کورس پورا کیا اور اعلیٰ درجہ کی کامیابی حاصل کی جس پر حکومت نے ان کو زبدۃ الحکماء کا خطاب دیا۔ اس اعزاز کی وجہ سے ان کو سرکاری درباروں میں شرکت کے لئے بلایا جاتا تھا اور خلعت بھی ملتے تھے۔

غالباً حکیم صاحب نے ۱۸۷۶ء میں اپنا ذاتی مطب شروع کیا اس کے بعد رسالہ حافظِ صحت جاری کیا۔ افسران نے تمام میونسپل کمیٹیوں کو ہدایت کر دی تھی کہ یہ رسالہ مدرسوں کے لئے جاری کیا جائے اور ممبران کمیٹی بھی خریدیں۔ حکیم صاحب نے چھوٹی بڑی ۳۵ کے قریب طبی کتابیں تالیف کیں۔ آپ دو دفعہ لاہور کی میونسپل کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے اور گیارہ سال تک ممبر رہے[1]۔

حکیم صاحب ۲ اگست ۱۹۱۶ء کو فوت ہوئے۔ برلبِ بھادلپور روڈ قبرستان میانی میں دفن ہوئے۔ شمس الدین شائق مؤلف منظوم ترجمہ قرآن نے یہ تاریخ کہی جو لوح مزار پر کندہ ہے۔

غلام نبی آں حکیم یگانہ	الٰہی بجنات مسرور بادا
بوقت وفاتش ز افکار شائق	بشد سال تاریخ مغفور بادا

۱۳۳۴ھ

ترجمان شرق قسطنطنیہ محل ادارہ جاہ رباب عالی سے ۲۳ مارچ ۱۸۷۸ء کو یہ پندرہ روزہ اردو عربی زبان کا اخبار جاری

---

[1] اخبار نویسوں کے حالات صد ۹۲ تا ۹۶

ہوا۔ مالک اسکندر آفندی تھے۔ سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔ مطبع میران آفندی میں چھپتا تھا۔

نیرنگ مضامین متھرا بازار سامی گھاٹ متصل پانی کوتوالی سے یکم جولائی ۱۸۷۸ء کو دس صفحات پر پندرہ روزہ یہ اخبار شائع ہوا۔ مالک بابو سیمت رائے تنکل، مہتمم لالہ رام نرائن تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے چھ آنہ تھا۔

۱۸۷۹ء

آئینۂ ریاضی شاہجہاں پور سے یہ ماہانہ رسالہ یکم جنوری ۱۸۷۹ء کو بارہ صفحات پر شائع ہوا۔ مالک لالہ بختاور سنگھ فورتھ ماسٹر گورنمنٹ اسکول و سکریٹری آریہ سبھا، مہتمم پنڈت اودھ بہاری سرن مشر تھے۔ سالانہ چندہ بارہ آنہ تھا۔ مطبع آریہ بھوش میں طبع ہوتا تھا۔

خضر ہند سیالکوٹ سے یہ ماہانہ رسالہ، صفحات پر یکم جنوری ۱۸۷۹ء کو جاری ہوا مالک منشی دیوان چند مہتمم لالہ ہزاری لال تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ گیارہ آنہ تھا مطبع رفاہ عام میں چھپتا تھا۔

کلکتہ پنچ کلکتہ خضر پور محلہ رام چندر پور مکان نمبر ۱۲ سے یہ ماہانہ رسالہ آٹھ صفحات پر یکم جنوری ۱۸۷۹ء کو نکلا مالک مولوی دائم اللہ مہتمم غلام سبحان خاں تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ چودہ آنہ تھا۔ مطبع بشیری میں طباعت ہوتی تھی اس کے سرورق پر یہ شعر چھپتا تھا۔ ؎

سکہ زد در عالم اخبار سلطان ظریف
گشتہ ابلہ قافیہ سبحان دراں زار ردیف

آریہ سماچار میرٹھ سے یہ ماہانہ آریہ سماجی پرچہ ۱۲ صفحات پر جنوری ۱۸۷۹ء کو ظہور پذیر ہوا۔ سکریٹری انند لال، مہتمم منشی کلیان رائے تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ چودہ آنہ تھا۔ مطبع ودیا درپن میں چھپائی ہوتی تھی۔

آستانہ حکمت آگرہ مقام میڈیکل ہال سے یہ ماہانہ رسالہ تیس صفحات پر ۱۸۷۹ء کو شائع ہوا۔ مالک حاجی سید الطاف علی نائب مدرس علم الادویہ وعلم کیمیاگری تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔ مطبع میڈیکل میں طباعت ہوتی تھی۔

آئینہ آئین ہند گوجرانوالہ سے یہ ماہانہ قانونی رسالہ بارہ صفحات پر جنوری ۱۸۷۹ء کو نمودار ہوا۔ مرتب مولوی فاخر حسین وکیل عدالت بدایوں، مہتمم منشی برج لال تھے۔ رسالہ چندہ ایک روپیہ دو آنہ تھا۔ مطبع گیان پریس میں چھپتا تھا۔

صبح بنارس بنارس محلہ پانڈیکی حویلی عرف پانڈیکی تھانہ دساسمیدہ سے ۱۶ر جون ۱۸۷۹ء کو یہ ہفتہ وار اخبار چار صفحات پر جاری ہوا دوشنبہ کو نکلتا تھا مالک بھوت ناتھ ایڈیٹر مرزا محمد حسین فائز اثنا عشری مدرس اسکول تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ دس آنہ تھا۔ مطبع صبح بنارس میں طبع ہوتا تھا۔

تہذیب الآثار سیتاپور محلہ تامسین گنج مقام کوٹھی سید محمد صادق وکیل سرکار و مالک مطبع سے یہ ماہانہ رسالہ یکم ستمبر ۱۸۷۹ء کو شائع ہوا۔ منشی منی لال بلگرامی تھرڈ ماسٹر ہائی سکول ضلع اس اخبار کے بانی اور ایڈیٹر تھے اور مہتمم منشی فرزند حسن صاحب احسنؔ تھے۔ ۱۶ صفحات پر مشتمل تھا۔ عام سالانہ چندہ ایک روپیہ دو آنہ تھا۔ مطبع صادق میں چھپائی ہوتی تھی۔ اس اخبار میں تخفیف مصارف شادی اور بیواؤں کی شادی پر زور دیا جاتا تھا۔

منشی فرزند حسن احسنؔ : منشی صاحب قصبہ پالی کے رہنے والے تھے ان کے والد شیخ حسین الدین تھے ۔ صاحب سخن شعراء نے ان کے دو شعر درج کے ہیں ۔ [1]

مر جاؤں گا جب پڑے گا تو کیا حال ہو جائے گا
بالوں کے بوجھ سے وہ بل کھائے جاتے ہیں
قربان ہو جاؤں ان کے میں، اللہ ری نازکی
پڑتی ہے چاندنی تو وہ کملائے جاتے ہیں

خزینۃ العلوم سیتاپور محلہ تاسین گنج سے یہ ماہانہ تعلیمی رسالہ ماسٹر منی لال ہائی سکول نے ستمبر ۱۸۷۹ء کو نکالا ۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ دو آنہ تھا اور مطبع صبح صادق میں طباعت پاتا تھا ۔

سبھا کپور تھلہ کپور تھلہ سے دھرم پردا ینی سبھا نے بحکم دیوان متھرداس میر مجلس سبھا نے ۱۸۷۹ء کو یہ ہفتہ وار اخبار سولہ صفحات پر جاری ہوا ۔ مہتمم بابو بوہل ، ایڈیٹر منشی برکت علی شوکت تھے ۔ ہر شنبہ کو نکلتا تھا سالانہ چندہ گیارہ روپے تھا ۔ مطبع دھرم پرکاش میں چھپتا تھا ۔

مظہر العجائب مدراس محلہ ترپل کھیڑی مسجد والا جاہی ، ڈاک خانہ مونٹ روڈ سے عشرہ وار چھ ورقہ پر ۱۸۷۹ء کو یہ اخبار ظہور پذیر ہوا ۔ مالک مولوی ابوالحامد سلطان محمود حنفی محمدؔ ، مہتمم مصطفےٰ حسین ، ایڈیٹر غلام دستگیر تھے سالانہ چندہ دس روپیہ دو آنہ تھا ۔ مطبع مظہر العجائب میں طبع ہوتا تھا ۔

سلطان محمود محمدؔ لکھنوی : آپ منشی محمد ظہیر الدین میر منشی واجد علی کے صاحبزادے تھے قوم کے شیخ اور حنفی المذہب تھے ۔ نسبی سلسلہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ملتا

---

[1] سخن شعراء ، ص۱۳۔

GOVT. GIRLS COLLEGE
SOHNAGAN
ACC. NO. 15241
LIBRARY

ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد کا قدیمی وطن قنوج تھا۔ نواب سعادت علی خاں کے عہد حکومت میں وہاں سے لکھنؤ آئے اور نوابان لکھنؤ کے درباروں میں باریاب ہو کر بڑے بڑے عہدوں پر مامور ہوئے۔ آپ کی پیدائش لکھنؤ میں ۲۴ر جمادی الاول ۱۲۸۷ھ میں ہوئی اپنے والد سے تعلیم پائی۔ ان کی طبیعت بچپن سے ہی اس قدر موزوں تھی کہ کبھی کوئی شعر ناموزوں ان کی زبان سے نہیں نکلا۔ دس سال کی عمر کے تھے اس وقت سے غزل کہنی شروع کر دی تھی۔ والد کی ایما پر شیخ امداد علی بحر لکھنوی کے سامنے زانوئے ادب طے کیا۔ ان کی وفات کے بعد قدر بلگرامی سے اصلاح لینی شروع کی۔ بہت تھوڑی مدت میں آپ کلام پر اس قدر حاوی ہو گئے تھے کہ قدر بلگرامی نے اپنے بعض شاگردوں کو اصلاح کے لئے ان کی طرف رجوع کیا۔ آپ کے مزاج میں استغنا تھی۔ کم گو اور آزاد طبیعت کے مالک تھے۔ گوشہ نشینی پسند تھی۔ تصنیف و تالیف میں منہمک رہتے تھے اور شعر و سخن کے علاوہ کوئی دوسری فکر نہ تھی۔ ارمغان جدید آپ کا دیوان ہے اور ایک رسالہ مخزن التحقیق آپ نے تالیف کیا ہے۔ جس میں اپنے اور دیگر شعراء کے متروکات و غیر فصیح الفاظ مع عیوب شعر و غلطی املا اور قواعد نہایت تحقیق کے ساتھ درج کئے ہیں۔ آپ کا لکھنؤ کے مشہور انشار پردازوں میں شمار ہوتا ہے۔

جناب حمد کے کلام میں فصاحت اور شوخی ہے زبان صاف و سلیس ہے۔ آپ کے کلام میں ان کے استاد بحر لکھنوی کا رنگ پایا جاتا ہے۔ [1]

تم نے ڈھا دیا کعبۂ دل کا — اے بتو کس کتاب میں دیکھا
بڑا گھمنڈ تھا بس دیکھ لی مسیحائی — کبھی پکڑ نہ لیا، ہاتھ مرنے والوں کا

---

[1] خم خانۂ جاوید دویم ص۵۰۱۔

تمہارے کوچے میں چھکے قضا کے چھٹتے ہیں
ہجوم دیکھ کے بے موت مرنے والوں کا

ہجوم یاس ہے رہ فاتحہ کہاں پہ پڑھیں
کہیں نظر بھی آئے مزار کی صورت

اللہ آپ سیر کو نکلیں پہن کے پھول
تقدیر اس چمن کی یہ ہیں جس چمن کے پھول

ہے روز حشر اور شب غم کا طول ایک
اس کی نہیں ہے شام تو اس کی سحر نہیں

نہیں اک رنگ پر رہتی طبیعت ہے تری کیسی
کبھی ایسی، کبھی ویسی، کبھی کیسی، کبھی کیسی

بیان سوز دل رو رو کے کرتا ہوں تو کہتے ہیں
لگی ہے آگ جب دل میں تو آنکھوں میں تری کیسی

آنے جانے کی یہاں آڑ تو اچھی ہوتی
کاش مسجد ملی ہوتی، کوئی میخانے سے

ساقی سفید ریش پہ ہلکا سا ہو خضاب
زاہد کے منہ پر پھینکدے ساغر کھنگال کے

مہر نیم روز ۱۸۷۹ء کو بجنور سے یہ اخبار مہینہ میں چار مرتبہ ۶، ۱۳، ۲۰، ۲۷، تاریخوں میں تیار ہو کر ۷، ۱۴، ۲۱، ۲۸، کو شائع ہوتا تھا۔ بارہ صفحات پر بڑے سائز پہ نکلتا تھا۔ مالک و مہتمم حافظ کریم اللہ صاحب تھے سالانہ چندہ نو روپے آٹھ آنے تھا کریم المطابع میں چھپتا تھا۔ پہلے صفحہ پر اخبار کے نام کے نیچے حسب ذیل قطعہ درج ہے۔ ؎

تا شہ خاور بود با اختر اختر فروز
تا بود بدر الدجیٰ قندیل مہ از مہر روز

جشن سالانہ و شانہ شود حاصل بدہر
مطبع دہم اہل مطبع را چنیں نوروز نوروز

تا بعالم مطبع و اخبار را رسمے بود
مخبر صادق بود اخبار مہر نیم روز

یہ اخبار انتہائی سنجیدہ و متین تھا اس میں علمی و تعلیمی آرٹیکل بڑی معقولیت و سمجھداری سے لکھے جاتے تھے اور یہ سرسید کے خیالات کا حامی تھا۔ تعلیمی معاملات میں ان کی ہمنوائی کرتا تھا لیکن جہاں اسلامی نظریوں سے ٹکراؤ پیدا ہو جاتا تھا یا علی گڈھ کالج کے ارباب اختیار حکومت پرستی میں غلو اختیار کرنے لگتے تھے اور کالج پر انگریزی عنصر کا قبضہ و اختیار جمتا دیکھتے تو اس وقت دشمنی یا بدنام کرنے کی غرض سے نہیں بلکہ اصلاح کے لئے متانت کے ساتھ نکتہ چینی کرتا تھا۔ خبروں کے انتخاب کا انداز عامیانہ تھا۔ انجن ہاتھی سے لڑ گیا، عجیب بچھڑا وغیرہ قسم کی خبریں زیادہ ہوتی تھیں۔

علی گڈھ کالج کے برسر اقتدار گروپ کی بدعنوانیوں کی اصلاح کرنے کے لئے ملک میں ایک گروپ بن گیا تھا جس میں علی گڈھ کالج کے اولڈ بوائز اور کچھ ٹرسٹی تھے۔ اس گروپ کی یہ اخبار ترجمانی کرتا تھا۔ یہ گروپ علی گڈھ کالج میں انگریزوں کی طاقت اور اقتدار بڑھنے کے خلاف تھا، چنانچہ سرسید مرحوم کی وفات کے بعد علی گڈھ کے کلکٹر کی صدارت میں کالج کے برسر اقتدار گروپ کا جلسہ ہوا، اس میں مخالف ٹرسٹیوں کو شامل نہیں کیا گیا اور بے تکے طور پر خوشامدی طریقہ پر انگریزوں کے وفادار بننے پر زور دیا گیا تھا جس پر مہر نیم روز کے شمارے مورخہ ۲۸ اپریل ۱۸۹۶ء میں تبصرہ کیا گیا ہے۔

"جلسہ علی گڈھ جس کی کارروائی بہت شد و مد کے ساتھ شائع کی گئی ہے صرف ان ٹرسٹیوں اور موافقین کالج کا تھا جو مسٹر سید محمود اور مسٹر بک کے انتظام کے موافق ہیں۔ مخالف گروہ کے لوگ موجود نہ تھے۔ صاحب کلکٹر صدر نشین تھے۔ تقریریں طولانی مسٹر محمود اور نواب محسن الملک اور مسٹر بک کی ہوئیں۔ اکثر نے تو یہی وفاداری کا

کا گیت گایا کر علی گڈھ کالج کا یہ منشا ہے کہ مسلمانان ہند میں انگریزی گورنمنٹ سے وفاداری پیدا ہو اور انگریزوں اور مسلمانوں میں دوستانہ تعلقات پیدا ہوں مگر ہم پوچھتے ہیں کہ کیا ہندوستان میں کوئی بھی ایسا کالج ہے جس کا منشا یہ نہ ہو کہ ہندوستانی وفادار رہیں۔ کیوں فخر وفاداری علی گڈھ کالج پر کیا جاتا ہے، ہزارہا ہندو مسلمان صدہا کالجوں اور اسکولوں میں تعلیم پاتے ہیں۔ ان سے نکل کر نوجوان لوگ دنیا کے پیشوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور کامیابی کے ساتھ ہر ایک پیشہ چلاتے ہیں۔ وہ گورنمنٹ سے وفاداری میں علی گڈھ کالج یا کسی کالج کے تعلیم یافتگان سے کم نہیں ہوتے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ موقع اور بے موقع وفاداری کے گیت گانے سے کیا مطلب ہے

اس جلسہ کی نسبت ایک نامہ نگار صاحب لکھتے ہیں بعض اصحاب نے مخالف پارٹی کی نسبت درشت زبانی کی اور ناشائستہ الفاظ کہے۔ کلکٹر ضلع کا فرض تھا کہ اس گفتگو سے مقرروں کو روکتے اور غلط فہمی نہ پیدا ہونے دیتے۔ کلکٹر حاکم ضلع ہیں۔ ان کے سامنے مسٹر بک کی پارٹی اور ان کے مخالف برابر ہیں۔ اول تو ایسے جلسے میں جس میں اختلاف کی گفتگو ہوتی تھی ان کو شرکت کرنا واجب نہ تھا اور اگر شرکت کی تھی تو بک پارٹی کے مخالفین کی نسبت جب کلمہ خلاف شان جلسہ میں استعمال کئے گئے تھے روکنا چاہئے تھا۔ وہ حاکم ضلع ہیں ممکن ہے کہ لوگ ان سے نہ کہیں مگر ناراضی تو دل میں پیدا ہوگی کہ انہوں نے ایک ایسی پارٹی میں شرکت کی جس کے خلاف ایک کثیر تعداد مسلمانوں کی ناراض ہے بہت

لوگ کہتے ہیں کہ ہم کالج کا انتظام مسٹر بک کے ہاتھوں میں نہ دیں گے مسٹر بک کی پارٹی میں کلکٹر کی شرکت کی نسبت لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوگا کہ ابھی سے سرکاری اثر مسٹر بک کی پارٹی کو دیا جاتا ہے۔ جب تک ٹرسٹیاں آئندہ پالیسی کا تصفیہ نہ کر لیتے مسٹر ملونی کلکٹر کو واجب نہ تھا کہ وہ اس جلسہ میں شرکت کرتے۔ مسٹر بک سے ہم کو کیا شکایت ہے کہ وہ غیر ملک کے باشندے ہیں۔ وہ اگر اپنے کالج کے سوا جس کے وہ نوکر ہیں ہر ایک ہندوستانی کو سمجھا تو کوئی کیا کہہ سکتا ہے مگر ہم نواب محسن الملک مسٹر محمود سے ضرور کہتے ہیں کہ آپ اس بات پر خاص زور دیکر کہ ہمارے کالج میں سرکار سے وفاداری اور انگریزوں سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کی فکر کی جاتی کیوں بلا وجہ لوگوں کے دلوں میں اس خیال کے پیدا ہونے کا موقع نہ دیتے کہ ان کی وفاداری پر چوٹ کی جاتی ہے۔ اپنے کالج پر فخر کرنے کا موقع ہو سکتا ہے تو یہ کہ جہاں تعلیم عمدہ ہوتی ہے اخلاق طالب علموں کے عمدہ ہوتے ہیں پختہ کار طالب علم کالج سے نکلتے ہیں ورزش اچھی طرح سکھائی جاتی ہے شرافت کا معقول سبق ملتا ہے مسلمانوں کو ارزانی تعلیم کے باعث فائدہ ہے ورنہ خالی وفاداری اور افسران سرکاری سے محبت قائم رکھنے کی تعلیم آپ ہی نہیں دیتے بلکہ کل ملک کے کالج۔ بار بار اس کے تذکرے سے آپ کالج کے وقار کو زیادہ نہیں کرتے ہیں، خاص بحث یہ کہ آئندہ کالج کا کیونکر انتظام کیا جائے اور وہاں سردار محمد حیات خاں نے اپنی خود ستائی کے بعد گڑے مردے اکھاڑنے شروع

کئے۔ وہ الفاظ استعمال ہوئے جن سے مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہوا۔

سرسید مرحوم کی زندگی میں ہی سرسید مرحوم کے ساتھیوں میں کالج میں یورپین اثرات کے بڑھنے پر اختلاف پیدا ہو گیا تھا جس کو وہ اپنی زندگی میں ختم نہیں کرا سکے اور وہ ان کی وفات کے بعد بھی قائم رہا اور یورپین اثرات کے مخالف گروپ کی یہ کوشش رہی کہ یہ اثرات کم ہوں، چنانچہ اسی نظریئے کے ماتحت ۱۴ مئی ۱۸۹۸ء کے مہر نیمروز نے ایک مقالہ افتتاحیہ لکھا ہے کہ سرسید کے پرانے ساتھیوں میں کون شخص اس اہم مسئلہ کو سامنے رکھتے ہوئے کالج کے انتظام کو چلانے کے لئے موزوں ہو سکتا ہے؟

"سرسید مرحوم کی وفات سے جو ہندوستان کے اہل اسلام کو دنیاوی اعتبار سے ایک عظیم صدمہ پہنچا ہے اس میں کسی کو کلام نہیں۔ ان کے بعد پالیٹکس میں بہت کچھ سوچ سمجھ کر کام کرنا پڑے گا۔ یہ دقتیں وقتاً فوقتاً اپنے مواقع پر پیش آئیں گی۔ بالفعل گو سرسید میموریل فنڈ کا آغاز کارروائی کا بھی یہی وقت تھا مگر زیادہ توجہ طلب اس قومی کالج کا انتظام ہے جس کی طرف تمام قوم کی آنکھیں لگی ہوئی ہیں اور جو بمشکل ایک مدت کی کوششوں کے بعد اس حالت کو پہنچا ہے کہ مسلمان اس پر فخر کر سکتے ہیں۔ پس کالج کا پسندیدہ حالت میں رہنا سب سے زیادہ ضروری اور مقدم ہے۔ انتظام کے متعلق گذشتہ کئی سال سے اس پر اعتراضات ہیں لیکن سرسید اب نہیں رہے وہ ایک ذی اثر شخص تھے۔ کبھی کبھی اگر اپنی ضد اور ہٹ سے بھی کام لیتے تھے تو ان کی مسلم بالشان وجاہت کام کو بگڑنے نہ دیتی تھی، اب کسی طرح وہ حالت قائم نہیں رہ سکتی۔ اگر منتظمین نے واجبی نکتہ چینیوں

[illegible] واہ نہ کی تو بہت بڑے اختلافات عظیمہ کا اندیشہ ہے ہر ایک [illegible] جب تک وہ اپنے عمدہ طریقہ سے نہیں چلایا جائے گا اس میں [illegible] اور ہر دلعزیزی ناممکن ہو جائے گی اور آخر کار صداقت نمایاں ہوگی جیسا کہ مسٹر سید محمود کے سکریٹریٹ کا معاملہ تھا جس پر وہاں کے مقامی بزرگواروں نے مخالفت کی تھی اور جاننے والوں نے جدائی اختیار کی تھی. گو سر سید کی شان کے لحاظ سے کثرت رائے انہیں کی موافق ہوئی لیکن جب اس فیصلہ سے کام پڑا تو اول ہی روز کوئی اس کا ادنیٰ درجہ کا حامی بھی یہ نہیں کہہ سکا کہ یہ ٹھیک تھا آج ہر شخص اپنی غلطی کا مقر ہوگا اور سوائے سر سید کے جنبہ داری کی کوئی وجہ خفیف بھی اس کو اپنی پہلی رائے کی نظر نہ آتی ہوگی. اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے اشخاص ہیں جو امور حقیقت کی مطلق پرواہ نہیں کرتے. لیکن اب قوم کے لئے نازک وقت ہے، اب فریق بندی اور سخن پروری کا موقع نہیں رہا. اگر اس وقت بے لوثی سے کام لیا گیا تو یہی قومی ہمدردی اور رفامری کا معیار ہے کہ قوم کے اصلی فوائد معرض زوال میں نہ آئیں۔"

"اس وقت سب کی نگاہ نواب محسن الملک کی طرف جاتی ہے اور باعتبار لیاقت و وقعت اور اعتماد قوم کے وہ اس کے لئے موزوں ہو سکتے ہیں کہ کالج کی انتظامی باگ ان کے دست مبارک میں آئے لیکن افسوس ہے کہ وہ کسی بڑی ذمہ داری سے پہلو تہی کر رہے ہیں مگر ان کے گزشتہ کارناموں سے جو امیدیں ان کی نسبت پیدا ہوئیں ان سے ان پر فرض ہو گیا ہے کہ وہ کسی نہ کسی نہج پر تا زندگی

اس کے نظم و نسق میں مدد کرتے رہیں لیکن زیادہ تر اسی وقت ضرورت ہے جس کو وہ ہم سے کہیں بہتر جانتے ہوں گے۔"

"ان کے بعد حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب نظر آتے ہیں اگرچہ یہ دوسرے درجہ پر شمار ہوتے ہیں مگر باعتبار ایک مستعد کام کرنے والے کے وہ سب سے اول نمبر ہیں۔ انہوں نے کچھ مدت سے اپنے دماغ و قلم کو قوم کے لئے وقف کر رکھا ہے اور بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ مقامی بزرگواروں میں سے ہیں جن کو ہر قسم کی معلومات اور جانچ پڑتال کا تجربہ ہے اور ان کی طرز تحریر اور خیالات تو بہت کچھ سرسید کی دماغی خوشبو سے بسے ہوئے نکلتے رہے ہیں اس لئے ان کی رائے اور بیباکانہ صاف بیانی مرحوم انشاء پرداز کے مثل ہے اور باعتبار ایک سچے مسلمان کے یہ یورپ کے متواتر سیاحت کرنے والے زمانہ حال کے موافق تعلیم یافتہ عربی لباس میں ایک بزرگ حاجی ہیں اور جہاں تک ہم کو معلوم ہے پابند صوم و صلوٰۃ و خوش عقیدہ ہیں۔ لہٰذا ان اوصاف اور مستعدی کے اعتبار سے اب وہی اس قابل رہ گئے ہیں کہ قوم ان پر کامل اعتماد کرے اور وہ خود کو اس کے لئے وقف کر دیں لیکن ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی نسبت وہ حالات بھی ظاہر کر دیں جو بعض دفعہ قابل اعتراض ہو سکتے ہیں، جس سے ہماری یہ غرض ہے کہ اگر اس میں کچھ بھی صداقت ہے تو حاجی صاحب آئندہ اس سے اعراض فرمائیں تاکہ قوم کے کل افراد ان سے رضامند ہوں اور ان کو ہر دلعزیزی نصیب ہو اور کسی ادنیٰ فرد گذاشت یا ناراضی کی وجہ سے اس عظیم الشان قومی کام میں (جو غالباً زیادہ تر

انھوں کی گذرا ہو گا) کوئی نقص نہ پیدا ہو وہ یہ کہ گذشتہ مخالفت مولوی سمیع اللہ میں انھوں نے ایک بڑا حصہ لیا تھا۔ مخالفت کرنے کا ترجیح دفعتہً نہیں بلکہ کسی معاملہ کو راہ راست پر لانے کے لئے ضروریات سے ہے لیکن انھوں نے معمول سے زیادہ مولوی صاحب کے مقابلہ میں سختی اور یورپین اسٹاف کے حق میں نرمی کا برتاؤ کیا تھا۔ اگر وہ اظہار خیالات اس وجہ سے تھے کہ وہ سر سید کے دست راست کا اس وقت کام انجام دیتے تھے اور یہ کہ کالج کا کام جس اصول پر اس وقت جاری تھا اس کو بدستور قائم رکھنا مدنظر تھا تو قابل معافی ہیں اور اگر وہ خیالات ان کے بلا کسی بیرونی اثر کے محض ذاتی تھے تو یہ اندیشہ ہے کہ وہ یورپین کے سخت ترین داب میں آجائیں گے جن کی وقعت ان کے دل میں معمول سے زیادہ ہے اور گو یہ سچ ہے کہ یورپین کا کام کرنیوالا دوسرا نہیں ہو سکتا مگر قابلِ اعتراض دخل ہر معاملہ میں یورپین کا ہو جانا جہاں تک طلبا سے منکشف ہوتا ہے سخت ناقابل پسند ناقابلیت کمیٹی کی علامت ہے۔ دوسرے اختلاف رائے اور اعتراضات اور اعتراض کے ہر ہر پہلو سے مخالفت کرنا اور اس کا جواب دینا اپنے اوپر فرض قرار دینا ایک ایسی طبیعت ہے کہ اس کی اصلاح قریب ناممکن ہے۔ کسی ایسے بڑے قومی کام میں اس اصول ناقص پر عمل کرنا قوم کو ایک بڑے خطرے میں ڈالتا ہے۔ حاجی صاحب نے بیشتر کبھی کبھی ایسا کیا ہے کہ مولوی سمیع اللہ خاں کی سچی اور صحیح اور قرین قیاس بات کو بھی نہیں

ماننا، یہ درحقیقت قابل اعتراض ہے اور سرسید کے سامنے اس کا نباہ ممکن تھا لیکن اب یہ پالیسی نہیں برتی جا سکتی۔ رہے مولوی سمیع اللہ خاں صاحب اس میں شک نہیں کہ وہ انتظامی کاموں سے خوب تجربہ رکھتے ہیں اور خود ان کا کام ان کی سفارش کرتا ہے لیکن یوروپین اور ٹرسٹیز سے مخالفت اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ مولوی صاحب کے داخلہ سے مختلف نزاعات کے برپا ہونے کا اندیشہ ہے اس لئے یہ وقت نہیں ہے کہ کوئی ایسی صورت پیدا کرائی جائے۔ اس لئے بجز حاجی صاحب کے اب کوئی اور نہیں معلوم ہوتا کہ اس بار عظیم کو برداشت کرنے کا قصد کرے۔ مولوی مشتاق حسین صاحب کو بھی متواتر حادثات نے شاید ایسا کر دیا ہے کہ اس ضرورت کے موقع پر وہ ان معاملات میں یاد نہیں کئے جاتے۔ مسٹر محمود صاحب کی نسبت لکھتے ہوئے ہر شخص کا قلم رکتا ہے۔ حال میں انہوں نے رجسٹراری کا جدید عہدہ مسٹر بک کو دیکر خود کو سبکدوش کر لیا لیکن یوروپین مداخلت اور ذی اختیاری جو پہلے سے ہی قابل اعتراض ہے اب اس کا اور تکملہ ہو گیا۔ اگرچہ اس وقت کام چلانے کے لئے یہ بہتر ہے مگر کسی وقت میں اگر اس کی ضرورت نہ پائی گئی یا مضر ثابت ہوا تو اس کا خلا محال ہو گا یا ایسا مآل ہو گا جو سخت نقصان رساں ہو۔"

اس مقالہ کا جواب کالج کے ارباب اختیار کی طرف سے جناب طفیل احمد صاحب نے دیا تھا جو ۱۴ ؍جون ۱۸۹۶ء کے پرچہ میں شائع ہوا ہے۔ اس میں مسٹر بک کی قصیدہ خوانی دل کھول کر کی گئی ہے۔

"جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم! آپ کا بیش قیمت اخبار مطبوعہ ۱۸ مئی ۱۸۹۸ء موصول ہوا۔ میں آپ کی عنایت کا نہایت ممنون ہوں۔ ایڈیٹوریل میں آپ نے جو مدرسۃ العلوم کی نسبت تحریر فرمایا اس سے ظاہر ہے کہ اس سے آپ کو پوری ہمدردی و دلچسپی ہے مگر بعض امور میں چونکہ مجھے آپ سے اختلاف ہے اس لئے آپ کی اجازت سے چند اپنے خیالات ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ بوجہ علالت مجھے امید نہیں کہ میں بالتفصیل کسی ایک امر کو بھی مسلسل لکھ سکوں گا تاہم کوشش کرتا ہوں۔

سب سے اول میں چند لفظ بک صاحب کی نسبت کہنا چاہتا ہوں جن کے بارے میں عام طور پر غلط فہمی ہو رہی ہے اور جس میں عرصہ تک میں بھی مبتلا رہ چکا ہوں، نہایت غور و تامل کے بعد ان کی نسبت یہ رائے قائم کی ہے کہ ان کی ذات سے کالج کو بہت زیادہ نفع ہوا ہے اور اب بھی نفع کی امید ہے۔ اصل یہ ہے کہ کالج کا بڑا مقصد صرف طلباء کو بڑی بڑی سندیں دلانا ہی نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ اعلیٰ درجہ کی تربیت دینا ہے اور یہی وجہ ہے کہ سید صاحب نے کالج کے متعلق طلباء کے رہنے کا اتنا بڑا سامان کیا ہے۔ سید صاحب کا منشا یہ تھا کہ ایک مقام پر کثیر التعداد طلباء کو رکھ کر ان میں اتفاق، قومی حمیت، قومی جوش پیدا کیا جائے۔ ان میں عمدہ خصائل پیدا کئے جائیں گورنمنٹ میں ان کا اعتبار بڑھایا جائے۔ انگریزوں کے ساتھ میل جول رکھ کر ان میں سے غلامانہ عادات جو ہندوستان کی آب و ہوا نے

پیدا کر دیئے ہیں نکالی جائیں اور ان کو خودداری، شریفانہ زندگی صاف گوئی جو شعار اسلام ہیں سکھائے جائیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کو مذہبی تعلیم دی جائے۔ جب علی گڈھ کالج قائم ہوا تو ان میں سے چند باتوں کا عملدرآمد شروع ہو گیا مگر بہت سے امور بک صاحب کے آنے سے پہلے صرف زبانی لکچروں اور اسپیچوں میں بیان کئے جاتے تھے اور کالج میں ان کا وجود بھی نہ تھا۔ انگریز استاد طلبار سے صرف کوٹھی کے برآمدوں میں مل کر گویا ان پر بڑا احسان کر دیتے تھے اور ان کو ان کی روزانہ معاشرت سے کچھ تعلق نہ تھا۔ سید صاحب چاہتے تو سب کچھ تھے مگر جب ان کے پاس اس خاص کام کے آدمی نہ تھے وہ کیا کر سکتے تھے بک صاحب کے آنے سے کالج میں بہت بڑا انقلاب ہوا۔ انہوں نے طلبار سے دوستانہ میل جول شروع کیا خود ان کے کمروں میں جانے اور انہیں اپنی کوٹھی پر بلانے لگے جس سے یہ غرض تھی کہ طلبار کی جھجک انگریزوں سے نکل جائے اور ان سے برابرانہ ملنا آجائے بک صاحب کے سامنے یونین کلب قائم ہوا جس کے وہ خود صدر انجمن تھے اور اس کی ترقی میں نہایت کوشش کی۔ اس میں انگریزی اخبارات منگاتے، کتب خانہ قائم کیا۔ خود مباحثوں میں شریک ہو کر انگلستان کے طریقہ پر بحث کرنا سکھایا اور اس کلب میں وقتاً فوقتاً حکام ضلع کو شریک کیا۔ کرکٹ کلب کو جس کی وجہ سے حکام وقت میں کالج کی اس قدر وقعت ہے بک صاحب نے ترقی دی۔ پنجاب کے کرکٹ کے دورہ میں خود

ساتھ گئے۔ بک صاحب کے بعد جتنے پروفیسر آئے ان کو انہوں نے کالج کے انتظامات میں شریک کیا اور بورڈنگ ہاؤس کی طرف متوجہ کیا۔ بہت سی انجمنیں قائم کرکے خود طلبار کے ہاتھوں میں چھوڑ دیں اور پروفیسروں کو ان کا نگراں کر دیا۔ اخوان الصفا، الفرض، الاخوۃ الجنۃ الادب یکے بعد دیگرے قائم ہوئیں۔ جن سے علمی، اخلاقی، روحانی ترقی شروع ہو گئی اور بورڈنگ کی زندگی میں گویا ایک جان پڑ گئی۔ باوجود غیر مذہب اور غیر قوم ہونے کے طلبار کی مذہبی نگرانی اپنے ذمہ لی اور کالج کی بڑی جماعتوں میں خود اپنی تجویز سے قرآن پاک کا ترجمہ لازمی کر دیا اور مسجد کی امامت اور وعظ و پند کے لئے ایک متبرک عالم کو اسی روپے ماہوار پر کالج میں رکھا۔ یہ تمام باتیں کالج کے بانی کی عین منشار کے مطابق تھیں اور وہ خود سمجھتے تھے کہ ان کے اصول کا پورا عمل درآمد بک صاحب کالج میں کر رہے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بک صاحب مثل دیگر استادوں کے متواتر پانچ گھنٹہ تک نہیں پڑھاتے تھے مگر فرق یہ ہے کہ بک صاحب نے کبھی اپنے کو صرف پانچ گھنٹہ کا ملازم نہیں سمجھا بلکہ اپنا تمام وقت کالج کی خدمت میں صرف کیا اور رفتہ رفتہ ایسا اثر ڈالا کہ اب تمام انگریز اور ہندوستانی استاد جو کالج کے احاطہ میں رہتے ہیں شب و روز کالج کے کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ بعض صاحبوں کے دل میں یہ حادثہ گذرے کہ بالائی انتظامات کی طرف اس قدر توجہ ہے تو لازمی طور پر خواندگی میں کمی ہوگی مگر اصل یہ ہے کہ یہ تمام انتظامات جو مثل نگرانی وغیرہ

کے ہیں سب خواندگی کے سامان بہم پہنچانے اور خواندگی کی تکمیل کے لئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ عموماً ہمارے کالج کے نتائج دیگر کالجوں سے گھرے نہیں رہتے اور امسال تو اوسط یونیورسٹی سے بڑھے ہوئے ہیں حقیقت حال یہ ہے کہ ہر نئی بات خواہ کیسی ہی عمدہ ہو جب اول شروع کی جاتی ہے تو اس سے عام مخالفت ہوتی ہے، سید صاحب نے جب محض انگریزی تعلیم دینے کا ارادہ کیا تب ہی سے ان کی مخالفت شروع ہو گئی رفتہ رفتہ لوگ اس کے فوائد سے واقف ہوتے گئے اور مخالفت گھٹتی گئی۔ اس طرح آجکل بورڈنگ ہاؤس کی تربیت پر بعض لوگوں کو اعتراضات ہیں مگر یہ صرف اس وقت تک ہیں جب تک اس کی حقیقت اور اس کے فوائد سے واقفیت نہیں۔ یہ تو بورڈنگ ہاؤس اور کالج کی عام حالت ہوئی اب سید صاحب کے انتقال کے بعد کا حال سنئے :۔

سید صاحب کی زندگی میں خواہ ان کی خداداد نابایت، محنت اور جانفشانی سے خواہ ان کے اقبال سے کالج کا کام بخوبی چلا مگر ان کے بعد جو دقتیں پیش آئیں ان کا صحیح اندازہ صرف وہ شخص کر سکتا ہے جس نے علی گڈھ رہ کر ان امور کی طرف توجہ کی ہو، ممکن ہے کہ سید صاحب کے زمانہ میں جائنٹ سکریٹری کے انتخاب میں غلطی ہوئی ہو ہم ان جھگڑوں کو چھیڑنا نہیں چاہتے کیونکہ جو کچھ ہونا تھا سو ہوا مگر ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بعد انتقال جو کچھ ہوا وہ بالکل قابل اعتراض نہیں مسلمان خواہ سید محمود صاحب سے خوش ہوں یا نہ ہوں مگر ان قواعد کے بموجب جو خود ان کے بنائے ہوئے ہیں فوراً سید صاحب مرحوم

کے انتقال کے بعد ان کو ایک وقت معین تک عہدہ سکریٹری سے علیحدہ نہ کر سکتے تھے اس لئے ایسی حالت میں سکریٹری کے عہدہ کی نسبت جھگڑا چھیڑنے سے بجز باہمی رنجش بڑھا کر کالج کو نقصان پہنچانے کے اور کچھ نتیجہ نہیں ہو سکتا تھا۔ سید صاحب جو درحقیقت کالج کے سکریٹری ہی نہیں بلکہ اس کے مالک تھے تنہا اس قدر کام کرتے تھے کہ بقول اکثروں کے دس جوان آدمی مشکل سے کر سکتے ہیں اس لئے سب سے اول ان کا کام مختلف حیثیتوں سے تقسیم کیا گیا اور مختلف کمیٹیاں قائم کی گئیں جن کا حال پبلک کے سامنے پیش ہوتا رہتا ہے۔ چونکہ بک صاحب کو ہمیشہ سے کالج سے نہایت دلچسپی ہے اس لئے رجسٹراری کا عہدہ جو سکریٹری کے ماتحت ہے ان کو سپرد کر دیا گیا۔ حسابات کی جانچ پڑتال کے لئے جو سب سے ضروری کام تھا ایک کمیٹی قائم کی گئی جس کے پریسیڈنٹ نواب محسن الملک بہادر بنائے گئے۔ بجائے اس کے کہ سکریٹری شپ کے عہدہ کا جھگڑا چھیڑ کر قوم میں نفاق پھیلایا جائے ایسے نازک وقت میں ایک ایسی عمدہ تدبیر اختیار کی گئی جس پر کالج کا آئندہ وجود منحصر ہے یعنی یہ کہ سید صاحب کی یادگار میں یونیورسٹی قائم کرنے کے لئے چندہ شروع کیا گیا۔ اگر مقروض کالج کے جس کو ایک بڑی رقم سود میں دینی پڑتی ہے۔ بجائے چندہ کی تحریک کے کوئی اور انتظامی جھگڑا چھیڑ دیا جاتا تو کالج کا چلنا مشکل تھا کیونکہ اس کا طے ہونا دو چار دن کا کام نہ تھا۔ ہم نے مانا کہ بہت سے لوگ اس وقت قوم میں موجود ہیں جو کالج کو نہایت عمدگی سے چلا سکتے ہیں مگر یہ ضروری نہیں کہ سکریٹری بن کر ہی وہ اس قسم کی خدمات کو

انجام دے سکتے ہیں۔ کالج کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہے نہ وہ شخصی سلطنت کے اصول پر قائم کیا گیا ہے۔ اس کا کام ٹرسٹیوں کے اختیار میں ہے۔ سکریٹری محض ایک رپورٹ نویس ہے اس وقت چند نیک دل ٹرسٹی اس کی خدمت کی جانب بدل متوجہ ہیں اور خوب کام کر رہے ہیں۔ بک صاحب جنہوں نے فی الواقع کالج میں ایک قومی روح پھونک دی ہے۔ خود اس قدر محنت کر رہے ہیں کہ ان کی صحت خراب ہو گئی ہے جس قدر طلبار نے بک صاحب کی نگرانی میں تربیت پائی ہے۔ کالج چھوڑنے کے بعد بھی اس سے ہمدردی رکھتے ہیں اور اکثروں نے باوجود کم معاش ہونے کے اپنی حیثیت سے زیادہ چندہ دیا ہے۔ خاص کالج میں جا کر دیکھئے تو وہاں نہ کوئی بدنظمی ہے نہ کوئی جھگڑا ہے استادوں اور بڑی جماعتوں کے طلبار نے کالج کے مختلف مقاصد کو پورا کرنے کے لیے لمیٹیاں تیار کی ہیں اور نہایت خوشی سے سب اپنا اپنا کام کر رہی ہیں۔ آج کل میموریل فنڈ کی جانب نہایت توجہ ہے اس لئے ہمارے ملک کے اخباروں کے معزز ایڈیٹر صاحبان اگر کالج کی موجودہ حالت سے ملک اور قوم کو واقف کر کے چندہ کے لئے استدعا کریں تو بہت جلد کامیابی ہو سکتی ہے۔ ہماری یہی رائے ہے کہ جب معتد بہ رقم چندہ کی جمع ہو جائے تو پرجوش مسلمان گورنمنٹ سے اجازت لیکر لمبے لمبے بہانے بنوائیں اور پھر سکریٹری شپ کے لئے باضابطہ مجادلہ دمحاربہ شروع کریں اور جو فریق زندہ وسلامت بچے اپنی جانب سے سکریٹری مقرر کر دے ورنہ اس سے قبل اگر کوئی کارروائی شروع کی تو سوت نہ کپاس جولاہوں سے لٹھم لٹھا کی مثل صادق آئے گی۔"

راقم: خاکسار طفیل احمد

مہر نیمروز کی اسی اشاعت ۱۴ ارجون ۱۸۹۸ء میں اس خط کا جواب ایڈیٹر مہر نیمروز کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس خط کی وضاحت سے مطمئن نہیں ہیں۔ ان کو کالج میں یوروپین مداخلت وا قتدار قطعاً برداشت نہیں۔ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

"۱۴ ارمئی کے پرچہ میں ہم نے علی گڈھ کی نسبت ایک ریمارک دیا تھا اس کی اشاعت پر ہم کو دو خط ملے۔ ایک کو پرائیویٹ اور کانفیڈنشل ہونے کے سبب سے ہم نہیں چھاپ سکتے۔ مگر ہم کو اس سے مسرت ناک آگاہی اور نہایت اطمینان حاصل ہوا کہ ہمارے قومی رہنما سچے بہی خواہ قوم آزاد صائب الرائے اور اس شعر کے مصداق ہیں۔ ؎

اگر اختلاف انہیں باہم دگر تھا　　　تو بالکل مدار اس کا اخلاص پر تھا

دوسرے خط کو ناظرین مراسلات کے کالموں میں ملاحظہ فرمائیں جس کی نسبت ہمارے معزز صاحب راقم ہم کو اس قدر عرض کرنے کا موقع دیں۔

"(۱) ہم نے مسٹر بک صاحب کی نسبت جو کچھ لکھا تھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسٹر سید محمود صاحب نے مسٹر بک کو جدید عہدہ رجسٹراری دیکر بخود کو سبکدوش کر لیا اور یوروپین مداخلت جو پیشتر ہی قابل اعتراض تھی اب اور زیادہ ہو گئی گو اس وقت کام چلانے کے لئے بہتر معلوم ہو مگر آخر میں مشکلات کا سامنا ہو گا۔"

"اس سے دو باتیں نکلتی ہیں ایک یہ کہ سکریٹری صاحب نے اپنے ذمہ کا کام مسٹر بک کو سپرد کر دیا دوسرے یہ کہ یوروپین مداخلت

جو سابق میں ہی قابل اعتراض تھی اور زیادہ ہو گئی۔ پہلا اعتراض جس میں مسٹر بک کا نام ہے صرف مسٹر محمود پر ہے کہ وہ کس لئے منتخب اور مقرر کئے گئے تھے اور کیا کام کر رہے ہیں۔ دوسرا اعتراض یورپین مداخلت پر ہے نہ مسٹر بک کی ذات خاص پر، گو اس میں وہ شامل ہوں اور یہ اس لئے ہے کہ اس سے عام ناراضی بڑھ جائے گی۔ پس مسٹر بک کی تعلیمی و تربیتی لیاقت و کارگذاری پر کوئی نکتہ چینی نہیں جس کے لئے زیادہ ان کی تعریف درکار ہو ان کا طریقہ تعلیم و تربیت اگر اس قدر مفید اور ضروری ہے تو ان کو اسی دائرہ میں رکھنا چاہئے۔ نہ یہ کہ دیگر عام انتظامی امور میں ان کا وقت صرف کیا جائے۔ جس سے (۱) ان سے فوائد میں کمی ہو جو آپنے دکھلائے ہیں (ب) ان کی صحت میں خدانخواستہ زیادہ فرق آئے جیسا آپ فرماتے ہیں (ج) عام ناراضی کو ترقی۔۔ دن ہو جس کو سب جانتے ہیں"۔

"(۲) یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں کہ ہر نئی بات کی مخالفت بھی ضرور ہو۔ نہ یہ لازم ہے کہ نئی بات کی ہر ایک مخالفت غلطی پر مبنی ہو"۔

"(۳) ہماری یہ منشا ہرگز نہیں کہ ایسے وقت میں خواہ مخواہ کسی قسم کے انتظامی قضایا برپا ہوں یہ ہمارے اس فقرے سے ثابت ہوتا ہے جہاں ہم نے مولوی سمیع اللہ خاں صاحب کی نسبت رائے دی ہے لیکن صورت معاملات سے اور خاص علی گڈھ کی کارروائیوں سے ظاہر ہے کہ اس کی نسبت خود بڑے بڑے بزرگواروں میں علانیہ چرچا ہے اور عجب نہیں کہ جلد یا بدیر اس بارے میں کالج

کمیٹی کو کچھ کرنا پڑے اس لئے ہمارا یہ فرض تھا کہ ایک ایسے قومی معاملہ میں کچھ لکھیں اور آزادانہ ظاہر کریں کہ غلطی اور سوء تدبیری بغیر ظاہر ہوئے اور اپنا اثر دکھائے نہیں رہ سکتی اور تمثیلاً سکریٹری شپ کے معاملہ کو دکھلایا تھا اور لکھا تھا کہ سر سید کی ذاتی تاثیرات اب باقی نہیں رہیں اور قوم بھی اپنے نیک و بد سے آگاہ ہو چلی ہے اس کو یورپین مداخلت ناگوار ہے۔ اس ناگواری کے وجوہات ہیں اور ان میں معقولیت ہے۔ اسی وجہ سے بعض اہل الرائے اور علی گڈھ کے عمائد اس کے خلاف ہیں۔ لیکن چونکہ آپ اور آپ کے ہم خیال حضرات اس قصہ کو اس وقت تک چھیڑنا پسند نہیں کرتے یا نہیں کہہ سکتے اور زیادہ جھگڑے کا احتمال ہے تو ہم بھی جزئیات کی نسبت خاموشی کو ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن یہ مصلحت اس وقت چل سکتی ہے کہ سچی اور واقعی باتوں کو تسلیم بھی کر لیا جائے۔ یہی ایک ثبوت اور نشانی اس تہذیب اور تربیت کی ہو سکتی ہے جس کی نسبت دعویٰ کیا جاتا ہے اس لئے کہ کالج کا انتظام عمدگی سے قائم ہوا اور لیا ہونا ضروری ہے اور یہ کہ زیادہ شکایتیں اور ناراضی نہ بڑھے۔ ہم نے لکھا کہ آنریبل حاجی صاحب اس کے لئے موزوں ہیں لیکن اب ہم کو ایک معزز و وقیع ذرائع سے یقین دلایا گیا ہے کہ مولوی سمیع اللہ خاں صاحب سے اب کوئی ٹرسٹیز کی مخالفت نہیں اس لئے کالج کی بہبودی کے لحاظ سے اگر ہم یہ کہیں تو کچھ بیجا نہ ہوگا کہ بعد حاجی صاحب کے وہ اس کے لائق ہیں کیونکہ ان کا تجربہ زیادہ ہے اور مسٹر بک تعلیم و تربیت

کے لئے قابل قدر ہیں۔ اگر مسٹر بک بطور ایک روشن خیال مہذب یورپین کے اور بطور ہمدرد کالج کے اپنی سابقہ مخالفتوں سے درگذر کریں تو کالج کے دونوں پہلو انتظامی اور تعلیمی قوم کے لئے نہایت درجہ مفید اور قابل اطمینان ہو جائیں گے۔"

"(۴) بک صاحب کے عہدہ رجسٹراری کو ایک حصہ منقسمہ کہنا صحیح نہیں کیونکہ عملی طور پر وہ تقریباً کل کے مالک ہیں۔ دوسرے کیا سر سید محض ایک رپورٹ نویس تھے سکریٹری کا عہدہ ہرگز ایسا نہیں۔ ہم اس سے خوش ہیں کہ کالج کے اندر کوئی جھگڑا نہیں مگر ہم زیادہ خوش اور مطمئن ہونا چاہتے ہیں کہ کالج کے باہر بھی جھگڑا نہ رہے جس سے آئندہ اندرونی حالت خراب ہو جانے کا اندیشہ ہے۔"

(۵) جنگ ڈویل والا فقرہ تو بہت پرانا ہو گیا ہے۔ اس کو سر سید کے منہ سے سنکر سب کو تعجب ہوا تھا اور اب بھی دیکھ کر سب ہنسیں گے یا روئیں گے۔ کالج کی تعلیم اور مسٹر بک کی تربیت کا یہ کیسا اثر ہے، سوت کپاس اگر نمار دے ہے تو افسوس ہے کہ سر سید بے نظیر مساعی جمیلہ ملک اور قوم کی فیاضی کا کچھ بھی نتیجہ نہ نکلا۔ یہ شاید اس تاریخی غبن کی وجہ سے جو کالج کے روپیہ میں ہوا جس کا انتظام سر سید جیسے مستعد مدبر کے ہاتھ میں تھا جو جوانوں سے بڑھ کر کام کرتے تھے۔ وہ ایک انسان تھے اور انسان سہو و خطا سے مبرا نہیں ہو سکتا اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ آئندہ سوچ سمجھ کر کام کرنا ضروری ہے سر سید میموریل فنڈ کے لئے خدا سب کو توفیق دے۔ یہ بہتر ہے

لیکن پھر بھی ہونا ایک خیالی امر ہے۔ اس کے ساتھ ہی کالج کے بنے بنائے کام سے غفلت نہ چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو چوبے جی چھبے ہونے گئے تھے تو دوبے ہی رہ گئے "

علی گڈھ کالج کی اصلاح کے طویل مقالے و اعتراضات اور علی گڈھ کالج کے برسر اقتدار لوگوں کی جانب سے اس کی صفائی اور اس کے طویل جواب کو ہم نے اس لئے نقل کیا ہے کہ دونوں فریق کی صحیح پوزیشن معلوم ہو جائے اور خاص طور پر یوروپین اقتدار کے مخالفوں کے دلائل کا بھی پتہ لگ جائے۔

مولوی احسان صاحب احسنؔ ایک اچھے شاعر تھے اور قومی خدمات میں بھی اچھا درجہ رکھتے تھے۔ صاحب خم خانۂ جاوید نے جلد اول میں ان کے تین شعر نقل کئے ہیں لیکن ان کو ان کے حالات نہ ملنے کی شکایت ہے۔ ۲۸ مئی ۱۸۹۸ء کے شمارے میں احسنؔ صاحب کے کچھ حالات درج ہیں ان کو نقل کیا جاتا ہے۔

"اس ہفتہ میں ہمارے قدیم مکرم مولوی احسان صاحب بجنور میں تشریف لائے تھے جو بعہد صدر الصدری مولوی سلطان حسن خاں صاحب مشہور معروف عالم و رئیس بریلی کے بجنور میں عرصہ تک رہے ہیں۔ آپ سلطان حسن خاں صاحب سے تحصیل علوم معقول کرتے تھے اور مدرسہ عربیہ بجنور کے ہر دلعزیز مدرس بھی تھے۔ آپ کے حسن اخلاق اور شاعری دو امر ایسے یادگار بجنور ہیں۔ گو آپ پچیس سال سے بجنور میں نہیں ہیں مگر وہ دل پسند نشان ویسے ہی یادگار ہیں۔ فضیلت علوم معقول کی طرح آپ کی شاعری کی بھی بہت شہرت رہی ہے اور عجیب بات ہے کہ باوجودیکہ اب فن شعر میں کسی کے بار تلمذ کے منت کش نہیں ہیں مگر شاعری

آپ کی ہمیشہ سے متقدمین کے کمال شاعری کا پلہ رکھتی ہے۔ مولوی صاحب موصوف ایک عرصہ دراز سے پیلی بھیت کے گورنمنٹ ہائی سکول میں عربی و فارسی کے مدرس ہیں اور جامع مسجد پیلی بھیت جو ایک مشہور عمارت اور ہندوستان کی مشہور عمارتوں میں سے ہے اس کا اہتمام بھی آپ ہی کے سپرد ہے۔ آپ کی چند سالہ سعی بلیغ سے جامع موصوف میں بہت روپیہ اس یادگار شوکت اسلام کے قائم رکھنے اور رونق دینے میں صرف ہو چکا ہے۔۔ ۔۔ ۔۔ ایک بار شیخ نور احمد صاحب مرحوم مشہور رئیس ضلع پیلی بھیت کے سہرے میں آپ نے ۔۔ ایک قطعہ ان کے نام خط لکھتے ہوئے اپنی مشہور اور زوردار شاعری کے مطابق لکھا تھا۔ شیخ صاحب نے بطور شکریہ پچاس روپیہ مولوی صاحب کی خدمت میں بھیجے مگر مولوی صاحب نے وہ روپیہ جو خالص آپ ہی کا حصہ تھا مسجد کے چندے میں شامل کر دیا۔ آپ اس ہفتہ جامع مسجد پیلی بھیت کے واسطے کوشش چندہ ہیں بجنور تشریف لائے اور آپ کے حسنِ قبول کی وجہ سے در تین روز میں چندہ ایک سو پچیس روپیہ ہو گیا۔۔ ۔۔ ۔۔ مولوی صاحب کے اکثر ملنے والوں نے چاہا کہ آپ کو مدعو کریں مگر آپ نے قبول نہیں کیا اور یہ فرمایا کہ میری ضیافت میں جو صرف کرنا منظور ہو وہ بھی مسجد کے چندہ میں ہی اضافہ کیا جائے۔[1]

تیرھویں صدی

یہ ماہانہ رسالہ اختر شہنشاہی کے لکھنے کے مطابق ۱۸۸۰ء[2] کو آگرہ محلہ نئی بستی سے جاری ہوا۔ اس رسالہ کا پہلا پرچہ یہ بتلاتا ہے کہ یہ میں رمضان ۱۲۹۶ھ کو شائع ہوا۔ یکم جنوری ۱۸۸۰ء کو ۱۸۷

محرم ۱۲۹۰ھ تھی (؟)۔ رسالہ کے اس تاریخ سے قبل چار نمبر نکل چکے تھے۔ اس حساب سے یہ پرچہ ۱۸۸۰ء میں نہیں بلکہ اکتوبر ۱۸۷۹ء کو ظہور میں آیا۔ اس کے مالک مولوی ناصر علی صاحب تھے۔ بیس صفحات پر نکلتا تھا سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔ آگرہ اخبار پریس میں چھپتا تھا۔

اس پرچہ کی غرض وغایت یہ تھی۔ الٰہیات قدیم کی تحقیقات کی جائے گی۔ یعنی آجکل کے ڈھنگ پر علم کلام و دینیات کی داد دی جائے گی۔ جن باتوں میں کہ زمانہ کو اس وقت نمود حاصل ہے اس کی حقیقت لکھی جائے گی اور تحقیقات نیچر و غیر نیچر کی کیفیت بیان کی جائے گی۔ ساتھ ہی یہ پرچہ انشار کا اعلیٰ نمونہ اور صرف اوقات کا عمدہ ذریعہ کیا جائے گا۔ اس تحقیق و تحریر کی تکمیل میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا جائے گا جس سے یہ پرچہ؎

ہم داروی بہشی مستاں   ہم ہوش دہ خرد پرستاں
یاقوت بہ مغز جان پاکاں   الماس بہ چشم خواب ناکاں

رہے۔"

اس پرچہ کی تمام تر توجہ نیچری فلسفہ اور سر سید احمد خاں صاحب کے خیالات وعقائد کی مخالفت پر مرکوز تھی۔ اودھ پنچ اور نور الانوار بھی نیچریوں کی مخالفت کرتے تھے لیکن ہمہ تن نہیں۔ ان کے صفحات میں سیاسی، ادبی مسائل اور مقامی و غیر مقامی اور غیر ملکی خبریں بھی ہوتی تھیں۔ لیکن یہ پرچہ ان چیزوں سے تقریباً مبرا ہے۔ اس کے دو ایڈیٹر تھے۔ ایک نثر کے مولانا ناصر علی صاحب اور دوسرے نظم کے حصہ کے جناب حافظ رحیم اللہ صاحب صبا اکبرآبادی۔ ... کبھی کبھی سیاسی باتیں بھی لکھدی جاتی تھیں اور ادبی مضمون بھی شائع ہو جاتے تھے جو انتہائی معیاری اور ادبی شاہکار سے کم نہیں ہوتے تھے۔ اگرچہ اس پرچہ کا مقصد سر سید اور نیچریوں کی مخالفت قرار دیا جاتا تھا

لیکن اگر یہ پرچہ ادبی مسائل اور علمی و تاریخی، معلوماتی مضامین بھی شائع کرتا تو بہت قیمتی ہوتا۔ مولانا ناصر علی اس کے لئے انتہائی موزوں تھے۔ چنانچہ انہوں نے صلائے عام کو ان ادبی خزینوں سے مالامال کیا ہے۔

انگریز مسلمانوں کو بخدوش نگاہوں سے دیکھتے تھے اور ان پر اپنے ٹوڈیوں کے ذریعہ طرح طرح کے الزامات لگواتے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کے ایک طبقہ کا نام وہابی رکھ کر ان کو خطرناک قرار دے رکھا تھا۔ اس وقت مسلمانوں کی صحیح پوزیشن بتانے والا کوئی نہ تھا اور اخبارات کی بھی کوئی پالیسی نہیں تھی۔ ان حالات پر تیرھویں صدی کے ربیع الاول، ۱۲۹۰ھ کے شمارے میں واقعات و حالات و دلائل کے ساتھ ایک سیر حاصل تبصرہ کیا ہے اور مسلمانوں کی کس مپرسی کا صحیح نقشہ کھینچا ہے۔

"ہماری سرکار دولت مدار کو یوں تو عموماً تمام قوموں کی طرف توجہ رہتی ہے۔ از روئے اصول سلطنت و قواعد انصاف تمام رعایا سرکار کی برابر ہے۔ مگر میں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی طرف کبھی کبھی ایک نگاہ خاص بھی ہو جاتی ہے .. .. .. کئی دفعہ مسلمانوں کا ذکر موٹے موٹے حرفوں میں آیا ہے۔ غدر سے پہلے تو سرکار کو اس قوم سے سروکار خاص رہا، اس کا ذکر نہیں۔ غدر میں بھی ان کا حال سب سے زیادہ پوچھا گیا۔ اور اکثر خون رنگ سرخیوں سے لکھا گیا۔ ہنٹر صاحب نے بھی ایک بڑا موٹا رسالہ ہمارے حال میں لکھ مارا۔ وہابیوں کے جھگڑے اور بھی ہماری تحقیق کا سبب ہوئے۔ روم روس کی لڑائی میں بھی ہم کچھ نہ کچھ چمک گئے۔ انگلستان کے نامور لکھنے والے ہم پر مشق کر رہے ہیں۔ سہ

اس وقت ہم گنے گئے احباب خاص میں
آیا جو تذکرہ کبھی لطف عمیم کا!

کوئی لکھتا ہے کہ تمام دفتروں میں اور سول و ملٹری افسروں پر مسلمان محیط ہو رہے ہیں اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ کسی کا بیان ہے کہ وہابی بڑا اندیشہ ناک فرقہ ہے اس کا بہت تدارک رہے۔ ایک صاحب سختی کی صلاح دیتے ہیں تو ایک نرمی کی۔ کوئی مسلمانوں کا اگلا حال لکھتا ہے کہ بڑے ظالم و متعصب تھے۔ کسی کو سوجھا ہے کہ غیر قوموں کو مسلمان کیے لیتے ہیں۔ غرض کچھ پوچھیے نہیں کہ کیا کیا خیالات گھڑتے ہیں۔ یہاں کوئی ایسا آرگن یعنی ذریعہ اظہار خیال نہیں جس سے بے کم و کاست اور بلا رو رعایت ہمارے اصلی خیال کی اطلاع ہو۔ جو کچھ ہے غیروں کی زبانی ہے۔ ایک اچھے واقف کار نے یہاں کے اخباروں کی نسبت لکھا ہے کہ کوئی خاص بات کسی معقول مضمون کا تو کیا ذکر آج تک یہ بھی نہیں معلوم ہوا کہ فلانے اخبار کی رائے یہ ہے۔ مجنوں کی بڑ کی طرح جو جی میں آیا لکھ ڈالا۔ ابھی کسی بات کی شکایت لکھی دوسرے پرچے میں تعریف کر دی۔ اودھ اخبار کہ سب سے بڑا اخبار سمجھا گیا اس کی تحریروں کی نسبت لکھا ہے کہ مضمون تو سب میں زیادہ اور ہر طرح کے دیکھیے مگر کوئی فکسڈ پالیسی یعنی غرض مقرر نہ معلوم ہوئی کہ یہ کیا چاہتے ہیں۔ اسی طرح اور اخباروں کا حال ہے۔ یہاں کے اخباروں سے غرض صرف ایک معمولی حجم کو کسی نہ کسی طرح بھر دینا ہے۔ کوئی خاص مقصد قومی یا ملکی نہیں جس کو ہر طرح نباہنے کا خیال ہو۔ اس میں مسلمانوں کی حقیقتِ حال معلوم ہونے کا کوئی معتبر ذریعہ ہی نہیں۔۔۔ ۔۔۔ سر سید احمد خاں صاحب بہادر کا خدا بھلا کرے ان کو ہمارا بہت خیال ہوا۔ انہوں نے اس طرح توڑ مروڑ کر بیان

گیا کہ ہمیں خود ہی شبہ ہو گیا۔ واقعی حال لکھنے سے غرض نہیں رکھی جس طرح چاہا کہہ ڈالا اور آخر کو یہ نوبت ہوئی کہ ان کے لکھنے سے ان کے چپ رہنے کی زیادہ تمنا ہوئی ۔ ۔ ۔ ۔ وہابیوں کے بارے میں ہمیشہ خیال بد رہتے ہیں۔ جس کا سبب بڑا یہ ہے کہ ان کا واقعی حال ولایت والوں کو معلوم ہی نہیں ہوا۔ بے جانے بعضوں نے جو چاہا سمجھ لیا۔ یہ لفظ اور یہ نام یہ فرقہ اور ان کے کام سب سرے سے غلط ہی سمجھے گئے۔ بعض ناواقفوں نے تو انہیں بالکل ہوا ہی سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ سرکاری رعایا میں یہ ویسا ہی معمولی گروہ ہے جیسا کہ کوئی اور فرقہ۔ کوئی خاص بات ان میں از روئے تابعداری وغیر تابعداری ایسی نہیں جو ذرا بھی اندیشہ کا سبب ہو۔ دراصل یہ کوئی پولیٹکل فرقہ نہیں صرف ایک مذہبی گروہ ہے جس کو محض اندرونی عقائد اسلامی کے سوا خارجاً کسی جھگڑے سے واسطہ نہیں۔ اسلام کے منہیات شرعی و رسوم روزمرہ میں ایک برتاؤ خاص رکھتے ہیں اور کچھ نہیں۔ اصول سلطنت سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔ بدعات یعنی وہ باتیں عقائد اسلام میں شروع سے نہیں ہوئیں منع کرتے ہیں۔ غرض گھر کے اور خانگی اختلاف عقائد کے سوا اور کچھ مطلب نہیں رکھتے۔ ان سے سرکار کو کوئی اندیشہ کا مقام نہیں۔ بعضوں کو یہ شبہ ہوا ہے کہ دفاتر سرکاری میں اور حکام انگریزی کے پاس مسلمان بہت رہتے ہیں۔ یہ تو ایسی مہمل بات کہی جو واقعے کے بالضد ہے۔ یہاں تو اس کے خلاف کی شکایت ہے۔ لارڈ ہوبرٹ گورنر مدراس نے ادھر توجہ کی تھی مگر ہماری جہالت

سلامت چاہئے مناصب سرکاری ہمیں کہاں نصیب ؟ صاحب لوگوں کے پاس ایک خانساماں مسلمان تو پہلے ہی سمجھ لیجئے ، سو بھی لاچاری سے ۔"

مولوی ناصر علی صاحب اہل علم طبقہ کے اس طریقہ کو قومی تہذیب کے لئے مہلک سمجھتے تھے کہ اہل علم اور اہل فن اپنی مادری زبان کو استعمال کرنے سے گریز کرتے ہیں اور اپنی علمیت کا سکہ جمانے کے لئے دوسری غیر مادری زبان کو فروغ دیتے ہیں ۔ چنانچہ انہوں نے اس دلچسپ مسئلہ پر "قوم کی ترقی اپنے لٹریچر پر ہے" کے عنوان کے ماتحت جمادی الاول ، ۱۲۹۵ھ کے شمارے میں ایک مضمون لکھا ہے ۔

" قومی تہذیب کے موانع میں سب سے بڑا سبب زبان مادری کی ذلت ہے ، پھر اہل علم کا ایک فرقہ خاص ہونا ، علمار کا غیر زبانوں کی تحصیل کے ساتھ زبان میں کمال پیدا کرنے سے باز رہنا خواہ مخواہ ایسی بیگانگی پیدا کرتا ہے کہ ان کا ہونا نہ ہونا اس قوم کے لئے یکساں ہے ۔ ہمارے یہاں شروع سے اہل علم ایک عالم سے علیحدہ رہے ۔ اگر مولوی تھے تو عربی میں لکھتے پڑھتے تھے اور منشی تھے تو فارسی میں ، قاضی جی نے فیصلہ کیا تو عربی میں اور حکیم جی صاحب نے نسخہ لکھا تو فارسی میں ۔ اس میں بھی زور اسی پر رہا کہ جس قدر زیادہ مغلق ہو اتنی ہی مستحق تعریف ہے ۔ یہاں تک کہ غیر زبان کے بھی مشکل سے مشکل اور غیر مانوس لغات تلاش کر کے لگائے گئے سخت بیگانے فقرے گھڑے گئے کہ جس قدر لوگ نہ سمجھیں گے اتنا ہی بڑا عالم جانیں گے ۔ خط لکھا تو فارسی میں اور مسئلہ گڑھا تو عربی میں ، غرض سارا کمال بیگانگی پر رہا ۔ جس کا نتیجہ

یہ ہوا کہ اہل علم تو اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا کر بیٹھ گئے اور عوام کو خبر بھی نہ ہوئی۔ اس سے قومی تہذیب کیا خاک بڑھتی۔ ہر چیز کے کمال کے لئے ضروری ہے کہ سب طرف سے زور دیا جائے دنیا میں کسی بات کا کمال کسی ایک سبب سے ممکن نہیں۔ عالم اسباب میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ کمال تہذیب کے لئے بھی بہت سامان ضرور ہیں ایک دو سے کچھ نہیں ہوتا۔ تحقیق کے ساتھ تجربہ بھی اتنا ہی ضرور ہے کہ علم کے ساتھ عمل، عالموں کی فضیلت اور اور اہل معاملہ کی قابلیت، خیال کی قوت اور روزمرہ کی کیفیت سب ملیں تب کامیابی ہو سکتی ہے۔ قوت دخانی صرف دریافت کرنے سے کیا ہو سکتا ہے، ریل بھی چلانی چاہیے۔ آسمان و زمین کے قلابے ملانے سے کچھ نہیں ہوتا جہاز رانی بھی چاہیے، ہمارے یہاں کے عالم تحقیق تو بہت عمدہ کر گئے۔ لیکن قوت سے فعل میں نہ لائے۔ برخلاف اس کے اہل یورپ جو کچھ سوچتے ہیں کر دکھاتے ہیں سبب یہ کہ اگلوں کو جو کچھ سوجھا غیر زبان میں لکھ گئے کسی کو خبر نہیں۔ اب وہ سمجھے کیونکر، جو بات جس کو سوجھی قیامت تک اتنی ہی رہی۔ اس ملک کی زبان میں سادے خیالات لکھے جائیں تو اور لوگ بھی سمجھیں اور زور لگائیں۔ ہمارے عالموں نے لٹریچر اور روزمرہ کو ملنے نہ دیا۔ دونوں کو اس طرح رکھا کہ کوئی رشتہ نہ ہونے پائے۔ بلکہ ایک دوسرے سے وہ بیگانگی رکھی کہ ان کے دل و دماغ کی خوبیاں جس سے میری مراد لٹریچر ہے قوم اور ملک کے لئے بیکار ہو گئیں۔ کسی کو خبر نہیں کہ مولوی

صاحب فلانے علم میں کیا کیا باریکیاں نکال گئے۔ فلانے منشی کیا کیا نازک بیا[illegible] ..ھنے۔ ان کی عظمت صرف اسی میں رہی کہ کوئی آجتک نہ سمجھا"۔

مولانا [illegible] حسین صاحب حالی تہذیب الاخلاق کے دوسرے دور کے اہم مضمون نگار تھے اور کافی حد تک سرسید کے مداح اور ان کے خیالات کے حامی تھے۔ سب سے پہلے مولانا کی مسدس حالی ذی الحجہ ۱۲۹۶ھ کے تہذیب الاخلاق میں چھپی تھی۔ اس لئے مولانا حالی بھی تیرھویں صدی کا نشانہ بنے۔ "الدین یسر ہا" تہذیب الاخلاق میں ان کا ایک مضمون چھپا جس کا جواب تیرھویں صدی نے ربیع الثانی ۱۲۹۷ھ کے شمارے میں شائع کیا۔ اس کے بعد مولانا حالی کی مسدس کے مقابلہ میں ایک طویل مسدس شعبان ۱۲۹۷ھ میں مصنفہ مولانا حافظ رحیم اللہ صاحب اکبرآبادی چھاپی گئی، اور اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ان کے کلام پر نکتہ چینی تنقید و تبصرہ کا سلسلہ بھی شروع کر دیا گیا۔ چنانچہ رمضان ۱۲۹۷ھ کے رسالہ میں مولانا حالی کی نظم پر اعتراضات جڑے گئے۔

"بہ مدرستہ العلوم۔ کیا حضرت مدرستہ العلوم کوئی غزل ہے، قصیدہ ہے، مثنوی ہے، قطعہ ہے، رباعی ہے، فرد ہے، مستزاد ہے، فرمائیے تو جی الجھتا ہے نیا نام راجی آپ کو کیا ہوا خیر ہے کیا فرما رہے ہو۔ مدرستہ العلوم تو ایک عالیشان بنا ہے۔ علی گڈھ میں جسے دیکھ کر حضرت حالی فرماتے ہیں۔ ؎

ایں کعبہ را بنا نہ بباطل نہادہ اند
صد معنی جمال دریں گل نہادہ اند

اور اسی اعتبار سے کسی نے کہا ہے۔ ؎

بشارت ہو اے امیتانِ نیچر — علی گڈھ میں ہوتا ہے اب حج اکبر
یہ حج ہے کہیں حج لندن سے بڑھ کر — کہ ہے مدرسہ کعبہ اور اس کے در پر
کسی کا دلِ پاک ہے سنگِ اسود
پڑھو کہہ کے لبیک یا سید احمد

لیجئے اور سنئے مولانا فرماتے ہیں، ؎

جھٹ پٹے سے وقت گھر سے ایک مٹی کا دیا
ایک بڑھیا نے سرِ رہ لا کے روشن کر دیا

حضنت! جھٹ پٹے کے وقت یا کے سے وقت یا جھٹ پٹے سے وقت، یہ کہاں کا محاورہ ہے۔ دارالنیچر کا۔ وہاں دیا چراغ یہاں دینے کا ماضی اعنات ملتزم ہی آگئے کیا قافیہ ہیں برا سدا ہو، تو ایطا ہوا۔ ہو ؎

حالیا صنعت نیچر میں کہ ہے سب جائز
حسرتِ حرمت ایطائے گلو گیر نہ کھینچ

بھلا معنے تو فرمایئے مقصود کیا ہے جھٹ پٹے کا وقت یہ پچھلا زمانہ گھر اپنی کوشش مٹی کا دیا، مدرسۃ العلوم سرِ رہ علی گڈھ، اچھا یہی بڑھیا کون۔ میں نہیں عرض کر سکتا۔ کیوں؟ مجھے معلوم نہیں۔ مولوی صاحب سے پوچھئے۔ آپ بانئے نیچر جناب آنریبل سید احمد خاں صاحب بہادر سی، ایس، آئی سے ہی دریافت نہ کریں۔ ا .... کیا کچھ بے تکی ہانک رہے ہو۔ اجی حضرت کیا کہوں وہ سنو کیا کہہ رہے ہیں۔ ؎

نیچر نے ہم کو بوڑھے سے بڑھیا بنا دیا
اس عاشقی میں عزتِ تذکیر بھی گئی

لو اور سنو ؎

سرخ رو دریا میں وہ حاجت روا مینار ہیں
روشنی سے جن کی ملاحوں کے بیڑے پار ہیں

کیوں جی مینار کیا نیچری زبان میں منارہ کو کہتے ہیں، وہ مٹی کا دیا مینار بن گیا۔ جی نیچر کی ترقی یہی ہے کیا ان میناروں کا کام نہ دیں گے، کیوں نہیں، پھر وجہ ترجیح کیا۔ صرف اپنی رائے، آگے چلو ؎

انہوں نے تھا بنایا اس لئے گویا ہمیں
ہم کو جب دیکھیں خلف اسلاف کو دیا کریں

اجی اس شعر میں قافیہ بھی ہے۔ نہیں شعر امسال فرما دیا۔ قافیہ سال آئندہ قرار دیا جائے گا۔ بھئی غضب کا ایطا ہے۔ خلف کا تقابل اسلاف سے کیا۔ یہاں سلف ہو یا وہاں اخلاف۔ ؎

چشمہ سر جیون ہے جو بہتا رہے گا یاں وہی
سب اتر جائیں گی چڑھ کر ندیاں برسات کی

پہلے مصرع کی نثر تو کہئے جو مطلب سمجھ میں آوے۔ وہی سر چشمہ جیون ہے جو یاں بہتا رہے گا۔ بل بے تعقید۔ سر جیون کس زبان کا لفظ ہے لنسا سی زبان کا۔ قریب ہے کہ اب نیچری ا، دو کھیٹ کھاتا شاسے جا بھڑے۔ ؎

یہ مبارک گھر نزول خیر و برکت ہے جہاں
جس کے پیشانی سے ظاہر ہے سعادت کا نشان

مبارک گھر۔ اور۔ برکت بسکون را ہائے رسے محاورہ نیچری زبان ہے۔ ؎

یہ مسیحائی علاج اس درد بے درمان کا
لا دوا ٹھہرا چکے جس کو اطبائے زماں

درد بے درمان اور نون کا اعلان واہ رے نیچری اردو تیری شان سے
کیا لئے بیٹھے ہو فخرِ منصب و جاگیر کو
منصب و جاگیر ہیں سب کوئی دن کے مہماں

'کوئی جگہ 'تم' کہا ہوتا۔ کیونکہ کہتے اردو ہے اور نیچری اردو منصب و جاگیر کوئی دن کی مہمان ہیں۔ تو کیا مدرسۃ العلوم نے زلزلۃ الساعۃ سے کئی ہزار اُدھر تک ٹھیکہ لے لیا ہے۔ جی ہاں وہ عہد نامہ دارالنیچر میں ہے مگر بخط شکستہ لکھا ہوا۔ سے
بارک اللہ اے ریاضِ علم اے عین الحیات
ہے ہماری بخت و دولت کی عناں اب تیرے ہاتھ

کیا خوب 'ت'، 'ہ' کا قافیہ ہے 'ت' عربی میں موقوف ہو کر 'ہ' بن جاتی ہے۔ پھر یہ عربی ہے یا اردو؟"

مولانا رحیم اللہ صاحب صباؔ اکبر آبادی نے جو مسدس لکھی تھی اس کے ۲۰۹ بند ہیں۔ اس میں مسلمانوں کا دین سے بے بہرہ ہونے، اس سے غفلت برتنے اور مختلف فیہ عقائد پر روشنی ڈالنے کے بعد نیچریوں کے عقائد پر روشنی ڈالی ہے۔ شروع کے چند بند نقل کئے جاتے ہیں۔ یہ مسدس شعبان ۱۲۹۷ھ کے شمارے میں چھپی ہے۔

خدا سے رسولِ خدا نے دعا کی — کہ دنیا میں یا رب عذابِ جزا کی
نہ ہو میری امت کو کچھ دردناکی — دعا کر چکے یہ، تو یوں التجا کی
کہ ان پر مسلط نہ ہو کوئی ایسا
کہ بدلے کسی طور سے دین ان کا

اجابت کو پہنچیں یہ دونوں دعائیں | ہوئیں گرچہ اور ہو رہی ہیں خطائیں
بلائیں نہ امت پہ آئیں نہ آئیں | نہ بدلیں، نہ بدلیں گی شرعی سزائیں

قیامت کے جو سب ہیں غضب کے فسوں ہیں
مگر اہل امت وہی جوں کے توں ہیں

کرم، مغفرت، عفو جو کچھ سبب ہے | نہ بیم بلا ہے، نہ خوف غضب ہے
وہی دین حق پہلے جو تھا سو اب ہے | مگر اس دعا کے نہ کا کچھ سبب ہے

دعا کو اجابت کو سب مانتے ہیں
سبب جاننے والے ہی جانتے ہیں

نبی کا یہ کہنا کہ دنیا میں یارب | نہ ہو میری امت کے بندے معذب
خبر دے رہا ہے کہ یہ امتی سب | عقوبت کے ساماں کریں گے مرتب

خدا سے لڑیں گے، نبی سے پھریں گے
گناہوں کے اندھے کنوئیں میں گریں گے

سمجھ کی خرابی، عمل کی تباہی | نہ میل اوامر، نہ بیم نواہی
رہیں گے یہ کچھ محو شغل ملاہی | کہ ہوں گے سزاوار قہر الٰہی

معاصی میں ہوں گے بہت کچھ سلیقہ
گناہ کا نہ چھوڑیں گے کوئی دقیقہ

گر ایسا نہ ہوتا ازل میں مقدر | کہ ڈوبے گی امت گناہوں میں اکثر
تو ہرگز دعا یوں نہ کرتے پیمبر | ہر اک بات کا اک محل ہے مقرر

اسی کے لئے عافیت کی دعا ہے
جسے کوئی بیمار ہے جاں گزا ہے

سو یہ حالت اب اہل اسلام کی ہے | مسلمانی ان میں فقط نام کی ہے

نہ رغبت شریعت کے احکام کی ہے	نہ کچھ فکر آغاز و انجام کی ہے
نہ شرم نبی ہے، نہ خوفِ خدا ہے
غمِ نفس ہے، اتباعِ ہوا ہے

میر مہدی حسن صاحب نے "افادات" میں تیرھویں صدی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اس کو صلائے عام دہلی جنوری ۱۹۲۵ء میں نقل کیا گیا ہے اس سے اس رسالہ کی حیثیت و درجہ کا صحیح اندازہ کر لیجئے، تحریر کرتے ہیں:

"میں آپ کے لٹریچر کا جب سے دلدادہ ہوں جب لٹریچر کا صحیح مفہوم بھی میرے ذہن میں نہیں تھا۔ کم و بیش بیس برس ہوئے جب آپ نے ایک وضع خاص پر لکھنے پڑھنے کا مشغلہ جاری کیا تھا یعنی "تیرھویں صدی" میں دادِ سخن دی۔ تہذیب الاخلاق کے ساتھ ساتھ آپ نے جس ٹھاٹھ سے دھواں دھار مضامین لکھے اور سر سید کے لٹریچر پر جس سلیقے اور سخن گسترانہ شوخیوں سے آپ نے انتقادات کی ٹھیرائی، سچ یہ ہے کہ وہ اردو لٹریچر کی جان ہیں۔ آج سنجیدگی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ ملک کے نامور اہل قلم آپ کے گذشتہ کمالات کی داد دیں گے لیکن میں کھل کر کہنا چاہتا ہوں کہ آپ نے اس وقت انشاء پردازی کو چمکایا جب بہتوں نے قلم بھی ہاتھ میں نہ لئے تھے۔ آپ کا ادبی مذاق اور ایک خاص طرح کا مادہ اختراع دراصل آپ کے ادبیات میں داخل ہونے کے لائق ہے، موجودہ نسل تمام تر "تہذیب الاخلاق" کی ادبی دور کی پیداکردہ ہے، جب آپ کے لٹریچر کا شباب تھا اور یہیں سے اپنا مرتبہ دیکھ لیجئے

تیرھویں صدی میں بلا خوف و تردید کہہ سکتا ہوں کہ آپ کا عنصر غیر فانی ہے۔"

مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی نے دل گداز لکھنؤ کے جنوری ۱۹۱۵ء کے شمارے میں اردو کے مقبول اخباروں کا ذکر کیا ہے جس میں "تیرھویں صدی" بھی ہے۔ اس کے بارے میں ان کی رائے یہ ہے:

"اب علی گڈھ سے تہذیب الاخلاق، آگرے سے تیرھویں صدی، اور لکھنؤ سے اودھ پنچ نکل رہے تھے جن میں سے ہر ایک نثر اردو کی ایک ممتاز شان رکھتا تھا۔ تہذیب الاخلاق میں متانت اور عالمانہ وقار کے ساتھ قومی درد کا سوز و گداز تھا سلجھی ہوئی صاف زبان تھی اور نئے مغربی فلسفۂ ادب سے لئے ہوئے خیالات اور اثر ڈالنے والے مضامین و خطبات تھے۔ تیرھویں صدی میں اعلیٰ منشیانہ قابلیت کے ساتھ قدیم ادبی مذاق کی نگہداشت۔ نئی خیال آرائیوں اور جدتوں کے ساتھ کی جاتی تھی اور پرانا مشرقی لٹریچر کچھ ایسی جدت طرازیوں کے ساتھ نئے لباس میں ظاہر کیا جاتا تھا کہ نئے اور پرانے دونوں گروہوں سے بے اختیار "واہ واہ" کے نعرے بلند ہوتے تھے۔ اودھ پنچ میں زبان اپنی اصلی شان میں دکھائی جاتی تھی جس میں مذاق کا پہلو غالب رہتا تھا۔ اس میں مختلف لکھنے والے تھے اور ہر ایک کا مذاق خاص لطف اور خاص خوبیاں رکھتا تھا۔ منشی سجاد حسین ایڈیٹر کی شوخیاں مرزا مچھو بیگ صاحب کی کوثر کی دھوئی ہوئی زبان، منشی احمد علی کسمنڈوی کا فارسیت کی اعلیٰ ادبی اور شاعرانہ دل چسپیاں

ظاہر کرنے والا رنگ، پنڈت تربھو ناتھ ہجرؔ کی ہندی نظمیں اور ان کی خوبیوں کو نہایت دلچسپی کے ساتھ ظاہر کرنے والے مضامین اردو نثر میں ایک عجیب زندگی و شگفتگی پیدا کر رہے تھے۔"

مولوی میر ناصر علی: میر صاحب کی پیدائش ۱۸۴۷ء کو ہوئی۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام جعفر صادق سے ملتا ہے۔ آپ کا خاندان عالموں کا خاندان تھا۔ آپ کے والد ماجد مولوی ابوالمنصور صاحب تھے۔ میر صاحب کا شروع عمر کا حصہ لکھنؤ میں گذرا۔ کچھ عرصہ بعد دہلی آگئے اور دہلی سے پھر اپنے والد ماجد کے ساتھ رائے پور تشریف لے گئے۔ دس برس کی عمر تک وہیں رہے وہیں قرآن شریف پڑھا۔ مولوی نجم الدین دہلوی نے آپ کو عربی فارسی میں اعلیٰ درجوں تک تعلیم دی۔ تعلیم سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ آپ کے والد کے ایک ملنے والے نے آپ کی قابلیت کو دیکھ کر حضرت نظام الدین اولیاء علیہ الرحمتہ کے مدرسہ میں پندرہ روپے ماہانہ پر مدرس کی حیثیت سے رکھوا دیا۔ تعلیم کے سلسلے میں والد صاحب کی جانب سے آپ پر بہت سختی ہوتی تھی۔ معمولی غلطی پر سزا دی جاتی تھی۔ میر صاحب اس قسم کی سزاؤں کا ذکر فرمایا کرتے تھے کہ والد صاحب خود تو نہیں لیکن میرے چھوٹے بھائی نصرت علی سے پٹوایا کرتے تھے جس سے مجھے بہت غیرت آتی تھی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب انگریزی پڑھنا کفر تھا۔ لیکن میر صاحب کو انگریزی پڑھنے کا شوق تھا۔ انہوں نے انگریزی پڑھنا شروع کی تو چوری چھپے۔ ایسی بات کیسے چھپ سکتی تھی، ظاہر ہوگئی۔ پہلے تو مولوی ابوالمنصور صاحب نے خوب خبر لی، اس کے بعد مولوی نجم الدین صاحب نے گوشمالی کی۔ میر صاحب نے اسی میں

خیریت سمجھی اور توبہ کر لی۔ جب انگریزی پڑھنے کے خلاف جذبہ کم ہوا تو بہت ردوکد کے بعد میر صاحب کو انگریزی پڑھنے کے لئے دہلی گورنمنٹ اورنٹیل کالج میں داخل کیا گیا۔ ۱۸۶۷ء میں انٹرنس کے امتحان میں اول آئے۔ انٹرنس پاس کرنے کے بعد آپ کی شادی میر احمد علی رئیس کی صاحبزادی سے ہوئی۔ اس کے بعد آپ کو نانپارہ ضلع بہرائچ کے سکول میں ہیڈ ماسٹر مقرر کر دیا گیا۔ ایک سال بعد محکمہ نمک شمالی ہند میں منتقل کر دیئے گئے، ۱۹۰۸ء تک اس محکمہ میں رہے۔ خدمات کے صلہ میں ۱۸۹۷ء میں آپ کو خان بہادر کا خطاب دیا گیا۔ فرخ نگر میونسپل کمیٹی کے متواتر ۱۶ برس تک نائب صدر رہے محکمہ نمک سے پنشن پانے کے بعد آپ کو آنریری مجسٹریٹ بنایا گیا مجسٹریٹی کا زمانہ ختم نہیں ہوا تھا کہ ریاست پٹودی میں مشیر کی ضرورت ہوئی۔ آپ کو چیف منسٹر کی حیثیت سے پاٹودی میں مقرر کیا گیا۔ ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۲ء تک آپ پاٹودی کے دیوان رہے۔

میر صاحب صاف دل اور سچے آدمی تھے جو دل میں ہوتا وہی زبان پر آتا تھا۔ مکاری سے نفرت تھی۔ راست بازی کی وجہ سے نقصان بھی اٹھاتے تھے ایک مرتبہ آپ کے علاقہ میں کمشنر دورے پر آیا۔ نمک دفتر کا معائنہ کیا حساب وکتاب دیکھ کر کہا "میر صاحب آپ صاف نہیں لکھتے جگہ جگہ کانٹ چھانٹ کرتے ہیں" آپ نے جواب دیا "مجھے مکاری نہیں آتی، یہ کانٹ چھانٹ تو میری ایمانداری کی دلیل ہے جہاں غلطی دیکھتا ہوں قلم زد کر دیتا ہوں"

رحم دل اور نیک نیت بلا کے تھے جو پرانے زمانے کے خاندانی بزرگوں کی خصلت میں داخل تھی۔ فرخ نگر میں ان کی سواری کے لئے بہلی آتی تھی اگر کبھی ایسا ہوتا کہ ان کے بیٹھتے وقت بیل اڑ جاتے اور گردن ہلا دیتے تھے تو

آپ فوراً اتر جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ آج ان کی مرضی نہیں ہے ہم پیدل چلیں گے۔ کوچوان کو مارنے کی سخت ممانعت تھی۔

میر ناصر علی صاحب کو اپنے والد ماجد مولوی ابو المنصور صاحب سے انتہائی محبت و عقیدت تھی۔ ان کی خوشنودی کو باعثِ نجات سمجھتے تھے۔ باپ کو بھی بیٹے سے روحانی تعلق تھا۔ چنانچہ میر صاحب نے اپنے صاحبزادے کو خط لکھا تھا اس میں اس محبت کا اظہار کیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

"بڑھاپے کی وجہ سے آپ کی بیماری میں زیادہ اندیشہ رہا اور خاص اس وجہ سے کہ بیماری زیادہ ٹھیری۔ دو ڈھائی مہینے برابر دست آئے اور آخر میں نزلہ زکام ہو گیا۔ ایک دفعہ رات کو گھبرا کے نیچے چلا گیا عورتوں کو جگا دیا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ مر رہا ہوں اور والد ماجد مرحوم نے مجھے زمین پر سے اٹھا کر گود میں لے لیا اور زبان مبارک سے فرمایا" افسوس کیسا اچھا لڑکا مر رہا ہے"۔ یہ آواز میرے کان میں صاف آئی اور ابھی وہ سنبھالے ہوئے تھے کہ میری آنکھ کھل گئی۔ میں گھبرا کے نیچے گیا اور یہ خواب سب عورتوں سے بیان کیا۔ میں نے کبھی والد ماجد کو اپنی طرف سے اس قدر خوش نہیں دیکھا۔ باپ کا خوش ہونا میری نگاہ میں ہزار بہشت اور لاکھ نعمت سے بہتر ہے جس محبت و پرورش و الطاف سے میں نے ان کی زبان سے یہ الفاظ سنے میں قیامت تک نہیں بھولنے کا۔ قیامت میں یہی لفظ میری نجات کا ذریعہ ہوں گے۔ اب مجھے کامل یقین ہے کہ دین دنیا میں میرا بیڑا پار ہو گیا۔ دین کا ثبوت دیکھ لو کہ

"...د کا باپ بیٹے سے خوش ہو اس کی خوش نصیبی میں کیا شک ہے
...رباد نیا کا معاملہ یہ بھی میرے باپ کے صدقہ میں ایسا گذرا کہ خدا
...سب کو نصیب کرے۔ اب میں خوش ہوں اپنے خواب کی یادگار
بھیجتا ہوں۔ میں بالکل خوش ہوں۔ تم اس خط کو رکھ چھوڑنا
تاکہ میرا اعتقاد گواہ رہے۔"

میر صاحب کو تواریخ اور فنون لطیفہ میں خاص دخل تھا۔ جب جارج پنجم کی تاجپوشی میں دہلی کے قلعہ میں عجائب خانہ کو ترتیب دیا گیا تھا تو آپ کو بھی اس کے اہتمام میں شریک کیا گیا تھا۔

میر صاحب کی ذات میں اس قدر خوبیاں تھیں کہ بلا خوف و تردید کہا جا سکتا ہے کہ اس زمانے میں ایسے لوگ کمیاب ہیں۔ مروت، خلوص، رقیق القلبی حق پسندی اور راست گوئی آپ میں پائی جاتی تھیں۔ آپ کے مزاج میں اس قدر سادگی و انکساری تھی۔ اگر کوئی اجنبی آپ کو دیکھ لے تو کبھی نہیں کہہ سکتا کہ آپ میر ناصر علی ہیں۔ بڑے وضع دار بزرگ تھے ہمیشہ ایک ہی لباس اختیار کیا۔ سر پر گول وضع کی کپڑے کی ٹوپی، معمولی ململ کا نیچے دامن کا کرتا، دائیل کا پاجامہ، پاؤں میں ہمیشہ سلیم شاہی جوتی پہنتے تھے۔ [1]

روزمرہ جامع مسجد میں پہنچے، حوض میں منہ دھویا، ممبر کے پاس جاکر پانچ منٹ دعا مانگی۔ اس کے بعد چلے آئے۔ کباڑیوں سے ازلی انس تھا، کوئی چیز پسند آئی خرید لی۔ آندھی آئے مینہ آئے مگر اس کا روزمرہ کا پھیرا بند نہیں ہوتا تھا۔

---

[1] ساقی دہلی نمبر۔ نومبر ۱۹۳۰ء۔

میر صاحب کا قد جوانی میں لمبا ہوگا۔ ضعیفی کے تقاضے سے کمر ذرا جھک گئی تھی، بدن دہرا تھا، رنگ کھلا ہوا گندمی، چہرا صاف ابھرا ہوا اور پر رعب، بلند اور چوڑی پیشانی، آنکھیں بڑی اور نہ چھوٹی۔

رہنے سہنے کا طریقہ بہت سادہ تھا، کھانے میں کوئی تکلف نہیں ہوتا تھا معمولی کھانا دونوں وقت کھا لیتے تھے۔ تاریخی محفلیں جمتی تھیں۔ مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم، مولوی اشرف حسین خاں صاحب، محمد علی مرحوم، خضر دہلوی حضرت سائل دہلوی اور لالہ سری رام مصنف خم خانۂ جاوید کی صحبت شعر و سخن جاری رہتی تھی۔ مولوی بشیر الدین صاحب خلف شمس العلما مولوی نذیر احمد صاحب کے بعد یہ پرانی صحبتیں درہم برہم ہو گئی تھیں۔

۱۹۳۰ء میں آپ کی عمر ۸۳ برس کی تھی قویٰ بدستور مضبوط تھے۔ بینائی کبھی کمزور نہیں ہوئی عمر بھر عینک نہیں لگائی۔ البتہ سننے میں ذرا سا خلل آ گیا تھا۔ کتب بینی کا شوق دمِ آخر تک رہا۔ دن بھر مطالعے میں غرق رہتے تھے۔ زمانہ، ناصری فسانۂ ایام اور صلائے عام بھی آپ نے نکالے تھے۔

میر ناصر علی صاحب کا انتقال ۱۲ جون ۱۹۳۳ء کو ہوا اور مولانا ابو المنصور مرحوم کے پہلو میں دفن ہوئے۔ ہر اخبار اور رسالے نے ماتم کیا۔ ساقی دہلی نے ناصری نمبر ستمبر ۱۹۳۳ء کو نکالا۔

مولوی حافظ رحیم اللہ صاحب صبا اکبر آبادی: حافظ صاحب آگرہ کے قدیم باشندے تھے۔ لیفٹننٹی میں میر منشی تھے۔ بڑے زبردست ادیب اور شاعر تھے، شعر و ادب میں درجہ کمال رکھتے تھے۔ رسالہ تیرھویں صدی اور زمانہ آگرہ میں سر سید اور ان کی نیچریت کے خلاف نظمیں لکھا کرتے تھے۔ اکبر الہ آبادی نے مسلمانوں میں مغربیت کے بڑھتے ہوئے رجحان کو ظرافت کے انداز میں رکھنے

کی کوشش کی۔ لیکن حافظ صاحب نے ان سے پہلے مغربی تہذیب کے خلاف بہت کچھ لکھا گو اس میں شوخی نہیں ہے مگر زور کلام ان سے زیادہ ہے اور مضمون آفرینی اور خیال بندی میں کمال دکھایا ہے۔ طنز و مزاح، نوک جھونک، مناظرہ و مباحثہ اور قادر الکلامی کا عجیب نمونہ پیش کیا ہے۔ محسنؔ کاکوروی کی طرح نعت میں کئی قصیدے لاجواب لکھے ہیں، جس میں سوداؔ کا انداز ہے اور بڑے نادر خیالات پیش کئے ہیں۔ مولانا حالیؔ نے اردو میں نیچرل شاعری کا آغاز کیا۔ ان ہی کے ساتھ حافظ رحیم اللہ صباؔ نے اسی رنگ میں نظمیں لکھیں اور مسدس حالی کے جواب میں ایک طویل بند کی مسدس لکھی تھی۔ لطف کی بات ہے جو لوگ سر سید اور ان کے رفقار مولانا حالیؔ وغیرہ کے خلاف تھے وہ نیچرل شاعری اور سادگی کو پسند کرتے تھے فرق صرف اتنا ہے کہ مولانا نے عروض کی بعض پابندیوں اور قوافی کی بندشوں سے اپنے آپ کو آزاد کر لیا تھا۔ لیکن حافظ صاحب نے ایسا نہیں کیا۔ جس کی وجہ سے ان کے کلام میں زیادہ سادگی نہیں ہے۔ کئی طویل نظمیں حافظ صاحب کی نہایت سنگلاخ اور ادق زمینوں میں ہیں اور بڑے مشکل قافیے نظم کئے ہیں۔ جیسے کہ سید اشارؔ نے کیا ہے۔ فارسی کی نظمیں بھی حافظ صاحب نے لکھی ہیں اور عربی کے اشعار بھی کہے ہیں جن سے ان کی قابلیت کا پتہ چلتا ہے۔

ایسا قادر الکلام شاعر کیوں عالم گمنامی میں پڑا ہوا ہے اس لئے کہ ان کو علمی طبقہ مولانا حالیؔ کی طرح سر سید کے رفیقوں جیسا نہیں ملا جو انہیں ابھارتا، اور دنیائے ادب سے روشناس کراتا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سادگی اور نیچرل شاعری کا مولانا حالیؔ کو موجد کہنا انتہائی بد مذاقی کا ثبوت دینا ہے اور صریحاً بے انصافی ہے۔ اس کے بانی نظیرؔ اکبر آبادی تھے جن کے کلام میں فصاحت ہے، اثر ہے، دل کشی ہے اور ندرتوں کا مجموعہ ہے اور نظیرؔ ایسا

نظرت نگار ہے جو اپنا ثانی نہیں رکھتا اور ان ان موضوعات پر اس نے کہا ہے جس پر مولانا حالی کی نظر نہیں گئی ہے۔ مولانا حالی کے ہاں مسدس حالی نسبتاً ایک شاہکار ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ورنہ ان کا زیادہ کلام بے اثر اور پھیکا ہے۔

یہی حالت غریب حافظ رحیم اللہ صاحب صبا کی ہے اچھا کہنے والے تھے۔ علمی و فنی پابندیوں کو بلیک کہہ کر لکھتے تھے اس لئے کہ ان کو زبان و کلام پر قابو و قدرت حاصل تھی۔ ان کی طرح اور بھی اردو ادب کے بہت سے ہیرو گمنامی کے گوشوں میں پڑے ہوئے ہیں کاش ان کی طرف توجہ دی جائے اور مخصوص شخصیتوں کے پیچھے ہاتھ دھو کے نہ پڑا جائے۔

حافظ رحیم اللہ صاحب صبا کے کلام کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ بغیر نقل انصاف و عدل زمانہ کی ترقی کا جواب دیتے ہیں۔ ؎

آدم و نوح سے لے تا بہ رسول عربیؐ
یہ ترقی تو زمانے نے نہ دیکھی تھی کبھی
گو اترتے تھے صحف ہوتے تھے مبعوث نبی
پر خدا کو ملی نیچر سے یہ طاقت تو ابھی

کیوں نہ دل و جاں سے نہ ہوں شکر گذار اس دن کے
کہ زمانہ میں ہیں ہم لارڈ گلیڈ اسٹن کے

کل سہی، کاڑھی، ریل سہی، تار سہی
بھر پیکار نئے قسم کے ہتھیار سہی
صنعت و حرفہ سہی، دولت بسیار سہی
صاف شیشوں میں مربے سہی، اچار سہی

اہل یورپ میں تو ہر بات ترقی کی ہے
پر کہو ہند نے کیا اس میں ترقی کی ہے

پہلے باغات تھے اور اب نہیں ملتی بھاجی
کرکی ہو گئی سب شیخی و سب مہراجی
اپنے اسلاف کے بیٹوں میں نہیں تھا گستاجی
سوزن و رشتہ لندن کی ہوئی محتاجی

ہندی ہو کے تمہیں یہ لاف ترقی بے جا ہے

اہلِ یورپ جو کریں ناز تو ہاں زیبا ہے

نیچریوں کے خیالات کا نقشہ بھی کھینچا ہے۔ سہ

نہ جاہ نبی ہے، نہ راہِ ولی ہے نہ قدرِ صحابہ، نہ شانِ علی ہے
خدا کے یہاں کب کسی کی چلی ہے شفاعت کی امید شرکِ جلی ہے
کرامت، تصرف، مقالات عاطل
ارادت عقیدت خیالات باطل

مشائخ کے اسرار و احوال کیسے بزرگوں کے اطوار و افعال کیسے
ائمہ کے آثار و اقوال کیسے اکابر کے اخبار و امثال کیسے
یہ سب اہل اضلال کے مغلطے ہیں
مریدان جہال کے مخبطے ہیں!

دھرا کیا ہے توقیر میں انبیاء کی رکھا کیا ہے تعظیم میں اولیاء کی
نہ یہ بات ہے مرضیٔ کبریا کی نہ یہ راہ ہے سنتِ مصطفےٰ کی
رکھے ان سے جو کوئی اخلاص کافر
کہیے ان کو جو بندۂ خاص کافر

کہاں کے مقابر، کہاں کے مشاہد کہاں کے مشاعر، کہاں کے معابد
نہ کوئی ولی ہے نہ کوئی مجاہد نرے نام ہیں صوفی و شیخ و زاہد
مریدوں کے بھرے ہیں، پیروں کی باتیں
حریفوں کے چھرے ہیں یاروں کی گھاتیں

نیچروں کے فلسفے کے بارے میں بھی کہا ہے۔ سہ

نیچر کے مدرسہ میں خدا کا پتہ نہیں سامانِ فرقِ مقتضیٰ و اقتضا نہیں
تفتیشِ بحث روز جزا و سزا نہیں نیچر سے دہر، دہر سے نیچر جدا نہیں

قائل وہ دہر کے ہوئے نیچر کے یہ ہوئے
یارب یہ نیچری نہ ہوئے دہریئے ہوئے

جس نے گھڑی بنائی تھی وہ تو الگ رہا
چابی بھرانے والے کے ہاتھوں کا ذکر کیا
چابی کی جنبشوں کو بھی دیکھا نہیں ذرا
جھٹ پٹ گھڑی کی چال کو نیچر سمجھ لیا

اسباب بن تشفی احباب کچھ نہیں
کیا خوب، اور مسبب الاسباب کچھ نہیں

۱۸۸۰ء

سلطان الاخبار

ترکی سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم جنوری ۱۸۸۰ء کو سلطان عبدالحمید کے نام پر جاری ہوا۔ آٹھ صفحات پر یوم پنجشنبہ کو نکلتا تھا۔ مہتمم منشی سید قادر بخش صاحب تھے۔ مطبع نبوی میں چھپتا تھا۔

وکٹوریہ پیپر

سیالکوٹ سے یکم جنوری ۱۸۸۰ء کو یہ روزانہ اخبار چار صفحات پر شائع ہوا۔ مہتمم و ایڈیٹر برج لال، مالک منشی گیان چند تھے۔ روزانہ پرچہ لینے پر تین روپے چار آنے، ہفتہ میں دو بار لینے پر چوڈہ روپے دس آنے اور جمعہ و شنبہ کو دو پرچے لینے پر پانچ روپیہ چندہ تھا۔ مطبع وکٹوریہ پیپر میں طبع ہوتا تھا۔

نظائر قانون ہند

لاہور سے یکم جنوری ۱۸۸۰ء کو ایک سو دس صفحات پر یہ قانونی ماہانہ رسالہ شائع ہوا۔ مالک رائے ہر سکھ، مہتمم جگت نرائن، مترجم سید جواد علی شاہ تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا۔ مطبع کوہ نور میں طباعت ہوتی تھی۔

مشیر بہار

پٹنہ محلہ پیر بھوڑ ڈاک خانہ باقی پور سے ۷ر جنوری ۱۸۸۰ء کو یہ ہفتہ وار اخبار وجود میں آیا۔ اردو ہندی دونوں

زبانوں میں ہفتہ وار پنجشنبہ کو نکلتا تھا۔ ایڈیٹر بابو گوبند چرن وکیل تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ مطبع ہند دبانڈھو میں چھپائی ہوتی تھی۔

لیگل رفیرنیز الہ آباد سے جنوری ۱۸۸۰ء کو یہ ماہانہ رسالہ بتیس صفحہ کا نمودار ہوا۔ مالک سید اکبر حسین وکیل ہائیکورٹ تھے مطبع جلالی میں چھپتا تھا۔ یہ قانونی پرچہ تھا۔

تکمیل الحکمت لاہور متصل کوتوالی کوچہ لاٹھی وہاں سے یکم اپریل ۱۸۸۰ء کو یہ ماہانہ ۲۸ ورق کا رسالہ شائع ہوا۔ مالک حکیم احمد علی مہتمم بابو عبداللہ اور ایڈیٹر ڈاکٹر سید اکبر شاہ اسسٹنٹ سرجن تھے۔ مطبع قانون ہند میں طبع ہوتا تھا۔

انڈین پنچ لکھنؤ قریب پل غلام حسین ڈاک خانہ چوک سے یکم مئی ۱۸۸۰ء کو ہفتہ وار بارہ صفحات پر منشی نوروز علی شیدا نے جاری کیا۔ پنجشنبہ کو نکلتا تھا شیدا صاحب کی وفات کے بعد ۶ ستمبر ۱۸۸۲ء کو گھسیاری منڈی ڈاک خانہ امین آباد سے رائے سری کرشن چندر قیصر نے نکالا۔ پہلے سات روپے آٹھ آنہ تھا بعد میں چھ روپے بارہ آنے سالانہ چندہ ہوا۔

شری کرشن چند قیصر: تذکرہ شعراء ہنود مؤلفہ دیبی پرشاد بشاش میں قیصر صاحب کے کلام کے علاوہ ان کے متعلق اور کچھ معلومات حاصل نہیں ہوئی۔ ؎

یہ ادنیٰ معجزہ ہے مصحفِ رخسارِ جاناں کا
ثنا خوانی فصاحت اور بلاغت بڑھتی جاتی ہے

وہ بت آتا ہے اکثر ہم شہیدوں کے مزاروں پر
خدا کا شکر ہے قدرِ شہادت بڑھتی جاتی ہے

نہ کیوں مشکل ہوا اٹھنا بیٹھنا بیمارِ ہجراں کا

کہ طاقت گھٹتی جاتی ہے نقاہت بڑھتی جاتی ہے

نہا کر روز کپڑے جو بدل کر آتے جاتے ہو
یہ تیصر کیوں طبیعت میں نفاست بڑھتی جاتی ہے

تجارت الاخبار کلکتہ محلہ کولوٹولہ، دہلی باڑہ رام موہن گھوش لین سے یکم مئی ۱۸۸۰ء کو یہ ہفتہ وار اخبار سولہ صفحات پر ظہور میں آیا۔ ہر جمعہ کو نکلتا تھا۔ مالک احسان اللہ عرف بادشاہ کمپنی مہتمم متھرا پرشاد تمر تھے۔ سالانہ چندہ نو روپیہ تھا۔

بنگال پنچ کلکتہ محلہ چت پور روڈ متصل مسجد ناخدا سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم ۱۶/۸/۱۲۹۷ھ کو چار صفحات پر یکم جولائی ۱۸۸۰ء کو جاری ہوا۔ مالک اسفند یار خاں، مہتمم ظفر یاب خاں، ایڈیٹر غلام حضرت خاں تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ مطبع کاشف الاسرار میں چھپتا تھا۔

فروغ بنارس محلہ شیوالہ علاقہ کھیلو پورہ سے یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر شائع ہوا۔ ہر چہار شنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک سید محمد سلطان عاقل دہلوی تھے۔ مطبع فروغ میں طباعت ہوتی تھی۔

محمد سلطان عاقل دہلوی: عاقل صاحب کے بزرگوں کا اصلی وطن برسٹ ضلع بارہ تھا۔ آپ کے جد اعلیٰ نے وہاں سے منتقل ہو کر دہلی میں سکونت اختیار کی اور عاقل صاحب یہیں ۱۳ مئی ۱۸۵۴ء مطابق ۱۵ شعبان ۱۲۷۰ھ کو پیدا ہوئے نجیب الطرفین سید تھے۔ دادھیال اور ننھیال کے سلسلے نواب حامد علی خاں اور نواب نجف علی خاں سے ملتے ہیں۔ فارسی کے ماہر تھے۔ عربی میں صرف دخو تک پڑھا تھا۔ مرزا غالب کا انتقال ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء کو ہوا تھا۔ اس وقت عاقل صاحب کی عمر چودہ برس کے قریب تھی۔ تعلیم کی ابتدا مرزا غالب سے کی، مرزا

غالب ان کی طبیعت کی جولانی اور کلام کی بندش دیکھ کر خوش ہوتے تھے اور فرماتے تھے یہ ہونہار ہے۔ جوانی میں بنارس گئے۔ مرزا وزیر علی سفید پوش جو ان کے خالو تھے۔ ان کی صاحبزادی سے شادی کی۔ ان کے خسر پھکیتی کے فن کے ماہر تھے ان سے یہ فن سیکھا۔ اسی زمانے میں مرزا قادر بخش صابر سے مشورہ سخن کرنے لگے مرزا صابر کو ان کی شاگردی پر ناز تھا۔

اس زمانہ میں اہل علم نواب نظام کی قدر دانی کی وجہ سے حیدر آباد دکن کھچے چلے جارہے تھے۔ عاقل صاحب بھی ۱۸۸۲ء میں دکن پہنچے۔ خلیق و ملنسار تھے اسی کے ساتھ لیاقت و قابلیت کے بھی مالک تھے۔ حیدرآباد میں پہنچتے ہی علمی و ادبی حلقوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے۔ ۱۸۸۳ء میں اخبار ہزار داستان نکالا۔ اس کے مالک سید احمد زید بلگرامی تھے جن سے ان کے تعلقات تھے۔ ایڈیٹری کی ذمہ داری ان کو سونپی گئی۔[1] دو سال کے بعد ہزار داستان سے علیحدہ ہو گئے۔ اور ۱۸۸۵ء میں اخبار آصفی جاری کیا۔ جس کے سرپرست نواب حسام الملک خان خاناں تھے۔ اس اخبار میں بھی اپنے قلم کے جوہر دکھائے۔ کچھ عرصہ کے بعد نواب حسام الملک کے معتمدی کے عہدہ پر مقرر ہوئے۔ نواب بہرام الدولہ آپ کی بے پناہ عزت کرتے تھے اور قدر شناس تھے اور عاقل صاحب کے بڑے معین و مددگار تھے۔ یہاں تک کہ عاقل صاحب کے انتقال کے بعد بھی ان کے اہل و عیال کی انہوں نے پرورش کی اور دیوان بھی انہوں نے طبع کرایا۔

جناب عاقل حد درجہ متقی و پرہیزگار آدمی تھے اور وجیہہ و جامہ زیب تھے۔ حیدرآباد میں خطرناک طاعون آیا۔ ۴۹ برس کی عمر میں ۴ اگست ۱۸۹۱ء

---

[1] دکن میں اردو صفحہ ۔

مطابق ۹ محرم ۱۳۰۹ھ کو اسی کا شکار ہوئے۔ صرف اکلوتے صاحبزادے فرخ سلطان کامل کو اپنی یادگار چھوڑا۔ صاحب محبوب الزمن تذکرہ شعرارِ دکن ان کی وفات کا سال ۱۳۱۱ھ لکھتے ہیں اور وفات کے وقت ان کی عمر چالیس سال کی بتاتے ہیں۔

جناب عاقل پرگو شاعر تھے۔ آپ کا کلام اغلاط سے پاک ہے۔ زبان میں سلاست اور روانی ہے۔ تخیل میں بلند پروازی بھی نظر آتی ہے۔ ؎

مجھے تو نے رکھا نہ ظالم کہیں کا — نہ زندہ نہ مردہ، نہ دنیا نہ دیں کا

دفتر کھلا مرے گنہ بے حساب کا — ہاں اہلِ حشر چین سے آرام اب کرو

مرے دل سے جاؤ گے کیونکر نکل کر — ہر اک سمت ارمان گھیرے ہوئے ہیں

وطن کو چھوڑنا لازم نہیں گو ہو پریشانی
کہ بوئے گل پریشاں ہو کے رہتی ہے گلستاں میں

وہ ہے ناآزمودہ کار اور مجمع قیامت کا
کہیں کہہ دے نہ گھبرا کر کہ اس کا میں ہی قاتل ہوں

ناز کرتے ہیں ترے ناز اٹھانے والے — نازیہ اور یہ برداشت خدا کی قدرت

یہ شیخ رہا نہ اِدھر ہے نہ اُدھر ہے — کہتا ہے کہ ہے حسنِ بتاں قدرت اللہ

دوزخ مجھے قبول ہے تو بدگماں نہ ہو — گزرا میں حور و خلد سے ظالم نہ کر شہید

عدم آباد کو جب کاروانِ دم رواں ہوگا
تنِ خاکی جسے کہتے ہیں گردِ کارواں ہوگا

ہنس کے بولے یوں ہی مر جائے گا — جب کہا میں نے کہ کب آئے گا

ہم جو چھیڑیں گے تو گھبرائے گا — چھیڑ کی حد ہے، چلو چپ بھی رہو

تم نہیں غیر سہی، غیر نہیں، مرگ سہی
مدعا یہ، کہ کوئی جان کا خواہاں ہوتا

شرما کے منہ پھرانا، لڑا کر نگاہ کو ظالم! یہ سیدھی سی ہے ادا بانکپن میں کیا

کیوں آئینہ پہ پیار کی پڑتی ہیں نگاہیں

ہو جائے نہ تم کو کہیں لے جان، نظر آج

اخبار ہند لکھنؤ محلہ اشرف آباد ڈاک خانہ منصور نگر سے ۱۸۸۰ء کو یہ ہفتہ وار اخبار سولہ صفحات پر مرزا فیاض الدین بیگ آنریری مجسٹریٹ نے جاری کیا۔ دو شنبہ کو شائع ہوتا تھا۔ مالک گری شنکر، مہتمم اودھ بہاری لال، ایڈیٹر مرزا رفیع الدین تھے۔ سالانہ چندہ تیرہ روپے بارہ آنہ تھا۔ مطبع اخبار ہند میں چھپتا تھا۔

احسن الاخبار امروہہ محلہ دانشمنداں سے ۱۸۸۰ء کو یہ ہفتہ وار اخبار بارہ صفحات پر شائع ہوا۔ ہر پنجشنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک سید علی حسن خاں آنریری مجسٹریٹ، مہتمم و ایڈیٹر سید ابو الحسن تھے۔ مطبع عمدۃ المطابع میں طباعت ہوتی تھی۔

خزینۃ القوانین لاہور حویلی میاں خاں سے ۱۸۸۰ء کو یہ پندرہ روزہ رسالہ ۴۸ صفحات پر جاری ہوا۔ مالک سید نادر علی شاہ سیفی تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ مطبع سیفی میں طبع ہوتا تھا۔

دہلی پنچ لاہور ہیرا منڈی سے یکم جون ۱۸۸۰ء کو یہ ہفتہ وار اخبار بارہ صفحات پر منشی حسین علی فرحت دہلوی نے جاری کیا۔ ہر چہار شنبہ کو شائع ہوتا تھا۔ مالک منشی اللہ دین، ایڈیٹر مولوی فضل الدین، مہتمم نبی بخش تھے۔ سالانہ چندہ دس روپیہ تھا۔ مطبع دہلی پنچ میں چھپتا تھا۔

ایڈیٹر صاحب کی زبانی پنچ صاحب کی حقیقت سنئے۔ یہ کیا ہیں، ان کے دعوے کیا ہیں؟

"یہ ظریف اخبار ملک کے واسطے گلدستۂ ظرافت ہے اور آئینۂ فطرت اسی کا کام ہے کہ ایک تمکین جماعت میں ملک کی رائے ختم کرتا ہے اور بغلیں بجا بجا کر رعایا اور گورنمنٹ کی دوستی کا دم بھرتا ہے، کبھی پانچھ راگوں سے رعایا کو وجد دلاتا ہے اور ظریفانہ اشعار سے گورنمنٹ اور ملک دونوں کو جگاتا ہے۔ نئے نئے ولولے بھر کر ملک کے سامنے آتا ہے اور ہر ایک فقرے میں اتنے پتے کی کہہ جاتا ہے۔ حرف زوائد کا استعمال نہیں کرتا، خوشامدانہ بے نتیجہ مضامین نہیں بھرتا، اردو زبان کو چمکانے والا انقطِ زبان قلم سے مخلوط نہیں کرتا بلکہ مضمون کو تصویر کے لباس میں لاتا ہے جس میں سینکڑوں آرٹیکلوں کا مزا آتا ہے۔"[1]

مولوی فضل الدین: مولوی فضل الدین خلف مولوی غلام رسول بن جناب مولانا محمد اجمل صاحب بن جناب مولانا محمد عبداللہ صاحب بن جناب مولوی عبدالرحیم صاحب، ایک معزز علماء کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے بزرگ عہدِ شاہان سامنے میں لاہور کی شاہی مسجد کے امام اور متولی تھے۔ مگر مولوی فضل الدین صاحب نو دس سال کی عمر میں یتیم ہو گئے اس لئے نہ تو کسی مسجد کے متولی بنائے گئے اور نہ ہی امام مقرر کئے گئے۔ نگران کی جدی مسجدیں ان کے عزیزوں کے قبضہ میں ہیں جن کی تعداد لاہور اور مضافات میں ۷۰ کے قریب ہے۔ مولوی صاحب نے ہوش سنبھالتے ہی ملک اور قوم کی خدمات کرنی شروع کر دیں۔ دہلی پنچ لاہور کے علاوہ وفادار ہفتہ وار بھی جاری کیا تھا۔ آپ نے ہمیشہ انسانی ہمدردی کو اپنا شعار بنایا۔ پنجاب اور ہندوستان کی نامور ریاستوں سے آپ کے تعلقات تھے اور حتی الامکان بنی نوع انسان کی امداد میں سرگرمِ عمل رہنے کو اپنا فرض سمجھتے

---

[1] تاج التواریخ ص ۱۵

تھے۔ حق بات کہنا، برائیوں کو دور کرنا اس اخبار کا اہم مقصد تھا۔ فرید کوٹ ریاست کی رعایا راجہ کے ظلم و ستم اور ناانصافیوں سے بیحد تنگ تھی۔ مولوی فضل الدین صاحب نے ریاست کے ظلموں کو آشکارا کیا، مسلسل خبریں شائع کیں۔ راجہ فرید کوٹ نے اپنے طاقت کے گھمنڈ پر مولانا کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا۔ مقدمہ چلا اور آپ کو ایک ہزار روپیہ جرمانہ اور عدم ادائیگی کی شکل میں تین مہینہ کی سزا دی گئی۔ اس فیصلہ کی خبر خیر خواہ عالم دہلی مورخہ یکم جنوری ۱۸۹۰ء میں شائع ہوئی تھی۔

۱۸۸۱ء

آئینہ سکندری مرادآباد محلہ نئی بستی یکم مئی ۱۸۸۱ء کو یہ ہفتہ وار اخبار بارہ صفحات پر شائع ہوا۔ چہارشنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک منشی احمد بخش اور مہتمم شیخ نظام الدین تھے۔ سالانہ چندہ نو روپے تھا۔ مطبع اقبال قیصری میں چھپتا تھا۔

نسیم ہند فتح پور سے یکم جنوری ۱۸۸۱ء کو یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر جاری ہوا۔ ہر سہ شنبہ کو شائع ہوتا تھا۔ مالک بابو کنج بہاری لال وکیل عدالت دیوانی، مہتمم لالہ انبکا پرشاد تھے۔ سالانہ چندہ سات روپے دس آنے تھا۔ مطبع نسیم ہند میں طباعت ہوتی تھی۔

زمانہ آگرہ محلہ نئی بستی سے یہ ادبی ماہانہ رسالہ جنوری ۱۸۸۱ء کو جاری ہوا۔ ۴۸ صفحات تھے۔ مالک مولوی خواجہ یوسف علی سکریٹری کمیٹی قانون آگرہ و مدرس اول عربی آگرہ گورنمنٹ کالج تھے۔ مطبع آگرہ اخبار میں طباعت ہوتی تھی۔ سالانہ چندہ دس روپیہ تھا۔

اس کے جاری کرنے کی غرض یہ تھی کہ اس گئے گذرے زمانے میں ہی بقائے نام

کی کوئی صورت نکل آئے اور یہ محنت جو مسائل دینی و دنیوی کے کمال کے اظہار کے لئے ہورہی ہے بیکار نہ جائے۔ یہ کام قوم کی بھلائی و بہبودگی کے لئے اپنے ذمہ لیا ہے جو اب تک انجام پایا ہے اس میں ذاتی غرض شامل نہیں ہے۔

نیر ہند الہ آباد محلہ شاہ گنج متصل مسجد سوداگر سے یکم جنوری ۱۸۸۱ء کو بارہ صفحات پر یہ ہفتہ وار اخبار ظہور میں آیا۔ ہر یک شنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک مولوی عبداللطیف تھے۔ سالانہ چندہ آٹھ روپیہ تھا مطبع نیر ہند میں طبع ہوتا تھا۔

انڈین لارپورٹ آگرہ محلہ نئی بستی سے یہ ماہانہ قانونی رسالہ یکم جنوری ۱۸۸۱ء کو نمودار ہوا۔ مالک کنج بہاری لال وکیل، مہتمم لالہ انبکا پرشاد تھے۔ تیس صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ تین روپے آٹھ آنے تھا۔ مطبع نسیم ہند میں چھپتا تھا۔

ریاض الاشعار یہ شعر وسخن گلدستہ ماہانہ آٹھ صفحات پر لکھنؤ محلہ نظیر آباد ڈاک خانہ امین آباد سے ڈاکٹر محمد یوسف نے جنوری ۱۸۸۱ء کو شائع کیا۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تیرہ آنے تھا۔

نجم الہند مرادآباد محلہ بازار بادشاہی کوٹھی مرزا محمد عسکری سے جنوری ۱۸۸۱ء کو یہ ہفتہ وار اخبار بارہ صفحات پر جاری ہوا۔ مالک پنڈت اوتار کشن نجم، ایڈیٹر پنڈت پرتاب کشن آن تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا۔ مطبع نجم الہند میں چھپتا تھا۔

انڈین لارپورٹ فتح پور سے ۳۰ صفحات پر یہ ماہانہ قانونی رسالہ یکم جنوری ۱۸۸۱ء کو نکلا۔ مالک کنج بہاری لال وکیل، مہتمم لالہ انبکا پرشاد تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے آٹھ آنے تھا۔ مطبع نسیم ہند میں چھپائی ہوتی تھی۔

وقائع عالم

غازی پور محلہ مصر کے بازار سے ۱۴ اپریل ۱۸۸۱ء کو آٹھ صفحات پر ہفتہ وار منشی سراج الدین احمد خاں محمد آبادی نے جاری کیا، ہر دوشنبہ کو شائع ہوتا تھا۔ بعد میں چار صفحات پر چھپنے لگا۔ سالانہ چندہ سات روپیہ تھا۔ مطبع وقائع عالم محلہ قاضی ٹولہ میں طباعت ہوتی تھی۔

ذخیرہ اشرف

لکھنؤ محلہ کٹرہ محمد علی خاں ڈاک خانہ منصور نگر سے یہ ماہانہ رسالہ یکم اپریل ۱۸۸۱ء کو شائع ہوا۔ اس کے آنریری ایڈیٹر حاجی سید محمد اشرف نقوی، سکریٹری انجمن علمی و مالک اخبار اختر ہند اور اشرف گزٹ تھے۔

یہ رسالہ تہذیب الآثار اخبار کا ضمیمہ تھا۔ اس میں ہفت اقلیم کے تمام اخبارات کی فہرست تفصیل کے ساتھ درج ہوتی تھی۔ ہندوستان میں اس قسم کا یہ پہلا پرچہ تھا۔

عین الاخبار

مراد آباد محلہ کاروان سرائے سے مولوی اشرف علی کے اہتمام میں یہ ہفتہ وار اخبار بارہ صفحات پر یکم اپریل ۱۸۸۱ء کو ظہور میں آیا۔ ہر شنبہ کو شائع ہوتا تھا۔ مالک مولوی دلاور علی تھے۔ سالانہ چندہ سات روپے دس آنے تھا۔ مطبع امداد الہند میں چھپتا تھا۔

دارالسلطنت

کلکتہ محلہ کولوٹولہ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۴ مئی ۱۸۸۱ء کو سولہ صفحات پر شائع ہوا۔ جاری کرنے والے شیخ احسان اللہ سوداگر دہلوی اور مہتمم ایڈیٹر مہترا پرشاد صاحب ثمر تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد رتو سرکار لین، دہلی باڑہ سے ہفتہ میں دو بار آٹھ صفحات پر چہار شنبہ و شنبہ کو نکلا۔ ۱۸۸۷ء کو محمد نادر علی صاحب نے اس اخبار کو خرید لیا تھا اور اس کا ایڈیٹر اپنے صاحبزادے مولوی عبدالکریم بی اے کو مقرر کیا تھا۔

اس اخبار کا دعویٰ یہ ہے کہ ہر طرح کے مضامین علمی و ملکی و قومی، صنعت و حرفت و تجارت کے متعلق اس اخبار میں تحریر کئے جائیں گے۔ ہر طرح سے اس اخبار کو انگریزی اخباروں کے طریقہ پر چلانے کا اہتمام اور تازہ بتازہ خبروں کو پہنچانے کا انتظام ہوا ہے۔ اس اخبار کو کسی خاص فرقہ کی طرف داری سے سروکار نہیں ہے۔ اب یہ اخبار قوم و ملک کا ہے۔ قابل تعریف کاموں کو نظرانداز نہیں کرے گا۔ لائق اعتراض باتوں کی نکتہ چینی سے باز نہیں رہے گا۔ آزادانہ رائے دینے میں بے خوف ہو گا۔ ہر حالت میں انصاف کو ہاتھ سے جانے نہ دے گا۔ اعتدال سب میں ملحوظ رہے گا۔

صبح وطن پٹنہ محلہ لودی کٹرہ مکان مولوی شیر علی سے یہ ہفتہ وار اخبار چار صفحات پر یکم جون ۱۸۸۱ء کو نکلا۔ ہر دوشنبہ کو شائع ہوتا تھا۔ مالک منشی حسن علی، ایڈیٹر مولوی سید رحیم الدین مہتمم عبدالقادر تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ احسن المطابع میں طباعت ہوتی تھی۔

تائید الاسلام مراد آباد محلہ تمبا کو والا سے ۲۹ جون ۱۸۸۱ء کو یہ ماہانہ رسالہ بیس صفحات پر شائع ہوا۔ مالک مولوی امجد علی، ایڈیٹر مولوی قاضی احتشام الدین تھے۔ سالانہ چندہ پانچ روپیہ تھا۔ مطبع العلوم میں چھپائی ہوتی تھی۔ نیچریوں یعنی سر سید کے خیالات کی مخالفت کے لئے جاری کیا گیا تھا۔

انڈین کرانیکل پٹنہ محلہ باقر گنج سے ہفتہ میں دو بار شنبہ و چہارشنبہ کو یکم جولائی ۱۸۸۱ء سے یہ اخبار جاری ہوا۔ ایڈیٹر منشی رحمت اللہ اور مہتمم بابو بشیشر سنگھ تھے۔ سالانہ چندہ بیس روپیہ تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد ہفتہ وار سولہ صفحات پر ہر دوشنبہ محلہ کھوجلہ پہاڑی ڈاک خانہ بیر کھٹور علاقہ باقی پورے

نکلنا شروع ہوا اور سالانہ چندہ بارہ روپیہ مقرر ہوا۔

پہلے زمانہ میں ہمارے بزرگ حج کو جاتے وقت وصیتیں لکھواتے اور اپنے ساتھ کفن کا کپڑا بھی لے جاتے تھے۔ کیوں ایسا کرتے تھے، آج سے ۷۵ سال قبل کی حج کی کیفیت وحالت اس اخبار کے شمارے ۱۵ر نومبر ۱۸۸۶ء میں پڑھیے۔

"ہفتہ گذشتہ میں ہم نے ایک حاجی کے حوالے سے بکمال افسوس یہ خبر لکھی تھی کہ امسال حاجیوں کو بوجہ شورش کے مدینہ منورہ جانا نصیب نہ ہوا۔ اس ہفتہ ایک شفیق کی تحریر آمدہ خاص مکہ معظمہ سے تحقیق معلوم ہوا جس کو بکمال فرحت لکھتے ہیں کہ ۲۵ر ذی الحجہ کو پانچ ہزار حاجیوں کا ایک قافلہ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ (زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً) کو روانہ ہونے والا تھا۔ نامہ نگار صاحب لکھتے ہیں کہ قدیم سے معمول ہے کہ جو لوگ ایام حج سے قبل آتے ہیں وہ پہلے مدینہ طیبہ کو جاتے ہیں اور بعد واپسی حج سے فارغ ہو کر ہندوستان کو واپس چلے آتے ہیں اور جو لوگ قریب ایام حج کے پہنچتے ہیں بعد الفراغ ارکان حج مدینہ شریف کو جاتے ہیں مگر امسال قبل اور عقب ۲۴ر ذی الحجہ تک کوئی قافلہ مدینہ شریف کو نہیں گیا کیونکہ حضرت سلطان روم کی جانب سے جو وظیفہ بدوؤں کو دیا جاتا تھا وہ اب کی مرتبہ نہیں دیا گیا تھا۔ حکام نے اس احتیاط کہ مبادا بدو لوگ قافلہ لوٹ لیں کوئی قافلہ روانہ نہیں کیا اس کے علاوہ جس وقت حج ہو جاتا ہے تو وہ وقت امتحان کا ہوتا ہے جس کو بال بچے عزیز ہوتے ہیں وہ بغیر مشرف ہوئے زیارت شہنشاہ مدینہ کے گھر کو بھاگتا ہے اور جس کو الفت رسول اللہ صلعم کی دامنگیر ہوتی ہے وہ مدینہ منورہ کا سامان وعزم کرتا ہے۔ امسال جو لوگوں

نے سنا کہ روانگی قافلہ مقدسہ مدینہ منورہ کا کوئی سامان نہیں۔ پس اس قدر حیلہ نفس کو کافی تھا۔ گھر کے پیارے، جورو بچوں کے فریفتہ، حج کرتے ہی راہی گھروں کے ہوئے اور ڈھائی تین لاکھ آدمی بدفعات روانہ ہوگئے۔ آج ۲۴ ذی الحجہ ہے۔ نامہ نگار اور قریب پانچ ہزار دیگر حاجیوں کے موجود ہیں۔ کل ۲۵ کو عازم مدینہ منورہ ہوں گے۔ اونٹ کرایہ کے ہوگئے ہیں سامان خرید لیا ہے اور ساربان عرب کو بخوبی رضامند کر لیا ہے اور علاوہ کرایہ کے زر نقد بھی دیا ہے اور انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ اس قافلہ کا بال بیکا نہ ہوگا۔ گو بدوؤں نے وعدہ کر لیا ہے لیکن ان حضرات کو زیارت رسول مقبول کا شوق غالب ہے انہوں نے آپ کے تعشق میں اپنا جان و مال آپ پر نذر کر دیا ہے اور یہ ارادہ کر لیا ہے کہ اگر زندہ پہنچے تو دیدار مزار سید ابرار سے آنکھیں روشن ہو دیں اور جو راہزنوں نے مار ڈالا تو حیاتِ ابدی پائی دونوں طرح اپنا ہی نفع ہے۔ یہ سوچ کر کل جانے پر ارادہ مستحکم کر لیا۔ اب افسوس ان پر ہے کہ اس صعوبت سے تکلیف اٹھا کر حج کریں اور جس کے باعث کعبہ پہچانا گیا اور اس کی بزرگی سے آگاہ ہوئے اسی کی زیارت چھوڑ کر گھر پھر گئے۔"

باوا آدم

بنارس محلہ اورنگ آباد علاقہ تھانہ دساسمبدہ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۲ اکتوبر ۱۸۸۱ء کو آٹھ صفحات پر شائع ہوا۔ ہر چہارشنبہ کو نکلتا تھا۔ ایڈیٹر ڈاکٹر اشفاق حسین تھے۔ سالانہ چندہ آٹھ روپیہ تھا۔ مطبع فروغ بنارس میں چھپتا تھا۔ اس کا مزاحیہ ضمیمہ "بنارس پنچ" کے نام سے نکلتا تھا۔

آفتابِ ہند

جالندھر متصل جامع مسجد سے ۱۸۸۱ء میں یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر جاری ہوا۔ دوشنبہ کو نکلتا تھا۔ بانی منشی برکت علی شوکت، مہتمم منشی سلطان علی صولت تھے۔ سالانہ چندہ سات روپے تیرہ آنے تھا۔ مطبع قیصری میں طباعت ہوتی تھی۔

انجمنِ اسلام

جبل پور سے یہ ماہانہ رسالہ سولہ صفحات پر ۱۸۸۱ء میں شائع ہوا جو انجمنِ اسلام کا آرگن تھا۔ جس میں انجمن کی روئیداد شائع ہوتی تھی۔

تنبیان الاخبار

لکھنؤ محلہ نخاس جدید سے یہ ہفتہ وار اخبار بارہ صفحات پر ۱۸۸۱ء کو نمودار ہوا۔ ہر سہ شنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک مولوی محمد علی اثنا عشری تھے۔ مومنین و شائقین کے لئے سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ مطبع جعفری میں چھپائی ہوتی تھی۔

میرٹھ پنچ

میرٹھ سے یہ ہفتہ وار اخبار چار صفحات پر ۱۸۸۱ء کو شائع ہوا۔ اس کے جاری ہونے کا جمعہ کا دن تھا۔ مالک مولوی سید محمد مرتضیٰ صاحب بیانؔ یزدانی مہتمم منشی ولایت علی خاں جادو، ایڈیٹر سید کرار حسین صاحب روحانی تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ یہ طوطیٔ ہند کا ضمیمہ تھا۔

حیاتِ جاوداں

آگرہ محلہ سیتلا گلی سے یہ عشرہ وار اخبار آٹھ صفحات پر ۱۸۸۱ء کو جاری ہوا۔ مالک بابو جھبی لال، مہتمم مولی بخش تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ مطبع آگرہ پریس میں چھپتا تھا۔

راجپوتانہ گزٹ

اجمیر محلہ پرانی منڈی سے آٹھ صفحات پر ۱۸۸۱ء کو یہ ہفتہ وار اخبار ظہور میں آیا۔ ہر دوشنبہ کو نکلتا تھا اردو ہندی میں شائع ہوتا تھا۔ مالک مولوی مراد علی بیمارؔ تھے۔ مطبع چراغ راجستھان میں طباعت ہوتی تھی۔ راجپوتانہ پنچ

اس کا ضمیمہ تھا۔

دبیر الملک بھوپال سے یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر ۱۸۸۱ء کو نکلا۔ ہر یک شنبہ کو شائع ہوتا تھا۔ مالک منشی سید امجد علی اشہری نائب محکمہ اپیل تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ مطبع امجد المطابع میں طباعت ہوتی تھی۔

شفق ریذیڈنسی حیدرآباد دکن سے یہ ہفتہ وار اخبار چار صفحات پر ۱۸۸۱ء کو جاری ہوا۔ یک شنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک سید حسن رضوی تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا۔ مطبع شفق میں چھپتا تھا۔

طوطیٔ ہند یہ ہفتہ وار اخبار میرٹھ سے ۱۸۸۱ء کو ظہور پذیر ہوا تھا۔ اس کے بانی سید محمد مرتضیٰ صاحب بیاںؔ ویزدانی اور مہتمم منشی ولایت علی خاں جاآدو مختار عام مالک مطبع حدیقۃ العلوم، ایڈیٹر سید کرار حسین صاحب روحانی تھے۔ بعد میں اس کے مالک سید سجاد حسین صاحب ریحانی ہو گئے تھے۔

افسوس اس اخبار کا ایک پرچہ بھی دیکھنے کو نہیں ملا — اس کی زیارت کرنے کی بے حد کوشش کی گئی۔

سید محمد مرتضیٰ بیاںؔ: بیاںؔ صاحب سید احمد حسن صاحب فرقانیؔ کے شاگرد رشید تھے اور نامور و قابل شعرا میں ان کا شمار تھا۔ علمی استعداد بھی معقول تھی۔ سخن گوئی اور سخن فہمی میں بھی قدرت حاصل تھی۔ فارسی کلام میں ان کو کافی قدرت حاصل تھی، اور جملہ اصنافِ سخن پر قادر تھے۔ ایک عجیب کمال ان کو یہ حاصل تھا کہ جس رنگ میں چاہتے شعر کہدیتے تھے۔ صرف قافیہ پیمائی نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی ذہانت اور جودتِ طبع سے وہ وہ اختراعیں کرتے کہ سننے والا دنگ رہ جاتا تھا۔ مثلاً ان کے بعض اشعار مرزا غالب کے رنگ میں ایسے ہو جاتے تھے کہ اجنبی کو مرزا غالب کے کلام کا دھوکا ہو جاتا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ بیانؔ صاحب جس شہرت و ناموری کے مستحق تھے وہ ان کو حاصل نہ ہو سکی۔ ایک عرصہ تک دماغی عوارض میں مبتلا رہے۔ چنانچہ اسی وہم کی وجہ سے کافی عرصے تک حجرے سے باہر نہیں نکلے۔ اسی وہم کا اثر آخر عمر تک رہا۔

عرصہ دراز تک ان کا مطبع طوطیٔ ہند سے تعلق رہا۔ آخر میں انہوں نے لسان الملک ایک رسالہ بھی جاری کیا تھا جس میں ان کا اور ان کے شاگردوں کا کلام شائع ہوتا تھا۔ ان کے مضامین وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ امراض وہم میں مبتلا ہونے کے باوجود کسی وقت بھی ان کے ہاتھ سے قلم نہیں چھوٹا۔

مولانا الطاف حسین حالیؔ کی مسدس کے جواب میں ایک مسدس لکھا تھا جو طبع ہو چکا ہے۔ اردو میں صاحب دیوان تھے لیکن بقول صاحب خم خانۂ جاوید وہ شائع نہیں ہوا تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں ان کا میرٹھ میں ۱۹۰۰ء میں انتقال ہو۔[۱]

سارے جہاں کے دل میں تیرا مقام نکلا　　　تو ہم سے بھی زیادہ رسوائے عام نکلا

ان کا منجملۂ اربابِ وفا ہو جانا　　　میرے نزدیک ہے بندے کا خدا ہو جانا

شمع کہتی ہے مرے سر سے دھواں اٹھتا ہے
تو نے روکیں دلِ پر سوز میں آہیں کیوں کر

نہ کھولی آنکھ وقتِ نزع بیمارِ محبت نے　　　کسی کا پردہ رکھنا تھا کوئی آنکھوں میں پنہاں تھا

ہماری نعش کا احسان رہے گا محشر پر　　　کہ منھ رہے قیامت کسی کی ٹھوکر پر

تعصب سینہ سوزِ شیخ ہے پانی چھڑک ساقی
پھنکا جاتا ہے زہدِ خشک مذہب کی حرارت میں

---

[۱] خم خانۂ جاوید اول ص ۶۲۵۔

کلیسا میں بت کی ادا بن گئی تو حرم میں پہنچکر خدا بن گئی تو
بیاںؔ کے سوا تو نے سب سے نباہی یہیں آن کر بے وفا بن گئی تو

چلی آتی ہیں نذریں دھوم سے دربار قاتل ہے
کسی کا سر ہتھیلی پر کسی کے ہاتھ میں دل ہے
ستارے صورتِ پروانہ کس کے گرد پھرتے ہیں
الٰہی کون فانوس فلک میں شمع محفل ہے

خدا ملتا نہیں ہرگز خودی مٹتی نہیں جبتک یہ پردہ عاشق و معشوق میں حائل نکلتا ہے
بیاںؔ کہد و قیامت سے اٹھائے جائے حشر اپنا
ہزاروں حسرتیں لیکر ہمارا دل نکلتا ہے

GIRLS COLLEGE
ACC. No. 15241
LIBRARY

۱۸۸۲ء

شمیم الہ آباد محلہ بادشاہی منڈی مکان رائے کشوری لال منصف پنشن یافتہ سے یکم جنوری ۱۸۸۲ء کو یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر جاری ہوا۔ ہر سہ شنبہ کو شائع ہوتا تھا۔ مہتمم گوبند پرشاد تھے۔ سالانہ چندہ سوا پانچ روپیہ تھا۔ مطبع دھرم پرکاش میں طباعت ہوتی تھی۔

رفارمر لاہور بازار لنگی منڈی سے یکم جنوری ۱۸۸۲ء کو آٹھ چھوٹے صفحات پر نکلا۔ ہفتہ وار ہر دوشنبہ کو جاری ہوتا تھا۔ نتھو رام نند کے اہتمام میں مطبع براہم سماج میں چھپتا تھا۔ ۱۸۸۳ء میں مطبع مفید عام میں منشی گلاب سنگھ کے اہتمام میں چھپائی ہونی شروع ہوئی اور ۱۸۸۴ء میں مطبع آریہ پریس سے شائع ہوا۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ مالک منشی سالگ رام، مہتمم و ایڈیٹر پنڈت ہر گوپال تھے۔

روزنامچہ لکھنؤ محلہ حضرت گنج سے یکم جنوری ۱۸۸۲ء کو یہ روزانہ اخبار چار صفحات پر جلوہ گر ہوا۔ مالک خدا بخش بنارسی، ایڈیٹر منشی سید عبدالبصیر حضور بلگرامی تھے۔ چندہ سالانہ بارہ روپیہ تھا۔ مطبع گلزار اودھ میں چھپتا تھا۔

گروس گزٹ بلند شہر بکان دروبۂ رام رتن سے یکم جنوری ۱۸۸۲ء کو یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر نکلا۔ مالک بابو گنگا سہائے تھے۔ سالانہ چندہ بائیس روپیہ تھا مطبع گروس گزٹ میں چھپائی ہوتی تھی۔

مہر انتخاب کلکتہ محلہ فوجداری بالاخانہ مولوی حافظ جمال الدین سے ۱۵ جنوری ۱۸۸۲ء کو یہ ماہانہ گلدستہ شائع ہوا۔ مالک عبدالحمید حمید، مہتمم اسماعیل خاں شوکت تھے۔ سالانہ چندہ چار روپے چھ آنے تھا۔

عبدالحمید حمید: حاجی حافظ مولوی عبدالحمید صاحب خلف سید محمد عثمان ایسٹ انڈین ریلوے کے چیف انجینیر کے ڈرافس مین تھے۔ اصل وطن کابل تھا کلکتہ میں رہنے لگے تھے۔ مولوی عبدالغفور نساخ مولف تذکرۂ سخن شعراء سے مشورۂ سخن کیا اور کچھ دن انسیخ کو بھی کلام دکھایا۔ قادر الکلام شاعر تھے۔ زود گوئی میں وہ ملکہ حاصل تھا کہ شعر اس طرح کہتے تھے جیسے کوئی نثر لکھتا ہے۔ کلام میں پختگی اور متانت پائی جاتی ہے۔ ایک چھوٹا سا دیوان یادگار چھوڑا ہے۔ [۱]

ہجر میں آسان ہے مرنا اگر کوئی امید ہو
تم سے رکھا بھی نہ جائے گا سرِ مدفن چراغ

واقف ہوں اس قدر کہ تری ذات ہے کریم
کچھ جانتا نہیں میں عذاب و ثواب کو

جس کی امید میں ہے دمعشوق ہو حرام
دوزخ میں لیکے ڈال دو ایسے ثواب کو

گذرے برسوں لیکن اس کا سوگ ہے تازہ ابھی
دیکھیے کب تک وفاتِ غیر کا ماتم رہے
ہم وہ قطرے ہیں کہ پہلے قلزم ذخار تھے
ہم وہ ذرے ہیں کہ پہلے نیر اعظم رہے

۱؎ سخن شعراء ص ۳۸ا۔

پاس میرے بھی کبھی آئے گا   تا بکے دور سے ترسائے گا
زلف سلجھانے لگے ہم صاحب   پھر مرے سر پہ بلا لائے گا

ہو گیا ہے عشق دل کو اس بتِ طناز کا
یا الٰہی ہو بخیر انجام اس آغاز کا

اسماعیل خاں شوکت: جناب شوکت کلکتہ کے رہنے والے تھے۔ ناسخ مرحوم شاگرد تھے۔ اچھا شعر کہتے تھے۔ خیالات کی بلندی اور شگفتگی کلام میں پائی جاتی ہے[1]

دعائے مرگِ دشمن اس لئے کرتا نہیں حق سے
نصیبِ دشمناں وہ بھی تو ہوں گے سوگواروں میں

تجلی طور پر جو حضرتِ موسیٰ نے دیکھی تھی
میسر ہو مجھے گھر بیٹھے اس کا دیکھنا یارب

پھر بہار آئی، ہوا پھر جوشِ سودا کا فزوں
دوڑتا ہے ہاتھ پھر اپنا گریباں کی طرف

گلہ کس سے کروں دردِ جگر کا   ہوا ہے ناک میں دم چارہ گر کا

یارب نہ کرنا مجھ کو کبھی مبتلائے حرص
تل بھر جگہ بھی رہنے کو دل میں نہ پائے حرص

نور الاخبار مراد آباد محلہ کسرول متصل مسجد مولسری سے جنوری ۱۸۸۲ء کو ہفتہ میں دوبار جاری ہوا۔ شنبہ و چہار شنبہ کو بارہ صفحات پر نکلتا تھا۔ مالک منشی نور اللہ مہتمم عزیز اللہ تھے۔ سالانہ چندہ پندرہ روپیہ تھا۔ مطبع عزیزی میں طباعت ہوتی تھی۔

---

[1] خم خانہ جاوید پنجم صہ ۱۹۰۔

سیارہ اودھ

لکھنؤ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۲۹ جنوری ۱۸۸۲ء کو شائع ہوا۔ مالک سید میر حسن، ایڈیٹر مولوی سید محمد حسین اغلب تھے۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔

گلدستہ نتیجہ سخن

کلکتہ محلہ سیندوریہ پٹی رام پرشاد، شاہا زلین سے یہ ماہانہ گلدستہ ۴۸ صفحات پر ۱۵ فروری ۱۸۸۲ء کو نکلا۔ مالک شیخ محمد وزیر ایڈیٹر و مہتمم مولوی حکیم عبدالصمد کانپوری تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے بارہ آنے تھا۔ مطبع رین پریس میں چھپتا تھا۔

یہ گلدستہ ہر انگریزی مہینہ کی پندرھویں تاریخ کو شائع ہوتا تھا۔ اس میں تاریخی حالات مع تصاویر شاہان یورپ و انگلینڈ اور ہندوستان کی والیان ریاست کے چھپتے تھے جو نثر میں ہوتے تھے۔ نظم کا حصہ قدرے زیادہ ہوتا تھا۔ طرحی و غیر طرحی کلام شائع ہوتا تھا اور اس کی خصوصیت یہ تھی کہ پردہ نشین مستورات اور طوائفوں کی بھی غزلیں شائع ہوتی تھیں۔ اس گلدستہ کے مارچ ۱۸۸۴ء کے شمارے سے شعراء کا منتخب کلام نقل کیا جاتا ہے۔

جناب منشی سید ارادت علی صاحب خواہش بھاگلپوری شاگرد جناب مولوی منیرالدین صاحب۔ سہ

عابد و زاہد سے مجھ کو کام کیا ... مانتے پیر مغاں کے ہم ارشاد کو
غیر حرماں کون ہے میرا رفیق ... آدے خواہش جو مری امداد کو

جناب شیخ احمد حسین صاحب مذاق تعلقہ دار پیر ماتواں ضلع پرتاب گڈھ۔ سہ

شکوۂ ظلم صنم ہے اے خدا ... تیرے پاس آیا ہوں میں فریاد کو
کی بسر میں نے شب ہجراں مذاق ... پوچھئے تو کچھ مری روداد کو

جناب منشی مظفر علی صاحب ہنر شاگرد شاہ اودھ۔ سہ

دام ہے بیشک یہ حسن گندمی — پھانس ہی لیتا ہے آدم زاد کو
بیسے کیسے کوہِ غم سر پر اٹھائیے — مرحبا انسان کی بنیاد کو

جناب مرزا ہیگن بیگ صاحب دفعدار ہیگن شاگرد شورہ میرٹھی ۔ سے

داد کی جس سے توقع ہی نہیں — وہ سنے گا کیا مری فریاد کو
کھو دیا دنیا سے اب دل نے مجھے — کیا کہوں اس خانہ برباد کو
ابتدا میں ہے یہ جودت طبع کی — آفریں ہیگن! ترے استاد کو

جناب نواب احمد مرزا خاں صاحب آگاہ شاگرد غالب ۔ سے

برق چمکی آشیاں پر اور میں — دیکھتا ہوں خانۂ صیاد کو
میرا مر جانا قیامت ہو گیا — غیر آتے ہیں مبارک باد کو
اب کہاں آگاہ غالب سا شفیق — روئیے دل کھول کر استاد کو

بی مشتری سلطان جہاں بیگم محجوب پشاوری حال مقیم کلکتہ شاگرد جناب خواجہ سرور ۔ سے

گل سے بلبل پوچھتے ہیں باغ میں — کیوں عداوت مجھ سے ہے صیاد کو
کچھ ہوس محجوب کو باقی نہیں — خوب دیکھا گلشنِ ایجاد کو

بی خورشید جان طوائف حسین خوشہ چیں خرمن غالب دہلوی ۔ سے

دس بیس گردنیں ہیں ادھر بھی جھکی ہوئی — دو چار ہاتھ اور بھی قاتل بڑھا کے ہاتھ
دل کی طرح سے جب ہوئی تاثیر بیقرار — بیچین ہو کے رہ گئے یارب دعا کے ہاتھ
قرباں کس طرح سے نہ ہو دل کی آرزو — نام خدا حسین ہیں حسن حنا کے ہاتھ

بی شاماں جان طوائف سکنہ کلکتہ فتنہ خوشہ چیں خرمن غالب دہلوی ۔ سے (اپریل ۱۸۸۴ء)

الجھن میں دل کو ڈال دیا ہے دکھا کے ہاتھ — زلفِ سیاہ یار کے ہیں کس بلا کے ہاتھ
دو چار چلو اور رگوں میں بڑھا لہو — سینے پہ اس نے رکھے جو مہندی لگا کے ہاتھ
نیت شبِ وصال میں بیچین ہو گئی — کھینچا حیا سے یار نے جب مسکرا کے ہاتھ

فتح محمد وزیر: وزیر صاحب رپن پریس کلکتہ کے مالک تھے اور کلکتہ کے باشندے تھے۔ شعر و شاعری کا شوق تھا۔ حکیم محمد سجاد صاحب کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ کلام میں روانی ہے زبان سلیس اور شستہ ہے۔ کلکتہ کے رسائل و اخبار میں یہ گلدستہ بھی موقر مانا جاتا تھا۔ چنانچہ کلکتہ میں جو بھی سرکاری تقریب ہوتی تھی اس میں کلکتہ کے اخبارات کے ایڈیٹروں منشی عبدالکریم ایڈیٹر اخبار دارالسلطنت، حافظ محمد علی بخت مالک اخبار گوہر، مولوی کبیرالدین صاحب مالک اردو گائیڈ کے ہمراہ محمد وزیر صاحب بھی شامل ہوتے تھے۔ وزیر صاحب کا کلام کسی بھی تذکرے میں نہیں ملتا اور نہ ہی ان کے حالات زندگی نظر آتے ہیں۔ گلدستہ نتیجہ سخن سے ان کا کلام نقل کیا گیا ہے۔[1]

وہ چمکتی ہوئی ہم کو تو نظر آتی ہے　　کون کہتا ہے کہ پیدا کمر یار نہیں
مئے وحدت سے ہیں مخمور ہماری آنکھیں　　دختِ رز کو کبھی ہم تاکیں وہ میخوار نہیں
سحر آنکھوں کا تمہاری اسے ایسا ہے پسند　　کہ طلبگارِ شفا نرگس بیمار نہیں

کوچہ یثرب کی گدائی مجھے کافی ہے وزیر
ہفت اقلیم کی شاہی کا طلبگار نہیں

تم بھلا دو دل سے مجھ کو لاکھ بار　　میں نہ بھولوں گا تمہاری یاد کو
جس کے پھندے میں ہزاروں کے ہیں دل　　چاہتا ہوں اس ستم ایجاد کو
غیر کی صحبت مبارک ہو تمہیں　　ہم بساتے ہیں عدم آباد کو

ان کی شفقت سے ہوا ہے تیرا نام
تو دعا دے اے وزیر استاد کو　　(مارچ ۱۸۸۴ء)

بدقسمتی کے بار سے جھک جاتے ہیں دہیں　　جب مانگتا ہوں کوئی دعائیں اٹھا کے ہاتھ

---

[1] گلدستہ نتیجہ سخن فروری ۱۸۸۳ء۔

کیا ترے ... پت بوسی کے لائق نہیں ہوں میں   میری طرف سے کھینچ لئے کیوں بڑھا کے ہاتھ
مجھ ناتواں کے جسم کو ٹھوکر لگاتے ہیں   چلتے ہیں جب وہ غیر سے اپنے ملا کے ہاتھ
پہنچا نہ وہ مسیح عیادت کے واسطے   عاشق گئے عدم کو جہاں سے اٹھا کے ہاتھ

بسمل نہ رکھ وزیر کو قصہ ہی پاک کر
ظالم لگا دے اور بھی اک دو دبا کے ہاتھ   (اپریل ۱۸۸۴)

کیسی نفرت تھی تمہیں غیر سے دل پر پہلے   اب یہ کیا ہے کہ ملا کرتے ہو جھک کر پہلے
ان کا آنا تو قیامت ہے یہاں جان گئی   آنے والی تھی اجل آ گئی سر پہ پہلے
آپ غیروں سے ملے، ہم نے کیا اذ معشوق   سچ یہ فرمائیے تو کس سے ہوئی شر پہلے

ہے یقیں اور کی امت سے قیامت میں وزیر
ہم کو بخشائے گا اپنا ہی پیمبر پہلے   (مئی ۱۸۸۴ء)

ہے طائر فراق، اس پر کمند زلف   گلشن سے رابطہ ہے نہ صیاد سے غرض
خوگر ہی ہو گیا ہوں میں ایذا کا اے وزیر   کیا آہ سے حصول ہے فریاد سے غرض
نکلے والو کہاں آگے بڑھے جاتے ہو تم   بیٹھتے اٹھتے مجھے شکل غبار آنے تو دو

جن کے مشتاق اہل معنی ازرہ الطاف ہیں
وہ وزیر شاعر معجز نگار آنے تو دو   (اپریل ۱۸۸۳ء)

مخبر حقیقی شیوراج پور ضلع کان پور سے یکم اپریل ۱۸۸۲ء کو یہ اخبار وجود میں آیا ہفتہ روزہ تھا۔ اردو ہندی دونوں زبانوں میں شائع ہوتا تھا۔ مالک منشی راج بہادر زخمی تھے۔

منشی راج بہادر زخمی: منشی جی قوم کے کایستھ سری باستت تھے۔ کاکوری ان کا وطن تھا۔ ان کے بزرگ مغلیہ عہد سلطنت میں کاکوری کے قانون گو تھے۔ جناب طاہر موہانی کے شاگرد تھے۔ کان پور میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ صاحبِ

خم خانہ جاوید کہتے ہیں کہ یہ رسالہ چند سال کے بعد بند ہو گیا تھا۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں اچھا شعر کہتے تھے۔ اکثر نعتیہ کلام بھی فرمایا کرتے تھے۔ سہ

کیا ہوائے نفس پر غالب ہوا انسانِ ضعیف
کچھ ہوا سے زور چل سکتا نہیں ہے کاہ کا

دوستو! دفن میں کس واسطے یہ عجلت ہے | میرے مرنے کی انہیں بھی تو خبر ہونے دو
کہدو یہ طبیبوں سے عبث لکھتے ہیں نسخے | بیماریٔ الفت کی دوا اور ہی کچھ ہے
جگر نوحہ کناں ہے دل کفِ افسوس ملتا ہے | ہزاروں حسرتوں کے ساتھ میرا دم نکلتا ہے

درک ماہیت میں اس کے عقلِ انسان ہیچ ہے
ما عرفنا قول ہے، اے دل رسول اللہ کا
حاسدِ کج فہم! تیغ رشک سے بسمل ہوئے
مدح خواں جب سے ہوا زخمی رسول اللہ کا

امیرالاخبار کلکتہ رو بیاگلی متصل چوڑا گرجا سے یکم اپریل ۱۸۸۲ء کو مہینے میں آٹھ مرتبہ آٹھ صفحات پر ظہور میں آیا۔ مالک غلام حضرت خستہ، مہتمم محمد احمد تھے۔ سالانہ چندہ آٹھ روپیہ تھا۔ امیرالمطابع میں طباعت ہوتی تھی۔

حضرت خستہ: حکیم خستہ رامپور کے باشندے تھے۔ حضرت امیر مینائی مرحوم کو کلام دکھاتے تھے۔ کلکتہ میں عرصہ تک مطب کرنے کے بعد اپنے وطن رامپور چلے آئے تھے۔ ٹھیکیداری کرتے تھے۔ فقیر منش، خلیق و ملنسار شخص تھے۔ سہ

جنازہ اٹھنے دو عاشق کا پھر سنور لینا | ابھی تو رات ہے پچھلے پہر سنور لینا
دفورِ ضعف سے بیمارِ غم کو مشکل ہے | جگر سے ہاتھ اٹھا کر جگر پہ دھر لینا

آرزو میری کوئی کیا نخل ماتم کی تھی شاخ
جو کلی کمبخت میں آئی وہ مرجھائی ہوئی

حسرتیں جو دل میں مرے رہ گئی تھیں وقتِ ذبح
منہ چھپائے حشر میں پھرتی میں شرمائی ہوئی

کس بلاکش کی ہے اے خستہؔ یہ رحلت کی گھڑی
شام غم پھرتی ہے گھر گھر آج گھبرائی ہوئی

دل آپ گرفتار ہو گیسوئے دوتا میں
کمبخت مجھے کیوں لئے جاتا ہے بلا میں

جو مر گیا الفت میں ہوا نام اسی کا
ابھرا وہی جو ڈوب گیا بحر فنا میں

ان کے انکار سے کیا کام تھا تجھ کو خستہؔ
اپنا مطلب کسی پہلو سے نکالا ہوتا

اسلام میرٹھ محلہ نساری دروازہ سے یہ ہفتہ وار اخبار بارہ صفحات پر ۱۵ اپریل ۱۸۸۲ء کو جاری ہوا۔ یہ اخبار مجلس اسلامیہ کا آرگن تھا۔ مولوی سید محمد میر وکیل و سکریٹری مجلس کے اہتمام میں ہر جمعہ کو شائع ہوتا تھا۔ سالانہ چندہ چھ روپے تیرہ آنہ تھا۔ مطبع جماعت تجارت اسلامیہ لمیٹڈ میں چھپتا تھا۔

سوانح عمری لاہور محلہ لنگی منڈی سے یہ ماہانہ رسالہ ۳۸ صفحات پر یکم اپریل ۱۸۸۲ء کو شائع ہوا۔ سالانہ چندہ دو روپے تین آنے تھا۔ مطبع براہم پریس میں منشی نتھو رام انند کے اہتمام میں چھپتا تھا۔ اس رسالہ میں ہر ملک و قوم کے مذہبی، سوشل اور سیاسی ریفارمر نیز دیگر بڑے بڑے مہاتما اور بزرگوں کی سوانح عمری درج ہوتی تھی۔

بہار انجمن فیض آباد سے یہ شعر و سخن کا ماہانہ گلدستہ ۵ مئی ۱۸۸۲ء کو ۴۸ صفحات پر نمودار ہوا۔ انجمن تہذیب فیض آباد اس کو شائع کرتی تھی۔ مہتمم نواب عباس مرزا خاں محیطؔ، میر مشاعرہ منشی محمد حسین تمیمؔ، ایڈیٹر

عباس مرزا صاحب ہوش سکنڈ ماسٹر اسکول فتح گنج تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ مطبع قادری میں چھپتا تھا۔

شوخ اودھ لکھنؤ محلہ ڈیوڑھی آغا میر قریب چاہ چھاچھوے یہ ہفتہ وار اخبار بارہ صفحات پر ۲۲ مئی ۱۸۸۲ء کو جاری ہوا۔ ہر جمعہ کو نکلتا تھا۔ مالک سید احمد حسین تھے۔ سالانہ چندہ سات روپیہ تھا۔ مطبع خزینۃ العلوم میں طباعت ہوتی تھی۔

مظہر الزراعت میرٹھ حویلی ناصر الدولہ اشفاق حسین خاں سے ۱۴ مئی ۱۸۸۲ء کو یہ ماہانہ زراعتی پرچہ سولہ صفحات پر شائع ہوا۔ حکیم مقرب حسین خاں رئیس نے جاری کیا۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ مطبع دار العلوم میں چھپتا تھا۔

گلدستہ بنارس بنارس محلہ سلیم پورہ سے یہ ہفتہ وار اخبار چار صفحات پر یکم جولائی ۱۸۸۲ء کو جاری ہوا۔ یکشنبہ کو شائع ہوتا تھا۔ مہتمم حکیم الدین اور منشی فدا حسین تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔ مطبع تمقام الحکمت میں چھپائی ہوتی تھی۔

نور بدایوں بدایوں سے مولوی علی امجد حسین کے اہتمام میں یکم جولائی ۱۸۸۲ء کو یہ ہفتہ وار اخبار بارہ صفحات پر جاری ہوا۔ پنجشنبہ کو نکلتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد قصبہ آنولہ ضلع بانس بریلی سے اس کے مالک حکیم وارث علی خاں رئیس نے شائع کیا۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ دس آنے تھا۔ مطبع نور بدایوں میں طبع ہوتا تھا۔

شوکت اسلام پونہ سکرار بیٹ سے ۲۴ جولائی ۱۸۸۲ء کو جاری ہوا۔ دوشنبہ کو نکلتا تھا۔ پھر مطبع مجیدی بمبئی میں

شائع ہوتا رہا۔ اس کے بعد حیدرآباد دکن محلہ بیگم گنج کوچہ چیلہ ناصر بیگ، سے نکلا گیا۔ مہتمم ابوالقاسم اظہرالدین، مالک حاجی محمد قاسم کرنان تاجر چھاؤنی سکندرآباد دکن تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا۔

دھرم پرچارک کیمپ فتح گڈھ سے یہ مذہبی رسالہ پندرہ روزہ آٹھ صفحات پر یکم اگست ۱۸۸۲ء کو ظہور پذیر ہوا۔ مہتمم منشی صدیق حسن منت، مالک انبا پرشاد تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ مطبع منشی چنی لال میں طباعت ہوتی تھی۔

انجمن علمی بدایوں محلہ فرشوری ٹولہ مقام کوٹھی مولوی علیم الدین منصف پنشن یافتہ نے یہ ماہانہ رسالہ ۱۶ اگست ۱۸۸۲ء کو شائع کیا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ سکریٹری حافظ اکرم، آنریری سکریٹری حاجی سید محمد اشرف نقوی تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ بارہ آنے تھا۔ اختر پریس لکھنؤ میں چھپتا تھا۔

نفیس الاخبار کیمپ فتح گڈھ محلہ گولہ کیمپ سے پندرہ روزہ چار صفحات پر یکم ستمبر ۱۸۸۲ء کو یہ اخبار ظہور میں آیا۔ مالک منشی صدیق منت، مہتمم انبا پرشاد تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے دس آنے تھا۔ مطبع چنی لال میں طباعت ہوتی تھی۔ سرورق پر یہ شعر درج تھا۔

اخبار ایک سچی شہادت کا نام ہے
خدمت کرے وہ ملک کی یہ اس کا کام ہے

مہرِ ظرافت لکھنؤ محلہ نوبستہ ڈاک خانہ منصور نگر سے یکم ستمبر ۱۸۸۲ء کو یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر شائع ہوا۔ مالک لالہ پورن چند، ایڈیٹر لالہ رام سہائے تمنا تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپے آٹھ آنے تھا۔ مطبع تمنائی میں چھپتا تھا۔

آئینۂ تہذیب

سید پور ضلع غازی پور سے یہ ہفتہ وار اخبار بارہ صفحات پر ۱۰ ستمبر ۱۸۸۲ء کو جلوہ افروز ہوا۔ ہر دو شنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک بابو شیو پرشاد آنریری مجسٹریٹ، مہتمم مولوی محمد یٰسین مشفق تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ مطبع صبح بنارس سید پور میں طباعت ہوتی تھی۔

خیر خواہ اسلام

بمبئی محلہ بھنڈی بازار سے عشرہ وار یکم، دس، بیس تاریخوں میں یکم اکتوبر ۱۸۸۲ء کو شائع ہوا۔ اس کے بعد حیدرآباد میں باہتمام محمد ابراہیم، کان پور میں باہتمام مومن سجاد، الہ آباد میں حافظ محمد ابراہیم و کراچی وغیرہ میں چھپتا رہا۔ مالک شیخ رضی الدین نائب مدرس مدرسہ انجمن اسلام تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔

گلدستۂ سخن

آگرہ محلہ حکیمان سے یہ شعر و سخن کا ماہانہ رسالہ ۲۴ صفحات پر ۱۵ اکتوبر ۱۸۸۲ء کو جاری ہوا۔ مالک احمد خاں صوفی مہتمم وزیر خاں تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ مطبع مفید عام میں چھپائی ہوتی تھی۔

امامیہ

لکھنؤ محلہ وزیر گنج فراشخانہ سے عشرہ وار سولہ صفحات پر ۱۵ اکتوبر ۱۸۸۲ء کو یہ اخبار شائع ہوا۔ مالک سید عباد علی، مہتمم عابد علی رضوی تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ مطبع مظہر العجائب میں طبع ہوتا تھا۔ یہ اثنا عشری طبقہ کا مذہبی اخبار تھا۔

نظائر ویکلی نوٹس

ضلع غازی پور سید پور سے یکم اکتوبر ۱۸۸۲ء کو یہ ہفتہ وار اخبار سولہ صفحات پر نکلا۔ ہر دو شنبہ کو شائع ہوتا تھا۔ مالک بابو شیو پرشاد آنریری مجسٹریٹ مہتمم مولوی محمد یٰسین شفق تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے آٹھ آنے تھا۔ مطبع صبح صادق میں چھپائی ہوتی تھی۔

عروج محمدی

الہ آباد محلہ دریاآباد سے آٹھ صفحات پر ۱۲ستمبر ۱۸۸۲ء کو یہ ہفتہ وار اخبار وجود میں آیا۔ مالک ارشاد حسین خاں، مہتمم راحت حسین خاں تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ آٹھ آنے تھا۔ مطبع عروج محمدی محلہ جانسین گنج میں چھپتا تھا۔

اروربنس پرکاش

فیض آباد محلہ چوک سے یہ ماہانہ رسالہ سولہ صفحات پر یکم ستمبر ۱۸۸۲ء کو جاری ہوا۔ مالک بابو گکومل وکیل آنریری مجسٹریٹ سکریٹری انجمن تہذیب تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ مطبع نرائنی میں چھپائی ہوتی تھی۔

ہندوستانی اردو لغات

دہلی ترکمان دروازہ حویلی نواب مظفر خاں سے یہ ماہانہ رسالہ ۲۴ صفحات پر یکم نومبر ۱۸۸۲ء کو شائع ہوا۔ مالک و ایڈیٹر منشی سید احمد دہلوی مدرس فارسی دہلی ضلع سکول تھے۔ اس میں اردو کی بالاقساط ڈکشنری شائع ہوتی تھی۔

سرپنچ

سید پور ضلع غازی پور سے ۱۰ستمبر ۱۸۸۲ء کو یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر شائع ہوا۔ ہر دوشنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک بابو شیو پرشاد، مہتمم مولوی محمد یٰسین شفق تھے۔ پہلے اس کا نام نعرہ مستانہ تھا اور یہ آئینہ تہذیب کا ضمیمہ تھا۔

متھرا سماچار

متھرا سے یہ رسالہ ماہانہ بیس صفحات پر یکم دسمبر ۱۸۸۲ء کو جاری ہوا۔ مہتمم پنڈت رام نرائن بھارگو تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ مطبع متھرا پریس میں طباعت ہوتی تھی۔ اس رسالہ کو بابو دوارکا پرشاد اسسٹنٹ سکریٹری آریہ سماج متھرا نے جاری کیا تھا۔

معلم شفیق حیدرآباد دکن سے جلسہ خیر خواہ ہند نے یہ ماہانہ علمی رسالہ ۱۸۸۲ء کو جاری کیا۔ اگست ۱۸۸۸ء میں ہفتہ وار ہو گیا تھا۔ مالک مولوی محمد حسین مترجم دفتر نظام، ایڈیٹر محب حسین مترجم دفتر معتمد مالگزاری سرکار نظام اور مہتمم تجمل حسین تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔

اس رسالہ میں علوم قدیمہ وجدیدہ پر بحث ہوتی تھی اور علوم جدیدہ سے متعلقہ کتابوں کے ترجمے شائع ہوتے تھے۔ اس کے ترجمہ کرنے والے بڑے لائق اور ذی علم حضرات تھے۔

محب حسین: آپ اٹاوہ کے رہنے والے تھے اور مہدی علی خاں محسن الملک کے ہم وطن تھے۔ محسن الملک کے عروج کو دیکھ کر محب حسین صاحب حیدرآباد چلے آئے۔ ان کی وجہ سے یہاں ان کو ملازمت مل گئی۔ وقار الامراء کے قصر فلک نما میں بحیثیت مترجم مقرر ہوئے۔ رسالہ معلم شفیق کو بعد میں معلم نسواں کے نام سے شائع کرنے لگے تھے۔ جس میں عورتوں کی ترقی، پردے کی مخالفت اور معاشرت میں اصلاح کرنے والے مضامین شائع ہوتے تھے۔ ان کی تالیفات میں کرنل میڈوز ٹیلر کی انگریزی کتاب کا ترجمہ "سوانح امیر علی ٹھگ" اور "پہلا جرم" کافی مشہور ہیں ایک مسدس "فلک نما" کے نام سے لکھا تھا جس میں مسلمانوں کے قومی علمی کارناموں کا ذکر درج ہے۔ افسر الملک نے ان کے اور بابائے اردو علامہ عبدالحق مرحوم کے اہتمام سے ایک رسالہ "افسر" جاری کیا تھا۔[1]

اخبار الاخیار لکھنؤ متصل وکٹوریہ اسٹریٹ مدرسہ ایمانیہ سے پندرہ روزہ اخبار ۱۸۸۲ء کو نکلا۔ ہجری مہینہ کی دس اور پچیس تاریخوں

---

[1] داستان ادب حیدرآباد ص۱۵۸۔

میں شائع ہوتا تھا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ شیعہ حضرات سے چندہ نہیں لیا جاتا تھا۔ غیر شیعہ حضرات کے لئے سات روپے دس آنے سالانہ چندہ مقرر تھا۔ مولوی سید محمد علی اس اخبار کے بانی تھے۔ مطبع اخبارالاخیار میں چھپتا تھا۔

اردو انسٹرکٹر بمبئی محلہ بھوسار قریب کرافر روڈ سے ۲۸ صفحات پر یہ ماہانہ رسالہ لڑکوں کی تعلیم کے لئے انگریزی اردو زبانوں میں ۱۸۸۲ء کو شائع ہوا۔ مالک منشی شیخ حاجی غلام محمد خاں تھے۔ سالانہ چندہ دس روپیہ تھا۔ مطبع گہر نتھ پرکاش میں طبع ہوتا تھا۔

تہذیب مرادآباد محلہ بازار منڈی سے یہ ہفتہ وار اخبار بارہ صفحات پر ۱۸۸۲ء کو وجود میں آیا۔ ہر دوشنبہ کو شائع ہوتا تھا۔ مالک احمد علی خاں انگلش ماسٹر تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا۔

ریختہ دہلی محلہ پیپل مہادیو حوض قاضی سے یہ پندرہ روزہ اخبار آٹھ صفحات پر ۱۸۸۲ء کو نمودار ہوا۔ ۸ر اور ۲۴ر تاریخوں میں نکلتا تھا۔ مالک منشی مہانرائن تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ مطبع مہاکاشی عرف چشمۂ فیض میں چھپائی ہوتی تھی۔

شمشاد ہند بنارس محلہ بھلیا ٹولہ مقام قطبن شہید ادم پورہ سے عشرہ وار بارہ صفحات پر ۱۸۸۲ء کو جاری ہوا۔ مالک حکیم کریم الدین حسن مہتمم کیمیائے انسان اور حکیم سید فدا حسین مہتمم جواہر اکسیر تھے۔ سالانہ چندہ سوا دو روپیہ تھا۔ مطبع قمقام الحکمت میں طبع ہوتا تھا۔

مظہر شوکت اسلام بمبئی سے یہ ہفتہ وار اخبار چار صفحات پر ۱۸۸۲ء کو شائع ہوا۔ مالک ابو قاسم محی الدین کرتان تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا۔ مطبع کارخانہ یم بمبئی پریس میں چھپائی ہوتی تھی۔

ملک الاخبار کلکتہ مچھوا بازار اسٹریٹ کوٹھی نمبر ۱۲ سے یہ روزانہ اخبار چار صفحات پر یکم نومبر ۱۸۸۲ء کو وجود میں آیا۔ مالک مرزا محمد سعید ایڈیٹر نفیس کان پوری تھے۔ سالانہ چندہ دس روپیہ تھا۔ مطبع ضیاء الاسلام میں طباعت ہوتی تھی۔

نجم الاخبار اٹاوہ سے پہلے ہفتہ وار بارہ صفحات پر ۱۸۸۲ء کو شائع ہوا۔ اس کے بعد چار صفحات کلاں پر نکلنا شروع ہوا۔ بانی حاجی ممتاز علی آنریری مجسٹریٹ، مالک حافظ روح اللہ خاں، ایڈیٹر خواجہ بشیر الدین احمد تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ مطبع شیعہ ضیائی میں چھپتا تھا۔

مولوی بشیر الدین : مولوی بشیر الدین صاحب کا سلسلۂ نسب حسب ذیل پندرہ واسطوں سے حضرت شیخ عبد اللطیف رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ جو سلطان محمود غزنوی کے زمانے کے مشائخ اور مجاہدین میں سے تھے اور اسی زمانہ میں ہندوستان آکر ملتان میں سکونت پذیر ہوئے۔ شیخ عبد اللطیف قدس اللہ سرہ کا سلسلہ چونکہ آنحضرت صلعم کے پھوپی زاد بھائی اور مشہور صحابی حضرت زبیرؓ سے ملتا ہے۔ اس لئے یہ خاندان زبیری اور ایک مقامی نسبت کی وجہ سے کنبوہ کہلاتا ہے۔

مولوی بشیر الدین ابن حاجی قمر الدین ابن نظام الدین ابن عظیم الدین ابن محمد اعظم ابن جواہر خاں ابن اکرام خاں ابن شیخ محمد ابن راشد علی خاں ابن عمر خاں شہید ابن خواجہ ملتانی المارہروی ابن خواجہ بڈھے ابن خواجہ عبد الرحمٰن ابن شیخ عبد اللہ ابن شیخ جعفر ابن شیخ عبد اللطیف قدس سرہٗ ۹۲۸ھ، ۱۵۲۱ء میں خواجہ حسن ملتانی بسلسلہ تعلیم مارہرہ تشریف لائے اور حضرت مخدوم ظہیر الدین قدس سرہٗ سے علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل کیا اور یہ ہی سلسلہ اس خاندان کے قیام مارہرہ کا باعث ہوا۔ ۹۴۹ھ، ۱۵۴۱ء میں خواجہ حسن کو پرگنہ مارہرہ کا چودھری اور قانون گو

(چیف جسٹس) مقرر کیا گیا۔ اس زمانے میں یہ عہدے نہایت معزز اور باوقعت سمجھے جاتے تھے اور ان کے اختیارات موجودہ زمانے کے کلکٹر و جج سے کہیں زیادہ تھے۔

مولوی بشیر الدین کے پردادا عظیم الدین بزرگ کامل ذاکر و شاغل اور اہل معرفت میں سے تھے۔ ان کی کرامات کی اکثر روایتیں مشہور ہیں۔ ان کے دادا نظام الدین کچھ عرصہ کلکتہ میں کسی عہدہ پر متعین رہے اور پھر بریلی میں مقیم ہوئے۔ مولوی بشیر الدین کے والد حاجی قمر الدین مرحوم صوفی مشرب، آزاد منش، قلندر روش اور مستغنی المزاج بزرگ تھے۔ مولوی بشیر الدین کا سلسلہ نسب ننہیال کی طرف سے نواب خیر اندیش خاں میرٹھی (بانی محلہ خیر نگر دروازہ میرٹھ) تک پہنچتا ہے۔ نواب خیر اندیش خاں عہد عالمگیری کے مشہور و معروف امیر تھے۔

مولوی بشیر الدین کی ولادت شعبان ۱۲۷۴ھ مطابق مارچ ۱۸۵۸ء کو ماہرہ میں ہوئی اور آپ کے والد حاجی قمر الدین کے ایک دوست نے حسب ذیل قطعہ تاریخ ولادت کہا۔

حاجی قمر الدین صاحب را خدا — کرد عطا از فضلِ خود نورِ سعید
گفت تاریخِ ولادت عارفے — عارف باللہ فرزند رشید

۱۲۷۴ھ

مولوی بشیر الدین کے حالات میں صرف اس قدر معلوم ہو سکا کہ آپ نے ابتدائی مروجہ فارسی عربی کی تعلیم مفتی حافظ اشرف خاں مرحوم میرٹھی سے حاصل کی جو ایک سادہ مزاج مقدس بزرگ تھے۔ اس کے بعد گورنمنٹ اسکول میرٹھ میں داخل ہوئے جہاں چھٹے درجہ تک تعلیم پائی۔ اس زمانہ میں مسلمان شرفا میں انگریزی پڑھنا کفر سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ کی انگریزی تعلیم کا تمام خاندان شدید مخالف تھا سوائے آپ کے والد حاجی قمر الدین کے نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ والد اسکول میں داخل کراتے تھے اور دیگر اعزا نام کٹوا دیتے تھے۔ چنانچہ ساتویں اور آٹھویں درجہ کی تعلیم آپ نے اپنے چچازاد بھائی قطب الدین

صاحب کے پاس رہ کر دہلی میں حاصل کی۔ آٹھواں درجہ اس زمانہ میں مڈل کہلاتا تھا اور قابلیت اور وقعت کے اعتبار سے کافی اونچا تصور کیا جاتا تھا۔

مولوی بشیر الدین صاحب کو بچپن میں ورزش کرنے اور کشتی لڑنے کا بھی شوق تھا۔ محلہ خیر نگر دروازہ میرٹھ کی مسجد میں ایک بزرگ مولوی نوراللہ صاحب مقیم تھے ان کی صحبت وتصرف نے مولوی صاحب میں حیرت انگیز انقلاب پیدا کیا۔ کفر وشرک سے نفرت، توحید پر فریفتگی اور مخلوق خدا کی خدمت کا شوق و ذوق انہیں کے فیضان کا رہینِ منت تھا۔

تعلیم سے فارغ ہو کر فکر معاش دامنگیر ہوئی۔ پہلی ملازمت بحیثیت محرر تجارت بمقام پل جمنا دہلی ضلع میرٹھ کی اور پھر میرٹھ کے قومی اسکول میں مبلغ چار روپے ماہوار پر ماسٹر ہو گئے جہاں بچوں کو انگریزی پڑھاتے تھے اور اسی نسبت سے ۱۸۸۲ء تک آپ کو عام طور پر لوگ ماسٹر بشیر الدین کہتے رہے۔

نواب ممتاز علی خاں میرٹھی جو بسلسلہ ٹھیکہ جات پل وغیرہ اٹاوہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے اور جنہیں لوگ غالب کے خطوط کی پہلی طباعت کے سلسلہ سے خوب جانتے ہیں۔ سرسید تحریک کے سخت مخالف تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سرسید کی مخالفت میں میرٹھ سے بھی ایک اخبار "طوطی ہند" نکلتا تھا۔ اس اخبار میں مولوی بشیر الدین صاحب سرسید کے خلاف اعلیٰ پیمانے کی نظمیں اور مضامین لکھا کرتے تھے۔ نواب ممتاز علی خاں نے بھی ایک اخبار سرسید کی مخالفت میں اٹاوہ سے نکال رکھا تھا اس اخبار کا نام تھا "نجم الاخبار"۔ چنانچہ نواب ممتاز علی خاں نے مولوی صاحب ۳ ۱۸۸۳ء میں اٹاوہ بلا لیا۔ اور اخبار مذکور کا ایڈیٹر مقرر کر دیا۔ ۱۸۹۷ء تک آپ نے اس اخبار کی ادارت کی اور سرسید کی مخالفت میں اخبار کو خوب چمکایا۔ ۱۸۸۹ء میں آپ کی سرسید سے پہلی ملاقات ہوئی جس کا تذکرہ ہم آگے کریں گے۔ اس ملاقات نے مولوی صاحب کے

خیالات کی اصلاح کر دی اور آپ کو اخبار کی پالیسی سے اختلاف ہو گیا مگر ۱۸۹۷ء تک آپ اس اخبار کے ایڈیٹر رہے۔ فروری ۱۸۹۹ء میں آپ نے اپنا ذاتی اخبار "البشیر" جاری کیا جو تقریباً نصف صدی تک جاری رہا۔

"مسدس حالی" کا شائع ہونا تھا کہ سرسید کے مخالفین کے قلب کی دہکتی ہوئی چنگاریاں شعلۂ جوالہ بن گئیں۔ "تیرھویں صدی" آگرہ سرسید کا شدید مخالف اخبار تھا۔ اس اخبار نے مسدس حالی کے خلاف بہت کافی زہر افشانی کی۔ مولوی بشیرالدین نے جب تیرھویں صدی کا مضمون پڑھا تو خود بھی اس پر اضافہ کرنا چاہا۔ اتفاق سے خان بہادر سید جعفر حسین صاحب نے جو سرسید کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو چکے تھے، مولوی صاحب کو مسدس حالی دیدیا۔ مولوی بشیرالدین صاحب نے مسدس جواب لکھنے کے ارادہ سے پڑھا مگر پڑھتے ہی کایا پلٹ گئی جو شخص سرسید کی تحریک اور شخصیت دونوں سے اختلاف کرتا تھا، عاشق ہو گیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ نواب ممتاز علی خاں صاحب اور ان کے فرزند خان بہادر روح اللہ خاں صاحب مرحوم و دیگر مخالفین سرسید سے ہمہ وقت بحث و مباحثہ ہونے لگے۔

سب سے پہلے ۱۸۸۹ء کی ایجوکیشنل کانفرنس میں بمقام علی گڈھ آپ نے شرکت فرمائی اور ایک رزولیوشن ان انگریزی کتابوں کو نصاب سے خارج کئے جانے کے متعلق پیش کیا جن میں اسلام پر حملہ کیا گیا تھا۔ آپ کے رزولیوشن کی خود سرسید نے تائید کی اور نہایت پرزور تقریر فرمائی جس سے آپ بہت متاثر ہوئے۔ اسی زمانہ میں ٹرسٹیز بل پاس ہو چکا تھا۔ مولوی سمیع اللہ اور سرسید میں اختلافات تھے۔ دونوں کے حامیوں نے دھواں دھار تقریریں کر کے فضا کو بہت مکدر بنا دیا تھا اور جلسہ میں ایسا ماحول پیدا ہو گیا جیسا فوج کی دو مخالف جماعتوں کا ہوتا ہے۔ اس ماحول میں مولوی بشیرالدین صاحب کھڑے

ہوئے۔ آپ نے ایک نہایت پرجوش مگر انتہائی مصلح کن اور بااثر تقریر فرمائی جس کا ماحصل یہ تھا کہ اب جب کہ قانون پاس ہو چکا ہے اس کے حسن و قبح پر تقریریں کر کے مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنا نہایت شرمناک سلات ہے۔ یہ ایسا وقت ہے کہ موجودہ اختلافات کو ختم کر کے مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کیا جائے تاکہ اصل مقصد کو نقصان نہ پہنچے۔ اس تقریر سے سامعین اور خصوصاً سر سید بہت متاثر ہوئے اور سر سید کے دل میں مولوی صاحب کے لئے ایک خاص جگہ پیدا ہو گئی۔ جلسہ کے بعد سر سید نے آپ سے خاص طور پر ملاقات کر کے یہ خواہش ظاہر کی کہ جلسہ کی یہ چپقلش روئیداد جلسہ و اخبارات میں شائع ہونی چاہئیں۔ یہ تھی سر سید اور مولوی بشیر الدین کی پہلی ملاقات۔

اس ملاقات کے بعد آپ نے نہایت غور اور تلاش سے کالج کے ہر صیغہ کا معائنہ فرمایا اور آپ نے فیصلہ کر دیا کہ سر سید کے خلاف جو کچھ اخبارات میں شائع ہوا اور جس قدر مخالفت کی گئی وہ سب لغو تھی۔ سر سید کا رعب سب پر ایسا غالب تھا کہ کسی شخص کی ہمت ان کے خلاف تقریر کرنے یا رائے دینے کی نہیں پڑتی تھی مگر مولوی بشیر الدین صاحب ان سے بھی مرعوب نہ ہوئے۔ اگر ضرورت ہوتی تو مخالفت میں تقریر بھی کرتے اور رائے بھی دیتے مگر سر سید پر آپ کے ایثار خلوص اور محبت کا ایسا اثر تھا کہ کبھی برا نہ مانتے۔ غرض کہ جب تک مولوی صاحب کی بینائی اور قویٰ نے جواب نہ دیا آپ علی گڈھ اور علی گڈھ تحریک میں ہمیشہ عملی حصہ لیتے رہے۔

لارڈ مسٹن جو ۱۹۱۶ء میں یوپی کے لفٹننٹ گورنر تھے۔ مولوی بشیر الدین صاحب سے بہت متاثر تھے۔ وہ کئی بار اٹاوہ بھی آئے۔ یہ انہیں کا کام تھا کہ آپ کی قومی اور ملکی خدمات کو گورنمنٹ نے خان بہادر کے خطاب سے سراہا۔

نظام حیدرآباد نے مبلغ سو روپیہ آپ کی پنشن مقرر فرمائی۔ آپ نے تمام عمر ایثار اور انہماک سے مخلوق خدا کی خدمت اور قوم کی بہبودی میں گذاری۔ ان کا کوئی زمانہ فارغ البالی میں نہیں گذرا۔ انہوں نے ہمیشہ انواع و اقسام کی پریشانیاں اور مصیبتیں اٹھائیں۔ ان کے راستے میں ہمیشہ رکاوٹیں پیدا ہوئیں۔ کئی سال تک گورنر صوبہ آپ کا شدید مخالف رہا مگر سخت سے سخت موقع پر بھی ثابت قدم رہے اور اظہار صداقت میں دوست دشمن مخالف یا موافق میں آپ نے کبھی امتیاز نہ کیا۔ ان کا ہر قدم دنیوی لغزشوں سے پاک و صاف رہا۔ جس تحریک کو مہاتما گاندھی نے ۱۹۲۰ء میں ملک کی نجات کا ذریعہ سمجھا وہ تحریک مولوی بشیر الدین کے دماغ میں نصف صدی قبل سے موجزن ہو چکی تھی۔ کون نہیں جانتا کہ ۱۸۸۰ء میں اس نوجوان قومی مجنوں نے ایک انجمن "معین صنعت ہند" قائم کی تھی جس کا مقصد ہندوستان کی عام صنعتوں کے علاوہ صنعت کی بقا و ترقی تھا۔ انجمن کے ہر ممبر کو ایک حلف نامہ تحریر کرنا پڑتا تھا کہ وہ صرف دیسی ساخت کے کپڑے پہنے گا اور تا حد امکان ملک کی بنی ہوئی اشیاء استعمال کرے گا۔ اس انجمن کے ممبران ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی۔ یہ اسی انجمن کی برکت تھی کہ آج بھی اٹاوہ کا دستی بنا ہوا کپڑا ملک کے متعدد کارخانوں کے بُنے ہوئے کپڑوں سے بہتر ہوتا ہے۔ آخری وقت تک مولوی صاحب مرحوم نے کبھی بدیشی کپڑا یا بدیشی اشیا نہیں استعمال کیں۔ غرض کہ یہ "مسلمان" "کانگریسی" آخر وقت تک اپنے خود ساختہ اصول پر قائم رہا جو نصف صدی بعد کانگریسی تحریک میں شامل ہو کر ملک کے سامنے آئے۔

مولوی بشیر الدین صاحب کے کارناموں میں سب سے نمایاں کارنامہ اسلامیہ انٹر کالج اٹاوہ ہے۔ مولوی صاحب مرحوم نے اٹاوہ میں یہ دیکھا کہ وہاں ۱۸۵۰ء سے ایک گورنمنٹ اسکول قائم ہے جہاں سے اب تک صرف ایک مسلمان لڑکا کامیاب ہوا ہے۔ تحصیلی اسکول میں ذریعہ تعلیم ہندی ہے اس وجہ سے وہاں بھی مسلمانوں کے لئے

تعلیم کے دروازے بند ہیں۔ مرحوم نے سب سے پہلے اس اسکول میں اردو جاری کرا کے مسلمانوں کے لئے دروازے کھلوائے پھر انگریزی اسکول میں مسلمان بچوں کے داخلے کی کوشش کی مگر اس میں ناکامی ہوئی۔ بس یہی وجہ اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کے عالم وجود میں آنے کی ہوئی۔ سب سے پہلے مرحوم نے ایک "انجمن اسلامیہ" قائم کی۔ اس انجمن کا کام اشاعت علوم، اصلاح رسوم، امداد باہمی، لاوارثان کی تجہیز و تکفین تھا۔ کچھ عرصہ بعد نواب محسن الملک حیدرآباد سے تشریف لائے۔ ان کی خدمت میں انجمن کی طرف سے ایڈریس پیش کیا گیا۔ نواب صاحب نے پانچسو روپے سے انجمن کی امداد کی۔ ۱۴ دسمبر ۱۸۸۵ء کو ایک کرایہ کے مکان میں اسلامیہ اسکول کا افتتاح عمل میں آیا اور اسکول قائم ہو گیا۔

غرض وہ اسکول ۱۸۹۸ء میں ہائی اسکول ہو گیا۔ موجودہ عمارت جس زمین پر ہے وہ مولوی محمد محسن کاکوروی کا عطیہ ہے۔ ڈاکٹر محمود صاحب، ڈاکٹر ذاکر حسین خاں، ڈاکٹر ابن حسن زبیری مرحوم، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی سب اسی اسکول کے وہ پودے ہیں جو بعد کو پروان چڑھے اور اپنے گل و ثمر سے تمام ملک کو مستفید کرتے رہے۔

مولانا کا دوسرا شاندار صحافتی کارنامہ اخبار "البشیر" ہے جو اپنی عمر طبعی پر ختم ہوا اور اپنی زندگی بھر ملک و قوم کو راہ دکھاتا رہا۔

مرحوم کے تین لڑکیاں اور دو لڑکے تھے۔ تمام اولاد کا مرحوم کے زمانۂ حیات ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ اولاد کی اولاد موجود ہے۔ آپ کی بڑی صاحبزادی کی شادی خان بہادر عبدالقیوم صاحب سے ہوئی تھی۔ یہ صوبہ کے محکمہ زراعت میں ایک بڑے عہدہ دار تھے۔ ان کی اولاد میں ڈاکٹر قیوم پاشا جو ڈاکٹر ضیاء الدین مرحوم کے خویش بھی ہیں، بہت مشہور ہیں۔ لڑکوں میں بشیر پاشا مرحوم اپنے والد کے نقش قدم پر گامزن تھے مگر جب وہ مارہرہ سے اپنی شادی کے بعد بارات کے ہمراہ واپس آرہے تھے چلتی ریل سے گر گئے اور دو تین دن بعد جاں بحق تسلیم ہوئے۔ غرض کہ

مرحوم کو علاوہ قومی اور ملکی خدمات اور منصوبوں میں رکاوٹوں کے صدموں کے اولاد کے اور خصوصاً بشیر پاشا مرحوم کے داغ مفارقت برداشت کرنے پڑے مگر مرحوم نے ہر مصیبت ہر حال میں نہایت جواں مردی سے برداشت کی۔

آخر عمر میں مرحوم سماعت اور بینائی دونوں سے محروم ہو گئے تھے لیکن مرحوم کا دماغ بدستور جوان تھا۔

کل من علیہا فان۔ ۱۲ جون ۱۹۵۶ء کی شب کو یہ قوم وملک کا قدیم ترین خادم اس دار فانی سے بعمر ۱۰۱ سال ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا۔[1] انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

پیامِ یار لکھنؤ ڈاک خانہ چوک سے ۴۴ صفحات پر یہ ماہانہ گلدستہ بقول اختر شہنشاہی ۱۸۸۲ء کو جاری ہوا۔ مہتمم منشی نثار حسین نثار مالک کارخانۂ عطر تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ ہر مہینہ کی پہلی تاریخ کو شائع ہوتا تھا۔ مطبع قومی پریس میں چھپتا تھا۔ حالانکہ یہ پرچہ جون ۱۸۸۲ء کو شائع ہوا تھا (۲) کا یہ پہلا نمبر ہمارے پاس ہے۔ پہلے یہ رسالہ مطبع منشی گنگا پرشاد ورما برادران واقع امین آباد میں چھپتا تھا۔ رسالے کے سرورق پر یہ شعر درج ہے۔ ؎

نالۂ بلبلِ شیدا تو سنا ہنس ہنس کر
اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی

اس رسالہ میں دو حصے ہوتے تھے ایک میں نظم دوسرے میں نثر۔ نظم کے حصہ میں طرحی زیادہ اور غیر طرحی بہت کم کلام ہوتا تھا۔ نثر کے حصہ میں ناول بالاقساط شائع ہوتے تھے۔ ناول سارہ وکلارہ جس کو بابو امداد حسین صاحب ڈسٹرکٹ بورڈ کلرک ضلع شاہجہاں پور نے انگلستان کے مشہور ناولسٹ مسٹر رینالڈز کے ناول

---

[1] ذوالقرنین بدایوں ۱۴ جولائی ۱۹۵۶ء

میری پرائس اور اگینس کے چیدہ پلاٹوں اور اپنے ذاتی مضامین و خیالات سے مرتب کیا تھا۔ وہ جنوری ۱۹۰۲ء سے دسمبر ۱۹۰۲ء تک کے پیام یار میں شائع ہوا۔ "جوش انتقام" مشہور ناول ۱۹۰۲ء کے پرچوں میں شائع ہوا۔

شمارہ مئی ۱۹۰۲ء کے مصرع طرح "اک بجز عشق کے ہر کام کو آساں دیکھا" پر شعرا کے منتخب اشعار ملاحظہ کیجیے۔

جناب منشی غلام حسین خاں صاحب آفاق بنارسی ؎

نہیں معلوم کہ کیا دل نے مزا پایا ہے　　اس کو جب دیکھا ترے جور کا خواہاں دیکھا
دلِ عشاق ہو یا زلف پری رو یاں ہو　　ہم نے ان دونوں کو ہر وقت پریشاں دیکھا
کون آفت تھی جو جھیلی نہ تری فرقت میں　　کون سا رنج نہ ہم نے شبِ ہجراں دیکھا
لے گئی خلد میں آفاق کو رحمت اس کی
اس کو محشر میں جو عصیاں سے پشیماں دیکھا

جناب منشی سید انور علی صاحب انور شاگرد جناب داغ دہلوی از بھوپال ؎

جس نے اک بار ذرا کوچۂ جاناں دیکھا　　آنکھ اٹھا کر نہ سوئے روضۂ رضواں دیکھا
جھوٹی قسمیں بھی تری ہم نے سنیں اے ظالم　　جھوٹا وعدہ ترا دیکھا، ترا پیماں دیکھا
ہائے اک صورتِ جاناں تو نہ دیکھی ہم نے　　اور سب کچھ ترے ہاتھوں شبِ ہجراں دیکھا
لاکھ سمجھایا نہ آیا مرے بہلانے سے باز　　میں نے تجھ سا نہ کوئی ناصحِ ناداں دیکھا
بے وفائی میں نہیں ہے کوئی ثانی تیرا　　دیکھا دیکھا تجھے اے عمر گریزاں دیکھا
نہ کبھی ہجر میں غمگیں، نہ کبھی وصل میں شاد
ہم نے ہر حال میں انور تجھے یکساں دیکھا

جناب علی احمد صاحب دوکہ بدایونی ؎

موت یاد آگئی شادی کا جو ساماں دیکھا　　رو دیا میں جو کسی پھول کو خنداں دیکھا

نیند آئی تو عجب خواب پریشاں دیکھا — غیر کمبخت کے گھربار کو مہماں دیکھا
منع تو کرتے تھے آدم کے بنانے کو ملک — بندے خود بن گئے جب جلوۂ انساں دیکھا
ہم نہ کہتے تھے کہ ایسوں سے نہ الفت کیجے — غیر سے مل کے ہوا کون پشیماں دیکھا

عید کا چاند ہے یا شوخ کی تیغِ ابرو
ہم نے دو اک جسے دیکھا اسے قرباں دیکھا

فروری ۱۹۰۲ کے شمارے کے شعراء کا منتخب کلام۔ مصرعِ طرح ہے۔ ع داغ الفت کو کلیجے سے لگا رکھا ہے۔

جناب پنڈت لبھورام صاحب جوشؔ متعلم سنٹرل کالج لاہور پنجاب۔ ؎

سو تو لینے دے ذرا فتنۂ محشر ہم کو — اے کمبخت یہ کیا شور مچا رکھا ہے
دلِ مضطر کی تسلی کے لئے فرقت میں — تری تصویر کو سینے سے لگا رکھا ہے
یہ تغافل، یہ تجاہل ہے تری شان سے دور — بندہ پرور مجھے کیوں دل سے بھلا رکھا ہے
یہ ہمیں ہیں کہ تمہیں دل میں جگہ دیتے ہیں — وہ تمہیں ہو کہ ہمیں دل سے بھلا رکھا ہے
عمر بھر کی یہ کمائی کہیں برباد نہ جائے — داغ الفت کو کلیجے سے لگا رکھا ہے

جوشؔ مانا کہ تری روز کی روزی ہے شراب
کسی دن روزہ بھی اے مردِ خدا رکھا ہے

جناب بھولا ناتھ صاحب درخشاںؔ جینی جیوری بلند شہری محرر لالہ نتھن لال مختار عدالت۔ ؎

دل کے بہلانے کو یاں ہجر میں کیا رکھا ہے — تیری تصویر کو سینے سے لگا رکھا ہے
حسرتِ دید مری نکلے تو کیوں کر نکلے — روئے انور کو تو پردے میں چھپا رکھا ہے

جناب کنہیا لال صاحب سائلؔ بلند شہری۔ ؎

آتشِ غم کو بجھا دیں نہ ہمارے آنسو — اس لگی کو تو کلیجے سے لگا رکھا ہے

کیا سبب ہے کیوں مری تقدیر نہ جاگی اب تک
مرے نالوں نے تو سوتوں کو جگا رکھا ہے
ساغرِ مے کی تمنا نہیں مجھ کو ساقی
انکھڑیوں نے تری بیہوش بنا رکھا ہے
بہرِ تسکین دلِ زار شبِ غم ہم نے
ان کی تصویر کو چھاتی سے لگا رکھا ہے
مجھ کو اس رشک کے صدمے نے گھلایا سائل
ان کو دشمن کی محبت نے ستا رکھا ہے

جناب للتا پرشاد صاحب صوفی وکیل عدالت منصفی غازی آباد سے

اس قدر درد کی شدت نے ستا رکھا ہے
دونوں ہاتھوں سے کلیجے کو دبا رکھا ہے
کیسا گلزار ارم، اور کہاں کی جنت
سبز باغ اہلِ شریعت نے دکھا رکھا ہے
کرتے ہو ہم سے تو محفل میں نہ آنے کا گلہ
اور اغیار کو پہلو میں بٹھا رکھا ہے
بادۂ ناب کے پینے میں تکلف کیا شیخ
کیا کسی نے کوئی زہر اس میں ملا رکھا ہے
چھوڑ کر عشق بتاں یادِ خدا کر صوفی
کوچۂ عیش میں کیا خاک مزا رکھا ہے

جناب منشی عبدالرحمٰن خاں صاحب غنی مرادآبادی از راولپنڈی سے

اس نے تلوار جو غصے سے اٹھا رکھی ہے
ہم نے بھی سر کو بصد عجز جھکا رکھا ہے
اس قدر چاند کو ہے عشق ترا اے مہرو
داغ الفت کو کلیجے سے لگا رکھا ہے

پیام یار نے اردو کی جو خدمت انجام دی ہے اس کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ منشی نثار احمد نثار نے پیام یار مارچ ۱۹۰۵ء میں ان خدمات کا ذکر کیا ہے۔

"آپ جانتے ہیں کہ "پیام یار" نے اس بائیس تیس سال کی مدت میں آپ کے ملک، آپ کی زبان اور آپ کی قوم کی کیسی خدمت کی ہے۔ اس نے شاعری کو زندہ رکھا اور اردو شعر کے مذاق کو ترقی دی۔ فی الحال بہت

سے نوجوان ملیں گے جو اس پرانی شاعری کو برا کہتے ہیں، مگر انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کے اس تغیر پسند مجتہدانہ مذاق نے پیام یار ہی کے آغوش میں پرورش پائی ہے اور اسی کو پڑھ پڑھ کے وہ اس قابل ہوئے ہیں کہ مفید یا غیر مفید اور مناسب یا غیر مناسب تغیر کے خواستگار ہوں۔ پیام یار نے ایسے ایسے مقامات میں شعر گوئی کا چرچا کر دیا جہاں اس سے پیشتر زبان اردو کا کوئی جاننے والا بھی کم تھا۔ بہت سے ایسے لوگ تھے جو موزوں کرنا بھی نہ جانتے تھے انہیں پیام یار نے ابھار ابھار کے شاعر بنا دیا۔"

مولانا حسرت موہانی نے بھی اپنے رسالہ اردوئے معلیٰ مئی ۱۹۱۲ء میں پیام یار کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

"پیام یار اردو زبان کے قدیم گلدستوں میں اگرچہ سب سے پرانا ہے۔ مگر ایک حیثیت سے اس کا مقابلہ اور کوئی دوسرا رسالہ یا گلدستہ نہیں کر سکتا کہ یہ وقت اجرائے سے آج تک عارضی تعویق سے قطع نظر کر کے اس کی اشاعت کبھی موقوف نہیں ہوئی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ منشی نثار حسین مرحوم ایڈیٹر پیام یار اردو کے سب سے پرانے خادم تھے۔"

پیام یار کو "زبان" دہلی مورخہ فروری ۱۹۱۰ء میں جناب دبیر سے ان الفاظوں سے یاد کیا ہے:

"پیام یار کی عمر کا کوئی رسالہ ملک میں موجود نہیں بوجہ قدامت خاص اعزاز کا مستحق ہے اور اپنی قدیم وضع کو جس طرح بنتا ہے نباہے چلا جاتا ہے۔ اس کے تین حصے ہیں ایک مضامین کا دوسرا غزلیات کا اور

تیسرا ناول کا حصہ مضامین محمد عمر صاحب جذب سابق سوز لکھنوی کا مضمون "مقدس گنگا پر" دلچسپی شوق سے پڑھنے کے قابل ہے۔"

منشی نثار احمد نثار لکھنوی: منشی نثار احمد صاحب عطر کا کاروبار کرتے تھے اور ان کی دکان چوک لکھنؤ پر تھی۔ چنانچہ اپنے کارخانے کا ان الفاظوں میں تعارف کراتے ہیں:

"اس سچے کارخانہ کی حسن معاملگی اور عمدگی مال سے ہندوستان کے اکثر رؤسا اور نامی تاجر واقف ہیں۔ لکھنؤ کی نمائش گاہ سے اس کارخانہ کو تمغہ اور سرٹیفکیٹ بھی ملا ہے۔ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں"

عطر کی شہر میں کافی دکانیں تھیں مگر منشی نثار حسین صاحب کے لٹریری ذوق اور ان کے حسنِ اخلاق کی وجہ سے ان کی دکان ہمیشہ ایک علمی اور لٹریری صحبت کا مرکز رہی۔ جس میں منشی عبدالحلیم شرر سے علامہ زماں اور منشی ریاض احمد ریاض جیسے جادو بیانوں کی نشست رہا کرتی تھی۔ جلال مرحوم اور حضرت تسلیم مرحوم بارہا اور مہینوں یہاں رونق افروز ہوئے۔ منشی اکبر حسین اکبر الہ آبادی اکثر آیا کرتے تھے۔ حضرت برہم اور خدا جانے کن کن باکمالوں کی اس دکان پر نشست رہی اور ہندوستان کا کون سا شاعر و نثار اور مشہور مصنف تھا جو اس دکان پر آ کے نہ بیٹھا ہو اور اس صحبت سے لطف نہ اٹھایا ہو۔ ملک میں جب ناولوں کا ذوق بڑھا تو اس میں منشی نثار احمد نے بہت کچھ حصہ لیا۔ چنانچہ مولانا شرر کا سب سے پہلا ناول "دلچسپ" کے دونوں حصے یکے بعد دیگرے ۱۸۸۴ء میں آپ ہی نے شائع کئے تھے اور اس کے بعد ۱۸۹۴ء میں انہوں نے مولانا شرر کا "فردوس بریں" ناول پبلک کے سامنے پیش کیا جو اس وقت اردو کا عدیم النظیر ناول تھا۔ اس کے بعد مولانا شرر کے مشہور ناول مقدس نازنین اور فتح اندلس پیام یار میں شائع ہوئے۔ مولانا شرر اور ریاض سے ان

کے ایسے تعلقات تھے تینوں حضرات کو بغیر ایک دوسرے کو دیکھے اور دم بھر کے لئے منشی نثار کی دکان پر آئے چین نہیں پڑتا تھا۔ پیام یار منشی نثار احمد کی وجہ سے سال بہ سال ترقی کر رہا تھا۔ بڑی بڑی معرکہ کی طرحیں ہوئیں جس پر امیرؔ، داغؔ، جلالؔ، یاسؔ اور حضرت تسلیمؔ و ریاضؔ اور اکبرؔ وغیرہ جیسے پیمبرانِ نظم اردو نے طبع آزمائی کیں[1]۔

ان واقعات کی تائید مولانا حسرت موہانی بھی فرماتے ہیں:

لاریب منشی نثار حسین مرحوم کی دکان کا آخر تک یہی حال رہا کہ شام کو جو شخص ادھر جا نکلتا اسے کسی نہ کسی مشہور شاعر یا ادیب کی زیارت ضرور نصیب ہو جاتی تھی۔ اس وقت دنیائے ادب اور شاعری میں جن لوگوں کا نام آفتاب بن کر چمک رہا ہے ان میں سے اکثر کی شاعری کا آغاز عند التحقیق ضرور پیام یار کے ابتدائی پرچوں کے ساتھ وابستہ ہوگا ۱۸۸۲ء کی جلدوں میں تلاش کرنے سے مولوی عبدالحلیم شررؔ، مولوی عزیز مرزا مرحوم اور مولوی ظفر علی خاں کی بھی غزلیں اور اشعار موجود پائے جائیں گے۔

(اردوئے معلی علی گڈھ مئی ۱۹۱۲ء)

مولانا عبدالحلیم شررؔ نے اپنے دوست منشی نثار احمد صاحب کے انتقال کی حسب ذیل خبر دلگداز جنوری ۱۹۱۱ء میں شائع کی تھی:

"ہم نہایت حسرت و اندوہ سے ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارے پرانے دوست منشی محمد نثار حسین مہتمم پیام یار مالک قومی پریس نے ۲ جنوری ۱۹۱۱ء کو اس جہان فانی سے سفر آخرت کیا۔ ۱۳۲۸ھ کے خاتمہ کے ساتھ ان کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا۔ مرحوم کو کچھ اوپر ایک سال ہوا اپنے بڑے بیٹے کے انتقال

---

[1] یہ مضمون منشی اکبر حسین خلف منشی نثار احمد نثارؔ ایڈیٹر پیام یار نے ماتمی پرچے فروری ۱۹۱۱ء میں اپنے والد کے حالات پر لکھا تھا۔

کا اس قدر صدمہ ہوا تھا کہ دل و دماغ روز بروز جواب دیتے جا رہے تھے بہت کچھ علاج کیا مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ آخر نمونیہ کا ایسا حملہ ہوا کہ تین چار روز کے اندر کام تمام ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔"

منشی نثار پختہ گو شاعر تھے۔ کلام پر قدرت حاصل تھی۔ ان کا کلام بہت کم دستیاب ہوتا ہے۔ اپنے پرچے میں اپنا کلام بہت کم شائع کرتے تھے۔ ؎

یا الٰہی وہ سلامت رہے آباد رہے
جس کے قابو میں ہمارا دل ناشاد رہے

بھول بیٹھے ہیں کہے کچھ تو انہیں یاد رہے
چھیڑ کرتی ہوئی ان سے مری فریاد رہے

بھول جائیں دم محشر جو گلے ہوں دل میں
نہ ہمیں یاد رہے کچھ نہ تمہیں یاد رہے

دل ویراں میں کسی کے نہ کبھی ہم رہتے
ایسے اجڑے ہوئے گھر میں تمہیں آباد رہے

اس چمن میں رہے دو دن بھی نہ آزاد نثار
ہم نشیمن میں رہے تاک میں صیاد رہے

یوں خاطریں رقیب کی صاحب نہ کیجیے
ایسا نہ ہو کہ کہنے لگیں سب عدو پسند

ہم ہیں وہ درد دوست کہ روز ازل نثار
چپکے سے چھانٹ لائے دل آرزو پسند

جھوک سے دامن کے گھبراتے ہیں وہ
حشر میں پھر کون دامن گیر ہو

ناامیدی ہو تو آجاتا ہے صبر
آہ وہ اچھی جو بے تاثیر ہو

بیکسی چنتی ہے ذرے خاک کے
ہائے وہ مدفن جو یوں تعمیر ہو

اشک کر گذریں گے کام اپنا نثار
نامۂ اعمال تو تحریر ہو

(پیام یار جون ۱۸۸۲ء)

۱۸۸۳ء

آئینۂ ہند لاہور محلہ سید مٹھا سے یکم جنوری ۱۸۸۳ء کو یہ ماہانہ رسالہ ۲۴ صفحات پر جاری ہوا۔ مالک لالہ رنگی رام مختار تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے چھ آنے تھا۔ مطبع آریہ پریس میں چھپتا تھا۔

حامی ہند قصبہ کڑا ضلع الہ آباد مولوی سید فریدالدین احمد خاں رئیس کڑا سب جج آگرہ نے یکم جنوری ۱۸۸۳ء کو مطبع ہند کان پور، مہتمم سید نبی اشرف نے نکالا۔ ۱۸۸۵ء سے ہفتہ وار سولہ صفحات پر شائع ہونے لگا۔ ہر یک شنبہ کو نکلتا تھا۔ سرپرست راجہ امیر حسن والیٔ ریاست محمود آباد، مولانا ذکاءاللہ پروفیسر میور کالج وغیرہ تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا۔

آزاد غازی پور محلہ لال دروازہ سے یکم جنوری ۱۸۸۳ء کو یہ ہفتہ وار اخبار چار صفحات پر شائع ہوا۔ مالک منشی محمد خاں لکھنوی سعیدی تھے۔ ہر جمعہ کو نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ تین روپے بارہ آنے تھا۔ مطبع خیر خواہ خلائق میں طباعت ہوتی تھی۔

یہ اخبار خیر خواہ خلائق کا ضمیمہ تھا۔

ست پرکاش بانس بریلی سے یہ ماہانہ علم و اخلاق و تصوف کا رسالہ یکم جنوری ۱۸۸۳ء کو آٹھ صفحات پر نکلا۔ اردو اور ہندی زبانوں میں شائع ہوتا تھا۔ مہتمم لالہ کشن لال ایم اے وکیل ہائی کورٹ، سب ایڈیٹر پنڈت چھیدی لال بی اے پروفیسر گورنمنٹ کالج و اسکول تھے۔ سالانہ چندہ پانچ روپیہ تھا۔ مطبع دبدبۂ قیصری میں چھپائی ہوتی تھی۔

زبدۃ الاخبار رنگون مغل اسٹریٹ سے یکم جنوری ۱۸۸۳ء کو یہ ہفتہ وار اخبار بارہ صفحات پر نمودار ہوا۔ ہر چہارشنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک حکیم شیخ فرید صاحب تھے۔ سالانہ چندہ نو روپیہ تھا۔ مطبع محمودی میں چھپتا تھا۔

کلید قوانین لاہور محلہ بازار سید مٹھا سے یکم جنوری ۱۸۸۳ء کو یہ رسالہ وجود میں آیا جو ماہانہ تھا۔ بانی لالہ نرسی رام خلف لالہ میاداس مختار عدالت ہائے پنجاب تھے۔ اس میں عدالتوں کے فیصلے وغیرہ شائع ہوتے تھے، قانونی رسالہ تھا۔

مشاعرہ دہلی دہلی متصل کلاں محل چھتہ حکیم آغا جان سے یہ شعر و سخن کا ماہانہ رسالہ یکم جنوری ۱۸۸۳ء کو جلوہ گر ہوا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ مہتمم مرزا یعسوب بیگ عامل تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ چودہ آنے تھا۔ محمود المطابع میں طباعت ہوتی تھی۔

گلشن ریاضی آگرہ سے یکم جنوری ۱۸۸۳ء کو یہ ماہانہ تعلیمی رسالہ جاری ہوا جس کے ۴۸ صفحات تھے۔ مالکان مولوی خواجہ یوسف علی و منشی امیر الدین تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ مطبع آگرہ میں چھپائی ہوتی تھی۔

مفتاح القوانین اجمیر شریف سے یہ ماہانہ قانونی رسالہ ۱۲ جنوری ۱۸۸۳ء کو نکلا سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک منشی نندکشور بی اے

پروفیسر آگرہ کالج تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے آٹھ آنے تھا۔

سلطان الظرفا

لکھنؤ محلہ اصطبل نواب آصف الدولہ متصل تکیہ دا تا شاہ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۴ جنوری ۱۸۸۲ء کو جاری ہوا۔ مہتمم ڈاکٹر اسحاق خاں تھے آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ دھرم پرکاش پریس کپور تھلہ میں چھپتا تھا۔ اس کا دوسرا نام مسٹر پنچ تھا۔

لکھنؤ پنچ

لکھنؤ محلہ اشرف آباد سے یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر ۸ جنوری ۱۸۸۲ء کو شائع ہوا۔ ہر دوشنبہ کو شائع ہوتا تھا۔ مالک گوری شنکر مہتمم اودھ بہاری لال، ایڈیٹر عاشق لکھنوی تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ چار آنے تھا مطبع اخبار ہند میں طبع ہوتا تھا۔

حدیقہ روزگار

رنگون محلہ مغل سٹریٹ سے ۹ جنوری ۱۸۸۲ء کو یہ اخبار ظہور پذیر ہوا۔ روزانہ تھا۔ منیجر حکیم شیخ فرید تھے چار صفحات پر مشتمل تھا۔ مطبع محمودی میں طباعت ہوتی تھی۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا۔

شرف الاخبار

بہار شریف محلہ خانقاہ ضلع پٹنہ سے یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر ۹ جنوری ۱۸۸۲ء کو شائع ہوا۔ ہر پنجشنبہ کو نکلتا تھا۔ مہتمم مقبول حسین صاحب تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ مطبع شرف میں چھپائی ہوتی تھی۔

دھرم جیون

لاہور محلہ کھدر کالی متصل بچھو والی سے یہ پندرہ روزہ اخبار ۱۲ جنوری ۱۸۸۲ء کو نکلا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک پنڈت شیو نرائن اگن ہوتری، ایڈیٹر پربھا دی ستیہ نند اگن ہوتری تھے۔ یہ اخبار قومی سنیاس دھرم کا تھا۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ مطبع برامہ پرچار میں چھپتا تھا۔

یہ اخبار راجہ رام موہن رائے کے خیالات کا حامی اور ان کا ہم نوا تھا۔ اس

اخبار کے سرورق پر حکومت برطانیہ کا سرکاری نشان ہے جس کے دائیں اور بائیں اور اوپر جھنڈا لگا ہوا ہے اور جھنڈوں کے درمیان مکمل روحانی زندگی، لاانتہا ترقی، روحانی آزادی لکھا ہوا ہے۔ نشان کے ارد گرد گیان، بھگتی، جوگ، کرم، پریم، پوترتا، گرہست دسنیاس درج ہے اور اس کے نیچے جلی حرفوں میں تحریر ہے دھرم جیون حاصل کرد، دھرم سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے، دھرم سب کے لئے میٹھی چیز ہے۔

یہ اخبار پہلے نیو امپیریل پریس لاہور میں سید رجب علی شاہ کے اہتمام میں ۳۱راگست ۱۸۸۶ء تک چھپتا رہا۔ ۱۵رستمبر ۱۸۸۶ء سے براہمہ پرچار پریس میں چھپنے لگا۔ یہ پریس براہمہ سبھا نے لگایا تھا۔ اسی طرح ۹ جنوری ۱۸۸۷ء سے یہ اخبار ہفتہ وار ہو گیا تھا۔ ہر اتوار کو نکلتا تھا اور سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔

تقریباً یہ پورا اخبار آریہ سماج کی مخالفت سے پر ہے اس کو جو بھی صورت بن آتی ہے یہ آریہ سماج کی مخالفت میں کسر اٹھا کر نہیں رکھتا۔ چنانچہ مسلمان، سکھ، عیسائی حتیٰ کہ قادیانیوں کے اخبارات اور رہنماؤں کے مضامین و بیانات جو آریہ سماجیوں کی تردید میں شائع ہوتے تھے ان کو جلی سرخیوں میں شائع کرتا تھا۔ اس اخبار کی غرض وغایت کیا ہے وہ اس کی زبان سے سن لیجئے۔

> " (دھرم جیون) میں پرماتما کے نئے عطیے اور مکمل دھرم کی بے بہا سچائیوں اور جیون مکتی اور دیوجیون کے متعلق نئے اور عالمگیر اصولوں کا ذکر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ آریہ سماج کے افسوسناک حالات اور سوشل امور پر بلا لاگ لپیٹ انصاف کی بنا پر بحث ہوتی ہے اور بہت سی عام دلچسپ خبریں بھی مشتہر ہوتی ہیں۔"

یہ اخبار راجہ رام موہن رائے کے نظریوں کے مطابق ہندو قوم کی اصلاح چاہتا تھا۔ یہ بیواؤں کی شادی کا حامی اور فضول رسموں اور چھوت چھات کا سخت ترین

دشمن ہے۔ ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکدینا چاہتا ہے۔

جب اس قسم کی کوششوں میں کامیابی نظر آتی ہے، چھوت چھات میں کمی محسوس ہوتی ہے اور بیواؤں کی شادی کی طرف لوگوں کے رجحان کو بڑھتے ہوئے دیکھتا ہے تو یہ اخبار ایسی خبریں بھی شائع کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ ملاحظہ ہو ۱۵ر جنوری ۱۸۸۶ء کا شمارہ۔

"ایک نجی خط سے معلوم ہوا کہ ایک ڈاکٹر صاحب جو ذات کے برہمن ہیں اور ہندوستان (اضلاع شمالی و مغربی) کے ایک مشہور و پرانے شہر کے رہنے والے ہیں، اب ایک مشہور شہر میں جو ہندوؤں کا تیرتھ استھان ہے۔ اپنے پیشے کا کام کرتے ہیں ایک برہمو بیوہ کے ساتھ برہمو طریق کے موافق شادی کرنا چاہتے ہیں۔۔ ۔ ۔۔ ۔۔ بنگال کے بڑے بڑے شہروں میں اب تعلیم کی بدولت کھانے پینے کے متعلق پچھلا چھوت چھات کا چھوتا خیال اور قیود کا بیجا طریق صاف ہو گیا ہے۔ کھانے پینے کے بارے میں لوگ ذات کی چھوٹی قیدوں کی مطلق پرواہ نہیں کرتے۔ ریل کے ایک ہی بینچ پر بیٹھے ہوئے اب سب ذات کے لوگ کھانا کھاتے دیکھے جاتے ہیں۔"

آریہ سماج اور اس کے بانی دیانندجی کی مخالفت میں اس اخبار کے کافی صفحے سیاہ ہیں۔ لیکن ہمیں اس میں زیادہ الجھنا نہیں ہے۔ نمونتاً ۳۰ر نومبر ۱۸۸۶ء کے پرچے میں سوامی جی سے ایک سوال کیا گیا ہے صرف اس کے نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

"آریہ گزٹ مطبوعہ ۱۵ر اگست ۱۸۸۶ء میں پنڈت دیانندجی کے جیون چرت کے ضمن میں ایک رئیس اور پنڈت جی کے درمیان جو سوال و جواب چھپے ہیں ان میں سے ایک سوال و جواب یہ ہے:

س: کیا رام لیلا دیکھنا دوش ہے؟

پنڈت صاحب نے فرمایا" ہاں وِدوش، ہے ہزار ہتیا کے برابر ہے۔

یہ جواب پنڈت جی نے ویدک کلام الٰہی کے موافق ہی دیا ہوگا مگر افسوس ہے کہ پچھلے رام لیلا کے میلے میں سینکڑوں دیانندوں نے اس ہزار ہتیا کے پاپ کی کچھ پرواہ نہیں کی کیا اس میں بھی برادری سے خارج ہونے کا ڈر شامل تھا۔ درحقیقت پنڈت دیانند کی یہ تعلیم بھی مثل انہیں پرانوں کی تعلیم کے ہے کہ جن کی نسبت وہ فرمایا کرتے تھے کہ ان کے لکھنے والوں نے بھنگ کے لوٹے چڑھا کر لکھا ہے ۔ ہم جواب کے منتظر ہیں۔"

اس وقت جب کہ ہندوستان میں انڈین نیشنل کانگرس کا ابتدائی زمانہ تھا، عوام میں حکومت برطانیہ کی کھلم کھلا مخالفت کرنے کی ہمت نہیں تھی اور خواص کی بھی یہی حالت تھی۔ چنانچہ یہ ہر دو طبقے اپنے مطالبات کا اظہار وفادارانہ طریقے سے کرتے تھے جس میں خوشامد کا عنصر بہت زیادہ ہوتا تھا۔ ۱۸۸۶ء میں کانگریس کا اجلاس ہوا اس کی کارروائی اور تجویزیں دھرم جیون مورخہ ۹ جنوری ۱۸۸۷ء میں شائع ہوئی ہیں جن کا انداز یہی ہے۔

"لارڈ میکالے کی موہوم امید پوری ہوئی۔ نیشنل کانگرس کا جلسہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ جو ہندوستان کی پولیٹکل تاریخ میں ایک نیا زمانہ سمجھا جائے گا اور ہمیشہ یاد رہے گا۔ پچھلے سال بمبئی میں اس قسم کا جلسہ ہوا تھا مگر اس سے یہ دوسری دفعہ کا جلسہ بہت بڑھ چڑھ کر ہوا۔ انڈیا کے ہر ایک صوبے سے ڈیلی گیٹ شامل ہوئے۔ پنجاب، سندھ، اضلاع مغربی وشمالی، اودھ، بمبئی، مدراس، وسط ہند اور بنگال سے جس قدر ڈیلی گیٹ کانگریس میں شریک ہوئے۔ ان کی تعداد تقریباً چار سو ہوگی۔ ہر ملک کے آدمی وضع قطع، طریق برتاؤ اور مذہب وغیرہ کے

اعتبار سے بالکل مختلف تھے۔ لیکن پولٹیکل تعلق اور ملک کے عام نفع اور
نقصان کے اعتبار سے ایک تھے اور اسی اتفاق نے انہیں سینکڑوں
کوسوں سے لاکر اکٹھا کر دیا تھا۔ ان کے ٹھہرنے کے لیے پارک اسٹریٹ
میں تین بڑے بڑے عالیشان مکان مقرر کئے گئے تھے۔ ہوڑہ اسٹیشن
پر پہنچنے کے وقت سے ہی وہ مثل مہمان کے سمجھے گئے اور ان کے کھانے
پینے اور سواری وغیرہ کا کل انتظام کیا گیا۔ ۲۷ر دسمبر ۱۸۸۶ء کو دوپہر
کے قریب سب صاحبان ایک مکان میں اکٹھے ہوئے جہاں ایک
دوسرے سے ملتے جلتے اور شیک ہینڈ کرتے رہے۔ پھر ٹاؤن ہال
میں جانے کی تیاری ہوئی جہاں کل ڈیلی گیٹ لوگوں کی خوش آمدید
کی تقریب میں ایک بہت بڑا جلسہ عام منعقد کیا گیا تھا۔ یہاں پر
عام لوگوں سے تشخیص پیدا کرنے کی غرض سے سب ڈیلی گیٹ لوگوں کو
چھوٹے چھوٹے گلاب کے ریشمی پھول تقسیم کئے گئے جو ہر ایک نے نہایت
خوشی سے اپنی اپنی چھاتی پر پن کے ذریعہ لگائے۔ پھر گاڑیوں پر
سوار ہو کر سب صاحبان ٹاؤن ہال روانہ ہوئے۔ ٹاؤن ہال میں
ہزاروں کا مجمع تھا۔ اس قسم کا بڑا جلسہ آج تک کلکتہ میں نہیں ہوا۔
کل انڈیا کے مختلف حصوں سے صدہا آدمیوں کا آپ خرچ کرکے
اور سینکڑوں میل کا سفر طے کرکے صرف ملک کی بھلائی کے لئے
اکٹھا ہونا اور عام پولٹیکل بھلائی اور اپنے کل تفرقوں کو بھول جانا
اور بلا خیال ملت، ذات اور برادری اتفاق کرکے ایک جگہ شامل
ملک کی پولٹیکل اصلاح کے بارے میں تدبیریں سوچنا ایسے ملک
میں جہاں پھوٹ کا میوہ گھر گھر پیدا ہوتا ہے کیا ایک عجیب

بات نہیں؟ کیا ملک کی حالت اور آئندہ کی بھلائی اور آنے والی نسلوں کے لئے ایک نہایت امید بخش فال اور علامت نہیں؟ بیشک یہی وجہ تھی کہ ٹاؤن ہال کے جلسہ میں کیا ڈیلی گیٹ اور کیا عام حاضرین سب میں ایک قسم کا قومی جوش پایا جاتا تھا۔ اس عالی شان جلسہ میں اول ڈاکٹر راجندر لال صاحب مترا ایل۔ ایل۔ ڈی۔ سی۔ آئی ای جلسہ کے میر مجلس قرار پائے جنہوں نے کھڑے ہو کر اپنی تقریر میں ملک میں ایک نئی قوم بننے کی ابتدا میں نہایت خوشی ظاہر کی اور مبارک باد دی اور کل ڈیلی گیٹ لوگوں کو کلکتہ کے باشندگان کی طرف سے ویلکم کیا جس کے بعد کانگریس کے جلسوں کے لئے مسٹر دادا بھائی نوروجی پریسیڈنٹ منتخب کئے گئے۔ دادا بھائی نوروجی ایک بزرگ ہیں کئی دفعہ انگلینڈ گئے ہیں اور مدتوں وہاں رہے ہیں۔ پولیٹیکل امور کے اعتبار سے بہت بڑے لائق اور تجربہ کار سٹیٹسمین ہیں اپنے ملک کے سچے اور دلی خیر اندیش ہیں اور ان چند لوگوں میں سے ہیں کہ جن پر سچے ملک دوست کا خطاب فی الحقیقت سج سکتا ہے۔ ان کے جلسے میں شریک ہونے اور کانگرس کے پریسیڈنٹ قرار پانے پر تمام حاضرین نے نہایت جوش ظاہر کیا اور بڑی گرمجوشی سے تالیاں بجائیں اور خوشی کے نعرے بلند کئے۔ جس کے بعد دادا بھائی نے ایک نہایت عمدہ تقریر کی اور بتلایا اس ملک میں جب کہ صرف ہندوؤں کی سلطنت تھی اور مثل بکرماجیت وغیرہ کے راجے راج کرتے تھے اس وقت بھی اس قسم کے جلسے کا ہونا ناممکن نہ تھا۔ ایسا جلسہ کہ جس میں کل ملک کی بھلائی کو مدنظر رکھ کر صرف ہندوؤں کے ہی مختلف

فرقے [illegible] بلکہ مسلمان اور ہمارے دیسی عیسائی بھائی بھی شامل ہیں۔

پھر انہوں [illegible] کر کیا۔ کیا گورنمنٹ سچ مچ ہمارے اس قسم کے [illegible] کو بغاوت پر مبنی سمجھتی ہے؟ ہرگز نہیں چنانچہ انہوں نے کہا کہ ہمارے مخالفین اینگلو انڈین صاحبان جو چاہیں سو کہیں مگر گورنمنٹ ہمیں ایسا نہیں سمجھتی۔ اس کی شہادت میں انہوں نے چند فقرے سر یارٹل فیر کے اور کچھ الفاظ گورنمنٹ ہند کی ایک چٹھی سے پڑھ کر سنائے اور ان تمام برکتوں کا اختصار کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد کہ جو انگریز گورنمنٹ کے طفیل ہم کو نصیب ہوئی ہیں انہوں نے یہ بیان کیا کہ پچھلے سال کانگریس کے جلسہ نے جو ریزولیوشن پاس کئے تھے ان کا کہاں تک نتیجہ نکلا ہے اور گورنمنٹ کی طرف سے کہاں تک ان پر توجہ اور ان کی نسبت کارروائی عمل میں آئی ہے۔ صاحب پریسیڈنٹ کی تقریر کے ختم ہونے پر بابو جے کشن مکرجی صاحب رئیس کلکتہ نے چند الفاظ کہے۔ آپ کی عمر تقریباً اسی برس کی ہے اور اس قدر ضعیف ہیں کہ بولتے وقت ان کے الفاظ کو قریب کے آدمی بھی بمشکل سن سکتے تھے۔ مگر پھر بھی اس عمر اور ضعف کی حالت میں چپ نہیں رہ سکے بلکہ اس جلسہ میں شریک ہوئے۔"

"۲۸ دسمبر ۱۸۸۶ء کو برٹش انڈین ایسوسی ایشن کے مکان میں کانگریس کا پہلا جلسہ منعقد ہوا۔ مسٹر دادا بھائی جو ان جلسوں کے لئے پریسیڈنٹ قرار پاچکے تھے وہ اس کے پریسیڈنٹ بنے۔ اس جلسہ گاہ میں ایک طرف پنجاب ہندوستان اور اودھ کے آدمی بٹھائے گئے بمبئی کے دوسری طرف، مدراس کے تیسری طرف اور بنگال کے چوتھی طرف۔

اس جلسہ میں جو ریزولیوشن پیش ہوئے اور جن پر ڈیلی گیٹوں نے بحثیں اور تقریریں کیں وہ یہ تھے:

"(اول) یہ کانگریس کہ جس میں انڈیا کے کل حصوں کے ڈیلی گیٹ شامل ہیں نہایت انکساری اور دلی عقیدت کے ساتھ ہر موسٹ گریشن میجسٹی کوین ایمپرس کی خدمت میں ان کی قابل یادگار، نیک اور شاندار سلطنت کے اس مبارک سال کے اختتام پر کہ جو نصف صدی کے بعد عنقریب آنیوالا ہے، مبارک باد دیتی ہے اور دل سے آرزو رکھتی ہے کہ وہ اعلیٰ برٹش سلطنت پر آئندہ بھی اسی طور سے حکمراں رہیں۔"

"(دوم) یہ کانگریس انڈیا کی آبادی میں روزمرہ افلاس کی ترقی کو دیکھ کر جہاں ایک طرف نہایت دلی ہمدردی کا اظہار کرتی ہے دوسری طرف اس حالت کو نہایت خوف کی نظر سے دیکھتی ہے اور باوجود اس بات سے واقف ہونے پر کہ گورنمنٹ اس کی طرف سے بالکل غافل نہیں ہے بلکہ اس کے دور کرنے کے لئے کچھ تدبیریں سوچ رہی ہے یہ اپنے اس یقین کے تحریر کرنے سے نہیں رک سکتی کہ ریپریزنٹیٹو انسٹی ٹیوشن ان ضروری اور مناسب تدبیروں میں ایک بڑی تدبیر ہوگی کہ جس سے ملک کے افلاس کے دور ہونے میں مدد مل سکتی ہے۔"

"(سوئم) یہ کانگریس ۱۸۸۵ء کی کانگریس میں جو تیسرا ریزولیوشن پاس کیا گیا اس کی نہایت زور سے پھر داد دیتی ہے اور صاف طور سے اس بات کا اظہار کرتی ہے کہ کیا سپریم اور کیا لوکل دونوں قسم کی کونسلوں کی اصلاح اور ان میں وسعت دینے کی جو تحریک کی گئی ہے وہ کیا انڈیا اور کیا انگلینڈ دونوں ملکوں کے تعلق اور فائدہ کے لحاظ سے ایک لازمی

امر ہو گیا ہے"۔

"(چہارم) ریزولیوشن پبلک سروس کمیشن اور سول سروس کے بارے میں تھا۔ اس کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔"

اس زمانہ میں کانگریس میں ہندو قوم زیادہ حصہ لے رہی تھی اور وہی نمایاں نظر آتی تھی مسلمانوں کے انگریزی داں طبقہ میں سرسید مرحوم کی قیادت مسلمہ تھی۔ وہ مسلمانوں کو ایسی تحریکوں اور کاموں اور جماعتوں سے جس سے حکومت برطانیہ کی نگاہوں میں مسلمانوں کی وفاداری مشکوک ہو شامل ہونا نقصان دہ سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت کو بہتر نہیں سمجھا اور کانگریس میں شامل ہونے کی مخالفت کی چنانچہ اخبار دھرم جیون مورخہ ۳ جنوری ۱۸۸۷ء کے ایک مضمون میں سرسید مرحوم کی مخالفت کرتے ہوئے سخت الفاظ میں نکتہ چینی کی ہے۔

"افسوس یہ ہے کہ جہاں ڈاکٹری علاج سے برطرف رکھتے ہیں جو خبریں مشتہر ہیں وہ جاہل لوگوں کی اڑائی ہوئی ہیں۔ وہاں نیشنل کانگریس جیسے ملک کے عظیم الشان کاموں سے برطرف رکھنے میں حائل نہیں بلکہ ان مسلمانوں نے کوشش کی ہے جو پڑھے لکھے اور لیئق آدمی کہلاتے ہیں۔ ہاں ان میں بعض وہ لوگ بھی شامل ہیں کہ جو مسلمانوں کے خیر خواہ اور لیڈر سمجھے جاتے ہیں۔ ہم خود ایسے لائق آدمیوں کی دلی خیر خواہی اور نیک نیتی کی نسبت کچھ شبہ نہیں رکھتے مگر ان کی غلط فہمی پر بیشک سخت افسوس کرتے ہیں کسی ملک میں رہ کر صرف کسی ایک جماعت کی بھلائی کا بیڑہ اٹھانے اور اسی ایک جماعت کا بھلا سوچنے میں عموماً انسان تنگ دل اور تنگ خیال ہو جاتا ہے اور یہی حالت ان دنوں مولوی سید احمد خاں صاحب اور ان کے ہم خیالوں کی

ہے۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ اگر ہم ہندوؤں سے نہ ملیں اور اینگلو انڈین جو ہم کو پھٹے رہنے کا مشورہ دیتے ہیں ان کے مشورہ پر چلتے رہیں تو ہم اس طور پر گورنمنٹ کی نگاہ میں بہت عزیز ہو جائیں گے اور گورنمنٹ ہم پر عام کمپی ٹیشن اور قاعدہ کے برخلاف خاص رعایت کر کے ہمیں سلطنت میں دخیل ہونے کا زیادہ موقع دے گی۔ یہ خیال ان کا نہایت کوتہ اندیشی پر مبنی ہے اور اس نادانی کا ثبوت پا کر وہ ایک دن اسی طور سے افسوس کریں گے جس طور سے تعلیم کی ترقی میں پیچھے رہ کر اب افسوس کرتے ہیں۔ ہندو لوگ جس پولیٹکل دوڑ میں آگے بڑھ رہے ہیں مسلمانوں کا اس سے پیچھے رہنا اگرچہ ہندوؤں کے لئے بھی عام قومی طاقت کے اعتبار سے نقصان کا باعث ہے مگر خود مسلمانوں کے لئے اس سے بھی بڑھ کر نقصان پہنچانے والا ہے۔ کیونکہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ فاتح اور مفتوح میں جو قدرتی فرق ہے اسے کوئی بھی مٹا نہیں سکتا۔ پس مسلمان ہزار اینگلو انڈین کی خوشامد کریں وہ ان کو نہ صرف وہی مفتوح کے مفتوح بلکہ کچھ عرصہ میں ہندوؤں کی نسبت بھی بہت ذلیل سمجھیں گے۔ پس نہایت نادانی ہوگی اگر مسلمان اپنے مفتوح بھائیوں کا ساتھ نہ دیں اور اپنے ملک والوں کے ساتھ چولی دامن کا تعلق نہ رکھ کر اینگلو انڈین کے ساتھ ملنے کی کوشش کریں اور چند ٹکڑوں کے پیچھے اپنے ملک کی ہمیشہ کی روٹی سے ہاتھ دھونے کی نوبت پہنچا دیں۔ نیشنل کانگرس میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جو کل انڈیا اور انڈیا کے کل باشندوں پر یکساں اثر نہ رکھتا ہو۔ پس اس سے اپنے تئیں برطرف رکھنا درحقیقت اپنے پیر میں آپ کلہاڑی مارنا ہے۔ خوشی کی بات

ہے کہ اس بیہودہ علیحدگی کی پالیسی کو کل ملک ہند کے اور بہت سے مختلف حصوں کے سمجھدار مسلمان بخوبی سمجھتے ہیں اور وہ نیشنل کانگریس کے مطلب اور اس کی بڑھنے والی مقدرت سے واقف ہیں اور مثل اپنے نادان بھائیوں کے اس سے الگ رہنا نہیں چاہتے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارے وہ مسلمان بھائی بھی جو غلط فہمی سے اب تک اپنے تئیں علیحدہ رکھنے کی پالیسی کو درست سمجھے بیٹھے ہیں وہ غور کرکے اصلیت کو سمجھ کر اس سے پرہیز کریں گے اور ایسی کوشش کریں گے جس سے ایک ایک انڈین نیشن بننے کی جو بنیاد رکھی گئی ہے اس کو کل انڈین لوگوں کے باہمی اتفاق اور میل سے دنوں دن ترقی حاصل ہو اور ہماری پولٹیکل طاقت کو روز بروز عروج نصیب ہو۔"

۱۸۸۶ء کے اور آجکل کے کانگریس مینوں کی ذہنیت میں (جبکہ ملک آزاد ہوگیا ہے اور انگریز ہندوستان سے چلا گیا ہے) کوئی فرق نہیں آیا ہے قریب قریب وہی حالت ہے۔ حال میں ملکۂ انگلستان ہندوستان آئی جس طرح کسی ملک کے غلام اپنے آقا پر پانی کی طرح روپیہ بہاتے ہیں اسی طرح کانگریسی حکومت نے لاکھوں روپیہ اس کے استقبال پر خرچ کیا۔ اخبار دھرم جیون بھی پکا کانگریسی اخبار ہے۔ ۱۸۸۷ء میں جب ہر میجسٹی کوئن ایمپریس کا جشن جوبلی منایا گیا تو اس نے اس خوشی میں ایک ضمیمہ مورخہ ۱۶ فروری ۱۸۸۷ء شائع کیا جس میں عقیدت کا اظہار ان الفاظ سے کیا۔

"اے ہماری نہایت پیاری قیصر ہند! آج کا جشن جوبلی تیرے لئے اور تیری اولاد اور تیری کل شاہی نسل کے لئے مبارک ہو۔ تجھے طبعی عمر اور صحت نصیب ہو اور روحانی پاک برکتوں سے تیری روح

مالامال ہو۔ تیری سلطنت اور تیرا اقتدار قائم رہے اور تیری رعیت کے حق میں زیادہ سے زیادہ خوشحالی اور ترقی کا باعث ہو۔ ہمارے ملک کو تیری حکومت کے زیر سایہ جو سینکڑوں طرح کے فیض پہنچے ہیں ان کے لئے ہم تیری گورنمنٹ کے صدق دل سے احسان مند ہیں۔ جان و مال کی حفاظت، ملک میں اندرونی امن و امان، ڈاک ریل، تار، سڑکوں اور نہروں کا آرام، علم کی وسعت اور ترقی کے لئے ہم تیری گورنمنٹ کا جس قدر شکریہ ادا کریں تھوڑا ہے۔ مگر ان فوائد سے سینکڑوں درجے بڑھ کر جس چیز کی خاص کر ہم بہت بڑی قدر کرتے ہیں وہ تیری دی ہوئی زبان، پریس اور شخصی اور دینی آزادی ہے جس کے لئے شکر گذاری ظاہر کرنے کے لئے ہمارے پاس کافی الفاظ نہیں ہیں۔ پرماتما کی روشنی تیری گورنمنٹ کی رہبر ہو اور انصاف اور نیکی کی بنا پر دنوں دن تیری سلطنت مستحکم ہو اور تیری انڈین رعایا کو آئندہ ان کل شکایتوں اور تکلیفوں سے سبکدوشی حاصل ہو کہ جس سے بوجھ سے وہ اب تک ہلکے نہیں ہو سکے۔ خداوند کریم تیرا ہمیشہ کے لئے حامی، ساتھی، محافظ اور مددگار رہے اور تیری گورنمنٹ ہمارے ملک کے لئے اس سے بھی بڑھ کر فیض بخش ثابت ہو جس قدر وہ اب تک ثابت ہوئی ہے۔ تیری رعایا اور تیرے مبارک عہد میں پرماتما کے نئے عطیہ یعنی دیو دھرم کی غریب پرچارکوں کی اس مبارک موقعہ پر بھی دعا ہے۔ آمین!"

کوئی بھی حکومت ہو وہ عوام میں بیداری پیدا ہونے کو اچھا نہیں سمجھتی اور مخالفت بھی خواہ وہ کسی قسم کی ہو برداشت نہیں کرتی۔ اس کے برعکس عوام میں

بیداری کو ختم کرنے کے لئے اپنے حامیوں سے منصوبے بنواتی ہے۔ چنانچہ کانگریس کی مخالفت میں اینگلو انڈین لوگوں نے آوازیں اٹھائیں اور جو بھی قدم کانگریس اٹھاتی تھی وہ اس کی مخالفت کرتے تھے۔ اس وقت ہندوستان کی سوشل و مذہبی جماعتوں اور کانگریس نے مطالبہ کیا تھا کہ ہندوستانیوں کو اونچی ملازمتوں میں جگہ ملنی چاہئے اس سے متاثر ہو کر حکومت نے تحقیقات کے لئے کمیشن مقرر کیا۔ جس کے خلاف اینگلو انڈین پریس اور ان کی انجمنوں نے لکھنا اور درخواستیں بھیجنا شروع کر دیں جس پر ۱۰ اپریل ۱۸۸۷ء کے شمارے میں اس طبقہ کی تنگ نظری کو بے نقاب کیا گیا ہے۔

"پبلک سروس کمیشن نے جو کچھ تحقیقات کی ہے اس کی رپورٹ اب تک اس نے لکھنی بھی شروع نہیں کی کہ اس کی شہادتوں کو دیکھ کر ہمارے اینگلو انڈین لوگوں کو فکر پڑ گیا۔ البرٹ بل کے وقت جن جیار کے کارخانے والے انگریزوں نے خاص کر بہت شور مچایا تھا۔ انہیں کے مجمع کے سکریٹری مسٹر ہڈسن نے جو کمیشن میں شامل کئے گئے تھے، اب ناجائز شور برپا کرنا شروع کیا ہے۔ ان کی چھٹی کے چھپنے اور پانیر کے آرٹیکل کے نکلنے سے جھٹ کلکتہ کی چیمبرس آف کومرس کے تجارت پیشہ اینگلو انڈین نے گورنمنٹ کی خدمت میں ایک بیہودہ عرضداشت روانہ کی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر کمیشن مذکور کی سفارش کے موافق ججی، مجسٹریٹی، ڈپٹی کمشنری یا کلکٹری کے عہدہ دیسیوں کو دیئے گئے تو سول سروس میں ایک طوفان آجائے گا اور اصل حکومت کی باگ ان ہی کے ہاتھ میں آجائے گی پھر ہمارا ٹھکانا کہاں لگے گا۔ ہم لوگ اس سے بالکل اجڑ جائیں گے اور اس سے گورنمنٹ انگریزی کی سلطنت کی بنیاد بھی کمزور ہو جائے گی۔ اس بیان کے ساتھ یہ

دھمکی دی گئی ہے کہ اگر ایسا ہی ہوا تو پھر انگریزی کمپنیوں کا جو روپیہ اس ملک میں لگا ہوا ہے اور جس سے اس ملک کی تجارت کو اس قدر فروغ حاصل ہے وہ سب روپیہ ہم لوگ اس ملک کے کام میں نہیں لگا سکیں گے کیونکہ اس میں خطرہ ہے اور ایسے ملک میں جائیں گے جہاں اس قسم کا خطرہ نہ ہو۔ خوب! اول تو مثل ریلوے وغیرہ کے کاموں میں جو سرمایہ لگ چکا وہ ایسا نہیں کہ پھر واپس جا سکے۔ دوم اگر دیسیوں کی زندگی کی کنجی تمہارے ہی کارخانوں کے ہاتھ میں ہے تو ہم کہتے ہیں کہ جس قدر جلد تم اس تجارت سے ہاتھ دھوؤ اسی قدر ہمارے لئے بہتر ہے۔ ایسی صورت میں کچھ دن کی تکلیف ضرور ہوگی مگر آخر کار ہماری ضرورتیں ہمیں اپنی قومی سستی اور بے پرواہی کی طرف سے باز آنے کے لئے مجبور کریں گی اور ہم خود ہوش میں آکر اپنی ضروری چیزوں کا آپ فکر کریں گے۔ ہم ایسی بیہودہ دھمکی کو ہرگز برداشت کرنا نہیں چاہتے بلکہ اگر ہمارا بس ہو تو فوراً ہم یہ حکم جاری کر دیں کہ اچھا اگر تم لوگ اپنے غریب ہم جنسوں کے حقوق کے دشمن ہو اور ان کے حقوق کو دبانے کی غرض سے اس قسم کی دھمکی دیتے ہو تو بس اب تم جہاں کل اپنا سرمایہ ملک سے اٹھا لے جانا چاہتے ہو وہاں آج لے جاؤ۔"

شحنۂ ہند

میرٹھ محلہ اندر کوٹ مکان مرزا حسین بیگ سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم، ۸، ۱۶، ۲۴ تاریخوں میں ۲۰ جنوری ۱۸۸۲ء کو شائع ہوا صفحات کی کوئی تخصیص نہیں تھی۔ مالک و ایڈیٹر جناب مولوی احمد حسن صاحب شوکت تھے۔ سالانہ عام چندہ سات روپیہ تھا۔ شوکت المطابع میں چھپتا تھا۔

ایڈیٹر صاحب کی زبانی سن لیجئے کہ "شحنۂ ہند" کیا شے ہے: "اردو لٹریچر کا ریفارمر، دیسی انشاء پردازی اور نظم و نثر کا استاد، پولٹیکل اور سوشیل معاملات کا جرنل، صحیح و فصیح انشاء پردازی کا دریا، مغربی اور مشرقی روشنی کا مقابلہ کر کے خذ ما صفا ودع ما کدر پر عمل سکھانے والا، کانٹے دور کر کے پھول چننے کی ہدایت کرنے والا، مسلمانوں پر توحید و سنت کی خوبیاں شرکت و بدعت کی برائیاں ظاہر کرنے والا۔"

اس اخبار میں غیر ملکی حالات و خبریں زیادہ اور ملکی خبریں کم ہوتی تھیں، خاص طور پر "بہار دکن کے حالات" کے لئے مخصوص عنوان مقرر تھا۔ تقریباً ہر اشاعت میں ان کی خبریں ضرور شائع ہوتی تھیں، معلوماتی، تاریخی اور اصلاحی مضامین بھی ہوتے ہیں ایڈیٹر صاحب غیر مقلد یعنی اہل حدیث طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے اس طبقہ کے عقائد کی یہ اخبار ترجمانی کرتا ہے۔ رفعیدین وغیرہ مسائل پر طبع آزمائی ہوتی تھی۔ حنفی اور اہل حدیث حضرات سے جو مقابلہ یا مقدمہ بازی ہوتی تھی، اس کو جانبدارانہ طور پر اہل حدیثوں کی حمایت میں نمک مرچ لگا کر شائع کرتا تھا۔ جناب شوکت حقیقۃً علم و فضل میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ فارسی اردو کے قدیم و جدید شعراء کے کلام پر انہوں نے جو تنقید کی ہے اور اصلاح سے بھی نوازا ہے اس میں زیادہ حصہ یقیناً یادگار ہے اور قابل قدر اور قابل مطالعہ ہے۔ چنانچہ ہمیں اس قسم کا جتنا بھی مواد دستیاب ہوا ہے اس کو اسی بنا پر مکمل طور پر نقل کیا ہے۔ سیاسی اعتبار سے یہ اخبار کٹر قسم کا کانگریسی ہے۔ کانگریس کے مخالفوں کی تردید میں لکھتا رہتا تھا۔

جب سے کانگریس کی بنیاد رکھی گئی ہے اس وقت سے یہ بات عام طور سے مشہور ہے کہ کانگریس ہندوؤں کی جماعت ہے اس سے ہندو ہی فائدہ اٹھائیں گے۔ چنانچہ اس خیال کی تردید میں بدرالدین طیب جی صدر آل انڈیا کانگریس نے اپنا ایک بیان پائیر اخبار میں شائع کرایا تھا جس کو ۲۴ اپریل ۱۸۸۸ء کے شحنۂ ہند میرٹھ نے نقل کیا ہے۔

"چونکہ بہت غلط فہمی خصوصاً جو میرے ہم مذہبوں کے دلوں میں کانگریس کی گذشتہ اور آئندہ کارروائی کی بابت ہے۔ اس سلسلے میں چند سطریں آپ کو لکھتا ہوں۔ جس اصول پر کانگریس کی کارروائی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ صرف ایسے مسئلے در پیش ہوں جن پر ہندو اور مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ اگرچہ کوئی تحریری قاعدہ اس قسم کا نہیں مقرر ہوا تھا مگر جب مجھ کو مدراس کی کانگریس کا پریسیڈنٹ ہونے کی عزت حاصل ہوئی تو میں نے ان مسئلوں کو ہرگز پیش نہ ہونے دیا جو کسی مذہب سے تعلق رکھتے تھے یا جن پر تینوں پریسیڈنٹوں کا عملی طور پر اتفاق نہ تھا یا جن میں مسلمان ہندوؤں کے خلاف تھے یا ہندو مسلمانوں کے۔ مجھ کو اس بات کا خیال تھا کہ کانگریس ٹھیک طور سے قومی کانگریس نہیں کہی جا سکتی اگر اس میں کوئی ایسا ریزولیوشن پاس ہو جس کے کل ہندو یا مسلمان ڈیلی گیٹ مخالف ہوں۔ میں سمجھتا تھا کہ میرے بہت سے مسلمان دوست اسی واسطے کانگریس میں شریک ہونے میں تامل کرتے ہیں آئندہ کانگریس میں اس اصول پر عملدرآمد نہ ہوگا اور ممکن ہے کہ ایسے ریزولیوشن بسبب ہندوؤں کی کثیر تعداد ہونے کے پاس ہوں جو مسلمانوں کے خلاف منشا ہوں۔ اگرچہ خود مجھ کو کبھی اس قسم کے خطرے نہیں ہوئے تاہم میں نے مناسب سمجھا کہ اس قسم کا خاص قاعدہ مقرر ہو۔ چنانچہ میں نے جنرل سکریٹری سے درخواست کی کہ اس باب میں کانگریس کی کمیٹیوں کی رائے دریافت کرے۔ اب میں نہایت خوشی سے اطلاع دیتا ہوں کہ کل بارہ کمیٹیوں نے اس قاعدہ کو منظور کر لیا ہے جو میں نے پیش کیا تھا اور کسی مضمون پر جس کے مسلمان

ڈیلی گیٹ مخالف ہوں گے، کانگریس میں بحث نہیں ہوگی پس امید کرتا ہوں کہ میرے ان کل مسلمان بھائیوں کو جو اپنے ہندو ہم وطنوں کے ساتھ عام فلاح کے کاموں میں شریک ہونا چاہتے ہیں اس قاعدہ کے مقرر ہو جانے سے اب کوئی وجہ اس قسم کی اندیشہ کی باقی نہ رہے گی کہ کانگریس میں شریک ہونے سے ان کو ایسے ریزولیوشنوں میں شریک ہونا پڑے گا جس کے وہ دل سے خلاف ہیں۔ میں نہیں چاہتا ہوں کہ کانگریس کے فوائد یا اس کے مناسب ہونے پر عام بحث کروں اور اسی لئے قصداً اس باب میں کچھ نہیں کہتا ہوں۔ میں اپنے مسلمان بھائیوں سے صرف اتنا کہتا ہوں کہ اگر تمہاری رائے میں ایسے مسئلے بھی ہیں جن پر ہندو اور مسلمان دونوں کو اتفاق ہو تو آؤ اور ان پر کانگریس میں بحث کرو اور اس بات کے لئے کوشش کرو جس پر تم سب متفق ہو۔ اگر کوئی چیز ایسی پیش ہو جس کو تم ناپسند کرتے ہو تو آؤ اور اس کی مخالفت کرو اور مذکورہ بالا قاعدہ کے موافق وہ خارج کی جائے گی۔ اس صورت میں تمہاری مخالفت کانگریس میں شریک ہو کر زیادہ قوی اور پر اثر ہوگی، بہ نسبت اس کے کہ بیرونی طرف سے کرتے ہو۔"

شحنۂ ہند کے اسی شمارے میں سرسید مرحوم کا جواب بھی شائع ہوا ہے جو انہوں نے بدرالدین طیب جی کے بیان پر دیا ہے اس کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

"میرے معزز دوست خود تسلیم کرتے ہیں کہ ہندو مسلمانوں کے کچھ اغراض و مقاصد مختلف بھی ہیں اور کچھ متحد بھی ہیں اور وہ چاہتے کہ جو مختلف اغراض اور ایک دوسرے کے مخالف ہیں ان کو چھوڑ کر صرف اغراض

متحدہ کانگریس میں پیش ہوں مگر اس حالت میں وہ کانگریس نیشنل کانگریس کیونکر ہو سکتی ہے اور پھر ہمارے دوست نے ہم کو نہیں بتایا کہ جو مختلف اغراض ہندو مسلمانوں کے باقی رہ گئے فریقین کو ان کے حاصل کرنے کے لئے کیا تدبیر اختیار کرنی چاہئے کیا ہم کو یہ کرنا چاہئے کہ ہم مسلمان ایک اور کانگریس اپنے ان مختلف اغراض کے پورا کرنے کے لئے اور ہندو جدا ایک کانگریس اپنے ان مختلف اغراض کو پورا کرنے کے لئے قائم کریں اور جو ان دونوں کے اغراض باہم متضاد و متناقض ہیں تو وہ دونوں کانگریسیں آپس میں خوب مقابلہ بلکہ مقاتلہ کرتی رہیں اور جب اس کانگریس میں شریک ہوں جس کو میرے دوست نیشنل کانگریس قرار دیتے ہیں۔

خود ہمارے دوست کو انصاف کرنا چاہئے کہ ایسی قومیں جن کے اغراض و مقاصد ایک دوسرے کی ضد ہیں گو کہ کوئی جزوی امر متحد بھی ہو، کوئی نیشنل کانگریس قائم کر سکتی ہے۔ ... میں غور کرتا ہوں کہ اگر ان اصولوں پر جو میرے دوست نے اپنی چٹھی میں قرار دیئے ہیں اور جن کو انہوں نے بر وقت پریسیڈنٹ ہونے کے بتاتا تھا اور ان مسئلوں کو جن میں مسلمان ہندوؤں کے برخلاف تھے یا ہندو مسلمانوں کے "کانگریس میں پیش ہوتے نہیں دیا تھا۔ اگر پورا پورا عمل کیا جاوے تو کانگریس میں باقی کیا رہ جاتا ہے جس مسئلہ پر کہ ہم مسلمان اور ہندو آپس میں متحد ہو سکتے ہیں اور جس میں درحقیقت متحد ہونا چاہئے اور میری بھی نہایت آرزو ہے کہ اس میں متحد ہوں وہ ہم دونوں کی سوشیل حالت ہے۔ ہم دونوں کی خواہش ہے کہ ملک میں امن رہے۔ ہم دونوں قومیں ملک میں برادرانہ

طور پر زندگی بسر کریں. ایک دوسرے کا معین و مددگار اور ہمدرد ہو اپنی اپنی قوم کے لوگوں کو دبا کر مذہبی رنجشوں کو جو آپس میں ہو جاتی ہیں ، نہ ہونے دیں. سوشل حالت میں ترقی کریں اور جو مخالفتیں روز بروز دونوں قوموں میں زیادہ ہوتی جاتی ہیں ، ان کو دور کرنے کی کوشش کریں غرض کہ جن مسئلوں پر ہم دونوں کا اتفاق ہو سکتا ہے وہ بالکل سوشیل امور سے متعلق ہیں. اگر ان مقاصد کے لئے کانگریس قائم ہوتی تو سب سے پہلے میں اس کانگریس کا پریسیڈنٹ ہوتا اور میرے دوست کو پریسیڈنٹ ہونے کی تکلیف نہ ہوتی. مگر جب کانگریس ایک پولٹیکل کانگریس ہے تو کوئی اصولی پولٹیکل مسئلہ ایسا نہیں ہے اور خصوصاً وہ جن کے لئے دراصل کانگریس قائم ہوئی ہے جو مسلمانوں کے برخلاف نہ ہو. یہ امر واجب ہو یا ناواجب مگر ایک مسلمان مرچی سے لے کر ایک رئیس تک اس بات پر راضی نہ ہوگا کہ ہماری حالت ایسی ہو جائے کہ ہم دوسری قوم کے جو ہمارے ساتھ رہتی ہے حلقہ غلامی میں آجائیں ... میرے دوست بدرالدین طیب جی ان جزوی اور ناچیز مسئلوں کو چھوڑ کر جو ہندو مسلمان دونوں میں مشترک ہوں (کیونکہ دنیا میں کوئی چیز ایسی جس میں کچھ نہ کچھ کوئی مشترک چیز نہ ہو یہاں تک کہ سور میں اور انسان میں بھی بہت سی چیزیں مشترک ہیں) مجھ کو بتلا دیں کہ وہ کونسا پولٹیکل اصولی مسئلہ ہے جو کانگریس میں پیش ہو سکتا ہے اور مسلمانوں کے برخلاف نہیں ہے. سب سے مقدم مسئلہ وائسرائے کی کونسل میں الیکشن کا ہے. میں نے لکھنؤ کی اسپیچ میں ثابت کیا ہے کہ کوئی طریقہ الیکشن کا اختیار کرو ہندوؤں کی تعداد بہ نسبت مسلمانوں کے چوگنی ہوگی اور

جو ان کی خواہشیں ہوں گی وہ کامیاب ہوں گی اور کل ملک کی قانونی حکومت بنگالیوں کے ہاتھ میں ہوگی اور مسلمان نہایت ذلت کی حالت میں پڑ جائیں گے۔"

جناب احمد حسن صاحب شوکت ایڈیٹر شحنۂ ہند نے یکم جون ۱۸۸۸ء کے شمارے میں اپنے مخصوص انداز میں سر سید کے بیان کا جواب دیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

"معلوم نہیں نیشنل کانگریس میں کیا بھنگ مل گئی ہے کہ تمام سید شاہی فریق اس کو دیکھ نہیں سکتا۔ نیشنل کانگریس نے انہیں جائز حقوق کے استحصال کا اظہار کیا ہے جو ہندوستان کے ہر ایک لائق اور تعلیم یافتہ شخص کے کانشنس میں گڑے ہوئے ہیں۔ سید شاہی گروہ کا بڑا عذر لنگ یہ ہے کہ بنگالی لیاقت میں، علم میں، تہذیب میں زیادہ ہیں ہندو تعداد میں زیادہ ہیں پس مسلمان ان کے مقابلہ میں ہرگز کامیاب نہ ہوں گے۔ ہم کہتے ہیں کہ اول تو ایسے بےہودہ پوچ دلائل سے اپنی قوم کو ذلیل کرنا اور اس کی اولوالعزمی اور فراخ حوصلگی کو پست فطرتی سے بدل دینا ہے۔ ۔ ۔ نیشنل کانگریس تو اپنے علانیہ اصول اور کھلم کھلا کارروائیوں سے یہ دکھا رہی ہے کہ ہم برٹش گورنمنٹ کی نمک حلال اور وفادار رعایا ہیں۔ ہم اپنے حقوق اسی طرح گورنمنٹ سے اس کے پرانے وعدوں کے موافق طلب کرتے ہیں جس طرح ایک وفادار اور مہذب رعایا کسی منصف اور آزاد گورنمنٹ سے طلب کرتی ہے اور نہ صرف بنگال بلکہ تمام ہندوستانیوں میں بغاوت اور نافرمانی گورنمنٹ کا مادہ ہی نہیں اور سید شاہی پارٹی یہ کہتی ہے کہ ہندوستانیوں میں بغاوت کا مادہ موجود ہے اور گورنمنٹ کو خود اپنی وفادار رعایا

پر اعتماد نہیں اور نیشنل کانگریس بالکل گورنمنٹ کے اصول کے خلاف اور ایک ناجائز مجمع ہے اور اگر مسلمان اس مجمع میں شامل ہوئے تو وہ بھی باغی ہو جائیں گے۔"

یقیناً مولانا شوکت قابلیت ولیاقت اور فہم و فراست اور شعر فہمی میں جواب نہیں رکھتے تھے۔ لیکن ان کی قلم میں متانت و سنجیدگی اور بردباری نہیں ہے۔ بعض جگہ تو بہت عامیانہ پن پایا جاتا ہے۔ ان کی زبان اپنی تعریف میں انتہائی غلو کے درجہ پر پہنچ جاتی ہے جو اچھی نہیں لگتی۔ فارسی اور اردو کے نامی شعرار کے کلام پر انہوں نے جو اعتراضات کئے ہیں اور اصلاح بھی دی ہے بعض حد تک صحیح ہے۔ انسان غلطیوں کا مرکب ہے معصومیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ غلطیاں سرزد ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

مولانا شوکت مرحوم نے عرفی، صائب، غالب، انیس و دبیر، داغ و امیر مینائی وغیرہ کے کلام پر جو اعتراض کئے ہیں اور اصلاح فرمائی ہے وہ درج کی جاتی ہے۔

۸ر دسمبر ۱۸۹۲ء کے شمارے میں عرفی کے کلام پر تبصرہ فرماتے ہیں:

"بیچارے اردو شعرار تو کیا چیز ہیں ہم بڑے بڑے شعرار فارس کے کارنامے عالی نظر ناظرین کے پیش کر کے انکشاف حقیقت کرتے ہیں عرفی نے خاقانی کے قصیدے کے جواب میں قصیدہ لکھا ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے:

دلِ من باغبانِ عشق و حیرانی گلستانش
ازل دروازهٔ باغ و ابد حد خیابانش

عرفی کا یہ شعر بالکل اوٹ پٹانگ اور اناپ شناپ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ازل سے لے کر ابد تک حیرت ہی حیرت ہے کیونکہ عشق میں حیرت کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن خبط یہ ہے کہ عرفی عشق کا تو باغبان ہے اور

حیرانی گلستاں ہے گویا باغ اور شے ہے اور گلستاں اور شے، اور گلستاں کو باغ کا ایک حصہ قرار دیا جائے تو دوسرا مصرعہ اس کا مشاعد نہیں کیونکہ اس میں وسعت باغ و خیاباں کو ہے نہ گلستاں کو۔ پس حیرانی عام و تام نہ ہوئی یعنی عرفی کا مطلب شعر سے نہ نکلا۔ بلکہ خارج سے جو در حقیقت نکیر وارد کرتا ہے۔ پس یہ شعر یوں ہونا چاہیے۔ ؎

دلم نظارہ عشق است و حیرانی گلستانش
ازل دروازۂ اول ابد تحدید پایانش

عالی نظر ناظر غور فرمائیں گے تو اصل شعر کا نقص اور اصلاح کی خوبی اور بلندی خود عیاں ہو جائے گی۔ ان دونوں شعروں کے جواب میں حسان الہند شوکت بھی قلم برداشتہ فی البدیہہ ایک شعر حمد الٰہی میں چست کرتا ہے۔ ؎

دلم خضر کلام است و سویدا آبِ حیوانش
خطابش طور سینا و قلم موسیِ عمرانش

غور و فکر سے ملاحظہ فرمائیے یہ شعر چاروں چول برابر ہے۔ سویدا سے خواہ سویدا قلب مراد رکھو یا سوادِ تحریر، دونوں موزوں ہیں لیکن کچھ کمال نہیں۔ مضمون کے جواب میں مضمون لکھا گیا ہے فرمائیے تو دو چار، دس بیس، پچاس سو شعر خاقانی اور عرفی کے قصیدوں کے جواب میں لکھ دیئے جائیں جو فصاحت و بلاغت میں کسی طرح کم نہ ہوں گے بلکہ زیادہ ہوں گے۔

عرفی کا پہلا قصیدہ جو اس نے حمد میں لکھا ہے شعراء کے نزدیک بہت

معرکۃ الآرا ہے اس کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔ ؎

نورِ حیرت در شبِ اندیشۂ اوصافِ تو
بس ہمایوں مرغِ عقل از آشیاں انداختہ

مصرعہ اولیٰ میں تتابع اضافات کے علاوہ نورِ حیرت عجب متناقض ترکیب ہے کیونکہ حیرت میں کچھ نظر نہیں آتا پس تاریکی ہونی چاہیے۔ مصرعہ ثانیہ میں بس ہمایوں برائے بیت ہے اس کے جواب میں حسان الہند کا شعر لیجیے۔ ؎

تیرِ ترکِ قہر بیں چوں ترک شد لاتقربا
مرغِ جنت آشیاں را از آشیاں انداختہ

حضرت آدم و حوا علیہما السلام کے قصہ کی جانب تلمیح ہے کہ گیہوں کھایا اور خلد سے نکالے گئے۔ عرفی نے ایک دوسرا قصیدہ بہت زبردست لکھا ہے، اس کا پہلا شعر یہ ہے۔ ؎

صبح دم چوں در دمد دل صور شیوں نالۂ من
آسماں صحنِ قیامت گردد از غوغائے من

کس قدر بے معنی اور خلافِ واقع مضمون ہے کہ دل کوئی بانسلی یا نرسنگا یا ڈھول یا بگل نہیں جس سے چیخ چنگھاڑ نکلے ہاں آہ و نالہ لکھتا تو موزوں تھا۔ صبح دم کی تخصیص بھی فضول ہے۔ کیا شام اور دوپہر کے وقت سنکھ یا قرنا نہیں بج سکتے۔ پس پہلا مصرعہ یوں ہونا چاہیے۔

ع یارب من در دمد چوں صور شیوں نالۂ من"

۸ ستمبر ۱۸۹۰ء کے اخبار میں عرفی اور صائب کے کلام پر اعتراض اصلاح فرمائی ہے۔

عرفی کہتا ہے۔ ؎

بحفظ گریہ مشغولم اگر بینی درونم را
زدل تا پردۂ چشم دو شاخ ارغواں بینی

مطلب یہ ہے کہ میں نے چونکہ اپنے گریہ کو ضبط کر رکھا ہے پس اگر میرا اندرونی حال دیکھے گا تو دل سے پردۂ چشم تک انجما و اشک خون سے ارغواں کی دو شاخیں نظر آئیں گی۔ حق یہ ہے کہ اندرونی مگر خیالی حالت کی تصویر کھینچ دی ہے۔ اگر عرفی بحفظ گریہ مشغولم کی جگہ بضبط گریہ مشغولم لکھتا تو بہت صاف اور مناسب ہوتا۔

صائب لکھتا ہے۔ ؎

از خسیساں چارہ نبود مردم بگزیدہ را
می شود گاہے ببرگ کاہ حاجت دیدہ را

یعنی اچھے اور برگزیدہ لوگوں کو نا اہلوں اور خسیسوں کے پاس التجا لے جانے سے چارہ نہیں ہوتا کیونکہ جب آنکھ پھڑکتی ہے تو اس پر تنکا لگا دیتے ہیں۔ اگر دوسرا مصرعہ یوں ہوتا۔ ؎

می شود با برگ خس ہم گاہ حاجت دیدہ را"

مولانا شوکت غالب کی عزت کرتے تھے اور مرزا غالب کو اچھے شعرا میں مانتے تھے چنانچہ انہوں نے مرزا غالب کے دیوان کی شرح بھی لکھی ہے۔ لیکن غالب نواز حضرات میں سے جالب دہلوی سے ان کی چپقلش ہو گئی اس وقت انہوں نے مرزا غالب کو بھی نہیں بخشا اور مرزا غالب کے کلام میں عیب اور نقص نکالے جن کو ۸ جون ۱۸۹۶ء کے شمارے میں تحریر کیا ہے۔

"ہم کو میاں جالب دہلوی سے تو کیا کسی سے بھی عناد نہیں کیوں کہ

شحنہ ہند ایشیائی شعراء کا رفارمر اور مجدد ہے اور دل میں عناد رکھنا رفارمروں کی شان نہیں۔ البتہ جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ شحنہ ہند کی تجدید فن اور اس کے کمال و جوہر کو دل میں تو تسلیم کرتے ہیں مگر خواہ مخواہ کے حسد یا اپنی کسر شان کے باعث اقرار کرتے ہوئے ان کی زبان لکنت کھاتی ہے تو ہمارے عزیز میاں جالب ہی فرمائیں کہ یہ رنج اور صدمہ پہنچنے کی بات ہے یا نہیں . . . . اچھا صاحب خاقانی، انوری، متنبی، حماسہ کو جاننے والے آجکل کے شعرا اپنے سلسلہ کا پیوند حضرت غالب مرحوم دہلوی سے بڑے فخر کے ساتھ ملاتے ہیں مگر غالب کے رنگ پر لکھنا تو کجا کوئی صاحب غالب کا کلام سمجھ ہی لیں۔ کوئی صاحب غالب کے مندرجۂ ذیل اشعار کا مطلب تو بتائیں۔ ؎

نہیں ہے زخم کوئی بخیہ کے درخور مرے تن میں
ہوا ہے تارِ اشکِ یاس رشتہ چشمِ سوزن میں

مصرعہ اولیٰ میں ترکیب بخیہ کے درخور دور اجنبی ہے۔ اگر یوں کہتا

نہیں ہے زخم کوئی درخور بخیہ مرے تن میں

یا یوں کہتا ؏

نہیں ہے زخم کوئی قابل بخیہ مرے تن میں

تو کیا حیرانی تھی۔ غالب کے پوتے اور پڑپوتے اور نام لیوا اس کا جواب دیں مگر سمجھ کر۔ اور لیجیے۔ ؎

ہوئی ہے مانع شوق تماشا خانہ ویرانی
کفِ سیلاب باقی ہے برنگِ پنبہ روزن میں

اگر غالب کے دونوں مصرعوں میں تھوڑا سا تصرف ہو کر یہ شعر یوں ہو جائے تو عمدہ ہے یا نہیں۔ سہ

ہوئی سدِ رہِ شوقِ تماشا خانہ ویرانی
کیفِ سیلاب حائل ہے برنگِ پنبہ روزن میں

بھلا اسی غزل کے مندرجہ ذیل شعر کو سمجھ کر اصلاح کی عمدگی یا سقم تو بتائیں۔ سہ

ودیعت خانۂ بیداد کاوشہائے مژگاں ہوں
نگینِ نام شاہد ہے مرے ہر قطرۂ خوں تن میں

مصرعہ اولیٰ میں لفظ "کاوش" موزوں نہیں اور مصرعہ دوئم میں مضاف و مضاف الیہ کے مابین "مرے" کا تداخل کھٹکتا ہے۔ اصلاح سہ

ودیعت خانۂ دل بستۂ بیدادِ مژگاں ہوں
نگینِ نام خود شاہد ہے ہر یک قطرۂ خوں تن میں
بیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستاں کی
شبِ مہ ہو جو رکھ دیں پنبہ دیواروں کے روزن میں

مصرعہ اولیٰ میں بیان کس سے ہو فضول اور حشو ہے یوں ہونا چاہئے۔

ع دکھائے جلوہ ظلمت گستری میری شبستاں کی
ہوئے اس مہروش کے جلوۂ تمثال کے آگے
پرافشاں جوہرِ آئینہ میں مثلِ ذرہ روزن میں

اگر دوسرا مصرعہ یوں ہو تو کیسا۔ ع پرافشاں جوہر آئینہ مثلِ ذرہ روزن میں

نکوہش مانعِ بے ربطی شورِ جنوں آئی
ہوا ہے خندۂ احباب بخیہ جیب و دامن میں

اگر دوسرا مصرعہ یوں ہو تو کیسا۔ ع

ہوا ہوم کا خندہ بخیہ چاک جیبؔ دامن میں"

۲۴ر دسمبر ۱۸۹۳ء کے شمارہ میں انیسؔ و دبیرؔ کے کلام پر نکتہ چینی کی گئی تھی جس کا جواب نجم الاخبار میں اس کے ایک نامہ نگار نے دیا تھا۔ اس کا جواب مولانا شوکتؔ نے یکم نومبر ۱۸۹۳ء کے اخبار میں دیا ہے اس میں ان کے اعتراض اور نجم الاخبار کی تردید دونوں ہیں۔ اس لئے اس شمارے کی عبارت نقل کی جاتی ہے۔

"ہم نے دبیرؔ کے اس شعر کے مصرعہ اولیٰ میں۔ ؎

کرتا ہے تہی دست تنا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

یوں اصلاح دی تھی۔ ؎

کرتا ہے تنگ ظرف ثنا آپ اپنی

اس پر لائق نامہ نگار نے "تہی دست" اور "تنگ ظرف" کی خوبی کو ماہران فن کی سمجھ پر منحصر کیا ہے۔ اصلاح کو کسی معقول دلیل سے نہیں توڑا۔ ہمارا مطلب یہ تھا کہ لکھنؤ والے لفظی تناسب پر زیادہ گرے ہوئے ہیں۔ پس یہاں دوسرے مصرعہ کی مناسبت پر لحاظ کرکے تنگ ظرف ہی موزوں ہے۔ لائق نامہ نگار کو لازم تھا کہ اپنے ادعائے کو شعرائے مستند کے کلام سے ثابت کرتا، کہ تہیدست اسی شخص کو بولتے ہیں جو اوصاف حمیدہ سے مبرا اور معرا ہو۔ ورنہ یہ تو ہر شخص کا مذاق قبول کرے گا کہ جو شخص آپ اپنی تعریف کرے اسے کوئی نہیں کہتا کہ تہی دست ہے ہاں آپ اپنی تعریف کرنے والے کو تنگ ظرف سب کہیں گے۔" ارے میاں منشی خیر محمد صاحب

بڑے ہی تنگ ظرف ہیں یہ تو آپ اپنی تعریف کرتے پھرتے ہیں۔"
یہ کوئی نہیں کہتا کہ" بابو دلیر محمد صاحب بڑے ہی تہی دست ہیں جو آپ اپنی تعریف کرتے پھرتے ہیں۔" پھر انیسؔ کے اس شعر میں۔ سہ

اللہ رے پیری میں ہوسِ دنیا کی
تھک جاتے ہیں جب پاؤں تو سر پھرتا ہے

ہم نے مصرعہ اولیٰ میں یوں تصرف کیا تھا ؏

اللہ رے پیری میں ہوس کا چکر

اس اصلاح سے شعر میں جو عمدہ تناسب پیدا ہو گیا اس کو لائق نامہ نگار نے تسلیم کر لیا۔ تاہم اصل شعر اور ہماری اصلاح کا فیصلہ سخن شناس و با مذاق ناظرین کی رائے پر چھوڑا۔ پھر انیسؔ کے اس شعر کے مصرعہ اولیٰ میں۔ سہ

یا رب ترا نام پاک جپنے کے لئے
گویا اک ہڈیوں کی مالا ہوں میں

ہم نے یوں تصرف کیا تھا۔ ؏

پیری میں خدا کا نام جپنے کے لئے

اس اصلاح میں ہمارے لائق نامہ نگار کو مزہ نہیں آیا۔ انشاء اللہ اب آجائے گا۔ واضح ہو کہ اس رباعی میں انیسؔ کے عالم پیری اور رجا تب عدم چل چلاؤ کا سماں باندھا ہے اور ظاہر ہے کہ پیری اور ضعیفی میں ہڈیوں کا تابوت نکل آتا ہے گوشت سوکھ جاتا ہے۔ بیشک بیماری میں بھی سوکھ کر پنجر ہو جانا ممکن ہے۔ لیکن یہاں انیسؔ اپنی بیماری وغیرہ کی شکایت نہیں کرتا بلکہ پیری کی حالت بیان کرتا ہے۔ پس لفظ پیری سے

ہڈیوں کی مالا ہو جانے کا پورا ثبوت ہو گیا۔ لائق نامہ نگار نے انیس کی تین رباعیاں ناظرین کے تفنن طبع کے لئے اور بھی درج کی ہیں لہذا جو فی الحقیقت قابل اصلاح ہیں ان میں ہم اصلاح دیتے ہیں۔ ہم کو اپنے شعراء سے ضد اور تعصب نہیں مگر چونکہ ہم ایشیائی زبانوں کے مجدد اور رفارمر ہیں پس واقعی اصلاح ہمارا فرض ہے۔ امید ہے کہ ان اصلاحوں کو دیکھ کر لائق نامہ نگار اپنے کانشنس سے کام لے گا۔ یعنی وہی شہادت دے گا جو کانشنس دلوائے۔ رباعیات انیس۔ ؎

مرمر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے
رخ سب سے پھرا کے منہ دکھایا ہے تجھے
کیوں کر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں اے قبر
میں نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے

شعر اول دوسرے مصرعہ میں "رخ سب سے پھرا کے" غلط اور بے معنی ہے رخ پھیرنا بولتے ہیں نہ کہ رخ پھرانا۔ پھرانا چکر دینے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ رُخ نہ تو کوئی گرھے ہے نہ پھرکی ہے جس کو پھرایا جائے۔ پس یہ مصرعہ یوں ہونا چاہئے۔ ع

رُخ پھیر کے سب سے منہ دکھایا ہے تجھے

دوسری رباعی ؎

پُتلی کی طرح چشم کو منظور ہے تو
آنکھیں جسے ڈھونڈھتی ہیں وہ نور ہے تو
قربت رگِ جاں سے اور اس پہ یہ بُعد
اللہ اللہ کس قدر دور ہے تو

GIRLS COLLEGE ACC. NO. 52441 LIBRARY

مصرعہ اولیٰ میں اگر منظور کے معنی دیدہ شد لئے جائیں تو بے معنی ہیں کیونکہ تیل آنکھ کو نظر نہیں آتی۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے۔ ؎

از ہر دیکے دیدہ بباید آموخت
دیدن ہمہ کس را ندیدن خود را

اور اگر منظور کے معنی "مسلّم" کے ہیں تو ملازم و مناسبت کا فور ہو جاتی ہے جس کے بغیر شعرائے لکھنؤ تنکا ہی نہیں توڑتے پھر دونوں مصرعوں میں تعارض ہے مصرعہ اولیٰ میں تو منظور ہے اور مصرعہ ثانی میں شاہد لم یزل کو آنکھیں ڈھونڈھ رہی ہیں۔ حضرت انیس غالباً مصرعہ اولیٰ لکھتے وقت سنی تھے کیونکہ مذہب اہل سنت و جماعت میں رویۃ اللہ تعالیٰ جائزۃ عند العقل وارد ہے اور مصرعہ ثانی لکھتے وقت شیعہ تھے کیونکہ مذہب شیعہ میں رویۃ اللہ تعالیٰ محال وارد ہے۔ یہ موقع اس بحث کا نہیں کیونکہ بہت بسیط ہے پھر اس رباعی کے شعر دویم کے مصرعہ اولیٰ میں جو دعویٰ کیا گیا ہے وہ دوسرے مصرعہ میں تمام و کمال ثابت نہیں کیا گیا یعنی دعویٰ تو قرب اور بُعد دونوں کا ہے اور ثابت کیا گیا ہے صرف بُعد۔ پس یہ شعر یوں ہونا چاہیے۔ ؎

قربت رگِ جاں سے اور اس پر یہ بُعد
کس درجے قریب کس قدر دور ہے تو"

یوں تو اردو شعراء کے کلام شائع کرنے کے لئے کافی گلدستے شائع ہوئے تھے لیکن پیام یار لکھنؤ کافی اہمیت رکھتا ہے۔ اس نے کافی شعراء کو زندگی بخشی ہے اور اچھی شہرت دی ہے۔ شحنۂ ہند کے شمارے ۱۶ فروری ۱۸۸۸ء میں منشی

امیر احمد امیرؔ مینائی اور منشی امیر اللہ تسلیمؔ جو اپنے وقت کے اساتذہ میں شمار ہوتے تھے ان کے کلام کو تولا ہے اور اصلاحی کسوٹی پر پرکھا ہے۔

۲۔ منشی امیر احمد صاحب امیرؔ استاد نواب رامپور۔ سہ

یہ کس بیدرد، کس ظالم پہ میرا دم نکلتا ہے
یہ رہ رہ کر کلیجہ چٹکیوں سے کون ملتا ہے

کوئی عمدہ بات نہیں بیدرد اور ظالم دونوں ایک ہیں حشو بے فائدہ۔ سہ

بہار آ پہنچی ہے شاید کہ دامان و گریباں میں
بہم یہ بحث ہے دیکھیں تو کون آگے نکلتا ہے

دامان و گریباں کا نکلنا بہت خوب ہے مگر "آ پہنچی ہے" کا دم گھٹا جاتا ہے اور "ہے" حشو بھی ہے۔ پہلا مصرعہ یوں ہونا چاہئے۔ ع

کہیں فصلِ بہار آئی کہ دامان و گریباں میں

کہیں شاید کے معنی میں استفہامؔ ہے خفا نہ ہوجئے۔ سہ

ذرا تو نشہ کم ہو تو یہ بڑھوا تا ہے کیا واعظ
کہ بیہوشی میں کچھ کہتا ہوں منہ سے کچھ نکلتا ہے

ماشاء اللہ بہت خوب ہے مگر اثر تو کھرّے کی بوتل چڑھا کر بہک جانے کا ہے جب ایک شرابی مدہوش ہے اور چاروں شانے چت پڑا ہے نشہ میں چیر غٹو ہے تو منہ سے کیا خاک بکے گا۔ اس کو تو اپنے نیفے کی بھی خبر نہیں۔ پس شحنہ کی رائے میں دوسرا مصرعہ یوں ہونا چاہئے۔ ع

کہ بدمستی میں کچھ کہتا ہوں منہ سے کچھ نکلتا ہے

ہم اتنی بات پر خوش ہیں کہ مذکور اپنی الفت کا
ہمیشہ ذکر حسنِ یار کے ہمراہ چلتا ہے

بات اچھی ہے مگر پہلے مصرعہ میں مذکور مفعول اور دوسرے میں ذکر مصدر، ذرا اختلاف ترتیب وفصاحت ہے بالخصوص اس صورت میں کہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوں پس پہلے مصرعہ میں ذکر ہی کا ہونا موزوں ہے۔ یوں فرمائیے نا۔ ع

ہم اتنی بات پر خوش ہیں کہ ذکر اپنی محبت کا

حنا کیوں دیکھ کر اس کو پسی جاتی ہے گلشن میں
لہو عشاق کا ملتا ہے مہندی کب وہ ملتا ہے

یہ شعر بالکل خبط بلکہ بے معنی ہے۔ پہلے مصرعہ میں "کیوں" اور دوسرے میں "کب" نے مطلب خبط کر دیا ہے۔ اب دیکھئے ہم اس شعر میں کیسی برجستہ اصلاح کرتے ہیں۔ ؎

پسی جاتی ہے مہندی دیکھ کر یہ رنگ گلشن میں
کہ خونِ عشاق کا ملتا ہے مہندی جب وہ ملتا ہے

اپنے شعر کے معنی پر ذرا غور فرمائیے گا تو اصلاح کا لطف اٹھائیے گا دیکھئے رنگ نے کیسا ذو معنی بلیغ رنگ دکھایا۔

منشی امیر اللہ صاحب تسلیم لکھنوی۔ ؎

اثر دکھلا رہا ہے ہجر میں سوزِ محبت بھی
شرر بن کر مری آنکھوں سے ہر آنسو نکلتا ہے

دکھلانا غیر فصیح اور مستحسن الترک ہے دکھانا فصیح ہے۔ ہر آنسو وہی مخلوط النسل ترکیب ہے۔ اثر کی جگہ مزہ ہو تو مزہ آجائے۔ اب

اصلاح لیجئے۔ سہ

دکھاتا ہے جدائی میں مزہ سوزِ محبت بھی

کہ اک اک اشک آنکھوں سے شررانگیز نکلتا ہے

آپ تو مسلّم الثبوت جفا دری استاد ہیں مگر شحنہ کی استادی بھی دیکھئے۔

سہ نہ کھینچو تیر پہلو سے کہ اکثر وقت تنہائی

یہی تو ایک مونس ہے اسی سے دل بہلتا ہے

"اکثر وقت" دونوں میں ایک حشو ضروری ہے۔ ۶

نہ کھینچو تیر پہلو سے کہ تنہائی کی حالت میں

تپِ غم سے دمِ پیری میں لاکھوں آبلے دل پر

خزاں میں سبز ہو کر یہ نہالِ خشک پھلتا ہے

دمِ پیری میں سبز ہونا یا سرسبز ہونا پھر پھلنے کو سرسبز ہونا لازم ہے اب سرسبز ہو کر حشو ٹھیرا یا نہیں اب ذرا غور سے اصلاح ملاحظہ ہو۔ سہ

تپِ غم سے ہیں پیری میں ہزاروں آبلے دل پر

ہرا ہو کر خزاں میں یہ نہالِ خشک پھلتا ہے

چونکہ آپ غالباً سبزی یا ہریائی پر غش ہیں لہٰذا ہرا ہونا جو زخم اور آبلے کے لئے موزوں ہے قائم رکھا گیا ورنہ یہ مصرعہ تو یوں بھی موزوں تھا

۶ تماشا ہے خزاں میں یہ نہالِ خشک پھلتا ہے

اور اگر پہلے مصرعہ میں لاکھوں کی جگہ ہزاروں پر منہ بنائیں کہ شحنہ نے ترقی کی آکاس سے منزل کی پاتال میں گرا دیا تو یوں فرمائیے۔ ۶

تپِ غم سے ہیں پیری میں لکھوکھا آبلے دل پر

نصیحت بیخودِ الفت کو کیوں کر کارگر ہوگی کہیں باتوں سے اے ناصح زخود رفتہ سنبھلتا ہے

اس شعر نے تو لاکھ لوگوں کی شاعری کو بھی مات کر دیا۔ بیخودِ الفت، زخود رفتہ کیا کیا محاورے اور بندشیں ہیں۔ منہ پر کی تو خوشامد ہے مگر جناب نہایت نالائق ترکیب ہے۔ اصلاح بھی دیکھئے اور چستی بھی۔ ؎

نصیحت بیخودانِ عشق کو کیا کارگر ہوگی
کہیں باتوں سے ناصح کوئی وارفتہ سنبھلتا ہے"

امیر مینائی اور داغ دہلوی کا کلام مرقع نگار لکھنؤ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں شائع ہوا تھا اس پر جناب شوکت نے ۸ مارچ ۱۸۸۸ء کے اخبار شحنہ ہند میں تنقید و تصحیح کے فرائض انجام دیئے ہیں۔

منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی استاد نواب رامپور مرحوم۔ ؎

بے قصد لکھ دیا ہے گلہ اضطراب میں
دیکھوں کہ وہ کیا لکھتے ہیں خط کے جواب میں

دوسرے مصرعہ میں کافِ بیانیہ کتنا بجوڑا اور کر یہہ واقع ہوا ہے۔ یوں فرمائیے۔ ع

وہ کیا لکھیں گے دیکھئے خط کے جواب میں

اے برق تو کبھی ذرا تڑپی ٹھہر گئی
یاں عمر کٹ گئی ہے اسی اضطراب میں

ذرا کے الف کی ٹانگ دب گئی۔ دوسرے مصرعہ میں "ہے" حشو ہے اور "اسی" بھی۔ بلشرح صدر یوں فرمائیے۔ ؎

بجلی ٹھہر ٹھہر کے تڑپتی ہے گاہ گاہ
یاں زندگی تمام ہوئی اضطراب میں

دیکھئے معنی بدلالت مطابقی کس قدر بلیغ ہو گئے کہ چاروں چول برابر ؎

اللہ رے تیز دستی مژگان رخنہ گر
بیکار بند ہو گئے ان کے نقاب میں

دوسرا مصرعہ بے لطف بے لگاؤ ہے رخنہ کا ثبوت دیجیے۔ یوں فرمائیے۔

ع ڈالے ہزاروں رخنے تمہارے نقاب میں

پیاسوں کو خاک سیر کرے گا یہ آسماں
چشمہ تو ہے پر آب نہیں آفتاب میں

پیاسوں کی "یے" کو دل کھول کر متحرک کیجیے، وجئے نہیں۔ علاوہ اس کے "یہ" حشو ہے۔ یوں فرمائیے۔ ۔؎

سیراب کیا کرے گا پیاسوں کو آسماں
چشمہ ہے لیکن آب نہیں آفتاب میں

مرزا خاں صاحب داغ دہلوی۔ ؎

دنیا کی بازپرس سے اب تک نہیں نجات
الجھا ہوا ہوں حشر کے دن بھی عذاب میں

شعر اچھا ہے مگر پوری مناسبت یوں ادا ہونی چاہیے۔ ؎

دنیا کی بازپرس سے اب تک نہیں نجات
الجھا ہوں حشر کو بھی عذابِ حساب میں

؎ حوروں کا انتظار کرے کون حشر تک
مٹی کی بھی ملے تو روا ہے شباب میں

ٹھیک ہے، رو میں آئی قاضی کو بھی روا۔ فرانس میں ربڑ کی لعبت بننے لگی ہیں جن میں بالکل عورتوں کی حرکتیں ہیں۔ یہ لعبت مجردوں کی مائی باپ ہیں۔ یقین نہ ہو تو میاں داغ فرانس کی سیر کر آئیں۔ ؎

ہر وقت انتظار طلب میں ہیں مستعد
رہتا ہے ایک پاؤں ہمارا رکاب میں

ذرا سی کسر رہ گئی تھوڑے سے تغیر میں یہ شعر اخلاقی ہو سکتا ہے۔ اب تو کوئی بات نہیں پائی جاتی کس کی طلب میں لیجئے اور لگے ہاتھ لیجئے۔

جو سانس ہے عدم کو ہے چلنے پہ مستعد
رہتا ہے ایک پاؤں ہمارا رکاب میں

رکھنا قدم تصورِ جاناں سنبھال کے
کائی ہے جا بجا مری چشمِ پر آب میں

کیا آنکھیں دکھتی ہیں یوں ہی جو فرمائیے۔

کیچڑ ہیں جا بجا مری چشم پر آب میں

اور اگر دریا کا استعارہ ہی پورا پورا منظور ہے تو تمام شعر میں یوں تغیر کیجے۔

دھنس جائے گی تصورِ جاناں کی اس میں بھینس
کیچڑ ہے جا بجا مری چشم پر آب میں"

جلالؔ لکھنوی اور محمد مبین صاحب جلیس مچھلی شہری کو ۲۴ نومبر ۱۸۹۰ء کے شمارہ میں صلاح و مشورہ دیا ہے۔

"جلالؔ لکھنوی۔

وصل سے ہجر وہ بہتر جو کوئی پوچھنے آئے
صبح کیونکر ہوئی، گذری شبِ فرقت کیسی

صبح کا ہونا اور شے ہے اور شب کا گذرنا اور شے، دریں چہ شک۔ اور ہاں خوب یاد آیا۔ وصل میں تو کوئی آتا نہیں۔ کوئی کون معشوق

اجی حضرت یہ کیا منز خرفات ہے آپ لکھنؤ کا طرز چھوڑ کر دہلی والوں کے طرز پختہ پر چلتے ہیں مگر بہت کم پورے اترتے ہیں۔ ؎

کہیں ان کا بھی دل آجائے دعا اب ہے جلالؔ
پوچھیں پھر ہم بھی کہ ہے آج طبیعت کیسی

کیوں صاحب یہ "اب" کیا چیز ہے۔ جی کچھ نہیں برائے بیت ہے۔ یوں جو فرما دیجئے۔ ؏

کہیں ان کا بھی دل آجائے تمنا ہے جلالؔ

جلیس مچھلی شہری۔ ؎

اس مزے سے وہی واقف ہیں جو ہیں تجھ پہ فدا
خضر کیا جانیں کہ ہے مرگ کی لذت کیسی

اگر یہ شعر یوں ہوتا تو بہت خوب ہو جاتا۔ ؎

تم پہ جو مرتے ہیں پوچھ ان سے ہی مرنے کا مزہ
خضر کیا جانیں کہ مرنے کی ہے لذت کیسی

گو مرنے کا لفظ مکرر آیا مگر ہر جگہ نیا مزہ دکھایا۔"

ریاضؔ خیرآبادی اور محمد نواز ثاقبؔ مہتمم گلچیں گورکھپور کے کلام کے عیوب ۲۴ر جولائی ۱۸۹۲ء کے پرچے میں بتاتے ہیں۔

"ریاض خیرآبادی۔ ؎

عجب شے ہے جوانی کہ عیب بھی جو کیا
سمجھنے والے تقاضا شباب کا سمجھے

پہلا مصرعہ یوں فرمائیے۔ ؏

ہے پردہ پوش جوانی کہ عیب بھی جو کیا

محمد نواز ثاقب۔ ؎

سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ ان کو کیا سمجھیں
بتوں کے چاہنے والوں کو بس خدا سمجھے

دوسرا مصرعہ یوں فرمائیے۔ ع

بتوں کے چاہنے والو تمہیں خدا سمجھے"

۲۴ ستمبر ۱۸۹۶ء کو اس اخبار کا ضمیمہ نکلا جس میں اس کے بند کرنے کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس کے چند مہینوں کے بعد یہ پرچہ دوبارہ جاری ہوا اور کافی عرصہ چلا۔

ایک انقلابی عالم بے بدل حضرت مولانا رحمت اللہ کرانوی کے انتقال کی خبر ۲۴ جون ۱۸۹۱ء کے اخبار شحنۂ ہند میں درج ہے۔

"ایلینچ کے نامہ نگار نے مکہ معظمہ سے لکھا ہے کہ مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر ہندی نے جو یہاں معزز مدرسین میں سے تھے ایک برس علیل رہ کر ۲۲ رمضان شریف روز جمعہ کو انتقال کیا اور جنت المعلیٰ میں محمود پاشا کے قریب مدفون ہوئے۔ مولوی صاحب مرحوم نے . .
. . . . ایک مقبرہ اپنے مکان میں بنوا رکھا تھا مگر شریف مکہ اور پاشا نے وہاں دفن ہونے سے روک دیا۔ موصوف الیہ نہ ولی تھے نہ صحابی پھر کیوں خاص مقبرہ میں دفن کئے جائیں کہ تھوڑے دنوں میں وہ معبد بن جائے۔"

شحنۂ ہند مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۸۹۰ء میں ہندوستان کے مشہور صحافی منشی ہرسکھ رائے مالک کوہ نور، لاہور کے فوت ہونے کی خبر دی گئی ہے۔

"منشی صاحب موصوف نے تقریباً نوے برس کی عمر میں انتقال کیا وہ ایسے پریس اور اخبار کے بانی تھے کہ اس سے پہلے ہندوستان

میں دیسی اخبار اور پریس نہ تھا۔ انہوں نے اس کے ذریعہ لاکھوں روپیہ پیدا کئے۔ منشی جی صاحب اخلاق و اوصاف پروپرائٹری میں بے نظیر تھے۔ بڑے مدبر و منتظم تھے۔ آج کے روز بعض وہ لوگ جو کارخانہ دار بن گئے ہیں منشی صاحب کے نمک خواردہ چکے ہیں۔ بعض کاپی نویسوں نے بعض پرنٹروں نے اور بعض ایڈیٹروں نے کوہ نور سے نکل کر اور پریس جاری کیا۔ ان لوگوں کے لئے کوہ نور گویا یونیورسٹی تھا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ان کے فرزند دلبند لالہ جگت نرائن میں اپنے مورث اعلیٰ کی صفات ہوں گے اور انہیں کے نقش قدم پر چلیں گے۔"

یکم ستمبر ۱۸۹۸ء کے شحنۂ ہند و طوطئ ہند میرٹھ میں ایک تاریخی مشاعرہ کی ایک نظم نقل ہوئی ہے اور اس کا مختصر حال بھی لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

" لاہور کے قیصری مشاعرے میں مرزا غالب کی طرح پر سید ناظر حسین ناظم نے چار غزلیں کہہ کر پڑھیں۔ چاروں طرف سے صدائے تحسین و آفریں بلند تھی۔ اس طرح میں ردیف کا ثبوت نہایت مشکل کام ہے لیکن ناظم صاحب نے بڑی خوبی سے ثابت کیا ہے۔ نمونہ کے چند اشعار گوش گذار کیجیے۔ ؎

تعلق ہو کہ ہو قطعِ تعلق دونوں یکساں ہیں
نہ یہ اچھا، نہ وہ اچھا، جنوں یہ بھی جنوں وہ بھی
مجھے دیوانگی میں بھی ہے رونا کس مپرسی کا
فراقِ سنگِ طفلاں اور دمِ جوشِ جنوں وہ بھی
دلِ دیوانہ کی دیوانگی دونوں سے دونی ہے
خیالِ وصل و دردِ ہجر ہے یہ بھی جنوں وہ بھی

خصاص خونِ ناحق سے بچیں مطلب ہے ناظمؔ
کہ اپنے علم کو مشہور کرتے ہیں جنوں وہ بھی

دل ان کا، دل میں حسرت ان کی، شوق ان کا، یاد ان کی
برا کیا ہے امانت ہے جو مانگیں یہ بھی دوں وہ بھی

مجھی کو ذبح کرتے ہیں، مجھی سے داد لیتے ہیں
مزے کے ایک سے دو ظلم ہیں، یہ بھی سہوں وہ بھی

کسی کے ناز و انداز ایک سے ہیں ایک بڑھ چڑھ کر
جو ہیں کمتر سے کمتر بھی، فزوں سے ہیں فزوں وہ بھی

لباسِ نظم رنگیں اور رنگا رنگ جلوے ہوں
اچھوتا رنگ غالبؔ کیوں رہے ناظمؔ نگوں وہ بھی

منشی محمد شفیع وجدؔ دہلوی شاگرد جناب شوکتؔ میرٹھی کی ایک غزل ۱۴ اگست ۱۸۹۰ء کے شمارے میں چھپی ہے، منتخب اشعار دیے جاتے ہیں۔ ۵

آئے فرشتے قبر میں جب دل جلوں کے پاس
پردہ کھلا تب ان پہ عذابِ سعیر کا

گو خاک سے بھرا نہ بھرا، پر وہ حرص سے
کاسہ گدا کا، کاسۂ سر ہے امیر کا

وہ نزع میں گئے، تو گئے جان و دل بھی ساتھ
کوئی بھی تھا شریک نہ وقتِ اخیر کا

اے وجدؔ غلغلہ مرے طرزِ سخن کا ہے
کیا حال ہو گا مرقدِ سودا و میرؔ کا

شعراء کے کلام کے ساتھ رسالوں اور اخباروں پر بھی شحنۂ ہند میں تبصرے

کئے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک طبی رسالہ کے بارے میں ۲۴ نومبر ۱۸۸۹ء کے شمارہ میں ہمت افزائی کی گئی ہے۔

"ہندوستان کے طبی رسالوں کی اشاعت کی ایسی اشد ضرورت ہے جیسے کہ بیمار کو دوا اور طبیب کی۔ اگرچہ اس سے قبل چند طبی رسالے جاری ہوئے مگر قوم کی عدم صلاحیت اور ناقدردانی سے معدوم ہو گئے۔ اب بھی چند رسالے جاری ہیں مگر ان کا عدم وجود برابر ہے۔ جدید طبی رسالہ میڈیکل میگزین لاہور زیر اہتمام عبدالوہاب صاحب ہونی میڈیکل کالج لاہور سے ماہوار شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ اب تک تین نمبر شائع ہو چکے ہیں۔ اس رسالہ کے مربیوں اور سرپرستوں میں بڑے بڑے لوگوں کا نام لیا گیا ہے امید ہے ان کو اپنے نام کا پاس ہو گا۔"

اس اخبار میں شعراء کے کلام پر اعتراض اور تنقید و اصلاح کا سلسلہ تو جاری رہتا ہی تھا۔ لیکن شاعر کے کلام سے ہی اس کے خلاف نفرت پیدا کرنے کا ملکہ بھی جناب شوکت کو حاصل تھا۔ مرزا داغ نے حضور نظام کی خدمت میں باریابی حاصل ہونے پر جو قطعہ مدحیہ پیش کیا تھا اس میں عیب نکال کر مرزا داغ کو حضور نظام کی نگاہوں میں گرانے کی سعی کی ہے۔ یہ قطعہ ۱۸ اگست ۱۸۸۸ء کے پرچے میں شائع ہوا ہے۔

"رفیق ہند لاہور سے معلوم ہوا کہ جب داغؔ دہلوی کی حضور نظام میں باریابی ہوئی تو علاوہ ایک قصیدہ مداحیہ اور چند غزلیات پڑھنے کے داغؔ نے باریابی کا مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ بھی پڑھا ؎

قدمبوس حضرت کا حاصل ہوا بڑے شوق سے اور ارمان سے

حضوری کی تاریخ پوچھے کوئی
تو کہدو ملے داغ سلطان سے

مادۂ تاریخ تو عمدہ ہے مگر یہ بدشگونی پیدا ہوتی ہے کہ سلطان سے داغ ملے (یعنی ناکامی حاصل ہوئی) سب ایشیائی درباروں میں ایسی بدشگونی پر بہت خیال پیدا ہوتا ہے۔"

شحنۂ ہند کے جہاں مخالف تھے وہاں اس کے مداح بھی تھے۔ چنانچہ تبلیغ جلیلہ یکم دسمبر ۱۸۹۳ء کے شمارہ میں اس کے ایڈیٹر مولانا عبدالجبار عمر پوری نے شحنۂ ہند پر حسب ذیل ریویو کیا ہے:

"نہایت برجستہ اور پرزور اخبار ہے۔ اس کا ایڈیٹر بڑا لائق فائق مشرقی و مغربی علوم سے خوب ماہر ہے۔ پولٹیکل و سوشل معاملات پر محققانہ آرٹیکل دیتا ہے۔ اردو لٹریچر و ایشیائی شاعری کو عمدگی کے ساتھ اصلاح کرتا ہے۔ عبارت آرائی و انشاء پردازی میں ید طولیٰ رکھتا ہے۔ وقتاً فوقتاً مسائل دینیہ کی تحقیقات بھی شائع کرتا رہتا ہے۔ سابق میں جو اس کے مضامین کسی قدر درشتی و سختی پائی جاتی تھی اور ظرافت حد اعتدال سے بڑھی ہوئی تھی اب وہ بات نہیں رہی۔ بااین ہمہ اہل زمانہ کی ناقدردانی کی وجہ سے بہت افسردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس گوہر بار اخبار کو ترقی روز افزوں عطا فرماوے۔ جیسے کہ مضامین میں عمدگی ہے ویسے کاغذ اور چھپائی میں خوبی نہیں۔ امید ہے کہ ہمارے عزیز مولوی احمد حسن صاحب اس کی طرف توجہ کامل مبذول فرمائیں گے۔"

مولوی احمد حسن صاحب شوکت: ان کا سلسلہ نسب حضرت شیخ عبداللہ انصاری سے ملتا ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار میں ایک برگزیدہ

شخصیت تھیں۔ ان کے مورث اعلیٰ حضرت شیخ سالارؒ شاہ عالم کے عہد حکومت میں وارد ہندوستان ہوئے۔ شاہ کو شیخ سے مریدانہ عقیدت تھی اسی لیے رامپور ضلع سہارن پور میں شیخ صاحب کو ایک جاگیر عطا کی تھی جو اب تک موجود ہے۔ اور شیخ کی اولاد میں تقسیم ہوئی۔ شیخ کا مزار بھی رامپور میں ہے۔ ان کے دیگر اسلاف خاندان دادا پردادا وغیرہم بھی آسودۂ خاک ہیں۔ یہ خاندان زیادہ تر مشائخ عظام و علمائے کرام پر مشتمل رہا ہے۔ اگرچہ امتداد زمانہ کے باعث حالات تبدیل ہوگئے ہیں تاہم اب بھی علم و فضل اس خاندان کی ایک درخشندہ خصوصیت ہے۔ گنگوہ، تھانہ بھون، دیوبند، نانوتہ، کیرانہ، انبیٹھ وغیرہ ضلع سہارن پور میں خصوصیت سے۔ پانی پت، انبالہ، لکھنؤ، دہلی، میرٹھ وغیرہ اطراف ہند میں علی العموم اس خاندان کی شاخیں کثرت کے ساتھ پھیلی ہوئی ہیں۔[1]

مولانا شوکت غالباً ۱۸۸۰ء یا ۱۸۸۱ء میں میرٹھ تشریف لائے۔ آپ عربی و فارسی خوب جانتے تھے۔ شعر و شاعری کے بہترین نقاد، اعلیٰ درجہ کے نثار اور عمدہ قسم کے مضمون نگار تھے۔ طالب علمی کا زمانہ ختم کرنے کے بعد اخباری دنیا میں قدم رکھا۔ دہلی میں خیر خواہ عالم اور لاہور میں کوہ نور کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالی۔ نکتہ چینی کی عادت بچپنے سے تھی اخبار نویسی نے اور اجال دیا۔ کبھی لیڈروں کی خبر لی۔ کبھی مولویوں کے اعمال کی نقاب کشائی فرمائی کبھی واعظوں اور مقرروں پر اعتراضات کئے۔ کبھی شعراء سے چھیڑ چھاڑ کی۔

لاہور چھوڑنے کے بعد لکھنؤ میں اودھ اخبار کے ادارہ میں شامل ہوئے۔ یہاں منشی نول کشور کے کتب خانہ کا مطالعہ کیا۔ علمی معلومات میں اضافہ کیا۔

---

[1] صحیفہ ندرت ص ۲

عرصہ تک ادبی، اخلاقی اور تاریخی مضامین لکھے۔ وہاں زیادہ عرصہ قیام نہیں رہا۔ غلام محمد خاں تپش سے بگاڑ ہوا، اخبارات میں فریقین کے مخالفانہ مضامین شائع ہوئے۔ اودھ اخبار کی ملازمت چھوڑنے کے بعد میرٹھ آئے۔ اخبار شحنۂ ہند جاری کیا۔ غیر مقلدین کی حمایت کرنے کی وجہ سے نواب صدیق حسن خاں صاحب نے سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ اسی زمانہ میں بعض دل آزار فقرے ان کی قلم سے نکلے۔ حنفی طبقہ کے لوگوں نے برداشت نہیں کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ زد و کوب تک کی نوبت آئی حضرت یزدانی سے ہمیشہ چلتی رہی۔ سجاد حسین رسیحانی ایڈیٹر طوطئ ہند سے بھی مقابلے رہے۔ بھوپال کی امداد بند ہو جانے کی وجہ سے اخبار شحنۂ ہند میں مذہبی حصہ کم ہو گیا، ادبی رنگ غالب آگیا۔ اس میں شعراء کے کلام پر اعتراضات شائع ہونے لگے۔ عربی شعراء میں متنبی پر اعتراضات جڑے اصلاحیں کیں۔ فارسی میں نظامی، عرفی، نظیری، فردوسی اور صائب پر نکتہ چینیاں کیں اردو میں غالب کو اصلاح دی۔ خاقانی اور بیدل کا کلام بھی ان کی زد سے نہیں بچا۔ اس میں شک نہیں کہ شوکت نے اردو زبان میں تنقید کی ابتدا کی۔ رسالہ پروانہ بھی جاری کیا۔ اس کے صفحات دنگل کا مزہ دیتے تھے جس میں شوکت جیسے پیر کہن سال اور جواں طبع شعراء زور آزمائی کرتے تھے۔ خاقانی اور غالب کی عزت کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے دیوان غالب اور قصائد خاقانی کی شرح "حل کلیات اردو مرزا غالب" اور "حل قصائد خاقانی" کے نام سے شائع کی۔ حل کلیات غالب کا اشتہار بقلم شوکت ملاحظہ ہو۔

"گھر کا وشِ مژگاں نے بنایا ہے جگر

جو کام ہوا ہم سے کسی سے نہ ہوا تھا

مرزا غالب دہلوی کے اردو کلیات کا سنگلاخ ہونا اسی سے ظاہر ہے کہ تمام شعراء ہند کی الماریوں میں رکھا ہے مگر بھینس کے آگے بین،

کسی کو اس کے حل کرنے کا حوصلہ نہ ہوا، ہم نے حل کیا اور ایسا حل کیا کہ دنیا تجدید پر ایمان لے آئی۔ مکمل ۵۰ صفحات پر ہے"۔

اگر یہ دعویٰ کیا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ جناب شوکت کو ہی غالب کی شرح کرنے کی افضلیت اور اولیت حاصل ہے۔ یہ شرح کمیاب ہے ملتی نہیں ہے۔ اس لئے چند اشعار کی شرح نمونہ کے لئے یکم دسمبر ۱۸۹۲ء کے تحفۂ ہند سے نقل کی جاتی ہے۔ ؎

"جذبۂ بے اختیار شوق دیکھا چاہئے سینۂ شمشیر سے باہر ہے دمِ شمشیر کا

شوق بسمل کے جذبۂ بے اختیار نے شمشیر کو ایسا کھینچا کہ قتل کرنے کے لئے اس کا دم نکلا جاتا ہے اور جب تک قتل نہ کرے چین نہ آئے اور دمِ شمشیر (دھار) خود ہی سینۂ شمشیر سے باہر ہوتی ہے۔ بسمل کے تمنائے قتل کا اندازہ قابل غور ہے۔ ؎

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار صحرا مگر بتنگیٔ چشم حسود تھا

مجنوں کے مانند کوئی مردِ عشق کے میدان میں نہ آیا۔ جنگل ایسے لوگوں کو جگہ دینے سے ایسا ہی تنگ تھا جیسے حاسد کی آنکھ تنگ ہوتی ہے کہ دوسرا اس میں نہیں سما سکتا۔ ؎

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا

صوفیوں کے نزدیک دنیا ایک خواب ہے اور اس کے حوادث محض تخیلات ہیں پس شاعر کہتا ہے کہ دنیا ایک خواب تھا اور اس کے معاملات اس کے جواب میں خیالات ہیں۔ جب روح تن سے پرواز کر گئی تو سود و زیاں کچھ نہ تھا۔ خطاب ہر مخاطب سے ہے"۔

جناب شوکت شاگردوں کو بڑی محبت سے اصلاح دیتے تھے اردگرد شاگردوں کا ہجوم رہتا تھا۔ ماننا پڑتا ہے کہ ادبی قابلیت اور علم و فضل میں

اپنے معاصرین میں کوئی آپ سے بڑھ کر نہ تھا۔[1] ان کی علمیت کا لوہا ہر ایک کو تسلیم کرنا پڑا۔ فارسی کلام متانت و سنجیدگی سے معمور ہے۔ اردو میں مومن کی تقلید کرتے تھے پختگی اور بلاغت آپ کے کلام کی خصوصیت ہے۔ سہ

خواب غفلت نے تھپک رکھا تھا گوشِ ہوش کو
صرف ایک افسوں ہماری عمر کا افسانہ تھا

ازل سے چشمِ نظارہ ہے گلچیں حسنِ جاناں کا
ہوا کم ایک بھی پتا نہ اب تک اس گلستاں کا

بہار ایسی دکھائی آبلوں کی خوں فشانی نے
کہ پھولوں پر لگا تلنے ہر اک کانٹا بیاباں کا

کیا ہے مجھ کو پامالِ خرام، اک فتنہ قامت نے
ہیولیٰ مہرِ محشر کا بنائیں گے مری گِل سے

خدا کا گھر بھی نکلا دل لگی کی شکل سے خالی
مری چھاتی پہ توا ہے سنگِ اسود کم نہیں سِل سے

بغل میں اس کے دریا ہے مگر ہے خشک لب پھر بھی
جہاں میں شور بختی کس کی ہوگی بڑھ کے ساحل سے

عروجِ خاکساری خاک تجھ سے اے زمیں دبتا
مری خاک آسماں سے بھی کبھی دب کر نہیں نکلی

بڑا دھوکا دیا زاہد نے مجھ سیدھے مسلماں کو
کہاں ہے خلد میں تو نہرِ شیر و انگبیں نکلی

---

[1] خم خانۂ جاوید جلد پنجم صفحہ ۱۸۸۔

بے ثباتی کی ہوا میں اڑ رہا ہوں رات دن
یا خدا رنگ پریدا ہوں میں کس تصویر کا

ہیں نکمے نوجواں گر ہمتِ پیراں نہ ہو
منحصر بل پر کمانوں کے ہے اڑنا تیر کا

اللہ رے عدلِ عشق کہ مرے جگر میں یاں
ناسور ہیں تو واں بھی ہیں رخنے نقاب میں

کس کام کا وہ نالہ کہاں کا وہ تیر آہ
جو کر سکے نہ ایک بھی رخنہ نقاب میں

مولانا شوکت کے صاحبزادے مولانا شعیب احمد ندرت میرٹھی تھے جو ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۸ء کو پیدا ہوئے۔ مولانا شوکت کے کسی شاگرد نے ندرت میرٹھی صاحب کی ولادت کے ایک قطعہ میں یہ تاریخ کہی تھی۔ ؎ گفت سہ مرتبہ شعیب احمد۔

منشی سید مہر علی صاحب افق معتمد ریاست تردر نے بھی سات اشعار کا ایک قطعہ ولادت کہا تھا جو ۸ مارچ ۱۸۸۸ء کے شحنۂ ہند میں چھپا تھا جس کے چند اشعار یہ ہیں۔ ؎

بلطف و عنایات پروردگار — ہوا طفل پیدا سعادت شعار
خداوند رکھے بصحت تمام — غم و رنج کوئی نہ ہو زینہار
ذکی و خردمند عاقل ہو یہ — کہ جس سے ارسطو بھی ہو شرمسار
مبارک ہو احمد حسن کو پسر — کہ ہیں درحقیقت وہ عالی وقار
افق نے لکھا سال ہجری بعید — مبارک ہو فرزند احسن شعار

۱۳۰۵ھ

مولوی ندرت صاحب نے عربی علوم صرف و نحو ادب معقول، فلسفہ، فقہ اور

احادیث وغیرہ مولانا قاری محمد اسحاق صاحب میرٹھی، حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث، حضرت مولانا عبدالحق صاحب محدث سہارن پوری، حضرت مولانا عبدالمومن صاحب دیوبندی سے پڑھے۔ اور کچھ دنوں مدرسہ امینیہ دہلی میں حضرت مولانا عبدالعلی صاحب کے فیض ظاہری و باطنی سے بھی متمتع ہوئے۔ فارسی کی کتابیں علم عروض وغیرہ کی کتابیں انہوں نے اپنے والد سے پڑھیں۔ سہ نثر ظہوری، قصائد عرفی و خاقانی وغیرہ کی تعلیم میں پیرجی فیض الحسن صاحب زاہدی اور منشی شریف اللہ ربط میرٹھی ان کے ہم سبق رہے۔

اس زمانے میں میرٹھ میں بڑے معرکے کے مشاعرے ہوتے تھے جن میں ہندوستان کے نامور شعراء شامل ہوتے تھے۔ ان مشاعروں کی شرکت نے جناب ندرت کو شعر گوئی کی طرف مائل کیا۔ آپ کچھ اشعار کہہ لیا کرتے تھے جس کی اصلاح ان کے والد کر دیا کرتے تھے جو غزل مشاعرے میں پڑھتے تھے اس میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ کر دیا کرتے تھے۔ بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا ہے کہ انہوں نے دو دو غزلیں پڑھیں ایک اصلاح شدہ اور ایک ان کے والد کی عطا کردہ ہوتی تھی۔ مشق کرتے کرتے نوبت یہاں تک پہنچی کہ میرٹھ کا کوئی مشاعرہ ایسا نہ ہوتا تھا جس میں آپ شریک نہ ہوتے ہوں۔ میرٹھ کے مشاعروں کے علاوہ مالیر کوٹلہ، لکھنؤ، بمبئی، کان پور، سندیلہ، بدایوں، ریاست رامپور، آگرہ، علی گڈھ، دہلی، غازی آباد، ہاپوڑ، باغپت اور سہارن پور وغیرہ میں آپ کو مدعو کیا جاتا تھا۔

آپ کا ابتدا ہی سے شعر و ادب کا ماحول رہا۔ نظم کے علاوہ نثر کی طرف بھی کافی توجہ رہی۔ ۱۹۱۲ء میں ایک ادبی رسالہ "عندلیب" آپ کی ادارت میں شائع ہوا۔ جس میں مشاہیر ہند کے مضامین نظم و نثر کے علاوہ مقامی غزلوں کا انتخاب شائع ہوتا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد یہ رسالہ بعض مشکلات کی وجہ سے بند ہو گیا۔ اس کے

بعد "نظارہ" جناب حمید میرٹھی کی ملکیت میں میرٹھ سے جاری ہوا۔ اس کے ادارے میں بھی آپ مدت تک کام کرتے رہے۔ اسی زمانہ میں جناب نواب محمد اسحاق صاحب رئیس جہانگیر آباد سابق سکریٹری مسلم یونیورسٹی علی گڈھ نے "کلیات خسرو" کے عملہ کی تصحیح میں انہیں شامل کر لیا تھا۔ یہ کلیات حضرت امیر خسرو کی ان غیر مطبوعہ تصانیف نظم و نثر پر مشتمل تھا جن کے قلمی نسخے نواب صاحب نے برطانوی ہند اور ریاستوں کے بڑے بڑے اور قدیم کتب خانوں سے بڑی کوششوں کے بعد حاصل کئے تھے۔ یہ نسخے ہندوستان کے فن خطاطی و نقاشی کا بہترین نمونہ تھے۔ بعض نسخوں کی تحریریں کرم خوردہ ہونے کے باعث مسخ ہو گئیں تھیں اور الفاظ صحیح پڑھے نہیں جاتے تھے۔ سیاق و سباق کو دیکھ کر ان الفاظوں کی تصحیح کی گئی تھی اور جن الفاظوں کی صحت میں شک ہوتا ان کے متعلق حواشی لکھ دیئے گئے تھے۔ ان کلیات میں کم و بیش ۲۵ غیر مطبوعہ نسخے تھے ان میں حضرت امیر خسرو کے چار دیوان ایسے تھے جو بقول ندرت میرٹھی اب تک منظر عام پر نہیں آئے۔ کلیات کی تصحیح کا کام قریب پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تھا۔ لیکن نواب محمد اسحاق صاحب کے انتقال کی وجہ سے ان کی طباعت نہ ہو سکی۔

۱۹۲۳ء میں کسی کی شراکت میں روزنامہ "قوم" جاری کیا۔ اس کی عمر چھ ماہ سے زیادہ نہ ہوئی اور ساجھے کی ہنڈیا چوراہے پر بہت جلد پھوٹ گئی۔ اس کے ادارے میں آپ نے بھی کچھ دنوں کام کیا۔ اس کے بعد اپنا ذاتی ہفتہ وار اخبار آئینہ میرٹھ سے جاری کیا، جو کافی دنوں چلا۔

مولانا شوکت نے اپنے تلامذہ کے کلام کی اصلاح کا کام اپنی زندگی میں ہی جناب ندرت کے سپرد کر دیا تھا۔ ان کے بھی تلامذہ کی تعداد کافی تھی، ان کو

بھی یہ اصلاح دیتے تھے۔

آپ کے کلام کا پہلا مجموعہ خونابۂ دل ۱۹۲۴ء میں اور اس کا دوسرا حصہ ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا۔ صحیفۂ ندرت ۱۹۴۴ء میں اور لوح و قلم ۱۹۵۲ء میں طبع ہوا۔

ندرت صاحب کا شمار ہندوستان کے مشہور شعراء میں ہوتا ہے۔ ان کے کلام میں فصاحت و بلاغت اور درد، سوز، اثر پایا جاتا ہے۔[1]

جنہیں فراق کی گھڑیوں میں لطف آتا ہے
وہ شامِ غم کی سیاہی کو نور کہتے ہیں

خدا جانے محشر میں اب حضرتِ دل ہماری طرف ہیں کہ ان کی طرف ہیں

کچی کچی نیندیں ہیں ٹھکراؤ نہ تم قبروں کو
یہ فرقت کی راتوں کے جاگنے والے سوتے ہیں

بدمستیوں کے رنگ، مزے بیخودی کے دیکھ
تھوڑی سی زندگی ہے تو تھوڑی سی پی کے دیکھ

چڑھتے ہیں دن کو پھول، نہ جلتی ہے شب کو شمع
منظر سرِ مزار مری بے کسی کے دیکھ

میخانے سے جاتا ہے تو دو گھونٹ پیئے جا
اے شیخ کما چلتے چلاتے یہ ثواب اور

کوئی دیوانہ یاد آیا ہے شاید ہنسی آتی ہے ان کو آپ ہی آپ
کیا یہ انصاف ہے بتائیں آپ روؤں میں اور مسکرائیں آپ
دوائے بے اثر نے مار ڈالا مجھے تو چارہ گر نے مار ڈالا
تمنائیں زمانہ چاہتی ہیں حیاتِ مختصر نے مار ڈالا

---

[1] صحیفۂ ندرت۔

ہستی ہی تری عالم ہستی کے لئے ہے   عقبیٰ سے تجھے کیا ہے سروکار پئے جا

تھی دیکھنے کے قابل محشر میں میری صورت
میری طرف سے جب وہ بیگانہ وار نکلا

وہ دل جو رونق ہستی کا سرمایہ سمجھا جاتا تھا
اس دل کو تیری یاد میں ہم اے جانِ تمنا بھول گئے

ڈرتے ڈرتے افسانۂ دل آج ان سے ہم نے کہہ تو دیا
یہ یاد نہیں گھبراہٹ میں کیا یاد رہا کیا بھول گئے

میں بتا سکتا نہیں مجھ سے نہ پوچھ   دردِ دل اے چارہ گر اک راز ہے
جس کو ویرانہ کہتے ہیں ندرتؔ   وہ بھی وحشت زدوں کی بستی ہے

گفتگو حضرت ناصح کی وہ جی بھر کے سنے
جس کو دنیا میں خدا اور کوئی کام نہ دے

ندرتؔ صاحب کے صاحبزادے عمران احمد صاحب سطوتؔ کو نہ معلوم کتنے خطوط لکھے گئے ہیں ان سے ان کے خاندان اور ان کے بھائیوں کے بارے میں معلوم کیا تھا کہ ان کے حالات زندگی لکھ کر روانہ فرمادیں اور اپنا کلام بھی روانہ فرمادیں مگر افسوس انہوں نے توجہ نہیں کی جس کی بنا پر نامکمل حالات شائع ہوئے ہیں۔ نہیں معلوم اپنے بزرگوں سے یہ بے توجہی کیوں ہے۔

الطاف بمبئی محلہ بہادر نگری مکان ۲۲ سے یہ ہفتہ وار اخبار جنوری ۱۸۸۲ء کو جاری ہوا تھا۔ مالک حکیم الطاف حسین خاں رامپوری پیشکار انجمن اشاعت اسلام تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ آٹھ آنے تھا۔ مطبع حسینی میں چھپتا تھا۔

سکھدایک سبھا یہ قومی رسالہ قوم ہنود برادری بھرو چیاں کاراولپنڈی سے یکم جنوری ۱۸۸۲ء کو ظہور پذیر ہوا۔ ۳۸ صفحات

پر مشتمل تھا۔ سکریٹری ہری چند ساہنی، مہتم بوٹا مل آنند تھے۔ مطبع گلشن پنجاب میں طبع ہوتا تھا۔

لائل گزٹ کیمپ میرٹھ محلہ گنیش گنج سے یکم فروری ۱۸۸۳ء کو یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر نکلنا شروع ہوا۔ پنجشنبہ کو شائع ہوتا تھا مالک بابو خوش رائے تھے۔ سلطان المطابع میں چھپائی ہوتی تھی۔ یہ اخبار بیادگار سر الیفرڈ لائل لفٹننٹ گورنر ممالک مغربی وشمالی جاری ہوا۔

اخبار الامصار بدایوں محلہ فرشولی ٹولہ سے ۱۰ فروری ۱۸۸۳ء کو یہ ماہانہ رسالہ جاری ہوا۔ چار خورد صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر و مالک مولوی علی امجد حسین صاحب تھے۔ مطبع صبح بدایوں میں چھپتا تھا۔

گل کدۂ شفق سید پور ضلع غازی پور سے یہ ماہانہ رسالہ ۲۸ فروری ۱۸۸۳ء کو سولہ صفحات پر نکلنا شروع ہوا۔ مالک بابو شیو پرشاد آنریری مجسٹریٹ تھے، مہتمم محمد یاسین صاحب شفق تھے۔ مطبع صبح بنارس میں طبع ہوتا تھا۔

خادم ہند بمبئی محلہ کمہار واڑہ دوسری گلی متصل دو ٹلنگے مکان ۲۲ سے روزانہ ۱۷ مارچ ۱۸۸۳ء کو چار صفحات پر جاری ہوا۔ مالک منشی کشن سروپ اور مہتمم لالہ اندر سروپ تھے۔ سالانہ چندہ رعایتی سات روپیہ تھا۔ مطبع خادم ہند میں چھپتا تھا۔

پیامِ عاشق قنوج محلہ صفدر گنج فرخ آباد سے یہ ماہانہ گلدستہ ۱۴ اپریل ۱۸۸۳ء کو نمودار ہوا۔ بیس صفحات پر مشتمل تھا۔ مہتمم منشی بھگو خاں رحیم تھے۔ چندہ سالانہ ایک روپیہ تھا۔ مطبع رحیمی میں چھپتا تھا۔

اس رسالہ میں طرحی وغیر طرحی غزلیں مضامین عاشقانہ اور لطائف وظرائف

معہ تصاویر چھپتے تھے۔ اپریل ۱۸۹۷ء کا ایک پرچہ ہمارے پیش نظر ہے اس سے شعرا کا کلام منتخب کر کے پیش کیا جاتا ہے۔

جناب منشی محمود صاحب حمد لکھنوی شاگرد رشید جناب امداد علی صاحب بحر لکھنوی۔ ے

لی ہیں سکھ نیندیں انہوں نے شبِ فرقت کیسی
کر کے بیچین مجھے پائی ہے راحت کیسی

اٹھ گئے وصل میں پہلو سے وہ اُف اُف کر کے
ارے او سوزشِ دل، کیوں یہ شرارت کیسی

سو رہا سایہ دیوار میں تو کہتے ہیں
تو نے پھیلائی یہاں آ کے نحوست کیسی

جناب منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی لکھنوی۔ ے

خود ترے ہونٹ یہ کہتے ہیں کہ بوسے لے لو
اور معشوق کی ہوتی ہے اجازت کیسی

اس کو رخصت کر دخلوت میں ہے اس کا کیا کام
وصل کی رات مری جان نزاکت کیسی

دل اڑا لے گئے دکھلا کے وہ جوبن کا ابھار
سینہ زوری اسے کہتے ہیں خیانت کیسی

گدگداتا ہے جو ابھرا ہوا جوبن ان کا!
چٹکیاں لیتی ہے دل میں مری حسرت کیسی

جناب مولوی مبین صاحب جلیس رئیس مچھلی شہری۔ ے

نہ جو آئے ہیں تو برپا ہے قیامت کیسی
بعد مر جانے کے اللہ یہ آفت کیسی

سچ تو یوں ہے کہ حسینوں کی ہے صورت دلکش
ڈگمگا جاتی ہے زہاد کی نیت کیسی
سن کے فرماتے ہیں وہ حالتِ دل پیش عدو
کون ہو، کہتے ہو کیا، مجھ سے محبت کیسی

جناب سید امداد علی صاحب اختر بلگرامی نقل نویس عدالت ججی سیتاپور سے

یاس نے کی ہے مری سوگ میں حالت کیسی
حسرتیں روتی ہیں مجھ کو سرِ تربت کیسی
شیخ جی کوئی نہ کوئی سبب اس کا ہے ضرور
ورنہ یہ آپ سے رندوں سے عداوت کیسی
ہائے کس ناز سے کہتے ہیں وہ مجھ سے شبِ وصل
ابھی باقی ہے بہت رات یہ عجلت کیسی
تم تو کہتے تھے مرا ظاہر و باطن ہے ایک
غیروں کے سامنے پھر میری مذمت کیسی

جناب منشی برج بہادر صاحب عزم بلگرامی شاگرد جناب محمد محمود صاحب حمد لکھنوی سے

بند کب تک رہے گا منہ خمِ مے کا ساقی
لا ذرا دیکھیں مزا کیسا ہے، رنگت کیسی
کہتے ہیں مجھ سے کہ تم غیروں سے کیوں جلتے ہو
یہ سمجھتے نہیں ہوتی ہے رقابت کیسی

جناب منشی مکھن لال صاحب شوق بریلوی سے

لبِ شیریں کو جو چوما ہوئی صحبت کیسی
کیوں دلِ زار بتائی تجھے حکمت کیسی

حضرت شوق کو دعویٰ تھا بہت چاہت کا
چار ہی دن میں نکل آئی ہے صورت کیسی

منشی بھگو خاں رحیم : منشی بھگو خاں خلف دربار خاں زمیندار مزارپور ضلع بجنور کے تھے عطر کا کاروبار کرتے تھے۔ گلزار خلد اور قنوج پنچ کے بھی مہتمم اور ایڈیٹر تھے۔ شعر و شاعری سے بھی شغف تھا اچھے شعر کہتے تھے۔ [1]

ہماری موت کو بھی ہائے نیند سمجھے ہیں
وہ بھولے پن سے یہ بولے اسے جگا دینا

آتے آتے رہ گیا وہ مہ جبیں بالائے بام
کیا چمک کر رہ گیا اختر مری تقدیر کا

نگہ پھیر دو نہ الفت کو بڑھا کر
گلا کاٹو نہ یوں مل کر کسی کا

آنکھ کمبخت سے ڈر رہتا ہے ہر بار مجھے
کہیں رسوا نہ کرے، حسرت دیدار مجھے

روٹھ کر چل تو دیئے ہیں مگر اب حال ہے یہ
راہ تکتے ہیں کہ پھر ہم کو بلائے کوئی

جلوہ ترا اے ماہ لقا اور ہی کچھ ہے
انساں نہیں تو نام خدا اور ہی کچھ ہے

اے برق یہ ہے عاشق محبوب الٰہی
اس دل کے تڑپنے میں مزا اور ہی کچھ ہے

دیدار کے بھوکے نہیں کوثر کے پیاسے
اور شاہ فقیروں کی صدا اور ہی کچھ ہے

جلد آکے قیامت میں بچا دم سے مولا
اب میرے لئے حکم خدا اور ہی کچھ ہے

---

[1] خم خانہ جاوید سویم ص ۳۷۴

جنت ہو مدینہ کے مقابل اجی توبہ
یہ بات یہ خوبی۔ یہ فزا اور ہی کچھ ہے
ہونٹوں پہ رحیم جگر انگار کا ہے دم
اب حال تو یا شاہ ہدا اور ہی کچھ ہے

ہزار داستان حیدرآباد دکن محلہ دارالشفا قریب حمام باؤلی سے یہ ہفتہ وار اخبار پنجشنبہ کو ۵ ار اپریل ۱۸۸۳ء سے نکلنا شروع ہوا۔ مالک سید احمد زید بلگرامی اور مہتمم سید حسن حشمؔ بلگرامی تھے۔ مطبع ہزار داستان میں چھپتا تھا۔

پبلک اوپی نین بنارس محلہ اردلی مقام ڈمیٹھوری محال علاقہ تھانہ سکرول سے یہ ہفتہ وار اخبار ۴ مئی ۱۸۸۳ء کو شائع ہوا۔ مالک محمد حنیف ولد شیخ امیر علی ڈاکٹر پنشن یافتہ ایڈیٹر اختر الدولہ حاجی سید محمد اشرف مؤلف اختر شہنشاہی تھے۔ یہ اخبار اردو انگریزی میں نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ پانچ روپیہ تھا۔

سرپنچ بمبئی محلہ بھنڈی بازار سے مہینہ میں دوبار ۱۵ مئی ۱۸۸۳ء کو جاری ہوا تھا۔ چار صفحات پر مشتمل تھا۔ انجمن درخشان نے جاری کیا تھا۔ مہتمم سعید محمد عربی، ایڈیٹر منشی ابوالحسن جوہر بریلوی تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ چار آنہ تھا۔ یہ اخبار ارمغاں کا ضمیمہ تھا۔

فنون حیدرآباد دکن محلہ مغل پورہ سے یکم مئی ۱۸۸۳ء کو یہ ماہانہ رسالہ بسرپرستی سرکار حیدرآباد دکن زراعت و تجارت اور صنعت و حرفت کو ترقی دینے اور درستگی باغات کے لئے نکالا گیا تھا۔ زمینداروں، کاشتکاروں کاریگروں، پیشہ وروں اور شائقین علم نباتات و جمادات و حیوانات کے لئے

کارآمد اور مفید اور خاص طور پر باغ لگانے والوں کے لئے انتہائی فائدہ مند تھا صفحات کی کوئی قید نہیں تھی ۴۰ سے ۶۰ صفحات تک نکلتا تھا۔ مالک منشی مشتاق احمد صاحب احقر، مہتمم مسٹر جونسن تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے چھ آنے تھا۔ مطبع فنون و مذاق سخن تیتھر کھیٹی میں چھپتا تھا۔

اس رسالہ کے مضمون نگار محمد شائق سابق اسسٹنٹ سرجن گورکھپور ایم، کے ایچ روحانی میرٹھی، محمد اکبر خاں فارمر زمیندار ضلع شاہجہاں پور اور عبداللہ طالب علم یونیورسٹی مدراس وغیرہ تھے۔

حکومت برطانیہ نے زندگی کے ہر شعبہ میں ہندوستانیوں کو ناکارہ اور اپاہج بنانے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ رسالہ فنون فروری ۱۸۸۶ء میں گورنمنٹ کے نظام زراعت کا تذکرہ کرتے ہوئے اس انتقامی حرکت کو آشکارا کیا ہے:

"اگر ایسے ہی گورنمنٹ انگریزی اوائل میں زراعتی تعلیم کی ترویج کرتی اور ملکی زبانوں میں کتابیں طیار کرا کے ان سے طلبار کو مستفید ہونے کا موقع دیتی تو برٹش میں موجودہ عالمگیر افلاس حکومت نہ کرتا ہندوستانیوں کے گلے نہ گھونٹتا اور در در مارے مارے نہ پھراتا۔"

ہندوستان میں چائے غیر ملکوں سے آتی تھی لیکن تھوڑے عرصے میں اس کی کافی پیداوار ہونے اور غیر ملکوں میں جانے ہی نہیں لگی تھی بلکہ چینی چائے جو زیادہ پسند کی جاتی تھی، ہندوستانی چائے نے اس کو پیچھے بٹھا دیا تھا اور یہ مقبول ہو گئی تھی۔ چنانچہ جون ۱۸۸۵ء کو لنڈن کی ایک چائے کمپنی نے اس کی مقبولیت کو تسلیم کیا ہے۔

"اب یہاں کے لوگ چینی چائے کو زیادہ پسند نہیں کرتے جیسے کہ پہلے پسند کرتے تھے۔ کیونکہ ہندوستان کی چائے کی عمدگی اور کم قیمت

نے چینی چاء کی وقعت گھٹا کر اپنی ترویج میں ترقی حاصل کی ہے۔
ایک سال پہلے ہم نے لکھا تھا کہ یہاں کے لوگ چینی چاء سے زیادہ عمدہ چاء کی خواہش کرتے ہیں۔ اب وہ خواہش ہندوستانی اور سیلون کی چاء سے پوری ہوگئی ہے۔ اب عموماً لوگ انہیں دونوں چاء کے زیادہ تر خریدار پائے جاتے ہیں۔"

یوپی کا ۱۸۸۵ء میں کتنا رقبہ تھا اور کتنی زمین قابل کاشت اور کتنی بنجر تھی اور کتنی مالگذاری وصول کی جاتی تھی اس کی رپورٹ فروری ۱۸۸۶ء کے رسالہ فنون میں شائع ہوئی ہے۔

"ممالک مغربی وشمالی واودھ کا کل رقبہ تقریباً چھ کروڑ ۹۰ لاکھ ایکڑ ہے۔ منجملہ اس کے ۲ کروڑ ۲۵ لاکھ ایکڑ زیر کاشت اور ایک کروڑ ۵۰ لاکھ ایکڑ ممکن الزراعت باقی غیر ممکن ہے اور مردم شماری ۴ کروڑ ۴۰ لاکھ مرد وعورت کی ہے اس میں سے ۳ کروڑ یا فی صدی ۶۵ بالکل زراعت پیشہ ہیں۔ تقریباً ۴ کروڑ ۷۵ لاکھ روپیہ سالانہ دیگر ابواب ملا کر سرکار مالگذاری وصول کرتی ہے گویا فی ایکڑ اراضی مزروعہ ۹ر/ روپیہ اور فی ایکڑ غیر مزروعہ اور ممکن الزراعت ۳ر/ روپیہ مالگذاری ہوئی۔"

مئی جون ۱۸۸۵ء کے رسالہ میں "المیزان" مدراس کے اخبار کا اشتہار شائع ہوا ہے۔ اس کی نقل اس لئے کی جاتی ہے کہ اس کا ذکر اختر شہنشاہی میں یا کسی اور جگہ نظر نہیں آیا۔ "مدراس میں اردو" کے مصنف کو بھی اس کا علم نہیں ہوا۔

"یہ اخبار مہینہ میں دوبار ۸ صفحات پر ترملی کری مدراس سے حکیم عبدالقادر عرف قادر حسین صاحب سعید کے اہتمام سے نکلنے لگا

ہے جو اخبارات مدراس کے مضامین کو اپنے انصاف کی ترازو میں تولا کرے گا۔ اس میں دوسرے مضامین اور خبریں بھی درج ہوتی ہیں۔ عام خریداروں سے سالانہ دو روپے آٹھ آنے۔ نوابوں اور ذی فہم حضرات سے پانچ روپے۔ نمونہ کا پرچہ ۲ آنہ کو"۔

کٹھیر پنچ بدایوں سے عشرہ وار یکم مئی ۱۸۸۲ء کو آٹھ صفحات پر شائع ہوا۔ مہتمم و ایڈیٹر مولوی علی احمد حسین صاحب تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ مطبع صبح بدایوں میں چھپتا تھا۔ اس کے سرورق پر یہ شعر تھا۔ ؎

کیوں نہ تم سے بھلا کٹے ہر پنچ تم کٹھیر کے ہو، کٹھیر پنچ

فیض سخن لکھنؤ محلہ اشرف آباد سے ۲۴ مئی ۱۸۸۲ء کو یہ ماہانہ شعر و شاعری کا گلدستہ ظہور پذیر ہوا۔ مالک مرزا عباس حسین ہوش تھے۔ سالانہ چندہ ڈھائی روپیہ تھا۔ مطبع شوخ اودھ میں چھپتا تھا۔

ابوالظرفا بمبئی بھنڈی بازار سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم جون ۱۸۸۲ء سے جاری ہوا۔ آٹھ صفحات پر نکلتا تھا۔ مالک منشی امیر علی ولد و رونق شیخ نثار علی اندوری تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ نام کے اعتبار سے یہ اخبار ظریف تھا اور مضامین بھی پر مذاق شائع ہوتے تھے۔

اندر پرست پرکاش دہلی نہر سعادت خاں سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم جون ۱۸۸۲ء کو شائع ہوا۔ اردو ہندی میں نکلتا تھا۔ مالک پنڈت جینی پرشاد، مہتمم پنڈت رودر دت تھے۔ سالانہ چندہ ڈھائی روپیہ تھا۔

رونق ہند کان پور محلہ کرنیل گنج سے یہ ماہانہ رسالہ اردو ہندی زبانوں میں یکم جنوری ۱۸۸۳ء کو رونق افروز ہوا۔ مالک منشی گنگا پرشاد سابق منشی نہر گنگ ڈویژن کان پور تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ مطبع عزیزی

میں چھپتا تھا۔

حامی اسلام دہلی کوچہ رائمان سے عشرہ دار یہ اخبار ۱۰ جون ۱۸۸۳ء کو جاری ہوا۔ آٹھ صفحات پر ہر جمعہ کو نکلتا تھا۔ مالک فیض الحسن، مہتمم مولوی عبدالحق، ایڈیٹر عبدالوہاب تھے۔ سالانہ چندہ سات روپیہ تھا۔

گل کدۂ مشتاق حیدرآباد دکن محلہ مغل پورہ سے ۱۵ جون ۱۸۸۳ء کو یہ ماہانہ گلدستہ شائع ہوا۔ سولہ صفحات پر نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ تین روپیہ بارہ آنے تھا۔ مالک مشتاق احمد تھے۔

ہندوستانی لکھنؤ محلہ امین آباد کوٹھی منشی نرائن داس سے یکم فروری ۱۸۸۳ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا جس کے سولہ صفحات تھے۔ مالک منشی گنگا پرشاد ورما، مہتمم لالہ بھگوانداس تھے۔ کچھ عرصے کے بعد ہفتہ میں دوبار ہوا۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ جی پی ورما اینڈ برادرس پریس میں چھپتا تھا۔

اس زمانہ میں تمام اخبارات میں اس اخبار کا سائز بڑا تھا اس لئے اخبار پڑھنے والوں کے لئے اس میں زیادہ مواد مل جاتا تھا۔ صفحات بھی سولہ سے زیادہ ہوتے تھے۔ اس اخبار میں ایڈیٹوریل لکھنے کے بعد عموماً بارہ نوٹ لکھے جاتے تھے جن میں بارہ واقعات پر تبصرہ کیا جاتا تھا۔ [1]

انگریزی حکومت کے قائم ہونے کے بعد سے ہندوستانیوں کو انگریزوں کی ہر ایک چیز سے نفرت ہوگئی تھی۔ وہ انگریزی زبان کو پڑھنے، انگریزی لباس کو پہننے، انگریزی طریقے پر کھانا کھانے، انگریزوں سے میل جول رکھنے اور

---

[1] بڑی جنتری کانپور ۱۸۸۸ء

انگریزوں کے ملک میں جانے کو بری نظر سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ پنڈت بشن نرائن جب ولایت سے تعلیم پاکر ہندوستان آئے تو ان کو معلوم ہوا کہ ان کو برادری سے نکال دیا ہے "۔ اس لئے کہ انہوں نے ولایت میں جاکر انگریزوں کے ہاتھ کا کھانا کھایا ہوگا " ایک کشمیری شاعر نے ان کے ولایت جانے پر ایک نظم ہجو میں کہی وہ نظم اخبار ہندوستان کے شمارے مورخہ ۲۲ اگست ۱۸۸۸ء میں شائع ہوئی ہے اس کا ایک بند ملاحظہ ہو۔ ؎

جہازوں پہ چڑھ کر جگناتھ جانا — وہاں ساتھ غیروں کے کھانا اڑانا
شرابوں کے کنستر کے کنستر لنڈھانا — طوائف سے منہ وقتِ صحبت ملانا

ہوا سب یہ مرجادہی کے دھرم سے
یہ قیدیں چھٹیں سب اسی کے کرم سے

ست سماچار کیمپ فتح گڈھ سے پندرہ روزہ یہ اخبار یکم جولائی ۱۸۸۲ء کو نکلا۔ اردو ہندی دونوں زبانوں میں تھا۔ مہتمم بابو شیو پرشاد تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے چھ آنے تھا۔ مطبع جینی لال میں طباعت ہوتی تھی۔

فتنہ گورکھپور محلہ نخاس سے یہ ہفتہ وار اخبار ۸ جولائی ۱۸۸۲ء کو شائع ہوا۔ سولہ صفحات پر نکلتا تھا۔ بانی منشی سید ریاض احمد ریاض، مہتمم حافظ نظام احمد انداز رئیس خیرآباد تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ مطبع ریاض الاخبار میں چھپتا تھا۔

یہ اخبار جیبی تختی پر بہت چھوٹا سا تھا۔ اس کے بعد سے اب تک اس قسم کا کوئی پرچہ نہیں نکلا۔ اپنی صوری، معنوی، ادبی اور فکاہی چند در چند خصوصیات کی بنا پر اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ اس "فتنہ" کی نسبت میر ناصر علی ایڈیٹر صلائے عام دہلی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

"اگر ولایت میں ایسے لکھنے والے ہوں تو ایک نہ ایک دن وہ سکریٹری آف اسٹیٹ ہو کے رہیں۔"

فتنہ کی غیر معمولی آزادی اور حکام پر بے جھجک گرفت کرنے کی وجہ سے علاوہ ان مقدمات کے جن میں وہ رہا ہوئے یہ واقعہ بھی معرکہ فتنہ تھا کہ حضرت ریاض پر ایک دشمن نے حملہ کیا اور وہ مجروح ہوئے۔ ہمدردوں میں سے ایک نے یہ بھی کہا ؎

واہ رے لے ریاض رنگین طبع زخم کھا کر بھی پھلا پھولا

"شاہدان ناز" "فتنہ" کا ایک خاص موضوع تھا۔ بقول مولانا حسرت موہانیؒ (اس کے تحت) ایسے ایسے مضامین شائع ہوئے ہیں جن کو دیکھ کر طبیعت بے قابو ہو جاتی ہے۔"

فتنہ کو نکلے ہوئے ابھی تین مہینے بھی نہیں گذرے تھے کہ حکومت نے بدگمانی کی وجہ سے ریاض کو اس اخبار کا نام بدلنے پر زور دیا۔ وہ تیار نہیں ہوئے۔ چند دن کے لئے نکلنا بند ہو گیا۔ مسٹر ڈیوس سپرنٹنڈنٹ کی ذمہ داری پر فتنہ پھر جاگا اور برسوں کامیابی کے ساتھ جاری رہا ؎

فتنہ کو پوچھتا ہے کوئی ادا کے ساتھ
چھوٹا سا وہ ریاض کا اخبار کیا ہوا

حضرت مولانا حسرت موہانیؒ نے رسالہ اردوئے معلیٰ علی گڈھ مورخہ جنوری ۱۹۱۳ء میں "فتنہ" اور "عطر فتنہ" پر تبصرہ کیا ہے۔

"فتنہ حضرت ریاض کی شوخ مزاجی اور برق طبعی نے نام تجویز کیا اور گل قیصر فتنہ' کی سرخی حسب حال اس کا عنوان قرار پائی۔ وقت کی خوشحالی سے حکیم برہم، شاد، شوخ نگار، فطرت،

سحر نگار وغیرہم اچھے لکھنے والے اس کے معاون تھے۔ حضرت ریاض کا یہ دعویٰ تھا کہ اس وضع کا اور اس رنگ ڈھنگ کا روئے زمین میں کوئی اور پرچہ موجود نہیں ہے۔ اگرچہ بعد میں ایک یورپین آئیسر سے جو فتنہ کا عاشق تھا یہ معلوم ہوا کہ اس زمانے میں ایک پرچہ اسی تقطیع کا فرانس میں موجود تھا مگر رنگ کے لحاظ سے فتنہ پھر بھی لاثانی ٹھیرا کیونکہ یہ ہمیشہ مختلف رنگوں میں شائع ہوتا رہا ابتدا میں اس میں زیادہ تر نثر کے شوخ اور چلبلے مضامین ہوا کرتے تھے مگر کئی سال بعد اس کے ساتھ ایک نظم کا حصہ بھی نکلنے لگا جس میں اردو زبان کے تمام گلدستوں سے چوٹی کے اشعار چھانٹ کر درج کئے جاتے تھے۔ چنانچہ اس کا نام بھی عطر فتنہ بہت صحیح تجویز کیا گیا اور جناب ریاض کا یہ شعر؂

چھانٹا وہ دل کہ جس کی ازل میں نمود تھی
پسلی پھڑک اٹھی نظر انتخاب کی

زیب عنوان عطر فتنہ ہونے کے سبب سے تمام دنیائے ادب میں ضرب المثل کی طرح مشہور ہو گیا۔ ۱۸۹۳ء کے بعد ڈاک خانہ کی سخت گیریوں کی بنا پر فتنہ بند ہو گیا مگر جب حکیم برہم نے گورکھپور میں مستقل قیام کیا تو انہوں نے ۱۹۰۳ء سے اس فتنۂ خوابیدہ کو بیدار کیا۔ لیکن زندگی کے اس دور میں اس کے نثر کے مضامین کا رنگ بہت کچھ بدل گیا تھا۔ .. .. فتنہ کے بعد اور بھی پرچے اس انداز پر نکلے مگر کسی کو کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ عنوان "ٹوکل" کے تحت جو کچھ فتنہ میں لکھا جاتا تھا اس کا ایک

خاص رنگ ہوتا تھا۔ یعنی چند جملوں میں یا لفظوں میں سارا مطلب
در پردہ ادا کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ قدیم ظرافت نگاری کی یادگار ورن
میں اودھ پنچ اور فتنہ باقی رہ گیا ہے۔"

حکیم عبدالکریم برہم: برہم صاحب فتح پور ہسوے کے رہنے والے تھے۔ جناب امیر مینائی کے خاص عقیدت مندوں اور تلامذہ میں سے تھے۔ طبیعت میں رنگینی اور اس کے ساتھ شوخی بھی تھی۔ نثر نگاری میں اچھی دسترس تھی۔ ایک ناول "کرشن کماری" آپ کی یادگار ہے۔ گورکھپور سے صلح کل اخبار آپ کی ادارت میں شائع ہوا تھا۔ رسالہ فتنہ کے بھی آپ مالک و مہتمم ہو گئے تھے۔ اچھا شعر کہتے تھے۔

وہ جنون، یہ کیا مجھ کو سمجھا گئی ہے　　کہ نکلی ہوئی جان پھر آ گئی ہے

عالم شباب کا ہے زمانہ ابھار کا
آیا ہے باغ حسن میں موسم بہار کا
کیا رنگ دیکھئے ہو دل داغدار کا
رہتا ہے یاں خزاں میں بھی عالم بہار کا

بتاؤں کیا تمہیں اپنی حقیقت　　مجھے خود ہی نہیں معلوم کیا ہوں
ملتا ہے کچھ لطف وفا کا بھی جفا میں　　تسکین کا پہلو ہو ستانے کی ادا میں

شب فرقت کی شکایت نہ کرو تم برہم
ایسی باتوں سے کہیں روٹھ نہ جائے کوئی

اتالیق ہند لکھنؤ محلہ رکاب گنج لشکری قریب فتح گنج ڈاک خانہ امین آباد سے ۱۲ر جولائی ۱۸۸۳ء کو ہفتہ وار اخبار جاری ہوا۔ یوم پنجشنبہ کو بارہ صفحات پر نکلتا تھا۔ مالک منشی محمد علی خاں صاحب عرشی تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا۔ عرش المطابع میں چھپتا تھا۔

داستان سیاح

حیدر آباد محلہ افضل گنج سے ۱۶ مئی ۱۸۸۳ء کو یہ ماہانہ رسالہ شائع ہوا۔ بانی غوث الدین میر منشی، مہتمم زین العابدین صاحب مؤلف داستان، ایڈیٹر منشی سید ابراہیم صاحب عفو مترجم محاسب سرکاری تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے بارہ آنے تھا، سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔

جامِ جہاں نما

لکھنؤ محلہ گھسیاری منڈی ڈاک خانہ امین آباد سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم اگست ۱۸۸۳ء کو ظہور پذیر ہوا۔ چار صفحات پر ہر دو شنبہ کو شائع ہوتا تھا۔ مالک رائے سری کشن قیصر تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ قیصر المطابع میں طباعت ہوتی تھی۔

انیس ہند

آگرہ محلہ حاجی حسن سے یکم ستمبر ۱۸۸۳ء کو یہ پندرہ روزہ اخبار یکم، ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا تھا۔ مالک مرزا اشتیاق حسین نظم، مرزا عاشق حسین بزمؔ، ایڈیٹر سید لیاقت علی تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔ مطبع انیس ہند میں چھپتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کے ایڈیٹر منشی جنگ بہادر جنگؔ بھی مقرر ہوئے۔

مرزا محمد عاشق حسین بزمؔ: مرزا جی اکبر آباد کے رئیس تھے۔ ان کے والد مرزا محمد عباس بلیغ برادر مرزا فصیحؔ مرثیہ گو تھے۔ آپ ۱۲۷۸ھ کو پیدا ہوئے۔ دس برس کی عمر میں یتیم ہو گئے۔ آپ کے حقیقی چچا مرزا علی حسین قیصرؔ شاگرد آتش نے آپ کی تربیت و پرورش کی۔ ۱۲ برس کی عمر میں شعر و شاعری کا شوق ہوا۔ منشی اسمٰعیل حسین منیرؔ شکوہ آبادی آپ کے رشتے کے دادا تھے، ان کے شاگرد ہوئے۔ انہوں نے ان پر خاص توجہ کی جس کی وجہ سے یہ چند برس میں اچھا کلام کہنے لگے۔ آپ کا دیوان بزم سخن اور مثنوی تصویر سخن شائع ہو چکی ہے۔ ؎

کیاجانے مرنے والوں کو آیا پسند کیا ہستی تباہ کی، عدم آباد کر دیا
تجھی پر کچھ لے بت نہیں منحصر جسے ہم نے پوجا، خدا ہو گیا
جرائت گناہ کرنے کی عاصی کو بڑھ گئی
رحمت کو تیری اے مرے غفار دیکھ کر
یہ جفا جو جسے انداز و ادا کہتے ہیں ہم اسے چلبلے والوں کی قضا کہتے ہیں
بے خودوں کو کسی کی کیا پرواہ تم بھی آئے ہمیں خبر نہ ہوئی
دیکھنا حشر عدم والوں میں برپا ہو گا
آج وہ گور غریباں میں ہیں آنے والے
دیر و حرم کے سجدوں سے کچھ فائدہ نہیں
پھوٹے ہوئے نصیب کو پھوڑا نہ چاہیے
حرم دل کے سوا اور نہیں کوئی مکاں جھوٹے ہے مسجدیں ان کی نہ شوالا ان کا
ملک الموت و مسیحا ہیں یہاں دونوں ایک
وہی جاں بخش ہے اپنا وہی جلاد اپنا

منشی جنگ بہادر جنگ : جنگ بہادر میرٹھ کی ایک خاندانی شخصیت تھی عدالت کلکٹرا اور محکمہ بندوبست میں عرصہ تک ناظر رہے۔ سرکاری ملازمت سے علیحدہ ہونے کے بعد انیس ہند کی ادارت کی کسی کے شاگرد نہیں بنے۔ انگریزی و فارسی بھی جانتے تھے، سخن سنجی اور حاضر جوابی میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ۱۶ اپریل ۱۹۰۶ء کو پچاس برس کی عمر میں لاہور میں فوت ہوئے۔ چمنستان دلچسپ، چمنستان معرفت اور چمنستان صحت ان کی تالیف ہیں۔ ؎

برطی ہے اوس نالوں سے مرے بلبل کے نشیمن پر
گرا دو مسکرا کر برق تم پھولوں کے خرمن پر

مرے ساتھ ہے انقلاب زمانہ　　بدل دوں گا دنیا کو کروٹ بدل کر

دل میں حسرت کا ہے خوں ڈھیر ہے ارمانوں کا
کیا برا حال ہوا ہے مرے مہمانوں کا
سن کے آمد کی خبریاں بے خودی طاری ہوئی
ان کے آنے نے مرے جانے کا ساماں کر دیا

گل کدہ زینت سخن آگرہ محلہ حاجی حسن سے ۱۵ ستمبر ۱۸۸۲ء کو یہ ماہانہ گلدستہ شائع ہوا تھا۔ ۱۶ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک مرزا اشتیاق حسین نظم اور مہتمم مرزا عاشق حسین بزم، ایڈیٹر لیاقت علی تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا مطبع انیس ہند میں طبع ہوتا تھا۔

مذاق سخن حیدرآباد دکن محلہ مغل پورہ متصل مکان حاجی منصب علی سے ۴۴ صفحات پر ۱۵ ستمبر ۱۸۸۲ء کو یہ ماہانہ گلدستہ جاری ہوا۔ مالک و مہتمم مشتاق احمد صاحب تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے چھ آنے تھا مطبع علوم و فنون میں چھپائی ہوتی تھی۔

اس گلدستہ کے سرورق پر یہ شعر درج تھا ؎

مرے مزار کا ہر پھول گل جنت ہے
چشم انصاف سے دیکھیں جو طبیعت والے

اس رسالہ میں قصائد مدحیہ، غزلیات طرح و غیرطرح کا انتخاب، پاکیزہ مضامین، نیچرل شاعری، دل حبیب انگریزی ناول کا سادہ ترجمہ اور پھڑکتے ہوئے لطیفے درج ہوتے تھے۔

حبیب ہند کانپور محلہ مندر گور پرشاد سے یکم اکتوبر ۱۸۸۲ء کو یہ ہفتہ وار اخبار شائع ہوا تھا۔ ہر شنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک پنڈت

یم نرائن تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپے تھا۔ مطبع حبیب ہند میں طبع ہوتا تھا۔

الصدیق فیروز پور ڈاک خانہ چوک بازار سے یکم اکتوبر ۱۸۸۳ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا۔ مہتمم مولوی ولی اللہ صاحب تھے۔ سالانہ چندہ پانچ روپیہ تھا۔ مطبع صدیقی میں چھپتا تھا۔

رعنا لکھنؤ محلہ محمود نگر سے یہ ماہانہ شعر و شاعری کا گلدستہ یکم اکتوبر ۱۸۸۳ء کو جلوہ فگن ہوا۔ مالک منشی سید عاشق حسین عاشقؔ تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ افضل المطابع میں چھپائی ہوتی تھی۔

گلدستہ انجمن لاہور سے ماہانہ شعر و شاعری کا گلدستہ جو یکم نومبر ۱۸۸۳ء کو نکلا تھا۔ اس کے ایڈیٹر مولوی سیف الحق ادیبؔ تھے۔

رفاہ عام جھجر سے یہ پندرہ روزہ اخبار یکم نومبر ۱۸۸۳ء کو جاری ہوا۔ سولہ صفحات پر نکلتا تھا۔ بانی مولوی غلام محمد خاں تحصیلدار پنشن یافتہ ایڈیٹر پنڈت دین دیال سکریٹری تھے۔ سالانہ چندہ سات روپے تھا۔ مطبع رفاہ عام میں طباعت ہوتی تھی۔

شگوفہ حیدر آباد دکن محلہ دارالشفا قریب حمام باؤلی سے یہ شعر و شاعری کا ماہانہ گلدستہ ۱۵ نومبر ۱۸۸۳ء کو نکلا۔ ... صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک مولوی سید احمد صاحب زیدؔ بلگرامی، مہتمم سید حسن جوشؔ بلگرامی تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ مطبع ہزار داستان میں طبع ہوتا تھا۔

میڈیکل پیپر صدر بازار چھاؤنی میرٹھ سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم نومبر ۱۸۸۳ء کو شائع ہوا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔

بقول اختر شہنشاہی یہ رسالہ جنوری ۱۸۸۱ء کو آگرہ سے جاری ہوا جو صحیح نہیں ہے۔

زمانہ: یہ رسالہ تیرھویں صدی کی جانشینی کا حق ادا کرنے کے لئے نکالا گیا تھا۔ اور اس وقت نکالا گیا تھا جب تیرھویں صدی ختم ہو گئی تھی۔ اس کا پہلا پرچہ محرم ۱۳۰۱ھ کو نکلا تھا۔ اس سلسلہ کو قائم رکھنے کے لئے اس کے سرورق پر جلد ۱۴ نمبر ۱ پرچہ اولی لکھدیا تھا۔ محرم ۱۳۰۱ھ میں انگریزی مہینہ اور نومبر ۱۸۸۳ء پڑتا ہے۔ یہی سال اس کے اجرا کا ہے جنوری ۱۸۸۱ء نہیں ہے۔ مالک مولوی خواجہ یوسف علی صاحب اور ایڈیٹر مولوی ناصر علی صاحب تھے۔ اس پرچہ کی غرض وہی تھی جو تیرھویں صدی کی تھی۔ چنانچہ پہلے پرچہ میں اس کا ان الفاظوں میں اظہار کیا ہے۔

"اس پرچہ کی غرض وغایت یہی ہے کہ اس گئے گذرے زمانہ میں بھی بقائے نام کی کوئی صورت ہو جائے اور یہ محنت جو اظہار کمال و تحقیق مسائل دینی و دنیوی میں ہو رہی ہے بیکار نہ جائے۔"

یہ پرچہ حقیقتاً ادبی، علمی اور تاریخی مضامین کا مجموعہ ہے جس میں ادبی حیثیت باقی رکھی گئی ہے۔ خواہ وہ نیچریوں سے تعلق رکھنے والے مضامین ہی کیوں نہ ہوں۔

اس رسالہ میں مولانا رحیم اللہ صبا چھائے ہوئے ہیں۔ نیچریوں کی مخالفت کے علاوہ نعتیہ قصیدے بھی ان کے ہیں۔

مسلمانوں نے دنیا میں کیسی ترقی کی تھی اور دنیا کو اپنے علم سے کس طرح فیضیاب کیا تھا اور کیا کیا چیزیں انھوں نے ایجاد کیں۔ اس کا ذکر زمانہ کے صفر ۱۳۰۱ھ کے شمارے کے ایک مضمون میں ہے۔

"نجوم میں ثوابت اور سیاروں کی صرف فہرست ہی نہیں تیار کی بلکہ ان کے مقامات مقرر کئے اور نام رکھے جو اب تک یورپ کے منجموں میں مشہور ہیں۔ سورج چاند ستاروں کی گردشوں کا حساب لگا کر موسم و سال و ماہ کا حساب ٹھیک کر لیا۔ بیس یورپ کا بڑا نامی محقق اور منجم لکھتا ہے کہ عرب کے تحقیق نجوم کا مجھے بہت وقار ہے اور ابن یونس کی تحقیق کا جو خلیفہ الحاکم کا منجم تھا، ذکر کرتا ہے کہ المنصور کے وقت سے تمام گردشِ فلکی کسوف و خسوف و قرآن کا مفصل حال یہ شخص لکھ گیا ہے جس سے علم نجوم کو بہت کچھ مدد پہنچی۔ عربوں نے آلات نجوم کے بنانے میں بھی بہت توجہ کی۔ پانی کی گھڑیاں، شیشۂ ساعت و چوب گھڑی وغیرہ ان ہی کی ایجاد ہے۔ علم نظر میں یونانیوں کی کیسی فاش غلطی نکلی تھی کہ شعاع آنکھ سے چیز پر نہیں جاتی بلکہ چیز سے آنکھ پر عکس پڑتا ہے۔ اس فن میں بہت ہی عجیب بات جو دریافت ہوئی وہ ایک حکیم عرب کی ہے کہ سورج اور چاند ہمیں طلوع ہونے سے پہلے اور غروب ہونے کے بعد بھی دکھائی دیتے رہے ہیں۔"

مسئلہ ہمہ اوست کن دماغوں کی ایجاد ہے۔ "زمانہ کا فسانہ، عقائد صوفیہ" کے ایک مضمون میں جو ربیع الاول ۱۳۰۱ھ میں چھپا ہے، انکشاف ہوا ہے۔

"اندلس میں جب یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے علما سب یک جا ہوئے تو خواہ مخواہ ایک خلط مبحث ہوئی جن کو خلیفہ کی طرف توجہ تھی، عقائد ارسطو پسند کرنے لگے کہ ہر چیز کا مخرج ایک ہے۔ دنیا میں جو کچھ ہم دیکھتے ہیں سب میں ایک ہی اثر کا ظہور

ہے وہی ہر چیز میں سمایا ہوا ہے اور ہم سب شے اسی سے نکلے اور اسی میں مل جائیں گے۔ یہ بنیاد ہمہ اوست اور ہمہ از اوست کی ہوئی۔ فریڈرک ثانی کے وقت ان عقیدوں کا زور سسلی میں ہوا اور خود بادشاہ ان کا معتقد ہوا۔ چنانچہ بادشاہ اپنے سوالات سسلیہ میں حکیم ابن حنین کے جوابوں کی بہت تعریف کرتا ہے جو ان عقیدوں کا پیرو تھا۔ آخر ان عقیدوں کا ایسا عروج ہوا کہ ہر شخص ان کا پیرو نظر آیا۔ یہ حال دیکھ کر عیسائیوں نے اس کو قطعی بند کرنا چاہا اور ۱۵۱۲ء میں فرمان جاری ہوئے کہ یہ عقائد بالکل ممنوع ہیں۔"

مولانا رحیم اللہ صاحب صبا اکبر آبادی کی دو نعتیں ربیع الاول ۱۳۰۱ھ میں چھپی ہیں چند بند نقل کئے جاتے ہیں۔ ؎

ہوا فرش راہِ ادب عرشِ رب　　جھکایا فرشتوں نے فرقِ ادب
اٹھے انبیا مرد قدسی سب　　ہوئے حشر میں رونق افروز جب
سر آمد تریں ہمہ افسراں
گزیدہ تر جملہ پیغمبراں

درِ خلد پر تھا جو قفلِ شدید　　اور اس قفل کی گھس گئی تھی کلید
نہ تھا جس کے کھلنے کا ساماں پدید　　ہوئے جب پیمبر کے دنداں شہید
کلید درِ رحمتِ کردگار!
ز دنداں او گشتہ دندانہ دار

وہ دنداں کہ تھے گوہرِ بے بہا　　ہوئے جب شہیدانِ سنگِ جفا
وہ درجِ دہن درفشاں ہی رہا　　ملک پکارے کہ خیرا للوریٰ

چناں عقدہ از کار امت کشاد
کہ دندان درین کار بر باد داد

بڑا ہول تھا روز میعاد کا — کہ بھگتیں گے کیا کیا جزا و سزا
جب امت کو حضرت نے بخشا لیا — تو کہنے لگے اور سب انبیا

زہے رحمتِ شاملِ خاص و عام
بیک خواہشت کار امت تمام

۱۸۹۵ء میں زمانہ کی پالیسی میں تھوڑی سی تبدیلی آئی تھی۔ جب مولوی چراغ علی صاحب کا انتقال ہوا تو ان کی وفات پر ایک طویل مرثیہ منشی سید امجد علی صاحب اشہری نے کہا۔ جو ۱۲ اکتوبر ۱۸۹۵ء کے زمانہ میں شائع ہوا۔ چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں :۔

مہدی و شبلی و مشتاق و نذیر و حالی
اور محمود و ذکار اللہ سے دانائے ہنر

سارے مشاقِ سخن طرز میں اپنے اپنے
فنِ انشا و ادب میں ہیں گہر اور مہوہر

لیکہ سید کی طلاقت کا ہے انداز جدا
مذہب و فلسفہ دونوں میں ہیں ناطق لکچر

ہے غزالی کی روش، طرزِ تکلم ان کا
لیکہ آزادی لئے پھرتی ہے حد سے باہر

ملک نے ان کی زباں سے ہیں کئی نام سنے
قوم، آزادی و تہذیب و ترقی، نیچر

ان کی تائید سے ایک روح پھنکی انشا میں

ان کی تقلید سے بولی گئی اردو فر فر

نیچرل جامہ کیا زیب بدن انشا نے

شعر و اشعار نے بھی پائی زبان نیچر

حیف اس بزم سے امسال ہوا وہ رخصت

تھا نئی روشنی والوں میں جو شمع نیچر

ہم نے انکار نہیں اس سے سنا جنت کا

ہے دعا پائیں وہ جنت میں قصور و کوثر

ماہِ ذی الحجہ تھا اور بارہ سو بارہ ہجری

بمبئی میں جو کیا ہے سوئے عدم عزم سفر

ہم کو بھی جانا ہے اک روز خدا کے آگے

یا خدا شرم ترے ہاتھ ہے روزِ محشر

گوہر کلکتہ متصل چوڑا گرجا، بارٹہ مسجد، مکان مولوی محمد اسماعیل سے ۱۹ر نومبر ۱۸۸۳ء کو یہ ہفتہ وار اخبار وجود میں آیا ہے۔ پہلے اس کا نام گوہر نجفی، دوسری بار گوہر شاداب اور بعد میں گوہر رکھا گیا۔ پہلے چار صفحات پر یک شنبہ کو بعد میں چہار شنبہ کو نکلنے لگا تھا۔ مالک علی نجف صاحب گوہر رامپوری مہتمم حکیم ناظر حسین ناظر تھے۔ سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔ مطبع نجفی میں طبع ہوتا تھا۔

مولوی علی نجف : مولوی علی نجف عرف حافظ موتی کے والد حکیم علی احسن قاصر بن حکیم سید محمد تھے۔ قاصر صاحب مغل تھے جو خلیفہ مولوی محمد غیاث الدین صاحب مولوی محمد نور صاحب اور مولوی عبدالشکور صاحب سے فیضیاب ہوئے تھے۔ اردو میں اخوندزادہ احمد خاں غفلت سے اور فارسی میں مولوی نصیر الدین خاں صابر سے تلمذ تھا۔ اس کے بعد شہید فرنگ مولانا امام بخش صہبائی سے مشورہ لینا شروع

کیا۔ نواب رامپور کے درباری شاعر تھے۔ [1]

زیست بھاری ہے ترے ہجر میں قاصر کی صنم
کاش آجاتی اجل درد کا درماں ہوتا

مولوی علی بخش صاحب رامپور میں ۱۲۲۶ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تاریخی نام "غلام ہمدانی" ہے۔ چودہ سال کی عمر میں قرآن مجید حفیظ کیا۔ اس کے بعد اپنے والد اور شہر کے دوسرے استادوں سے علوم رسمیہ حاصل کئے۔ خواجہ بشیر سے فارسی کی نظم و نثر میں کمال حاصل کیا۔ نعتیہ کلام سے ابتدا کی جس کی اصلاح اپنے والد سے لی۔ پھر عشقیہ کلام میں حافظ حسن علی خاں عاجز رامپوری، حسین علی خاں شاداں دہلوی اور نواب مرزا خاں داغ دہلوی سے تلمذ حاصل کیا۔ فارسی کلام کی اصلاح اسیر لکھنوی سے بھی لی۔ ۱۸۶۹ء میں پورنیہ میں منصفی کی جگہ پر ملازم ہوئے کچھ دنوں بعد کلکتہ چلے گئے۔ وہاں مشاعروں کی محفلیں منعقد کیں۔ ۱۸۷۶ء میں فیروز الدین خلف میاں لال دین وزیر جموں و کشمیر کی مصاحبت میں کچھ ایام کلکتہ اور کچھ ایام بمبئی میں گذارے۔ وزیر صاحب کے جموں جانے کے بعد یہ اپنے مکان پر آگئے۔ ایک سال کے بعد پھر کلکتہ پہنچے، وہاں ایک پریس مطبع بخشی قائم کیا، اور اخبار گوہر بخشی نکالا۔ کافی سال اس اخبار کو چلایا۔ ۱۲۹۹ھ میں داغ کو کلکتہ لے گئے کئی مشاعرے کرائے اور ایک تذکرہ شعراء غنچہ ارم کے نام سے شائع کیا مطبع کا انتظام اپنے بھائی حکیم ناظر حسین چشتی کے سپرد کر کے وطن چلے آئے۔ نواب کلب علی خاں نے ان کا سالانہ وظیفہ مقرر کیا اور کلکتہ جانے کی اجازت نہیں دی۔ جناب نواب سید مشتاق علی خاں والیٔ رامپور اور جنرل عظیم الدین

---

[1] انتخاب یادگار ص ۲۹۹

بھی ان کی عزت کرتے تھے۔ انتہائی بذلہ سنج، متین اور خوش مزاج تھے۔ ۱۳۰۶ھ کو رامپور میں فوت ہوئے۔ بغدادی صاحب کے مزار کے حصہ میں دفن ہوئے۔ تذکرہ شمع انجمن میں ان کا کلام درج ہے۔ [۱]

حکیم ناظر حسن ناظر: مولوی نجف علی کے ناظر صاحب چھوٹے بھائی تھے چھوٹی عمر سے ان کو شعر و شاعری کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ اپنے والد کو کلام دکھاتے تھے۔ تذکرہ انتخاب یادگار کی تالیف کے زمانے میں یہ چوبیس برس کے تھے۔ دو شعر اسی تذکرہ سے نقل کئے جاتے ہیں۔ ~

گستاخی پہ ہاتھ آیا ہے بیتابیٔ دل سے
تقصیر نہ ہوگی کبھی بارِ دگر ایسی
یہ فتنے سکھائے ہیں انہیں آنکھوں نے تیری
پہلے تھی کہاں گردشِ شام و سحر ایسی

آئینہ نمائش کلکتہ محلہ رو بیا مسجد مولوی اسمٰعیل مرحوم سے ۱۵ دسمبر ۱۸۸۲ء کو یہ روزانہ اخبار جاری ہوا۔ چندہ ایک ماہ کا ایک روپیہ دو آنے اور تین ماہ کا چار روپے تیرہ آنے تھا۔ نمائش کے دنوں تین مہینہ تک جاری رہا۔ مالک غلام ہمدانی تھے۔ مطبع نجفی میں چھپتا تھا۔

جامع مسائل علم طب کپور تھلہ سے ۱۸۸۲ء سے یہ ماہانہ طبی رسالہ شائع ہوا۔ مالک سردار بوٹا سنگھ، ایڈیٹر حکیم عاشق علی تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ .. .. مطبع دھرم پرکاش میں طباعت ہوتی تھی۔

---

[۱] تذکرہ کاملان رامپور ص ۲۶۱۔

جریدہ نمائش کلکتہ، کلنگا فرسٹ لین نمبر ا متصل مدرسہ عالیہ ہفتہ میں دو بار برائے نمائش یکم نومبر ۱۸۸۳ء سے فروری ۱۸۸۴ء تک کیلئے جاری ہوا تھا۔ مالک مولوی فریدالنبی صاحب تھے۔ قیمت چار ماہ کی دو روپے نو آنے تھی۔ ربن پریس میں چھپائی ہوتی تھی۔

حاکم مدراس ہائی روڈ متصل کمال دروازہ محلہ باغ نظام الدین احمد خاں، وارڈ نمبر ۱۸۳ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۸۳ء میں نکلا۔ دس صفحے بڑے سائز کے تھے۔ مالک محمد انور صاحب تھے۔ سالانہ چندہ سات روپے دس آنے تھا۔ مطبع انوری میں چھپتا تھا۔

خیر خواہ خلائق غازی پور محلہ لال دروازہ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۸۳ء میں نمودار ہوا۔ آٹھ صفحات پر اردو ہندی دونوں زبانوں میں نکلتا تھا۔ مالک منشی محمد علی خاں سعیدی لکھنوی تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ مطبع خیر خواہ خلائق میں طباعت ہوتی تھی۔

دبدبۂ اسلام بمبئی محلہ بھنڈی بازار سے یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر ۱۸۸۳ء کو جلوہ افروز ہوا۔ انجمن درخشاں کا یہ آرگن تھا۔ مہتمم سعید عربی تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ بارہ آنہ تھا۔ مطبع مجیدی میں چھپائی ہوتی تھی۔

دلیش اپکارک لاہور محلہ بازار سید مٹھ سے یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر یوم شنبہ کو نکلنا شروع ہوا تھا۔ مالک سرائے سالک رام مہتمم پنڈت ہرگوپال تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ بارہ آنہ تھا۔ شاخ آریہ پریس میں چھپتا تھا۔

فیض سخن لکھنؤ محلہ اشرف آباد مکان نمبر ۱۹۰ سے ۱۴ مئی ۱۸۸۳ء کو یہ ماہانہ شعر و سخن کا گلدستہ شائع ہوا۔ مالک مرزا عباس حسین

ہوتی تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے آٹھ آنہ تھا۔ مطبع شوخ اردو میں طبع ہوتا تھا۔

نجم الاخبار | میرٹھ سے ۱۸۸۲ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا۔ ہر چہارشنبہ کو نکلتا تھا۔ اس کے مالک امیر احمد صاحب زیب اور مہتمم محمد حیات تھے۔ سالانہ چندہ نو روپیہ تھا۔ مطبع ضیائی میں چھپائی ہوتی تھی۔

۱۸۸۴ء

جامع العلوم مراد آباد سے یکم جنوری ۱۸۸۴ء کو یہ ماہانہ رسالہ جاری ہوا۔ مالک منشی نرائن داس مہتمم منشی پرمیشری داس تھے سولہ صفحات پر نکلتا تھا۔ دو روپے سالانہ چندہ تھا۔ سدرشن پریس میں طبع ہوتا تھا۔

جموں گزٹ سری نگر کشمیر سے یکم جنوری ۱۸۸۴ء کو یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر نکلا تھا۔ بانی سید نثار علی شہرت ڈائرکٹر مدارس و سر رشتہ پرمٹ اشتہام تھے۔

آریہ متر یہ ہفتہ وار اخبار یکم جنوری ۱۸۸۴ء میں سوامی دیانند کی یادگار میں شائع ہوا۔ ہر چہار شنبہ کو نکلتا تھا۔ ایڈیٹر بابو نرائن سنگھ وکیل، مہتمم منشی کانشی رام تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تیرہ آنے تھا سرستی پریس میں چھپتا تھا۔

آریہ پتر بریلی سے یہ ماہانہ اردو ہندی دونوں زبانوں میں جنوری ۱۸۸۴ء کو نمودار ہوا۔ لالہ راج بہادر سکریٹری آریہ سماج اس کے مہتمم تھے۔ رسالانہ چندہ سوا روپیہ تھا۔ مطبع دبدبہ قیصری میں چھپائی ہوتی تھی۔

رفیق ہند

لاہور محلہ چوہٹہ مفتی محمد باقر طویلہ شاہ نواز سے یہ ہفتہ وار اخبار ۵ جنوری ۱۸۸۴ء کو ظہور پذیر ہوا۔ ہر شنبہ کو شائع ہوتا تھا سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مولوی محرم علی چشتی مالک اور فتح محمد صاحب مہتمم تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا۔ مطبع رفیق ہند میں طباعت ہوتی تھی۔

اس اخبار میں علمی، ادبی اور اصلاحی مضامین شائع ہوتے تھے اور خالص علمی پرچہ تھا۔ لیکن جب چشتی صاحب نے یہ دیکھا کہ سرکار پرست طبقہ مذہبی مسائل میں اپنی من مانی کر رہا ہے اور غلط طریقے سے مسائل پیش کر رہا ہے۔ مثلاً سرسید احمد خاں نے جن طریقوں سے قرآن مجید کے آیات کے غلط معنی کرنے شروع کر دیئے تھے، تفسیر قرآن مجید بھی غلط ڈھنگ سے کی جانے لگی تو انہوں نے اس کی مخالفت کی اور صحیح نظریات پیش کئے۔ مولانا الطاف حسین حالیؔ اس اخبار سے بہت ناراض ہیں۔ مولانا حالیؔ کو سرسید سے زیادہ لگاؤ اور تعلق تھا اور عقیدت بھی رکھتے تھے ان کی مخالفت کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے "حیات جاوید" میں اس اخبار کا ذکر کیا ہے۔

> "پہلے یہی اخبار سرسید کا حد سے زیادہ طرفدار و مداح و ثناخواں تھا۔ چنانچہ ۱۸۸۴ء میں جب سرسید نے پنجاب کا سفر کیا اور لاہور پہنچے تو اسی اخبار میں سرسید کی نسبت ایک لمبی مدحیہ عبارت چھپی تھی مگر جب دوسری بار یہ اخبار جاری ہوا تو سرسید کی مخالفت کی کوئی برائی ایسی نہ تھی جو ان کی طرف منسوب نہ کی گئی ہو۔ سرسید کے دوست اس کی زبان درازیاں دیکھ کر بگڑتے تھے اس کا جواب لکھنے پر آمادہ ہوتے تھے مگر سرسید سب کو منع کرتے تھے اور کسی کو اس کا مقابلہ کرنے کی اجازت

نہ دیتے تھے اور کہتے تھے " موسم کی آندھی ہے چند روز میں خود بخود فرد ہو جائے گی ۔ اب سر سید کے انتقال کے بعد ۱۸۹۹ء میں وہ ایک مدت تک بند رہ کر تیسری بار پھر جاری ہوا ہے اور چشم بد دور اب بھی باوجود اس کے کہ سر سید دنیا سے رحلت کر چکے ہیں، اپنی وضعداری نباہے جاتا ہے۔ مگر اب سر سید کا نام صراحتہً کم لیتا ہے بلکہ جو کچھ سر سید یا ان کے کاموں کے برخلاف لکھنا ہوتا ہے اس کو علی گڈھ مشن پر ڈھال دیتا ہے۔

(حیات جاوید ص۲۷)

مولانا نصرت علی تاج التواریخ میں اس اخبار کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

" رفیقِ ہند پنجاب کے اردو اخبارات میں شہرت پذیر ہے "

مولوی محرم علی چشتی : چشتی صاحب کے والد مولوی احمد بخش یکدل چشتی سکھوں کے عہد میں لاہور کے نامی گرامی لوگوں میں سے تھے ۔ درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے ۔ اکثر اشخاص ان سے مستفیض ہوئے ۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کچھ جاگیر بھی دی تھی اور کچھ پنشن بھی کی تھی ۔ سلطنت انگلیشیہ کے زمانہ ۱۸۴۹ء میں یہ جزوی معافی اور پنشن جو نسلاً بعد نسلاً تھی صرف ان کے بڑے لڑکے مولوی نور احمد کی حیات تک محدود ہو گئی ۔ ۱۸۴۰ء میں مولوی احمد یکدل مع اپنے فرزند اکبر مولوی نور احمد دہلی گئے اور ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ کے دربار میں باریابی حاصل کی ۔ مولوی احمد بخش اردو اور فارسی کے شاعر تھے ۔ بادشاہ شاعروں کے قدردان تھے ۔ مولوی صاحب اور ان کے فرزند کو خلعت عطا کیا اور مولوی صاحب کو فخر الشعراء کا خطاب عطا کرنے کے علاوہ حسب ذیل مہر کندہ کرا کر عطا کی " فضیلت پناہ یکدل آگاہ فخر الشعراء مولوی احمد بخش یکدل فدوی محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی "

جب ان کے صاحبزادے مولوی نور احمد صاحب کا انتقال ہوا تو ان کو بہت

صدمہ ہوا اور اسی صدمہ میں یہ بھی ۲ر نومبر ۱۸۶۷ء کو فوت ہو گئے۔ مولوی یکدل کے منجھلے بیٹے مولوی محمد علی پُر دل تھے۔ ان کے تیسرے فرزند مولوی محرم علی چشتی تھے۔ ان کو اپنے آباؤ اجداد کی طرح صوفیائے کرام سے خاص عقیدت تھی اور ان کی خدمت کو فخر سمجھتے تھے۔ انگریزی اردو فارسی کے ماہر تھے۔ نثر و نظم میں آپ کو پورا عبور تھا۔ ہر مہینہ آپ خواجہ غریب نواز کی چھٹی کرتے تھے۔ گیارھویں بھی دھوم دھام سے ہوتی تھی۔ آپ وکالت کرتے تھے ان کا ہائیکورٹ کے نامور وکلاء میں شمار ہوتا تھا۔ آپ کے صاحبزادے مولوی قائم علی چشتی تھے جن کو گولڑہ شریف میں حضرت پیر سید مہر علی شاہ نے دینی تعلیم اور لقب فاضل لاہوری دیا تھا۔[1]

منشی محرم علی چشتی بڑے سمجھدار اخبار نویس تھے۔ ہوشیاری اور معاملہ فہمی میں اپنا جواب آپ تھے۔ اخبار نویسی کے بعد ۱۹۰۰ء میں وکالت شروع کی۔ خواجہ مشتاق شاہ جب پنجاب میں تشریف لائے تو چاروں طرف سے انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ پروانوں کی طرح ان پر ٹوٹ پڑا نامور لوگ ان کے مرید ہو گئے۔ خواجہ صاحب کا یہ عالم تھا کہ دیکھنے میں ایک خوشرو، خوش لباس امیر و رئیس معلوم ہوتے تھے، مگر حقیقتاً وہ ایک مست الست درویش تھے جن کی زبان سے ہر وقت توحید کے ترانے اور عشق کے فسانے سنے جاتے تھے۔ جس نے ایک دفعہ ان کا حقانی نعرہ سنا بیچین و بیتاب ہو کر گرویدہ اور حلقہ بگوش ہو جاتا تھا۔ چنانچہ چشتی صاحب بھی اس حلقہ میں داخل ہو گئے اور خواجہ صاحب کی نظر اور دل میں خاص جگہ حاصل کر لی۔ خواجہ صاحب کی صحبت سے ان کی زندگی میں ایک نیا باب کھلا یعنی چشتی صاحب کا میلان توجہ فقراء اور اہل تصوف کی طرف اس قدر بڑھی کہ

---

[1] تذکرۃ العلماء والمشائخ صفحہ ۶۴۔

ان کی زندگی کا ایک حصہ بن گیا۔ خواجہ صاحب کو حضرت نظام الدین اولیاء سے خاص محبت و عقیدت تھی۔ عرس کے علاوہ اکثر حاضری دیا کرتے تھے۔ موت بھی دہلی میں ہوئی اور قدم شریف کی درگاہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ میں دفن ہوئے۔ چشتی صاحب ۱۶، ۱۷ ذی قعدہ کو دہلی میں آتے تھے اور بہت تزک و احتشام کے ساتھ عرس کرتے تھے۔ اس عرس کی پوری کیفیت و حالت رسالہ نظام المشائخ دہلی مورخہ نومبر ۱۹۰۹ء میں علی حیدر چشتی صابری کے قلم سے سنئے:۔

"اس عرس سے پہلے سوائے حضرت خواجہ قطب صاحب اور حضرت محبوب الٰہی کے دہلی میں کوئی عرس اس شان کا نہ ہوتا تھا جس میں علاوہ رسمی تکلفات کے نامور مشائخ ہند اور کل عمائدین دہلی اور درگاہوں کے سب پیرزادے شریک ہوتے ہوں۔ چشتی صاحب کئی روز تک عرس کی محفلیں جاری رکھتے ہیں جن میں سماع، ختم، قرآن خوانی، وعظ وغیرہ ہوتے رہتے ہیں اور نہایت سیر چشمی سے لنگر کا کھانا تقسیم ہوتا ہے۔ بیرون جات سے دیوان صاحب پاکپٹن شریف، سجادہ نشین صاحب پیران کلیر شریف، سجادہ صاحب ردولی شریف اور نامور مقامات کے مشائخ اس عرس میں شریک ہونے کے لئے تشریف لاتے ہیں اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اجمیر شریف خواجہ قطب الدین صاحب، حضرت محبوب الٰہی، حضرت چراغ دہلی کی درگاہوں کے پیرزادے نہایت کثرت سے اس عرس میں شریک ہوتے اور مراسم عرس میں اس طرح حصہ لیتے گویا وہ ان ہی کا ذاتی کام ہے۔ چشتی صاحب نے خواجہ صاحب کا مزار بہت خوبصورت بنوایا ہے

اور ہر سال اس عرس میں ہزاروں روپیہ خرچ کر کے اپنی مخلصانہ عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔"

چشتی صاحب ۱۸؍دسمبر ۱۹۲۶ء کو لاہور میں فوت ہوئے۔ ان کی مشہور تصنیف "اسلامی زندگی کا دنیوی پہلو" ہے۔

چشتی صاحب اچھے خاصے شاعر تھے۔ عشقیہ کلام کہنے سے گریز کرتے تھے بزرگان دین اور اولیاء کرام سے بیحد عقیدت ہونے کی وجہ سے ان کی توصیف میں بے تکان کہتے تھے اور خاص طور پر مزارات پر حاضر ہونے کے بعد ان کی طبیعت حاضر ہو جاتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ حمد و نعت اور اولیاءؒ کرام کی تعریف میں کہا ہے۔ "ارمغان چشتی ان کے کلام کا مجموعہ ہے جس میں حمد و نعت اور اپنے پیر خواجہ مستان شاہ کابلی کے علاوہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت داتا گنج بخش لاہوری، حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت خواجہ عثمان ہارونی، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت سید جلال بخاری، حضرت بابا فرید گنج شکر، حضرت بدرالدین اسحٰق چشتی، حضرت خواجہ قطب جمالی ہانسوی، حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی، حضرت مولانا فخرالدین چشتی، حضرت بختیار کاکیؒ وغیرہ کی منقبت میں کہا ہے۔ دہلی کی سرزمین سے ان کو کافی محبت تھی۔ ایک تو ان کے پیر خواجہ مستان شاہ کابلی حضرت نظام الدین اولیاء کے قبرستان میں مدفون ہیں پھر یہ چونسٹھ خواجاؤں کی چوکھٹ ہے اس لئے دہلی کی توصیف میں انہوں نے یہ اشعار کہے ہیں۔ ؎

مرحبا اے شہر دہلی! کعبۂ ہندوستاں

تیری خاک پاک ہے اب رشک فردوس جناں

اولیاؤ اصفیا کی بن گئی تو خواب گاہ

تجھ میں آسودہ ہیں صدہا سرگروہ چشتیاں

شاہ مولانا کلیم اور شاہ علامہ کمال

حضرتِ مخدوم و سلطاں اور وہ قطبِ زماں

خواجہ اقبال اور وہ خسروِ ملکِ سخن

سعدیٔ ہندوستاں اور وہ امیرِ مومناں

حضرت محبوب کو محبوب تھے دل سے بہت

جن کی تو کانہ ادا، اور جن کا نازِ دل ستاں

خاک کابل سے بھی تیری دل ربائی بڑھ گئی

چھین لائی اس سے تو وہ شاہِ مستانِ جہاں

چشتی لاہور کی اللہ سے ہے یہ دعا

خاکِ دہلی میں مجھے بھی کاش مل جائے مکاں

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی تعریف میں ایک نظم کہی جس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ ؎

لاکھوں ترے عشق کے دیوانے، لاکھوں تیری شمع کے پروانے

شیدا لاکھوں اور لاکھوں فدا، سلطان الہند غریب نواز

تیرے عشق کا سکہ جاری ہے، ہر اک تیری شکل پہ واری ہے

برقع سے نہ لیجئے منہ کو چھپا، سلطان الہند غریب نواز

ہر چند گناہ کا پتلا ہوں، تیرا ہی مگر کہلاتا ہوں

میں ہوں تیرا، تو ہے میرا، سلطان الہند غریب نواز

ہے آپ کے زور پہ اتراتا اور آپ کا بل ہے دکھلاتا

چشتی کی ہے ورنہ حقیقت کیا، سلطان الہند غریب نواز

حضرت علاؤ الدین مخدوم صابر کلیری کی شان میں کہا ہے۔ ؎

حضوری میں جو صابر کی یہ سب عشاق آئے ہیں
بھلا طاقت تھی خود آتے، یہ حضرت نے بلائے ہیں

عجب کیفیتیں دیکھی ہیں عشق آبادِ کلیر میں
عجب کچھ رنگ مستانہ، اب اپنے دل پہ چھائے ہیں

زمین و آسماں، آب و ہوا سب مستِ الفت ہیں
عجب کلیر کے رتبے ہیں، عجائب یاں کے پائے ہیں

سمجھ لو حضرت صابر کو کیا شفقت ہے چشتی پر
اسے لاہور سے خود کھینچکر کلیر میں لائے ہیں

غزل کے چند اشعار سے

نہ آپ آتے ہو یاں، اور نہ واں بلاتے ہو
عجیب طرح سے دن رات تم جلاتے ہو

کبھی طمانچۂ قہر، اور کبھی نگاہِ مہر!
کبھی ہنساتے ہو ان کو کبھی رلاتے ہو

ادھر سے حکم تو ہوتا ہے ترکِ دنیا کا
ادھر سے خود ہی جکڑ کر ہمیں پھنساتے ہو

عطا ہوئی تھی ہمیں کیوں قبائے انسانی
بنا کے خاک سے جب خاک میں ملاتے ہو

ازل کے ملک سے آئے تھے یاں کن کن امنگوں سے
بحسرت جا رہے ہیں کارواں کے کارواں واپس

استحلاد مدراس تر ملکھیری ہائی روڈ کوچہ اعز الدین سے انجمن احباب کا یہ آرگن ۷ جنوری ۱۸۹۴ء کو جلوہ افگن ہوا، یہ ہفتہ وار ہر دوشنبہ کو

شائع ہوتا تھا۔ ایڈیٹر و مہتمم و خازن غلام غوث تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ مطبع اتحاد میں طباعت ہوتی تھی۔ سرورق پر یہ شعر درج تھا ؎

بسان آئینہ یارب صفائی دہ بیانم را
شکر افشاں چو طوطی در ثنایت کن زبانم را

دبیر مدراس مدراس باغ حسام الملک ڈاک خانہ رائے پٹہ سے ۱۲ر جنوری ۱۸۸۴ء کو یہ ہفتہ وار اخبار نکلا۔ ہر شنبہ کو بارہ صفحات پر شائع ہوتا تھا۔ مالک سید حسن رضا آتشی تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ مطبع حسنی میں چھپتا تھا۔

بے نظیر لکھنؤ محلہ شاہ عالمی دروازہ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۵ر جنوری ۱۸۸۴ء کو شائع ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک جی بی دتا تری، ایڈیٹر پنڈت شیو ناتھ سنگھ تھے۔ سالانہ چندہ ڈھائی روپیہ تھا۔

مہذب کپورتھلہ سے یہ پندرہ روزہ اخبار ۱۵ر جنوری ۱۸۸۴ء کو جاری ہوا۔ "انجمن حامیٔ قوم" کا یہ آرگن تھا۔ سکریٹری جعفر علی بیمار اور مہتمم سردار بوٹا سنگھ سوداگر تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ مطبع بہار جنت میں چھپائی ہوتی تھی۔

حکیم جعفر علی بیمار: حکیم صاحب کے والد حکیم سکندر علی صاحب میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ علم عروض کی تحصیل مولانا محمد حسین آزاد سے کی تھی۔ علوم مشرقی سے بخوبی واقف تھے۔ تاریخ گوئی کا شوق تھا۔ ۱۳۰۲ھ میں ۳۰ سال کی عمر تھی۔ مہاراجہ کپورتھلہ کے بزمرہ اطبا میں ملازم تھے۔ [۱]

اک زمانہ تھا کہ پابند تعلق میں بھی تھا
اب تو میں آزاد ہوں شاگرد ہوں آزاد کا

---

[۱] خم خانۂ جاوید اول ص ۶۸۷

صیاد کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل آئے
کل دیکھا تڑپتا جو تہہ دام ہمارا

دامن کو مرے خون سے قاتل بچائیو
کہتے ہیں چھوٹتا نہیں دھبہ لگا ہوا

جونس گزٹ لکھنؤ محلہ گھیاری منڈی سے ۸ر جنوری ۱۸۸۴ء کو یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر جاری ہوا۔ مالک رائے سری کرشن چندر قیصر تھے۔ ہر دوشنبہ کو نکلتا تھا سالانہ چندہ تین روپے بارہ آنے تھا۔ قیصر المطابع میں چھپتا تھا۔

گئو رکھشا بجوارہ ضلع ہوشیارپور سے یہ ہفتہ وار اخبار ۷ر جنوری ۱۸۸۴ء کو شائع ہوا۔ ہر چہارشنبہ کو آٹھ صفحات پر نکلتا تھا۔ مالک منشی اسندی خاں صفی، مہتمم بابو ارجن سنگھ تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ سفیر پنجاب پریس میں چھپائی ہوتی تھی۔

انجمن رفاہ عام لدھیانہ سے ۱۲ر جنوری ۱۸۸۴ء کو یہ ماہانہ رسالہ سولہ صفحات پر نمودار ہوا۔ انجمن کارخانہ حرفت و صنعت، دری و قالین کا آرگن تھا۔ ڈپٹی قادر بخش میر مجلس، محمد حسین سکریٹری اور ایڈیٹر مرزا عبداللہ تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ امریکن مشن پریس میں طباعت ہوتی تھی۔

تکملہ آگرہ محلہ منڈوی سعید خاں سے یکم جنوری ۱۸۸۴ء کو یہ ماہانہ رسالہ بیس صفحات پر نکلنا شروع ہوا۔ مہتمم منشی کرامت علی سکریٹری جلسہ حامی اسلام تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ مطبع حسینی میں چھپتا تھا۔

اس رسالہ میں فلاسفری کا تکملہ ہوتا تھا اور تدابیر حفظ صحت زچہ و بچہ

کے لابدیہ امور و دیگر مسائل طبیہ کا جن کا جاننا علاوہ حکیم و طبیب کے ہر خاص و عام کو ضروری ہے اس کی معلومات دی جاتی تھی۔

پیکِ آصفی حیدر آباد محلہ دارالشفا قریب حمام باؤلی سے یکم جنوری ۱۸۸۴ء کو چار صفحات پر یہ روزنامہ اخبار شائع ہوا۔ مالک مولوی سید احمد زید بلگرامی، مہتمم سید حسن حشمت بلگرامی تھے۔ سالانہ چندہ پندرہ روپیہ تھا۔ مطبع ہزار داستان میں طباعت ہوتی تھی۔

سلام دہلی درگاہ نظام الدین ڈاک خانہ عرب سرائے سے یہ شعر و سخن کا ماہانہ رسالہ ۲۴ جنوری ۱۸۸۴ء کو نمودار ہوا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک امیر سنگھ تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔

رفیع الاخبار بنارس محلہ حسن پورہ قریب تالاب مچھودری علاقہ آدم پورہ ڈاک خانہ گنج برج سے یکم جنوری ۱۸۸۴ء کو یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر جاری ہوا، ہر چہارشنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک سید غلام حسین صاحب منیجر جواہر اکسیر پریس ایڈیٹر منشی کریم بخش آزاد تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ حنفی پریس میں چھپائی ہوتی تھی۔

آزاد مراد آباد سے یکم فروری ۱۸۸۴ء کو یہ ہفتہ وار اخبار شائع ہوا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک ابن علی مہتمم آغا علی تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپے تھا۔

راویٔ بے نظیر لاہور محلہ مچھی ہٹہ سے یکم فروری ۱۸۸۴ء کو بزرگان ماضی و حال وغیرہ کے حالات شائع کرنے کے لئے یہ ماہانہ رسالہ وجود میں آیا، ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک رائے سالگ رام، ایڈیٹر پنڈت شیوناتھ تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ مطبع آریہ پریس میں طباعت ہوتی تھی۔

نظام الاخبار جھجر ضلع رہتک سے یہ ہفتہ وار اخبار ۲۰ر فروری ۱۹۶۴ء کو نکلا۔ ہر چہار شنبہ کو سولہ صفحات پر نکلتا تھا۔ مالک غلام احمد خاں تھے۔ سالانہ چندہ پانچ روپیہ تیرہ آنے تھا۔ مطبع سلیمانی میں طباعت ہوتی تھی۔

ہریانہ پنچ جھجر ضلع رہتک سے یہ ہفتہ وار اخبار ۲۰ر فروری ۱۸۸۴ء کو جاری ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک غلام احمد خاں تھے۔ سالانہ چندہ آٹھ روپیہ تھا۔ مطبع سلیمانی میں طباعت ہوتی تھی۔

مرقع نگار لکھنؤ محلہ زیبا کبری دروازہ ڈاک خانہ چوک سے ۲۴ر فروری ۱۸۸۴ء کو یہ ماہانہ شعر و شاعری کا رسالہ شائع ہوا۔ ۲۰ صفحات کا تھا۔ مالک خواجہ محمد وزیر، ایڈیٹر عاشق حسین عاشقؔ اور حسب ایڈیٹر مرتضیٰ صاحب عاشقؔ تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ مطبع گلزار محمدی میں چھپتا تھا۔

سرورق پر یہ شعر تحریر ہے ؎

لذت زخم جگر سے جسے راحت ہوئے
کہدو نشتر دل چاک پہ کھانے آئے

شروع سالوں میں مرتب کرنے والوں میں صرف جناب محمد مرتضیٰ صاحب عاشقؔ لکھنوی اور محمد وزیر مالک مطبع گلزار محمد کے نام ہیں[1] معلوم دیتا ہے بعد میں جناب عاشق حسین صاحب عاشقؔ کو یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے۔

اس گلدستہ کی بارھویں نئی شرط بھی سن لیجیے:۔

"صرف خریداران کے لئے مرقع نگار کا کلام غیر طرحی قصائد و مثنوی"

---

[1] مرقع نگار فروری ۱۸۸۵ء۔

قطعہ رباعی وغیرہ فی شعر دو پیسہ اجرت پر طبع ہو سکتا ہے مگر ضمیمہ کے طور پر باقی غیر خریدار کا کلام ایک آنہ فی شعر اجرت پر طبع ہوگا۔"

اس گلدستہ میں بھی زیادہ تر غیر معروف شعرا کا کلام شائع ہوتا تھا۔ کاغذ انتہائی گھٹیا رنگین استعمال کیا گیا ہے۔ کتابت درمیانی ہے۔ غزلیں وغیرہ بھی اوسط درجہ کی ہوتی ہیں۔

فروری ۱۸۸۵ء کے شمارے کی غزلوں کے منتخبہ اشعار دیئے جاتے ہیں۔

جناب مرزا محمد آغا جان صاحب آغا رئیس سونگھڑہ شاگرد جناب مطلب اجمیری سے

بدلی سے کبھی چاند نہ نکلے شب وعدہ
گر چاند سا وہ دیکھ لے رخسار تمہارا
تم اس کی خبر لو کہ اجل آکے خبر لے
اب جان سے بیزار ہے بیمار تمہارا
مر جاؤ گے اک روز شب ہجر سے آغا
اچھا کبھی ہوئے گا نہ آزار تمہارا

جناب سید محمد تصدق حسین صاحب تصدق شاہجہان پوری شاگرد وقار صاحب سے

گر آج بھی دکھلایا نہ جلوہ تو سمجھ لو
مر جائے گا یہ طالب دیدار تمہارا
کیوں کر دل بیتاب کی حسرت نہ نکالوں
برسوں میں تو پورا ہوا اقرار تمہارا

جناب نواب مہدی حسن خاں صاحب رفعت شاگرد حضرت جلال لکھنوی سے

جلد آئے وہ دن جھوٹوں کا وعدہ تو وفا ہو
گر حشر پہ موقوف ہے دیدار تمہارا

تلخی اجل کی ہے دوا شربتِ دیدار
آنکھوں میں پئے جاتا ہے بیمار تمہارا

جناب شیخ حافظ فضل احمد صاحب فضل شاہجہان پوری شاگرد قاری صاحب رسہ

خواہاں کوئی حوروں کا کوئی طالب غلماں
اے ختم رسل میں ہوں طلبگار تمہارا
کیا جائیں گے ہم خلد میں کیا لطف ہے اس میں
در چھوڑ کے اے احمد مختار تمہارا

جناب شیخ بہادر علی صاحب قاری شاہجہان پوری شاگرد حضرت جلال لکھنوی سہ

بیٹھے رہو آغوش میں اٹھنے کا نہ لو نام
اتنا ہی کرم ہے ہمیں درکار تمہارا
اک تم ہو کہ رکھتے ہو مرے نام سے نفرت
اک ہم ہیں کہ دم بھرتے ہیں اے یار تمہارا

جناب گنج بہاری لال مسکینؔ خلف لالہ لچھمن پرشاد سہ

بوسہ جو طلب میں نے کیا ہنس کے وہ بولے
اس وقت کا کہنا ہے یہ بیکار تمہارا
اے بلبلو جاتے ہیں لئے داغ جگر پر
یہ تم کو مبارک رہے گلزار تمہارا
کیا آپ مجھے بھول گئے یاد نہیں ہے
میں بندۂ مسکیں ہوں گنہگار تمہارا

قومی کایستھ نجم ادہ ماہان | لکھنؤ محلہ بیگم گنج سے یکم جنوری ۱۸۸۹ء کو یہ ماہانہ رسالہ نکلا۔ سولہ صفحات پر

مشتمل تھا۔ مالک لالہ دیبی پرشاد تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا مطبع آفتاب عالمتاب میں چھپائی ہوتی تھی۔

نالۂ عشاق مدراس باغ حسام الملک ڈاک خانہ رائے پیٹہ سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۵ر فروری ۱۸۸۴ء کو شائع ہوا۔ چودہ صفحات پر نکلتا تھا۔ مالک سید حسن رضا آتشیؔ، منشی محی الدین حسین خاں تسنیمؔ ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ بارہ آنے تھا۔ مطبع حسینی میں طبع ہوتا تھا۔ سرورق پر یہ شعر درج تھا۔ ؎

کلیجہ منہ کو آئے، دل پھڑک اٹھے جگر تڑپے
یہ وہ نالے ہیں جو یکدم سینے در در پھر تڑپے

منشی محی الدین حسین خاں تسنیمؔ: خاں صاحب نواب سپہدار جنگ رئیس مدراس کے خویش نواب کرناٹک کے قرابت دار تھے۔ مولانا کوثر خیر آبادی کو کلام دکھاتے تھے۔ ان کے بزرگ مدراس کے قدیم شریفوں میں تھے۔ یہ عرصہ سے حیدرآباد دکن میں مقیم تھے اور وہاں کے کالج کے پروفیسر تھے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے جناب فصاحت سے بھی مشورہ سخن کیا تھا۔ اچھے شاعر تھے۔ زبان میں سلاست اور روانی ہے۔ مشاق اور زود گو تھے۔ نظام حیدرآباد سے وظیفہ بھی پاتے تھے خلیق، خوش مزاج اور پاک طینت تھے۔ ؎

یوں موسمِ شباب ہمارا گذر گیا — گویا چڑھا ہوا کوئی دریا اتر گیا
پہلو میں میرے دل کا ٹھہرنا محال ہے — حالت یہ ہے کہ آج گیا اور کل گیا

چاندنی صورت کا دل بر جن کے پہلو میں رہے
پوچھئے ان خوش نصیبوں سے مزا برسات کا

منہ چھپائے ہوئے میخانے سے جاتے ہیں دو شیخ
میکشو! ہیں یہ بڑے مرشد کامل لینا

بہت پُر درد ہے میری کہانی — تجھے ظالم سنانا چاہتا ہوں

وہ ہنس ہنس کر مجھی سے پوچھتے ہیں — ہمارے چاہنے والے تمہیں ہو

کیا قتل اور چھپے میرے ہی دل میں — غضب کا ڈر، قیامت کے نڈر بھی

عاصیوں کو دیکھ کر کہتے ہیں زاہد حشر میں
جوش پر ہے ابرِ رحمت دیکھئے کیسی بنے

ترجمان ناگپور محلہ صدر بازار سے یکم مارچ ۱۸۸۴ء کو یہ ہفتہ وار اخبار شائع ہوا۔ آٹھ صفحات پر سہ شنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک عثمان علی خاں اور مہتمم محمد یعقوب تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے بارہ آنے تھا۔ مطبع عثمانی میں طباعت ہوتی تھی۔

جامع الاخلاق لکھنؤ محلہ نوبستہ ڈاک خانہ منصور نگر سے یہ پندرہ روزہ اخبار ۱۵ مارچ ۱۸۸۴ء کو وجود میں آیا۔ مالک مولوی سید محمد حسین اغلب موہانی، مہتمم سید باسط حسین اور ایڈیٹر سید نظام علی تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپے تھا۔ مطبع جامع الاخلاق میں چھپائی ہوتی تھی۔

رفیق نسواں لکھنؤ سے پندرہ روزہ اردو ہندی میں اور کلکتہ سے بنگالی اور مدراس سے تامل زبانوں میں ۵ مارچ ۱۸۸۴ء سے نکلنا شروع ہوا۔ یہ پرچہ عیسائی مشنریوں کی طرف سے عورتوں کے لئے جاری کیا گیا تھا۔ بارہ صفحات پر نکلتا تھا۔ بانی پادری کریون صاحب تھے۔ غربا کو مفت دیا جاتا تھا اور عام آدمیوں سے ایک پیسہ فی پرچہ لیا جاتا تھا۔

کرناٹک پنچ مدراس رائے پیٹھ باغ حسام الملک سے عشرہ وار یکم اپریل ۱۸۸۴ء کو جاری ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ منشی محی الدین حسن خاں خویش نواب سپہدار جنگ مہتمم تھے۔ سالانہ چندہ تین

روپیہ تھا۔ مطبع حسنی میں چھپائی ہوتی تھی۔

حدیقہ شعراء مدراس علاقہ ترپلی کیڑی محلہ ہائی روڈ سے انجمن شعراء کا یہ آرگن ۵ اپریل ۱۸۸۴ء کو ہفتہ وار شائع ہوا۔ بانی میر صادق حسین سکریٹری انجمن شعراء، مہتمم حکیم محمد حسین تھے۔ بارہ صفحات پر ہر پنجشنبہ کو نکلتا تھا سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ مطبع اعجاز محمدی میں چھپتا تھا۔

شمع سخن بنگلور سے یہ ماہانہ شعر و سخن کا گلدستہ ۲۰ اپریل ۱۸۸۴ء کو ظہور پذیر ہوا۔ مالک مولانا عبدالحق تحقیق، مہتمم غلام محمد شریف ادیب تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ چام راج پریس میں طبع ہوتا تھا۔

عبدالحق تحقیق: آپ بنگلور کے رہنے والے تھے۔ ۱۹۰۰ء میں انتقال ہوا۔ صاف اور ستھرے شعر کہتے تھے۔ ؎

دیکھا نہ مسیحا نے کبھی جب تیرا مداوا　　اللہ کو سونپا تجھے، بیمارِ محبت
صورت گر معنی نہ ہوا جوہرِ مانی　　آئینہ ہوا مانع دیدارِ محبت

جنبش باد فنا یاد جو آجاتی ہے
گل کو ہوتی ہے خلش رہوتے ہیں لرزاں کانٹے
نفع منعم کی بھی صحبت سے نہیں موذی کو
دامن گل میں ہیں گو رہتے ہیں عریاں کانٹے

غلام محمد شریف ادیب: محمد قاسم غم کے ادیب صاحب فرزند تھے۔ بنگلور کے باشندے تھے، قاسم الاخبار کی ادارت کی ذمہ داری بھی سنبھالی تھی۔ [1]

روشن ہے میرے داغ سے انوارِ محبت
خاموشی میں کرتا ہوں میں اظہارِ محبت

---

[1] مدراس میں اردو ص۱۸۷۔

بے وجہ نہ آنکھوں سے اب خون رواں ہے
دل میں ہے مرے اک خلش خارِ محبت

انجمن زراعت بجنور سے ۲۰ اپریل ۱۸۸۴ء کو یہ ماہانہ زراعتی ایگری کلچر سوسائٹی کے اہتمام میں شائع ہوا۔ سکریٹری پنڈت سری لال مہتمم حافظ کریم اللہ تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے دو آنے تھا۔ مطبع مہر نیمروز میں طباعت ہوتی تھی۔

جین پرکاش ہندوستان قصبہ فرخ نگر ضلع گوڑگانوہ سے یکم مئی ۱۸۸۴ء کو یہ ماہانہ جینیوں کا رسالہ نمودار ہوا۔ آٹھ صفحات پر نکلتا تھا۔ اردو ہندی میں شائع ہوتا تھا۔ مالک پنڈت چودھری منشی جینی جیالال تھے۔ سالانہ چندہ ڈھائی روپیہ تھا۔ مطبع فوق کاشی دہلی میں طباعت ہوتی تھی۔

جام الحق دہلی بازار چاندنی چوک کوچہ قابل عطار سے یکم مئی ۱۸۸۴ء کو یہ ماہانہ رسالہ جاری ہوا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ یہ انجمن انصاریہ کا ارگن تھا۔ مہتمم سید منور علی تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔

سرور قیصری یہ اخبار رامپور محلہ ورییہ سے یکم مئی ۱۸۸۴ء کو پہلے ہفتہ وار بارہ صفحات پر نکلنا شروع ہوا۔ اس کے بانی حکیم احمد رضا تھے۔ ۸ جنوری ۱۸۸۸ء سے مطبع حیدری محلہ کٹرہ جلال الدین خاں باہتمام حکیم حیدر علی خاں حیدر کے شائع ہوا۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔

حکیم حیدر علی خاں حیدر: حیدر صاحب کے والد عبید شاہ افغانی ایانی گردون کے خاندان سے تھے۔ آپ مولانا میاں امیر شاہ کے حقیقی بھتیجے تھے۔ ۱۲۷۴ء کو رامپور محلہ کٹرہ میں پیدا ہوئے۔ شہر کے اساتذہ سے فارسی اور عربی کے علوم تحصیل کئے۔

مدرسہ عالیہ رامپور میں بھی تعلیم پائی۔ طب حکیم حسن رضا خاں صاحب سے پڑھی۔ باوضع اور نیک انسان تھے۔ رمل اور نجوم میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ ۱۲۸۱ھ تا ۱۳۰۴ھ میں نواب سید کلب علی خاں کے عہد میں ریاست کی چند روز ملازمت کی۔ اپنے مکان پر مطب کرتے تھے۔ جاننے والوں سے علاج کا نذرانہ وصول نہیں کرتے تھے۔ نواب سید محمد حامد علی خاں نے کئی بار رمل کے سلسلے میں طلب کیا۔ ایک دو مرتبہ چلے گئے پھر دربار میں حاضری نہیں دی۔ فرمایا کرتے تھے "خدا کے سوا کسی سے آرزو نہیں ہے اور امرا کی دربار داری میں ایمان مشکل سے سلامت رہتا ہے اگر امرا کی مرضی کے خلاف بات کہی جائے تو انہیں ناگوار ہوگی اور اگر موافق کہی جائے تو ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھو"۔ صابر و شاکر ایسے تھے کہ کسی شخص سے کچھ نہیں کہتے تھے۔ ہمیشہ مکلف لباس پہنتے تھے۔

ابتدا عمر سے شاعری کا شوق تھا۔ عشقیہ کلام کہنے سے گریز کرتے تھے نعتیہ کلام کہا ہے۔ امیر مینائی کو کلام دکھاتے تھے۔ ۱۳۲۹ھ کو ہیضہ میں انتقال ہوا۔ میاں سبحان شاہ کے احاطہ مزار میں دفن ہوئے۔ [1]

بحرِ سخا ہیں، ابر عطا ہیں، راہ نما ہیں، ظل خدا ہیں
سب سے جدا ہیں آپ کے جوہر صلی اللہ علیہ وسلم
عارفِ قدرت، صاحبِ ہمت، شافعِ امت، بانیِ ملت
کانِ ولایت، مرسل داور صلی اللہ علیہ وسلم

ہمائے بنگال

کلکتہ محلہ کولوٹولہ نمبر ۴۸ ذیلی بارڈھ سے یکم مئی ۱۸۸۴ء کو یہ روزانہ اخبار وجود میں آیا۔ چار صفحات پر مشتمل تھا۔ بانی احسان اللہ بادشاہ کمپنی تھے۔ سالانہ چندہ سولہ روپے تھا۔ تجارت المطابع میں چھپتا تھا۔

---

[1] تذکرہ کاملاں رامپور ص ۱۲۱۔

نامۂ یار رتلام سے یہ ماہانہ شعر وسخن کا گلدستہ ۲ مئی ۱۸۸۴ء کو ظہور میں آیا بیس صفحات پر نکلتا تھا۔ مالک فیاض الرحمن، مہتمم مشرف یار خاں تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ مطبع رتن پرکاش میں طبع ہوتا تھا۔ سرورق پر یہ شعر درج تھا۔ ؎

ہم سے کہتے تھے ذرا تم تو جگر کو تھام لو　　ناصحو آ ہی گیا وہ فتنۂ ایام لو

موج نربدا ہوشنگ آباد سے یہ ہفتہ وار اخبار ۴ مئی ۱۸۸۴ء کو نکلا۔ ہر یکشنبہ کو آٹھ صفحات پر شائع ہوتا تھا۔ مالک ابوالفضل مرزا عبدالکریم سوداگر تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ مطبع موج نربدا میں چھپائی ہوتی تھی۔ سرورق پر یہ رباعی لکھی ہوئی تھی۔ ؎

بہ بسم اللہ عالم گیر کن لطف بیانم را
بگوش ہوش ہر کس نغمہ من دل نوازم را
قبول عالم گردان آنچناں خوش داستانم را
الٰہی جوہر تسخیر دہ سیف زبانم را

تبلیغ جبلپور ۲ جنوری ۱۸۸۴ء کے شمارے میں موج نربدا پر ریویو شائع ہوا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

" ہوشنگ آباد سنٹرل پراونس میں اردو کا یہ پہلا اخبار ہے۔ کچھ عرصہ تک ان اضلاع میں اس معزز اخبار کی وہ دھوم دھام رہی کہ بایدوشاید۔ گلیوں کوچوں میں اس کی پکار تھی۔ ہلال عید کی طرح اس کے دیکھنے کے لئے آنکھیں انتظار کرتی تھیں۔ مگر چونکہ دنیا کی کسی بات کو قیام وبقا نہیں اور مسلمانوں میں قدر دانی و رتبہ شناسی ایسی ہی رہ گئی ہے جیسے آٹے میں نمک یا اڑد پر سفیدی اس لئے یہ کیفیت دیرپا نہ ہوئی بلکہ

چند روز کے بعد حالت دگرگوں ہوگئی۔ اب تھوڑی مدت سے پھر جوش آیا ہے اور دم آنے لگا ہے۔ بظاہر آثار اچھے معلوم ہوتے ہیں امید ہے کہ سابق سے بڑھ کر ترقی کرے گا۔ مضامین کے لحاظ سے اس کا نام موج زبدار رکھنا ایک قسم کا عیب ۔۔۔ داغ لگانا ہے بلکہ اگر موج سمندر یا نیل و فرات کہا جائے تو بجا و زیبا ہے۔"

تحفۂ عشاق لکھنؤ محلہ چوک جدید سے ۔ ا رمئی ۱۸۸۴ء کو یہ ماہانہ شعر و سخن کا گلدستہ شائع ہوا۔ مالک مولوی معصوم علی محشر رئیس جگور مہتمم کارخانہ زردوزی تھے۔ اٹھائیس صفحات پر مشتمل تھا۔ قیصر المطابع میں چھپتا تھا۔ یہ گلدستہ ہر انگریزی مہینے کی دسویں تاریخ کو نکلتا تھا۔ اشعار چھاپنے کی تعداد اور اجرت کے بارے میں ایڈیٹر صاحب نے یہ دستور بنایا ہے۔

"ہمارے نزدیک ۶ نو شعر کی غزل بس آگے قصیدہ ہے اس سے زیادہ جو صاحب چھپوانا چاہتے ہیں فی شعر ایک آنہ عنایت فرمائیں اور یہی قاعدہ بخیر طرح کے لئے ہے"

سرورق پر یہ شعر تحریر ہے۔ ؎

سنے ہوں گے چمن میں سینکڑوں نالے ہزاروں کے
کلیجے تھام لو اب دل جلے فریاد کرتے ہیں

طوطیٔ ہند میرٹھ نے ۱۰ رمئی ۱۸۸۴ء کے شمارے میں اس گلدستہ پر یہ تبصرہ کیا ہے۔

"مولوی معصوم علی محشر کے اہتمام سے ماہواری شعر و سخن کا یہ رسالہ بخط خوب طرز مرغوب شائع ہوتا ہے۔ اگرچہ زینت سخن و گلدستۂ سخن و پیام یار اور کیا کیا خاک بلا رسالے شعر و سخن کے جاری

لیکن ہمارے نزدیک لکھنؤ کے خاندانی شعرار کا جس قدر ٹکسالی کلام
اس مجموعہ میں ہے وہ اندرون میں ہر گز نہیں اس واسطے ہم کو یہ لکھنا
چاہئے کہ یہ تحفۂ عشاق ہی نہیں بلکہ تحفۂ آفاق ہے"۔
۱۰ ارمئی ۱۸۸۴ء نمبر اول کے منتخب اشعار چشم بصیرت سے دیکھیں۔
جناب سید حیدر مرزا صاحب ادیبؔ خلف اکبر و شاگرد جناب عشقؔ ۔ ؎

ہنس کے کہتے ہیں خوشی سے نہ کہیں مرجاؤ
وصل کی شب جو کوئی آئے وہ قاتل ٹھہرے
یاد تھا تیری طبیعت کا تلون جو انہیں
کبھی تڑپے، کبھی دم بھر ترے بسمل ٹھہرے

جناب منشی اشرف علی صاحب خوشنویس اشرفؔ شاگرد جناب نسیمؔ دہلوی۔ ؎

ہائے قاتل سے کسی نے نہ شفاعت چاہی
آشنا پاس نہ ہے دم مشکل ٹھہرے
دشمن جان نظر آتی ہے بتوں کی الفت
اے خدا صبر عطا کر کہ مرا دل ٹھہرے

جناب منشی سید وحید الدین صاحب آزادؔ سررشتہ دار محکمہ اپیل ریاست ٹونک
ساکن رائے بریلی۔ ؎

مرے پاس آکے جو وہ حور شمائل ٹھہرے
جان تھم جائے، کوئی دم تپش دل ٹھہرے
یار سے بوسۂ لب مانگ کے ہم اے آزادؔ
سب کی نظروں میں بلا وجہ بھی سائل ٹھہرے

جناب مرزا نواب علی خوشنویس اثرؔ شاگرد جناب ہوشؔ۔ ؎

ہجر میں جان کے دشمن، جگر و دل ٹھہرے
جو مرے ساتھ پلے تھے وہی قاتل ٹھہرے

درد فرقت سے تڑپتا ہے سدا او بیدرد
آ کے سینے سے لپٹ جا کہ ذرا دل ٹھہرے

جناب شیخ محمد سعید الدین خاں صاحب تمناؔ شاگرد جناب کلامی سکنہ قصبہ ہیم وارڈ ٹونک۔ سہ

ہے ضیائے رخ پرنور سے روشن عالم
آپ اے جان جہاں رونق محفل ٹھہرے

جان و دل مفت میں لیکر بھی مکرنا کیا خوب
ہم تو ناقص ہوئے الفت میں وہ کامل ٹھہرے

جناب سید محمد کاظم صاحب جاویدؔ تلمیذ رشید جناب خورشید۔ سہ

ہوں میں غم خانۂ عالم میں چراغ سحری
شب جو آخر ہو تو کیا خاک مرا دل ٹھہرے

شرر آسا مری ہستی ہے تڑپنے سے فقط
ابھی معدوم ہوں نظروں سے اگر دل ٹھہرے

جناب سید ابو محمد صاحب جلیسؔ نبیرہ جناب انیسؔ مرحوم و مغفور۔ سہ

عمر بھر آئی گئیں دل میں امیدیں لاکھوں
سینکڑوں قافلے آکر سر منزل ٹھہرے

خوبصورت ہے وہ بت اس کی طرف حق ہوگا
ہے یقیں حشر میں دعویٰ مرا باطل ٹھہرے

مولوی معصوم علی محشرؔ: محشرؔ صاحب لکھنؤ کے عقب چوک میں رہتے تھے

لکھنؤ کے ادبی و علمی ماحول میں کوئی پڑھا لکھا انسان اور شعر و شاعری کا ذوق سلیم نہ رکھتا ہو، یہ ناممکن تھا محشرؔ صاحب بھی اس سوسائٹی و ماحول سے متاثر ہوئے۔ شعر کہنا شروع کیا اور جناب مرزا محمد تقی بیگ عرف مچھو بیگ عاشقؔ لکھنوی سے تلمذ حاصل کیا۔ ان کے کلام میں گداز اور درد ہے، محشرؔ صاحب قادر الکلام شاعر تھے۔

تحفۂ عشاق کے آٹھ دس پرچوں کی ورق گردانی کی کسی میں بھی محشرؔ صاحب کی غزل نظر نہیں پڑی۔ جب ۱۸۸۵ء کی آمد ہوئی اس وقت ۲۸ اشعار کا قصیدہ سال نو کی شان میں آپ نے فرمایا جس میں تحفۂ عشاق کا بھی ذکر خیر کیا اور اس کو اس کی کامیابی و ترقی دعا پر ختم کیا۔ اس قصیدے کے چند شعر درج کئے جاتے ہیں۔ [1]

اٹھا جھومتا ابر مستانہ وار
مبارک ہو ساقی پھر آئی بہار

عجب فیض باد بہاری کا ہے
زمیں سبز رنگ، آسماں سبزہ زار

شگوفوں کی ہے اس طرح سے نمو
حسینوں کے جوبن پہ جیسے ابھار

خدا کے کرم سے یہ وہ فصل ہے
ہوئے زاہد خشک بھی بادہ خوار

وہ سب زہد و تقویٰ دھرا رہ گیا
ہوئے آ کے صحبت میں یاروں کے یار

اٹھا جام مے دے بہا نڈی اونڈیل
پلا پھول ساقی میں تیرے نثار

وہ مے دے کہ ہو جائیں سب غم غلط
نکالیں ذرا اب تو دل کے بخار

ارے یار تجھ کو نہیں کیا خبر
زمانے میں ہے سال نو کی پکار

نئے ساز و ساماں نئے رنگ ڈھنگ
نئے سارے جوبن، نئے سب نکھار

---

[1] تحفۂ عشاق لکھنؤ، ۱۰ جنوری ۱۸۸۵ء۔

نئے نظم کے سب خیالات ہیں — نئے طرز پر ہیں مضامیں نگار
نیا اب کی تحفہ کا بھی رنگ ہو — نئے رنگ کے پھول پھولیں ہزار
دعا مانگ تو، رند آئیں کہیں — عجب کیا ہے سن لے جو پروردگار
الٰہی پھلیں پھولیں جب تک شجر — درختوں میں جب تک رہیں برگ بار
یہ گلدستہ دکھلائے گلشن کی سیر — ترقی پہ ہو روز افزوں بہار
ہوا خواہ اس کے رہیں دہر میں — باقبال و دولت بعز و وقار

یہ محشر جو خادم ہے احباب کا
رہے سال بھر یوں ہیں خدمت گذار

ہدایت لاہور محلہ لکی زبان سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم جون ۱۸۸۴ء کو وجود میں آیا۔ آٹھ صفحات پہ ہر جمعہ کو نکلتا تھا۔ مالک مولوی فضل الدین واعظ، ایڈیٹر مولوی غلام علی قصوری تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا مطبع گلشن رشیدی میں طباعت ہوتی تھی۔

نجم اودمابان لکھنؤ محلہ بیگم گنج ڈاک خانہ چوک سے یہ ماہانہ کایستھوں کا آرگن یکم جون ۱۸۸۴ء کو نکلا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک لالہ دیبی پرشاد اور مہتمم لالہ شمبھو ناتھ تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا مطبع آفتاب عالمتاب میں چھپائی ہوتی تھی۔

ایڈورٹائزر دہلی محلہ کھوجلہ پہاڑی سے یہ پندرہ روزہ اخبار یکم جون ۱۸۸۴ء کو ظہور میں آیا۔ یہ ایڈورٹائزر کمپنی دہلی کا آرگن تھا مطبع رضوی میں طباعت ہوتی تھی۔

نوربصیرت کلکتہ نمبر ۱۶ محلہ اٹالی مقام ملاپاڑہ سے یہ ماہانہ رسالہ ۲۴ صفحات پر ۱۵ جون ۱۸۸۴ء کو شائع ہوا۔ مالک ظفریاب خاں اور

مہتمم اسفندیار خاں، ایڈیٹر غلام حضرت تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے چھ آنے تھا مطبع قادریہ میں طباعت ہوتی تھی۔

اتحاد — ترمل کھیڑی ہائی روڈ سے ۹ر جون ۱۸۸۴ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا۔ ہر دوشنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک محمد عظیم الدین تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ اسی سال کلکتہ سے ایک ہی نام یعنی اتحاد نام کے دو پرچے جاری ہوئے۔

مہر منور — مظفر پور ضلع تیرہٹ صوبہ بہار سے یہ پندرہ روزہ اخبار آٹھ صفحات پر ۱۰ر جون ۱۸۸۴ء کو شائع ہوا۔ مالک شیخ محمد جان عرف ح، مہتمم شیخ محمد حسن ضیا عرف چھوٹے صاحب تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے بارہ آنے تھا۔ مطبع مشرق پور میں طباعت ہوتی تھی۔

گلدستۂ ناز — بمبئی محلہ دوٹانکی ایلسک روڈ سے ۱۵ر جون ۱۸۸۴ء کو یہ شعر وسخن کا ماہانہ گلدستہ جلوہ افروز ہوا۔ بیس صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک بلقیس جہاں بیگم ناز، ایڈیٹر ناظمہ بیگم، مہتمم منشی ریاض علی عاشق تھے۔ سالانہ چندہ سوا روپیہ تھا۔

اس گلدستہ کے سرورق پر یہ شعر درج ہے۔ ؎

نقد دل نقد سخن دے کے زیارت کرلیں
ہیں کہاں ناز حسینوں کے اٹھانے والے

اس شعر کے نیچے گلدستہ کا یہ قطعہ تاریخ بھی تحریر ہے۔ ؎

شوخی وکرشمہ وشرارت	انداز وادائے مہ جبیناں
سفاکی وغمزہ وتغافل	خودبینی وعشوہ حسیناں
تفریح دل وسرور خاطر	گلدستۂ ناز نازنیناں

سال تاریخ کا سوچنا کیا
ناز کہہ دو غضب ناز بیحد

۱۸۸۴ء

ہمارے پیش نظر ۱۵ مئی ۱۸۸۵ء کا شمارہ ہے اس میں سے چند شعراء کے منتخب اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

جناب منشی محمد یعقوب صاحب یعقوب اجمیری تلمیذ داغؔ دہلوی ؎

ناصح کہے ہزار تمہیں کیوں ہوا خیال
ایسے کے کہے میں کوئی ہم آئے جاتے ہیں

بدنام کر دیا ہے قیامت کو مفت میں
انداز تیری چال میں سب پائے جاتے ہیں

یعقوب بے وفائی کا ان سے نہ کر گلہ
وہ خود نظر چراتے ہیں شرمائے جاتے ہیں

منشی رام سہائے تسلیم ڈپٹی کلکٹر ضلع بدایوں تلمیذ جناب مہرؔ ؎

کوچہ حضور کا ہے کہ ہے دشتِ کربلا
عشاق جس میں سینکڑوں دفنائے جاتے ہیں

دیتا ہوں دم اجل کو دمِ نزع اس طرح
دم لے ذرا وہ دم میں ابھی آئے جاتے ہیں

حافظ کرامت اللہ خاں شانؔ تلمیذ داغؔ دہلوی ؎

گر خیر چاہتے ہو تو ٹل جاؤ حشر سے
دیکھو مرے گواہ بھی بلوائے جاتے ہیں

اے دل کہیں نکالا نہ جاؤں کہ حشر میں

صورت سے مہ جبیں مری گھبرائے جاتے ہیں

کیا کیا تماشے کرتے ہیں پردے میں موت کے
کیا کیا جوان خاک میں ملوائے جاتے ہیں

سید نذر الرحمٰن حفیظؔ عظیم آبادی شاگرد جناب ازلؔ لکھنوی۔ ــہ

بتلایئے تو آپ سے کیوں کر لپٹ کے سوئیں
گل کی طرح سے آپ تو کملائے جاتے ہیں

کیوں کر کٹے گا راستہ الفت کا اے حفیظؔ
ہر ہر قدم پہ پاؤں تو تھرائے جاتے ہیں

بلقیس جہاں بیگم نازؔ: نازؔ صاحبہ کو شعر و شاعری کا شوق تھا۔ نازؔ تخلص کرتی تھیں۔ غالباً جناب مولوی سید ساجد علی صاحب طربؔ فخر گورکھپوری کی شاگرد تھیں۔ گلدستہ ناز کے اور پرچے مل جاتے تو ان کا کلام اور دستیاب ہو جاتا۔ شعر خاصا کہتی ہیں۔ ــلہ

نازک ہیں ذکر وصل پہ شرمائے جاتے ہیں
کل کے لئے پھر آج قسم کھائے جاتے ہیں

دیکھے ہوئے ہیں وسعتِ دل میرے حوصلے
آغوش گور دیکھ کے گھبرائے جاتے ہیں

رنگ حنا کے بوجھ سے اٹھا نہ دست ناز
بند نقاب غیر سے کھلوائے جاتے ہیں

کیا کیا ہوتیں جناب طربؔ کی اعانتیں
اے نازؔ دل ہی دل میں ہم اترائے جاتے ہیں

ــلہ گلدستہ ناز بمبئی ۱۵ر مئی ۱۸۸۵ء۔

خالصہ پنجاب ملتان چھاؤنی سے یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر چہارشنبہ یکم اگست ۱۸۸۴ء کو جاری ہوا۔ مالک منشی جگت نرائن، ایڈیٹر بھائی فتح سنگھ تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ چھ آنے تھا۔ مطبع قیصری میں طباعت ہوتی تھی۔

چمن سخن قصبہ آنولہ ضلع بانس بریلی سے یہ شعر وسخن کا ماہانہ گلدستہ شائع ہوا۔ اختر شہنشاہی کے مؤلف لکھتے ہیں کہ یہ رسالہ یکم جنوری ۱۸۸۵ء کو جاری ہوا تھا۔ میرے سامنے رسالہ چمن سخن نومبر ۱۸۸۴ء جلد ا نمبر ۵ کا پرچہ ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ پرچہ جولائی ۱۸۸۴ء کو نکلا تھا۔ اس رسالہ کے ابتدائی زمانے کے مہتمم و ایڈیٹر مولوی علی امجد حسین صاحب امجدؔ بدایونی تھے۔ نمبر ۵ میں انہی کا نام مہتممی میں لکھا ہے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ مطبع صبح بدایوں میں چھپتا تھا۔

رسالہ میں مشہور و معروف لوگوں اور اساتذہ کا کلام بہت کم نظر آتا ہے جن لوگوں کا کلام نومبر ۱۸۸۴ء میں ہے ان کے منتخب اشعار درج کئے جاتے ہیں۔ بابو گوری پرشاد تعظیمؔ لکھنوی اسسٹنٹ ماسٹر گورنمنٹ اسکول قصبہ ملانواں ضلع ہردوئی شاگرد جناب منشی غلام حسین صاحب قدرؔ بلگرامی سے

جلد دے رندوں کو بھر بھر ساقیا پیمانہ آج
دیکھو کیا گھنگور بادل ہے سوئے میخانہ آج

اب نہ کر بہر خدا یہ ناز معشوقانہ آج
اے بت ترسا شراب وصل کو ترسا نہ آج

یہ خزاں بھی ہے عدوئے جان گلشن دہر میں
کل جہاں دیکھے تھے گل دیکھا وہاں ویرانہ آج

کچھ نہیں دنیا میں اے تعظیم دیکھو غور سے
ہو گیا افسوس نام قدر بھی افسانہ آج

جناب سید جعفر علی صاحب سکنہ ادسیب ضلع بدایوں شاگرد جناب امجد سہ

خانۂ دل تھا ہمارا مسکن عیش و سرور
کر دیا پیر فلک نے ظلم سے ویرانہ آج

وصل کی شب دیکھ کر ان کو مجھے یکجا بہم
رشک کھا کھا جل رہا ہے شمع پر پروانہ آج

ہو گئی خط کش کتاب زیست جعفر یک قلم
ختم ہوتا ہے ہمارا قصہ و افسانہ آج

جناب مولوی رفعت اللہ صاحب رفعت بدایونی شاگرد رشید جناب امجد سہ

جاگزیں ہیں سینکڑوں اصنام کے دل میں خیال
بن رہا ہے دل میں کیسا اے خدا بت خانہ آج

محو حسن یار کچھ شیخ و برہمن ہی نہیں
ہوش گم کردہ ہے ہر ذی عقل و ہر فرزانہ آج

کیوں شب وصلت ہے رفعت آپ کو عجز و نیاز
ہو رہا ہے اس طرف سے ناز معشوقانہ آج

جناب منشی خیالی رام صاحب خیالی ۔ سہ

بیقراری ہجر جاناں میں ستاتی ہے مجھے
ناصحا کوئی سنا بہر خدا افسانہ آج

بعد مدت وصل کا موقع ملا ہے ماہرو
ہے قسم تجھ کو خیالی کی کہ تو شرمانہ آج

جناب منشی دیبی پرشاد صاحب سحر سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس ضلع بدایوں۔ ؎

کیا ہی تھے بے فکر کل تک عالم بالا میں ہم
لگ گئی آکر یہاں ہے فکر آب ودانہ آج
ہے مروت جس میں وہ احمق ہے گویا آج کل
بے مروت جو کوئی ہے، ہے وہی فرزانہ آج

جناب بھگو خاں صاحب رحیمؔ مہتمم گلدستۂ پیام عاشق قنوج ضلع فرخ آباد۔ ؎

بعد مدت یہ خدا نے دن دکھایا ہے صنم
اب ہمیں للہ کوئی بات کو ترسا، نہ آج
کھول کر گھونگھٹ سے منہ، آنکھیں ملا کر بات کر
وصل کی یہ شب ہے اے دلبر مرے شرمانہ آج
دو سزا جو چاہو تم بیشک، خطا ہم سے ہوئی
لے لیا ہے اب تو بوسہ ہم نے بے تابانہ آج
اے رحیمؔ پر الم تھا زعم تجھ کو ضبط کا
وقتِ رخصت یار کے اشکوں کو پھر روکا نہ آج

جریدہ وطن کلکتہ محلہ کلنگا سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم جولائی ۱۸۸۴ء کو جاری ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک مولوی فرید النبی صاحب تھے۔

تحفہ مدراس کوچہ کمپو متو نمبر ۲۴ سے ۳۲ صفحات پر یہ پندرہ روزہ اخبار یکم جولائی ۱۸۸۴ء کو شائع ہوا۔ مالک مولوی زین الدین احمد صاحب تھے۔ پہلی اور پندرھویں کو نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ مطبع مظہر العجائب میں چھپتا تھا۔ سرورق پر ایک شعر اور حسب ذیل رباعی درج تھی۔ ؎

مائدہ تازہ بر ورق آمدہ است
چاشنی گیر کہ چوں آمدہ است

حبذا ایں رسالۂ دلچسپ   ازمغانیست بہر اہل سخن
ہاتف غیب سال اجرائش   تحفۂ خاص و عام گفت بمن

یہ رسالہ علوم فنون کی روشنی کا مخزن، مباحث علمی کا معدن، دینی ابواب کا مظہر و مدبر تھا۔ سلف صالحین اور حکمائے عاقلین کے اس میں حالات درج ہوتے تھے۔ شعرا کا کلام اور ان کے حالات زندگی بھی دیئے جاتے تھے۔ اس کے مدیر اعلیٰ نواب میر منور علی خاں عالیؔ تھے۔ اس رسالہ میں چند صفحات ایسے ہوتے تھے جن میں کچھ صفحات میں ایک دیوان اور تاریخ قسط وار شائع کی جاتی تھی جس کو علیحدہ کر کے جمع کرنے سے ایک کتاب بن جاتی تھی۔

نواب میر منور علی خاں عالیؔ: عالیؔ صاحب کے جد اعلیٰ محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد میں مچھلی بندر اور ارکاٹ کے صوبہ دار تھے۔ اس خاندان کا سلسلہ سید احمد کبیر رفاعیؒ تک پہنچتا ہے۔ اس قبیلہ کی مستورات شاہی خاندان اور والیان ریاست میں بیاہی گئی ہیں۔

آپ کے والد نواب مظفر جنگ آصف جاہ خامس والئ دکن کے نواسے تھے جو اپنے زمانے کے فاضل اجل، خطاط ہفت قلم اور فارسی کے عمدہ شاعر تھے اور آخر تک امور مذہبی کے صیغے کے ناظم رہے۔ درویش صفت پاکباز انسان تھے۔ نظام سرکار میں انہوں نے تین سال کیبنٹ کونسل میں رہ کر اپنی انتظامی قابلیت کا سکہ جمایا۔

جناب عالیؔ کو بچپن سے شاعری کا شوق تھا۔ پہلے بشرؔ تخلص کیا بعد میں اپنے والد کے مشورے سے عالیؔ تخلص بدلا۔ اس وقت ان کی عمر چودہ پندرہ

سال کی تھی پہلے آپ نے اپنا کلام کاظم حسین شیفتہ کنتوری کو دکھایا۔ بعد میں سید علی حیدر نظم طبا طبائی لکھنوی سے اصلاح لینی شروع کی۔ ابتدائی تعلیم کی نگرانی ان کے دادا نواب فریدوں جنگ نے کی۔ پھر آپ کے والد نے ان کی تعلیم پر توجہ دی دی۔ آپ عربی فارسی کے ماہر تھے۔ آپ نے ایک "انجمن ارباب اردو" قائم کی تھی۔ جس کے معتمد اعزازی آپ تھے۔ آپ نے ایک ضخیم کلیات قدیم طرز پر مرتب کیا تھا جس میں تقریباً دس ہزار بیت تھے۔ ایک دیوان بھی ترتیب دیا تھا۔ آپ سلیم الطبع کم سخن، خوش اخلاق، نیک سیرت، گوشہ نشین، صوفی مشرب تھے۔ کلام میں شوکت الفاظ کے ساتھ شوخی اور متانت ہے۔ نہایت پر گو اور زود فکر تھے۔ [1]

خیر محشر میں سہی فیصلہ اپنا ان کا
نہ سہی آج اگر کل بھی تو کچھ دور نہیں

صورت تری آغاز میں بھولی نظر آئی — انجام میں پتھر کا کلیجہ نظر آیا
روئیے سوزشِ نہانی کو — یا برا کہیے نوجوانی کو
قصہ قیس تو سنا تم نے — کبھی سن لو مری کہانی کو
روز اک ظلم نیا اے ستم ایجاد ہے — دل کو کچھ حسن پرستی کی سزا یاد ہے

پرستش میں تری شیخ و برہمن سربسجدہ ہیں
یہاں تو ایک راہ کفر و دیں معلوم ہوتی ہے

دل کو تسکین دے رہا ہوں میں — وہ نہ آئیں اجل تو آتی ہے
حیف اے دل تو نہ سمجھا عمر بھر — عمر گذری تجھ کو سمجھاتے رہے
خلوت پسند ہے مجھے اور حشر عام ہے — کہہ دو کہ میں نکل نہیں سکتا مزار سے

---

[1] خم خانۂ جاوید پنجم صفحہ ۵۶۲۔

لطف جب ہے ایک سمجھو عاشق و معشوق کو
شمع میں کس کا جلوہ کون پروانے میں ہے

طب حیوانات

لاہور محلہ شاہ دراں سے یہ ماہانہ رسالہ ۴۸ صفحات پر یکم جولائی ۱۸۸۴ء کو وجود میں آیا۔ ایڈیٹر و مہتمم ڈاکٹر محمد دین ڈنری اسسٹنٹ فسٹ کلاس اور سرپرست ڈاکٹر جی کنگول تھے۔ رسالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ اس رسالہ میں جانوروں کے امراض اور طریق و تشخیص و علاج بتائے جاتے تھے۔ مطبع گلزار محمدی میں طباعت ہوتی تھی۔

شیخ محمد دین: شیخ صاحب اعلیٰ درجہ کے شاعر اور شوق سلیم کے مالک تھے۔ ناظر تخلص تھا زیادہ نہیں کہتے تھے لیکن جو کچھ کہتے تھے وہ پاکیزہ ہوتا تھا۔ اردو فارسی میں ان کا کلام ہے۔ آپ کشمیر واانچو خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ محمد حیات آپ کے دادا کا اسم گرامی تھا جو ہندو سے مشرف بہ اسلام ہوئے اور ساٹھ سال کی عمر میں ۱۸۴۵ء کو فوت ہوئے۔ ان کے لڑکے عبدالرحمٰن بھی مسلمان ہو گئے تھے۔ اس وجہ سے ان کو سخت تکلیفیں پہنچائی گئیں جس سے مجبور ہو کر انہیں کشمیر کو خیرباد کہنا پڑا۔ ۱۸۴۹ء کو لاہور چلے آئے۔ یہاں تجارت شروع کی تو کافی عروج حاصل کیا۔ محمد دین ان ہی کے صاحبزادے ہیں جو ۱۸۵۰ء میں لاہور میں پیدا ہوئے چھوٹی عمر میں منشی فاضل کے امتحان میں پاس ہوئے تھے۔ ڈاکٹر لائنر ڈائرکٹر تعلیمات نے لاہور کے وٹرنری کالج میں داخل کرایا جہاں یہ ہر امتحان میں اول نمبر پاس ہوئے تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد رسالہ "طب حیوانات" شائع کیا جو پنجاب میں مقبول ہوا۔ تھوڑے دنوں کے بعد آپ ناہن ریاست کے راجہ شمشیر پرکاش کے ہاں ملازم ہو گئے۔ ملازمت بھی تین سال کی۔ اس سے مستعفی ہو کر اپنا ذاتی مطب ۱۸۸۹ء کو شروع کیا جو کامیابی کے ساتھ چلا۔ ۱۹۲۳ء کو وفات پائی۔ (نقوش لاہور نمبر فروری ۱۹۶۲ء)

قانون معاہدہ کا رسالہ دہلی محلہ چاوڑی بازار سے یکم جولائی ۱۸۸۴ء کو یہ ماہانہ رسالہ نکلا۔ مالک مہتاب رائے وکیل تھے۔ یہ رسالہ قانونی تھا۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔

ہریانہ اخبار جھجر ضلع رہتک سے یہ ماہانہ رسالہ آٹھ صفحات پر یکم جولائی ۱۸۸۴ء کو ظہور میں آیا۔ مالک مولوی غلام محمد خاں ہریانی تحصیلدار پنشن یافتہ میر مجلس انجمن اسلامیہ تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تین آنے تھا۔ مطبع سلیمانی میں چھپتا تھا۔

اشراق لکھنؤ چوک جدید ڈاک خانہ چوک پاک ٹولہ، پھاٹک اجینٹ سے ۱۵ مئی ۱۸۸۴ء کو یہ اخبار نمودار ہوا۔ مالک مرزا محمد ہادی مرزا رسوا محلہ کھوئی ٹولہ تھے۔ پندرہ روزہ ۲۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ مطبع اشراق میں چھپائی ہوتی تھی۔

اخبار النساء دہلی ترکمان گیٹ حویلی نواب مظفر خاں سے یکم اگست ۱۸۸۴ء کو یہ عشرہ وار اخبار آٹھ صفحات پر شائع ہوا۔ مالک منشی سید احمد صاحب مدرس فارسی دہلی ضلع سکول تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ مطبع ارمغان میں طباعت ہوتی تھی۔

اس اخبار میں خانہ داری سے متعلق معلومات دی جاتی تھی اور خاص طور پر ایسے مضامین شائع کئے جاتے تھے جن میں عورتوں کو تعلیم حاصل کرنے کی تلقین کی جاتی تھی اور بتایا جاتا تھا کہ وہ حیا اور شرافت کو نہ چھوڑیں اور خانگی جھگڑوں سے بچیں۔ اس اخبار میں عورتوں کے مضامین ہی ہوتے تھے۔ یہ اخبار کئی برس تک دھوم دھام سے جاری رہ کر بند ہو گیا۔

مولوی سید احمد، احمد دہلوی: مولوی صاحب کے والد حافظ مولوی سید

عبدالرحمٰن صاحب تھے۔ باپ کی طرف سے آپ حسنی اور ماں کی جانب سے حسینی سید تھے۔ مولوی صاحب ۸ جنوری ۱۸۴۶ء کو کوچہ بلاقی بیگم دہلی میں پیدا ہوئے دہیں ہوش سنبھالا۔ ابتدائی تعلیم مکتبوں میں پائی۔ اس کے بعد سرکاری مدارس اور نارمل اسکول دہلی میں تعلیم پائی۔ طالب علمی کے زمانے سے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ اسی دور میں ایک چھوٹی سی فارسی نظم "طفلی نامہ" اور ایک انشار کی کتاب "تقویتہ الصبیان" لکھی۔ ۱۸۶۹ء میں "کنز الفوائد" طبع ہوئی جس پر حکومت نے دو سو روپیہ انعام دیا۔ ۱۸۷۱ء میں ان کی دوسری کتاب "وقائع دردونہ" شائع ہوئی جس پر ڈیڑھ سو روپیہ انعام ملا۔ اسی اثنار میں ڈاکٹر فیلن نے جو صوبہ بہار میں انسپکٹر مدارس تھے ان کو بلا بھیجا اور اپنی اردو و انگریزی لغت کی تیاری میں ان سے مدد لینا چاہی۔ مولانا راضی ہو گئے اور فیلن کی ڈکشنری سات برس کی محنت شاقہ کے بعد ختم کی۔ ۱۸۸۰ء میں مہاراجہ الور کا سفر نامہ مرتب کیا۔ اس کے بعد پنجاب کے سرکاری بکڈپو میں مترجم کی حیثیت سے مقرر ہوئے۔ اس کے بعد "تحقیق الکلام" اور "رسوم دہلی" وغیرہ شائع کیں۔

۱۸۸۰ء میں سر آسمان جاہ بہادر شملہ آئے جہاں مولوی صاحب بھی کسی سکول میں ملازم تھے وہاں ان سے ملاقات ہوئی۔ ان کی وساطت سے آپ وزیر اعظم حیدر آباد سے ملے۔ فرہنگ آصفیہ کا مسودہ دکھایا جو سید علی بلگرامی کے معائنہ کے بعد منظور ہوا۔ ۱۸۹۲ء میں یہ فرہنگ ختم ہوئی جس پر نظام حیدر آباد سے پچاس روپیہ ماہانہ بطور پنشن اور پانچ ہزار روپے انعام ملا۔

تعلیم مستورات کے بارے میں انشار ہادی النسار، قصہ راحت زمانی، اخلاق النسار، بچوں کا رکھ رکھاؤ، طبعی تعلیم، لڑکیوں کا قاعدہ بطرز جدید مع طریقہ تعلیم، علم اللسان، مناظرہ تقدیر وغیرہ کتب شائع کیں، اور ادب میں "محاکمہ مرکز اردو"

تالیف فرمائی۔

مولوی صاحب نے زمانہ طفولیت میں حافظ قطب الدین مشیرؔ کو اپنی چند غزلیں دکھائیں۔ ان کے بعد مولوی سید محمد زکریا خاں زکیؔ اور کبھی مولانا حالیؔ سے مشورہ لیا۔ پنشن پانے کے بعد ٹکسٹ بک کمیٹی میں نظر ثانی کتب پر مامور ہوئے۔ ڈیڑھ سو روپیہ تنخواہ پاتے رہے۔ کلام میں اثر زبان میں سلاست اور روانی ہے۔

تیری صورت کو دیکھتے ہیں ہم
حق کی قدرت کو دیکھتے ہیں ہم

تم بھی واعظ پھسل پڑو جس پر
ایسی صورت کو دیکھتے ہیں ہم

ایسی ہم سے ہوئی خطا کیا رب
جس کے باعث یہ کچھ عذاب ملا

رگ رگ میں دوڑ جاتا ہے جلوہ خدائی کا
اس بت کے سامنے ہے مزا جبہ سائی کا

رہو گے دل میں آنکھوں میں نہاں ہو
بھلا بچ کر رہو، جاتے کہاں ہو

جب آئے لطف تجھ کو محبت کا اصحا
تو بھی کبھی جلے، کبھی بھنکر کباب ہو

جی بھی اٹھو کہ یار آتا ہے
دم یہ خاصا دیا مسیحا نے

نفرت شراب سے ہے نہ رغبت کباب سے
کوسوں ہیں دور ہم غمِ زہد و ثواب سے

نہ چونکا خواب عدم سے تو کہتے ہیں ہمدم
یہ کس کی پاؤں کی آئی صدا سنو تو سہی

رمانے بیٹھو ہو دھونی جو اُن کے در پر
ہوا ہے کیا تمہیں رشیدؔ بھلا سنو تو سہی

غنیمت جان تو صحبت کو اس کی
خدا جانے یہ رشیدؔ پھر کہاں ہو

رفیق دکن

حیدرآباد رزیڈنسی سے یہ ماہانہ تعلیمی پرچہ ۴۰ صفحات پر یکم اگست ۱۸۸۴ء کو جاری ہوا۔ مہتمم ماسٹر عزیز الدین صاحب مدرس اول فارسی مدرسہ انگریزی تھے۔ سالانہ چندہ ڈھائی روپیہ تھا۔ دارالطبع سرکار میں طبع ہوتا تھا۔

ہندوستان

لنڈن نمبر ۴۹ میز پارک روڈ بارنسٹن سے یہ ماہانہ رسالہ اگست ۱۸۸۴ء کو شائع ہوا۔ ایک کالم میں اردو دوسرے کالم میں انگریزی اور تیسرا کالم ہندی کا ہوتا تھا۔ مالک راجہ رام سنگھ آنریری مجسٹریٹ ضلع پرتاب گڈھ ایجنٹ بشیشور دیال وکیل شکل ہائی کورٹ الہ آباد تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ آٹھ آنہ تھا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔

محشر

لکھنؤ محلہ احاطہ سورج سنگھ سے یکم اپریل ۱۸۸۴ء کو یہ ہفتہ وار اخبار نکلا۔ مالک سید عبدالباسط محشر تھے۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ مطبع فیض محمدی میں چھپتا تھا۔ سرورق پر یہ شعر درج تھا۔

شعر کچھ ایسے فتنوں پہ فتنے اٹھے کہ شورِ محشر بھی چیخ اٹھا
اٹھی قیامت بھی ساتھ میرے بتوں کے کوچے سے تنگ ہو کر

جھجر پنچ

جھجر ضلع رہتک سے یکم ستمبر ۱۸۸۴ء کو یہ ہفتہ وار اخبار چار صفحات پر وجود میں آیا۔ ہر دوشنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک غلام احمد خاں، ایڈیٹر غلام محمد خاں تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ مطبع سلیمانی میں طباعت ہوتی تھی۔

کرشمہ دلبر

خیرآباد محلہ میاں سرائے ضلع سیتاپور سے ۱۰ ستمبر ۱۸۸۴ء کو یہ ماہانہ شعر و سخن کا گلدستہ ۲۰ صفحات پر جلوہ افگن ہوا۔ مالک منشی افتخار حسین صاحب مضطر تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ مطبع

گلزار محمدی میں طباعت ہوتی تھی۔

اخبار چنار
چنار ضلع مرزا پور سے یہ ہفتہ وار اخبار ۲۰ ستمبر ۱۸۸۴ء کو ظہور میں آیا۔ آٹھ صفحات پر ہر سہ شنبہ کو نکلتا تھا۔ مہتمم رجب علی خاں، ایڈیٹر جناب محمد علی خاں سعیدی لکھنوی تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ ایک آنہ تھا۔

خیر خواہِ کشمیر
لاہور کمیٹی بازار، محلہ بیٹے شوالہ گلی مصر بیلی رام متصل چھتہ مقابل مسجد جدید ڈاک خانہ لوہار منڈی سے یکم اکتوبر ۱۸۸۴ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا۔ آٹھ صفحات پر ہر پنجشنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک پنڈت سالگ رام کول تھے سالانہ چندہ چار روپیہ تھا مطبع گلزار محمدی میں چھپتا تھا۔

دبیر ہند
مدراس محلہ رائے پیٹھ سے یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر ہر چہار شنبہ کو یکم اکتوبر ۱۸۸۴ء سے شائع ہوا۔ مالک مرزا قاسم بیگ، ایڈیٹر محی الدین صاحب تسنیم تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ مطبع ہدایت میں طباعت ہوتی تھی۔

روزنامچہ عالم
الہ آباد محلہ باغ ہری شنکر سے روزانہ چار صفحوں پر یکم اکتوبر ۱۸۸۴ء کو وجود میں آیا۔ مالک مولوی شیخ ریاض الدین احمد سکریٹری انجمن اسلامیہ و مترجم ہائی کورٹ و ایڈیٹر اخبار خیر خواہ اسلام تھے۔ فی پرچہ تین پائی قیمت تھی۔

شام وصال
لاہور محلہ ہیرا منڈی سے یکم اکتوبر ۱۸۸۴ء کو شائع ہوا۔ یہ روزانہ چار صفحوں پر نکلتا تھا۔ مالک منشی مہر بخش اور مہتمم مولوی سیف الحق ادیب تھے۔ سالانہ چندہ آٹھ روپیہ تھا مطبع وکٹوریہ میں چھپائی ہوتی تھی۔ یہ اخبار شفیق ہند کا ضمیمہ تھا۔

نسیمِ صبح لاہور محلہ ہیرا منڈی ڈاک خانہ ڈبی بازار سے یہ روزنامہ اخبار آٹھ صفحات پر یکم اکتوبر ۱۸۸۴ء کو جاری ہوا۔ مہتمم منشی فتح محمد، ایڈیٹر منشی سیف الحق ادیب تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ مطبع وکٹوریہ میں چھپائی ہوتی تھی۔

حدیقۃ الاخبار ریاست ٹونک سے یہ ہفتہ وار اخبار بقول اختر شہنشاہی یکم جنوری ۱۸۸۵ء کو شائع ہوا۔ لیکن ہمارے سامنے ۱۶ ستمبر ۱۸۸۴ء نمبر ۱ جلد ۱ کا پرچہ موجود ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مؤلف اختر شہنشاہی کا سنہ اجرا صحیح نہیں ہے۔ اسی اخبار میں افتتاحیہ مقالہ کی ابتدا ان اشعار سے کی گئی ہے۔ ؎

مژدہ اے ساکنانِ ہندوستاں — شاخِ اخلاق میں ثمر آیا
راستی کا ہے التزام تمام — کذب سے ہے اسے حذر آیا
جس نے دیکھا اسے تو وہ گویا — سارے عالم کی سیر کر آیا
خیر خواہِ جہاں کوئی ایسا — کب کسی کو کہیں نظر آیا

جو ہو تعریف اس کی وہ کم ہے
اپنا ثانی یہی مگر آیا!

"چونکہ پہلا نمبر ہے اس واسطے ہم یقینی نہیں کہہ سکتے کہ کب تک، ایسا وقت آوے گا کہ روزانہ جمال بے زوال سے نظروں کو نور اور دلوں کو سرور بخشے گا.. ... یہ اخبار کس حالت سے جاری ہوا اور اب کس قدر ترقی کی ہے، ابھی ہم اس واسطے کچھ نہیں کہتے کہ ۱۸۶۸ء میں چند ماہ اسی ملک میں اس نے اخبار "ٹونک" کے نام سے سیر کی تھی"۔

اسی شمارہ میں صاحبزادہ محمد سعید خاں صاحب حاکم اپیل ریاست ٹونک کا

اخبار کی تاریخ کا ایک قطعہ درج ہے۔ ؎

سال اخبار ٹونک ہے درکار	لکھ وہ تاریخ جس پہ ڈر ہو نثار
دہب ہے یہ سعید یا اعجاز	شمع محفل ہے ٹونک کا اخبار

۱۸۸۴ء

یہ اخبار آٹھ صفحات پر ہر دو شنبہ کو نکلتا تھا۔ اس کے مالک غالب علی خاں تھے۔ سالانہ چندہ سات روپیہ تھا مطبع محمدی ٹونک میں چھپتا تھا۔ یہ اخبار معیاری نہیں ہے اس میں ادبی چاشنی قطعاً نہیں ہے۔ خبریں غیر ملکی زیادہ ہوتی ہیں وہ بھی معقول نہیں۔ بندروں کا اخلاق، انگلستان میں ہیضہ جیسی خبریں اس میں ملتی ہیں۔

سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار کے خاندان کی حکومت کے زوال کے بعد کیا حالت ہوئی اور کن کن صورتوں میں انہوں نے زندگیاں گذارنی شروع کیں وہ ۱۵ ار نومبر ۱۸۸۴ء کے اخبار میں پڑھئے۔

"بعض اخباروں میں یہ جو چھپا ہے کہ شاہزادہ مرزا جواں بخت کے بہشت نصیب ہونے سے خاندان تیموریہ کا خاتمہ ہو گیا وہ صحیح نہیں ہے۔ یہ کہنا چاہئے کہ سلطان ابو ظفر کے شاہزادوں کا خاتمہ ہوا۔ ان کی صلبی اولاد سے کوئی نہیں رہا۔ ورنہ خاندان تیموریہ کے اکثر شاہزادے مختلف مقامات میں موجود ہیں جن کی کیفیت ایک صاحب نے تحریر کی ہے وہ یہ ہے:

۱۔ شاہزادہ محمد دارا بخت بہادر مرحوم ولی عہد خلف اکبر سلطان ابو ظفر نور اللہ قدس سرہٗ کی اولاد میں شاہزادہ محمد زین بخت زبیر الدین در بھنگہ میں ہیں اور مرزا احمد اختر بہادر کرانہ میں طبابت کرتے ہیں

اور مرزا ضیاء الملک صاحب دہلی میں مصوری کر کے دن گذارتے ہیں۔

۲۔ شاہزادہ محمد شاہ رخ صاحب کی اولاد مرزا سکندر شاہ صاحب دہلی میں ماسٹر ہیں۔

۳۔ شاہزادہ محمد فتح الملک مرحوم کی اولاد میں مرزا خورشید عالم صاحب موجود ہیں ان کے بھائی ان کی پرورش کرتے ہیں۔ مرزا محمد فرخندہ جمال صاحب کو معقول پنشن ملتی ہے یہ بھی دہلی میں ہیں۔

۴۔ شاہزادہ قوباش صاحب کی اولاد میں مرزا ذاکرالدین صاحب و مرزا نصیرالدین صاحب دہلی میں سرکار انگلشیہ سے پنشن پاتے ہیں۔

۵۔ شاہزادہ ظہیرالدین صاحب مرحوم کی اولاد شاہزادہ مرزا مجاہدالدین اجمیر شریف میں ہیں۔

۶۔ شاہزادہ خضر سلطان مرحوم کی اولاد میں محمد عثمان خاں صاحب حضرت نظام الدین محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ کی درگاہ میں مقیم ہیں۔

۷۔ مرزا محمد اشرف صاحب خواہرزادہ شاہزادہ زبیرالدین صاحب گورگانزدہ میں کاپی نویسی کرتے ہیں۔ مرزا انمقام الدین صاحب میونسپلٹی میں ملازم ہیں۔

۸۔ شاہزادہ جہاں بخت کی اولاد میں مرزا جمشید بخت رنگون میں ہیں۔

ان کے علاوہ اور لوگ جزائر مولمین وغیرہ میں ہیں جن کی کیفیت کتاب موج سلطانی مولفہ شاہزادہ زبیرالدین میں ہے۔"

معلم دبستان کٹرہ

کٹرہ ضلع الہ آباد سے یہ ہفتہ وار اخبار ۵ راکتوبر ۱۹۶۴ء کو ظہور میں آیا۔ ہر یکشنبہ کو آٹھ صفحات پر نکلتا تھا۔ مہتمم شاہ نبی اشرف صاحب تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ دس آنے

تھا۔ مطبع حامیٔ ہند کان پور میں چھپائی ہوتی تھی۔

چھوٹے بچوں کے لئے یہ اخبار جاری کیا گیا تھا۔ اردو حساب جغرافیہ اور صرف و نحو سے واقفیت کرانا مقصود تھا۔

چمنستان سخن کان پور محلہ رسول لین سے یہ ماہانہ رسالہ ۲۵ ر اکتوبر ۱۸۸۴ء کو تولد ہوا۔ ۲۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ بانی حافظ عبدالحق حقیقی، مہتمم مرزا عباس حسین ہوش تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ قیصر المطابع میں طباعت ہوتی تھی۔

اس گلدستہ کے سرورق پر یہ شعر درج تھا؎

سرمۂ مفت نظر ہوں میری قیمت یہ ہے
کہ رہے چشم خریدار پہ احساں میرا

چمنستان سخن میں اوسط درجے کے شعراء کا کلام درج ہوتا تھا۔ انتخاب اشعار بھی عمدہ اور موزوں ہوتا تھا۔ اس دور کے گلدستوں کی ایک شرط یہ تھی کہ گیارہ شعر سے زیادہ شائع نہیں کئے جاتے تھے۔ اس سے زیادہ شائع ہوتے تو فی شعر دو پیسہ لیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس گلدستہ کی بھی یہی شرط تھی۔ طعن و تشنیع والی غزل و نظم کسی صورت میں چھپ نہیں سکتی تھی۔

اکتوبر ۱۸۸۵ء کے چمنستان سخن کی غزلوں کا انتخاب نقل کیا جاتا ہے۔
جناب منشی امداد حسین صاحب صغیر رئیس فرخ آباد۔؎

موقوف میری آہ دبکا پر ہے روز حشر
اٹھے لحد سے کون جو شورِ فغاں نہ ہو
رہنا خیال کوچۂ دلبر میں ہے پسند
پروا نہیں زمیں نہ ہو اور آسماں نہ ہو

کہنے سے ہمدموں کے بگڑتا ہے اور یار

ہو جائے صلح، کوئی اگر درمیاں نہ ہو

غنچوں کی خامشی نہ اگر ہو تجھے پسند

اے گلعذار لال ہماری زباں نہ ہو

اللہ کے سوا نہیں کوئی صَغیر دوست

بت بھی عدو بنیں جو خدا مہرباں نہ ہو

جناب مرزا نواب علی صاحب اثرؔ خوشنویس شاگرد عباس حسین ہوشؔ سے

سوزش ہمارے داغِ جگر کی جو دیکھ لے

تا حشر مہر بام فلک پر عیاں نہ ہو

گھل گھل کے اس سے ہجر میں دی جان اے اثرؔ

لاشہ بھی تاکہ یاروں کو بار گراں نہ ہو

جناب دانیال گارڈنر شنکر رئیس کاسگنج شاگرد عباس حسین ہوشؔ سے

زاہد خدا کے وصف میں تو تیز زباں نہ ہو

وہ بت مری طرف سے کہیں بدگماں نہ ہو

چھوڑی جو تھک کے دشت نوردی تو سر پھرا

ہم سا بھی بدنصیب تہہ آسماں نہ ہو

جناب مرزا جعفر حسین صاحب قمرؔ شاگرد عباس حسین ہوشؔ سے

اے نامہ بر نشان بتاؤں میں کیا تجھے

کیا جانئے وہ شوخ کہاں ہو کہاں نہ ہو

ذکر شبِ فراق میں چھیڑوں جو اے قمرؔ

تا صبح حشر ختم مری داستاں نہ ہو

جناب مرزا وحیدالدین صاحب حیدر ملک رئیس ایٹہ شاگرد جناب عباس حسین ہوش۔ ؂
بابل ہزار قید ہوں ٹوٹے نہ کوئی پھول
صیاد باغ میں ہوں مگر باغباں نہو
گھٹ گھٹ کے ہجر یار میں دو جان اے ملک
تا رازِ عشق اور کسی پر عیاں نہو

جناب غلام علی شاہ عشق شاگرد میر تقی دہلوی۔ ؂
آنکھیں تمہیں کو ڈھونڈھتی رہتی ہیں رات دن
دم بھر کو بھی نظر سے مری تم نہاں نہو
آتی نہیں ہے نیند مجھے پھر کسی طرح
میری بغل میں شب کو جو وہ جانِ جاں نہو
ایذا اسے نہ پہنچے کوئی باغ دہر میں
بلبل کا شاخ گل پہ اگر آشیاں نہو
کس ناز سے وہ کہتے ہیں مجھ سے یہ وصل میں
اے عشق میرا راز کسی پر عیاں نہو

محمد عباس حسین ہوش: ہوش صاحب لکھنؤ کے محلہ جھواری ٹولہ میں رہتے تھے۔ ان کے مکان میں جو مشاعرہ ہوتا تھا اور اس میں جو غزلیں پڑھی جاتی تھیں وہ اس گلدستہ کی زینت بنتی تھیں۔ ہوش صاحب کے شاگردوں کا حلقہ اچھا خاصا تھا۔ یہ باوضع، حلیم الطبع اور علم دوست انسان تھے۔ ان کے اشعار میں شگفتگی اور سلاست پائی جاتی ہے۔ ؂
آواز اس کی سن کے وہ کافر رواں نہو
مسجد میں آج صبح کی یارب اذاں نہو

ہم کو یہ لت شراب کی اور مفلسی یہ کچھ
کیا ہو اگر عنایتِ پیرِ مغاں نہو

اے بت کسی طرح سے تو دے بات کا جواب
میری زباں لے، گر ترے منہ میں زباں نہو

اے آتشِ فراق جلا دل کو شوق سے
پر اس طرح کہ غیر نہ دیکھیں دھواں نہو

حسرت ہے اس طرح سے مٹا اے فلک مجھے
مر کر جو دفن ہوں تو لحد کا نشاں نہو

غیروں میں رات بھر رہو تم، مجھ کو کام کیا
ہاں دل سے کہتے جاؤ کہ یہ بدگماں نہو

آ لینے دو رقیب کو جلدی یہ کیا ضرور
رہ جائے بات ابھی جو میرا امتحاں نہو

کچھ حال دل کا کہنے دے ان سے خدا کو مان
للہ مرتے وقت تو بند اے زباں نہو

آنکھوں سے چوموں تیری گلی کے میں نقشِ پا
اے دوست گر عدو کے قدم کا نشاں نہو

کم بخت ان کے سائے کو ہے جانتا رقیب
اتنا بھی کوئی دل کی طرح بدگماں نہو

اے ہوش دل لگانے کا اس وقت ہو مزا
تم یاں تڑپ رہے ہو خبر بھی وہاں نہو

محمد عبدالحق حقیقی: حقیقی صاحب کان پور سول لائن میں رہتے تھے۔ سوداگری

کرتے تھے۔ لکڑیوں کا کاروبار تھا، چنانچہ اکتوبر ۱۸۸۵ء کے شمارے میں انہوں نے اپنے کاروبار کا یہ اشتہار شائع کرایا ہے۔ عنوان ہے: "اشتہار تجارتی لکڑی"

"کٹھ ساکھو شیشم اور گولہ بلیاں اور ہر قسم کی لکڑی ان کارخانوں
میں ہر وقت موجود رہتی ہے اور بکفایت بکتی ہے جن صاحبان کو ضرورت
ہو احقر کو اپنا خادم سمجھ کر بلا تکلف اطلاع دیں جس جگہ فرمائیں گے
وہاں پہنچا دیا جائے گا۔"

حقیقی صاحب کے دو گودام یا دوکانیں ایک سول لائن دوسری بہرام گھاٹ اودھ پر تھیں۔ ان کو شعر و شاعری کا بھی شوق تھا۔ صاف و ستھری زبان ہے انداز کلام دل کش ہے جیسے بیٹھے ہوئے محبوب سے باتیں کی جا رہی ہوں۔ [1]

وعدے پر آپ نہ آئے تو مصیبت ہوگی ... شام ہے میرے لئے صبح قیامت ہوگی
کیا کہوں صبح شبِ وصل جو حالت ہوگی ... جان اس شوخ کے ساتھ اپنی بھی رخصت ہوگی
تم کروگے جو رقیبوں سے اشارے سرِ بزم ... دیکھنے والوں کی آنکھوں کو بھی حسرت ہوگی
وہ قمر شب کو اگر گھر سے نہ باہر نکلا ... اور تاریک ہماری شبِ فرقت ہوگی
تم اگر شعلۂ آتش سے جلاؤ گے جگر ... داغوں میں قہر قیامت کی حرارت ہوگی
اٹھ گیا رقص میں سینہ سے جو آنچل اس کا ... ساری محفل کو لپٹ جانے کی حسرت ہوگی
وہ کہتے ہیں کہ مٹی بھی نہ دوں گا بعد مرگ ... بڑھ کے اس رنج سے کیا خاک کدورت ہوگی
محو کرنے کو شبِ وصل جو ہوں گے انداز ... ہوش کے ہوش اڑانے کو شرارت ہوگی

تم حقیقی کو عیادت کے بہانے سے کبھی
دیکھ جاؤ گے جو آنکھوں میں مروت ہوگی

---

[1] مرقع نگار لکھنؤ فروری ۱۸۸۵ء۔

معلم ہند لاہور ہیرا منڈی سے یکم جولائی ۱۸۸۴ء کو یہ ماہانہ تعلیمی رسالہ شائع ہوا۔ ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ بانی محمد حسن احسن کلانوری صاحب تھے۔ سالانہ چندہ ڈھائی روپیہ تھا۔

نالۂ عشاق اجمیر محلہ شیخان سے یکم نومبر ۱۸۸۴ء کو یہ ماہانہ شعر و سخن کا رسالہ جلوہ افروز ہوا۔ ۲۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک سید نظر حسن سخا اور عبدالغفار شفا تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ مطبع سیٹھ نظیر علی میں چھپتا تھا۔

مفید ہند دہلی کوچہ بلاقی بیگم سے یکم نومبر ۱۸۸۴ء کو یہ ماہانہ رسالہ سولہ صفحات پر جاری ہوا۔ مالک امیر سنگھ سکنہ درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء تھے۔ سالانہ چندہ ساڑھے تین روپے تھا۔ آئین ہند پریس میں چھپائی ہوتی تھی۔

ذخیرہ تعلیم حیدرآباد دکن سے یکم نومبر ۱۸۸۴ء کو یہ ماہانہ تعلیمی رسالہ نکلا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ بانی مولوی عزیز الدین مدرس اول فارسی تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ دارالطبع سرکار عالی میں طبع ہوتا تھا۔

انتخاب لکھنؤ ڈاک خانہ امین آباد سے یہ شعر و سخن کا ماہانہ گلدستہ یکم نومبر ۱۸۸۴ء کو شائع ہوا۔ ۲۴ صفحات پر نکلتا تھا۔ مالک منشی سعادت علی موج خلف منشی شجاعت علی خاں منصرم عدالت کمشنر تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ قیصر المطابع میں چھپتا تھا۔

تاج الاخبار راولپنڈی سے یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر ہر چہارشنبہ کو یکم نومبر ۱۸۸۴ء سے نمودار ہوا۔ مالک بابو نرائن داس، ایڈیٹر منشی رام سہائے خلیق تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے

15241

دس آنے تھا۔

پنجاب لوکل سلف گزٹ گوجرانوالہ سے ۱۵ نومبر ۱۸۸۴ء کو یہ ماہانہ رسالہ ۵۰ صفحات سے ۴۰ صفحات تک نکلا۔ مالک و مہتمم مرزا انور علی ڈاکٹر و میونسپل کمشنر تھے۔ سالانہ چندہ چودہ روپیہ تھا۔ نیو امپیریل پریس میں چھپتا تھا جس میں پنجاب کے بورڈ اور میونسپل کمیٹیوں کی کارروائی معہ قواعد درج ہوتی تھی۔

آئینہ اخلاق لاہور محلہ موچی دروازہ مقام لال کھوہ سے آٹھ صفحات پر یکم دسمبر ۱۸۸۴ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا۔ ہر چہار شنبہ کو نکلتا تھا۔ ایڈیٹر عبدالعزیز محرر بیت العلوم، مالک عبدالرحمٰن گھرمای سان مہتمم محمد دین تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ نیو امپیریل پریس میں طبع ہوتا تھا۔

ممتاز الاخبار قصبہ نواب گنج ضلع بارہ بنکی سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم دسمبر ۱۸۸۴ء کو وجود میں آیا۔ ہر یکشنبہ کو بیس صفحات پر نکلتا تھا۔ مالک منشی احسان علی صاحب فصیح، ایڈیٹر محمد یوسف صاحب تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ ہسٹنگز پریس میں طباعت ہوتی تھی۔

منشی احسان علی فصیح: آپ کے حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔ ایک نظم منشور محمدی مورخہ ۵ رمضان المبارک ۱۳۰۱ھ میں منظوم اشتہار کی شکل میں شائع ہوئی ہے۔ منشور محمدی کا تعارف کرانے کے بعد اخبار کے چندہ کی وصولی کے لیے اپیل کی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ سے

ہے تیرے ہی فیض سے از آغاز ... منشور محمدی یہ ممتاز!
پرچہ ہے اک حبیب تمثال ... اب ختم ہوا ہے بارھواں سال
جوبن پر اس کی یہ جوانی ... ہے عزت عمر جاودانی

ہے تم کو ضرور گر ہو دیندار — دل بیچ کے ہو مرے خریدار
تم حق سٹیو مہتمم کو — فوراً زر نقد پانچ بھیجو
زر پاکے بدل وہ مرد دانا — کرتا رہے گا مجھے روانہ
ہر عشرہ میں سال بھر تک ایکبار — حاصل مرا ہو گا تم کو دیدار

اتفاق

مدراس مکان نمبر ۵ پطرس روڈ ڈاک خانہ رائے پیٹھ سے ۱۸۸۴ء کو پہلی بار ہفتہ میں دو بار نکلا پھر حویلی نمبر ۸۴ روبرو دارالامارۃ امیر محل بگراف روڈ سے روزانہ ابتداء ۱۸۸۵ء سے شائع ہوا۔ بانی میر ہمایوں جاہ سی۔ ایس آئی میر مجلس انجمن اسلامیہ۔ سکریٹری محی الدین خاں صاحب تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا۔ مطبع انجمن اسلامیہ میں چھپتا تھا۔ ایڈیٹر محمد عبدالملک صاحب ملک تھے۔

احمد محی الدین : محی الدین صاحب کی پیدائش ۱۸۳۵ء میں ہوئی۔ آپ کے والد عبرت جنگ بہادر تھے۔ آپ کی والدہ شرف الامراء کے۔ سی۔ ایس۔ آئی کی بھتیجی تھیں۔ آپ کی شادی ہز ہائنس نواب ظہیر الدولہ جی۔ سی۔ ایس۔ آئی رئیس ثانی ارکاٹ کی صاحبزادی سے ہوئی۔ آپ کا مادری اور پدری سلسلہ نسب فرمانروایان ارکاٹ سے ملتا ہے۔ خاندان کرناٹک کے مورث اعلیٰ نواب شہامت جنگ انورالدین خاں شہید اور نواب تیغ جنگ امیر کبیر دکن ہمجد تھے جن کا سلسلہ حضرت خواجہ شیخ فرید گنج شکر سے ملتا ہے۔ یہ دونوں خاندان فاروقی ہیں۔ اس خاندان کے دو رئیس فرخ شاہ اور سلیمان شاہ کابل کے فرماں روا تھے۔ انقلاب زمانہ سے سلطنت ہاتھ سے نکل جانے کے بعد ان کی اولاد پنجاب میں پناہ گزیں ہوئی۔ جہاں اس کے چند افراد عہدۂ قضا پر مامور رہے۔ منجملہ ان کے ایک شیخ عبدالحیٔ خلیفہ شیخ بندگی گوپا موکے قاضی تھے جن کے پوتے حاجی محمد انور عالمگیر اورنگ زیب کے عہد میں تسبیح خانہ شاہی کے میر مقرر ہوئے۔ ان کے پوتے نواب شہامت جنگ

محمد انوارالدین خاں اول نظام دکن نواب آصف جاہ کے ہمراہ دہلی سے یہاں وارد ہوئے اور کرناٹک کی صوبہ داری پر مامور ہوئے۔ ان کے بعد ان کی اولاد کرناٹک پر قابض اور متصرف رہی۔ حکومت انگلیشیہ نے اس نوابی کے خطاب کو امیر ارکاٹ سے مبدل کر دیا۔ آپ کو حضرت شاہ محمود چشتی القادری السہروردی مقیم احمدآباد گجرات سے ارادت تھی جو براہ راست خواجہ نصیرالدین چراغ دہلی کے سلسلے میں ہیں۔

۱۸۷۴ء میں گورنمنٹ نے آپ کو خان بہادر کے خطاب سے نوازا۔ آپ ۱۸۷۷ء سے ۱۸۸۲ء تک پرنس ارکاٹ کے سکریٹری رہے ہیں۔ آپ ملکی معاملات میں بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔ انجمن مفید اسلام، کتب خانہ مسلمانان مدراس اور تعلیمی انجمن اسلامیہ کے ممبر اور انجمن اسلامیہ مدراس کے بانی مبانی و سکریٹری تھے جو بعد میں مدراس سنٹرل محمڈن ایسوسی ایشن سے ملحق ہو گئی تھی اور اس کے بھی آپ نائب صدر منتخب ہوئے۔ آپ انجمن حمایت اسلام مدراس کے نائب صدر اور کرناٹک فیملی ایسوسی ایشن کے صدر تھے اور اخبار مسلم ہرلڈ کے بانی تھے۔ یہ پہلا اسلامی اخبار تھا جو ہفتہ میں تین بار شائع ہوتا تھا۔ آپ نے ملکہ معظمہ کی ڈائمنڈ جوبلی کی یادگار میں ایک فقیری دواخانہ تل ملکرٹی میں کھولا تھا اور اس کی ایک شاخ محلہ میلاپور میں قائم کی تھی۔ ان دونوں مقامات پر غریبوں کو مفت دوا دی جاتی تھی۔ آپ فن کیمسٹری (کیمیا) میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔[۱]

محمد عبدالمالک ملکؔ : ملک صاحب اپنے وقت کے اچھے . . . شاعروں میں شمار ہوتے تھے۔ پڑھنے کا ڈھنگ نرالا تھا۔ مولوی سرفراز علی صاحب وصفیؔ کے شاگرد تھے۔[۲]

---

[۱] صحیفہ زریں ص۵۹ [۲] تحفہ عشاق لکھنؤ جولائی ۱۸۸۵ء

گیسوئے صنم پہ دل ہے مائل — نازل یہ بلا ہوئی کدھر کی
کٹتی نہیں شبِ فراق مشکل — امید نہیں رہی سحر کی
کہتے ہیں کہ جلدی کیا شبِ وصل — باتیں تو کرو اِدھر اُدھر کی
کب تک تمہارے جفائیں کھینچے گا — ہمت نہ رہی وہ اب جگر کی
بل کھاتی ہے زلف کی طرح یہ — اللہ رے نزاکتیں کمر کی
پوشیدہ رہا نہ رازِ الفت — حسرت کی نگاہ ہے جب نظر کی

روٹھو نہ ملکؔ سے یوں شبِ وصل
ہے تم کو قسم اسی کے سر کی

شفیق ہند لاہور محلہ ہیرا منڈی ڈاک خانہ ڈبی بازار سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۸۷ء کو شائع ہوا۔ بارہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک منشی مہر بخش، مہتمم مولوی سیف الحق ادیب دہلوی تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ وکٹوریہ پریس میں طبع ہوتا تھا۔

گورکایستھ الہ آباد سے ۱۸۸۴ء کو یہ ماہانہ رسالہ ظہور پذیر ہوا۔ مہتمم منشی مدن لال تھے۔ مطبع ست پرکاش میں طباعت ہوتی تھی۔ یہ رسالہ سوائے کایستھوں کے کسی کو نہیں دیا جاتا تھا۔ قیمت اس کی کچھ نہیں تھی۔ اعانت و امداد کے لئے جو کوئی دیتا تھا وہ وصول کر لیا جاتا تھا۔

شحنہ ہند سیالکوٹ محلہ موری دروازہ سے ہفتہ وار اخبار ۱۸۸۴ء کو شائع ہوا۔ سولہ صفحات پر ہر یکشنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک جناب مرزا موحد جالندھری تھے۔ سالانہ چندہ پانچ روپیہ تھا۔ مطبع مرزا پریس میں چھپتا تھا۔

رسالہ انجمن حمایت الاسلام

یہ ماہانہ رسالہ لاہور سے انجمن حمایت الاسلام کے زیر اہتمام رمضان المبارک ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۴ء میں نکلا۔ جس میں انجمن کی سالانہ اجلاسوں کی روئیداد اور چندہ کا حساب درج ہوتا تھا اور عیسائیوں کے اعتراضوں کے جوابات دینے اور ان کے عقائد پر سنجیدہ طریقے سے نکتہ چینی کرنے اور اہل اسلام کو اخلاق کی ترغیب دینے والے مضامین شائع ہوتے تھے۔ وکٹوریہ پریس لاہور میں مولوی کریم بخش سپرنٹنڈنٹ نائب سکریٹری انجمن حمایت الاسلام کے اہتمام میں چھپتا تھا۔ انجمن کے سالانہ اجلاسوں میں ملک کے مشہور شعرار علامہ اقبال وغیرہ اور مشہور علمار اور اہل قلم ڈپٹی نذیر احمد صاحب، سر عبدالقادر صاحب، مولانا ثنار اللہ صاحب امرتسری، مولانا شرف الحق صاحب، مولانا الطاف حسین صاحب حالی، مولانا اشرف علی وغیرہ شریک ہوتے تھے اور اپنی عالمانہ محققانہ تاریخی تقریروں سے قوم اور ملک میں بیداری پیدا کرتے تھے۔ انجمن کی مفصل تاریخ میری کتاب "فرنگیوں کا جال" میں پڑھیے۔

شفا سقم

آگرہ محلہ منڈوی سے ۱۵ ؍جنوری ۱۸۸۴ء کو یہ ماہانہ رسالہ بارہ صفحات پر شائع ہوا۔ مہتمم منشی کرامت علی کمال سکریٹری انجمن حامیٔ اسلام تھے۔ یہ اخبار یکم جولائی ۱۸۸۵ء سے ہفتہ وار ہو گیا تھا۔ سالانہ چندہ کچھ نہیں تھا۔ ٹکٹوں کے پیسے ۱۲ وصول کئے جاتے تھے۔ مطبع محمدی میں چھپائی ہوتی تھی۔

یہ رسالہ تدابیر حفظِ صحت، زچہ بچہ کے متعلق لابدی امور اور دوسرے مسائل طبیہ جن کا جاننا طبیبوں کے علاوہ عوام کو بھی ضروری تھا وہ

اس میں بتائے جاتے تھے۔

سفیر پنجاب بجواڑہ ضلع ہوشیار پور سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم جون ۱۸۸۴ء کو جاری ہوا۔ چار صفحات پر ہر چہارشنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک سندھی خاں صفی تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ مطبع بجواڑہ میں طباعت ہوتی تھی۔

۱۸۸۵ء

اخترِ اودھ محلہ گورگنج ڈاک خانہ امین آباد لکھنؤ سے یہ ہفتہ وار اخبار یوم دوشنبہ ۱۸۸۵ء سے نکلنا شروع ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالکان نثار حسین و سجاد حسین۔ ایڈیٹر منشی عاشق علی عاشق، سب ایڈیٹر منشی عبدالواحد تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ مطبع انوری میں طبع ہوتا تھا اس کی غرض ملکی معاملات کی درستگی، شوسل نقائص کی اصلاح اور اردو زبان کی ترقی تھی۔

آشوبِ محشر یہ ماہانہ شعر و سخن کا گلدستہ فرخ آباد سے یکم جون ۱۸۸۵ء کو وجود میں آیا۔ ۲۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک منشی جگ دمبا پرشاد تھے۔ ایڈیٹر منشی یوسف صاحب ظریفؔ و ظہیرؔ تھے۔ مہتمم بابو ذوتی رام تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ مطبع گلزار ہند میں چھپائی ہوتی تھی۔ شروع سال کے پرچوں کے سرورق پر یہ شعر درج تھا۔

بہر نفخ صور اسرافیل سر پہ آ گیا
بکلوم دو گور سے آشوبِ محشر آگیا

بعد میں دوسرا یہ شعر جلوہ افروز ہوا۔ ؎

محبوب زمانہ بانیٔ صد فتنہ و شر ہے
جو دل میں چٹکیاں لیتا ہے وہ آشوب محشر ہے

انگریزی مہینے کے آخری یکشنبہ کو منشی جوالا پرشاد گورنمنٹ پلیڈر کے دولت کدہ پر مشاعرہ ہوتا تھا۔ اس میں جو غزلیں پڑھی جاتی تھیں وہ اس گلدستہ میں چھپتی تھیں۔ اس گلدستہ میں زیادہ تر غیر معروف شعراء کا کلام شائع ہوتا تھا مارچ ۱۸۸۵ء کے شمارے کی غزلوں کے منتخب اشعار درج کیے جاتے ہیں۔

جناب سید افضل علی صاحب آبہ ہیڈ مولوی ضلع اسکول بلند شہر۔ ؎

بتوں کی دید سے انکار زاہد — یہ کیا باہر ہیں مخلوق خدا سے
غریبوں کے ستانے سے ملا کیا — کوئی پوچھے بتِ ناآشنا سے
یہ اک دھمکی ہے اس پر آبہ ورنہ — میں خود واقف ہوں تاثیر وفا سے

جناب مولوی رستم علی خاں صاحب ادیب ہیڈ مولوی ضلع سکول فرخ آباد۔ ؎

کہا جب ہم نے مرتے ہیں ادا سے — وہ بولے سب غلط، اپنی قضا سے
وہیں کا ہو رہا، آیا نہ پھر کر — عدم کو جو گیا دارِ فنا سے
ادیب ایسا گناہوں سے خجل ہوں — نظر اٹھتی نہیں ہے پشت پا سے

جناب مولوی محمد بخش صاحب بشیر شاگرد جناب صغیر فرخ آبادی۔ ؎

سوالِ وصل جب کرتا ہوں ان سے — جھکا لیتے ہیں سر فرطِ حیا سے
نہ ترسا وصل سے ہم کو خدارا — کہے کون اس بتِ ناآشنا سے
نہیں دیتے رقیبوں کو گلوری — ہمارے خون کے ہیں وہ پیاسے

جناب مولوی عبدالعزیز صاحب جلیل شاگرد حضرت صغیر فرخ آبادی۔ ؎

نہ پھیرا منہ کبھی ہم نے وفا سے — وہ آخر تھک گئے جور و جفا سے

دعا کیا منہ سے نکلے ان کے حق میں
یہ بت شرمندہ کرتے ہیں خدا سے

جناب منشی امداد حسین صاحب صغیرؔ فرخ آبادی ؎

توقع کیا بتوں کی التجا سے
جو دل میں ہے وہ کہدیں گے خدا سے

پسینہ موت کا آیا جو مجھ کو
اطبا ہاتھ دھو بیٹھے شفا سے

یہ ظاہر ہے کہ چاہا ہے بتوں کو
کریں کیا عذر محشر میں خدا سے

صغیرؔ اللہ سے ملنے کا ہے شوق
جو کافر ہو وہ گھبرائے خدا سے

یوسف علی خاں ظہیرؔ: ظہیرؔ صاحب فرخ آباد کے محلہ خنک پورہ میں رہتے تھے۔ شعر و شاعری سے خاص دلچسپی تھی۔ شعراء کی بڑی قدر کرتے تھے۔ ملنسار و خلیق تھے۔ کلام میں روانی اور تاثیر ہے۔ ؎

یہ کیسا ظلم ہے اہل وفا سے
خدا سے ڈر بتِ کافر خدا سے

رہا جوشِ جنوں جب تک کہ مجھ کو
نہ نکلا حلقۂ زنجیر پا سے

ظہیرؔ دل فگار و خستہ جاں نے
غزل اچھی لکھی فکرِ رسا سے

افسانۂ ایام دہلی دریچہ فراشخانہ کوچہ میر مداری سے یہ ماہانہ انشاپردازی کا رسالہ یکم جولائی ۱۸۸۵ء کو شائع ہوا۔ بتیس صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک مولوی نصرت علی خاں قیصرؔ تھے۔ سالانہ چندہ دس روپیہ تھا۔ نصرت المطابع میں چھپتا تھا۔

آئینۂ تجارت آگرہ محلہ کٹرہ حاجی حسن مرحوم سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم جنوری ۱۸۸۵ء کو ظہور پذیر ہوا۔ مالک مرزا اشفاق حسین نظمؔ، مہتمم مرزا عاشق حسین بزمؔ، ایڈیٹر سید لیاقت علی تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ مطبع انیس ہند میں طباعت ہوتی تھی۔

بہارِ سخن رتلام سے یہ شعر و شاعری کا ماہانہ گلدستہ یکم جنوری ۱۸۸۵ء کو شائع ہوا۔ ۲۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک بابو رام کشن جوش اسسٹنٹ ماسٹر کالج، مولوی سید قادر علی شوق تھے۔ رسالانہ چندہ ایک روپیہ تھا مطبع رتن پرکاش میں طبع ہوتا تھا۔ سرورق پر یہ شعر درج تھا۔ ؎

آنکہ اول شعر گفت آدم صفی اللہ بود

طبع موزوں حجتِ فرزندیِ آدم بود

رہنما لکھنؤ محلہ کٹرہ ابوتراب ڈاک خانہ چوک سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم جنوری ۱۸۸۵ء کو جاری ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک منشی محمد احمد قمر تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا۔ علی حسین پریس میں چھپتا تھا۔

ریئن گزٹ بانس بریلی بمقام سول لائن سے ۱۲ جنوری ۱۸۸۵ء کو یہ مہینہ میں دو بار نکلنے والا اخبار ظہور میں آیا۔ اردو و انگریزی اور ہندی زبانوں میں نکلتا تھا۔ مہتمم منشی بشن لال ایم اے وکیل ہائی کورٹ و میر مجلس کمیٹی روہیل کھنڈ موسوم خیر خواہ وطن ایڈیٹر رائے کشن لال وکیل ہائی کورٹ تھے۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مطبع آریہ درپن شاہجہان پور میں چھپائی ہوتی تھی۔

سراج الاخبار جہلم سے یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر ہر دوشنبہ کو ۵ جنوری ۱۸۸۵ء سے نکلنا شروع ہوا۔ مالک و ایڈیٹر مولوی فقیر محمد خاں صاحب تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تیرہ آنے تھا۔

مولوی فقیر محمد خاں: مولوی صاحب کے والد حافظ سفارش محمد تھے۔ ۱۲۶۰ھ میں موچتن مضافات شہر جہلم میں پیدا ہوئے۔ پانچ چھ سال کی عمر میں اپنے گاؤں کی مسجد میں پڑھنے بیٹھے۔ قرآن شریف ختم کرنے کے بعد موضع ٹاہلیا کے میاں قطب الدین سے فارسی کتب پڑھیں اور مولوی نور احمد صاحب

دہلوی سے نحو و فقہ، مولوی عبدالکریم شاہ پوری پھر مولوی محمد حسن فیروز والا ضلع گوجرانوالہ سے علم منطق پڑھی۔ ۱۲۷۲ھ میں دہلی پہنچے۔ وہاں مولوی محمد شاہ صاحب اور مفتی صدرالدین صاحب سے کتب درسیہ کا حصول کیا۔ وطن واپس جانے کے بعد لاہور پہنچے وہاں مولوی کرم الٰہی سے تعلیم کو مکمل کیا۔ ۱۸۶۷ء سے مطبع آفتاب پنجاب لاہور میں قانونی کتب کی کتابت اور رسالہ انوار الشمس کی ادارت پر مقرر ہوئے۔ مولوی حافظ ولی اللہ کی صحبت حاصل کی تھی اس لئے رد نصاریٰ کے لئے قدم اٹھایا اور مضامین رد نصاریٰ کوہ نور لاہور اور اخبار منشور محمدی میں شائع کرلئے۔ انہی ایام میں تصدیق المسیح، حدائق الحنفیہ (تذکرہ علماء حنفیہ) آفتاب محمدی، رد وہابیہ، خیانتہ الانسان اور مباحثہ دینی مصنفہ حافظ ولی اللہ پر حواشی لکھے۔ مارچ ۱۸۷۵ء میں آفتاب پنجاب کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ ۱۸۸۴ء تک اس ذمہ داری کو نبھایا۔ ۲ اکتوبر ۱۸۸۴ء کو اپنے مرحوم لڑکے محمد سراج الدین کے نام پر سراج المطابع قائم کیا اور ۵ جنوری ۱۸۸۵ء کو سراج الاخبار جاری کیا ۲۸ اگست ۱۸۸۶ء کو آپ کے صاحبزادے کا انتقال ہو گیا۔ اس کے صدمے کو بھلانے کے لئے یکم اگست ۱۸۸۷ء کو کشمیر کا سفر اختیار کیا۔ آپ نے اسی زمانہ میں تقلید آئمہ اربع لکھی تھی۔

منشی محمد دین فوق مؤلف "اخبار نویسوں کے حالات" اس اخبار کے بارے بارے میں لکھتے ہیں۔

> "سراج الاخبار خبروں کے لحاظ سے فی الحقیقت اخبار ہے سراج الاخبار میں جو نظمیں چھپتی ہیں وہ عامیانہ ہوتی ہیں اور غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ مولوی صاحب کو خود شاعری کا مذاق نہیں ہے۔ اخبار میں شیعہ، اہل حدیث اور احمدی صاحبان

یکہ خلاف اکثر مضامین چھپا کرتے ہیں۔ سراج الاخبار کی پالیسی صلح کل ہے مولوی فقیر محمد صاحب اپنے تمام معاصرین میں سب سے زیادہ تجربہ کار ہیں۔" لہ

قیامت لکھنؤ زیر اکبری دروازہ سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم جنوری ۱۸۸۵ء کو عالم وجود میں آیا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک خواجہ محمد وزیر، مہتمم خواجہ عاشق علی تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا۔ مطبع گلزار محمدی میں چھپتا تھا۔

وظائف خلد میسور لشکر محلہ سے یہ ماہانہ رسالہ یکم جنوری ۱۸۸۵ء کو ۲۶ صفحات پر نکلنا شروع ہوا۔ مالک عبداللہ خوش حال بن احمد سیٹھ، مہتمم علی محمد خاں بیدار تھے۔ سالانہ چندہ آٹھ آنہ تھا۔ مطبع نبوی میں طباعت ہوتی تھی۔ اس رسالے کے ہر ورق پر یہ شعر درج ہے ہے

مفت اے مشتریو جلوہ تازہ دیکھو
تازہ دنیا میں ہے جنت کا تماشا دیکھو

جادو دہلی محلہ تیراہا بہرام خاں سے یہ ماہانہ شعر وسخن کا رسالہ یکم جنوری ۱۸۸۵ء سے شائع ہوا۔ بارہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک رکن الدین صاحب جادوؔ، مہتمم منشی سید بدیع الزماں صاحب شیونؔ تھے۔ ہر پنجشنبہ کو نکلتا تھا۔ مطبع مجتبائی میں چھپائی ہوتی تھی۔

منشی رکن الدین جادوؔ: منشی صاحب کے والد خان بہادر مولوی محمد انوارالحق صاحب سابق میر منشی ریذیڈنسی راجپوتانہ تھے۔ پہلے اپنے چچا ادیب

لہ اخبار نویسوں کے حالات ص۵۹۔

کے شاگرد ہوئے اور ناداںؔ تخلص کیا تھا، پھر حضرت داغؔ کے شاگرد ہوئے تو جاویدؔ تخلص فرمایا۔ علمی استعداد کافی تھی۔ ریاست بھرت پور میں نائب میر منشی تھے۔ ملازمت چھوڑ کے دہلی چلے آئے اس کے بعد اسی عہدے پر فائز ہوئے۔ مزاج میں ظرافت تھی انتہائی خلیق تھے۔ مولانا عبدالحق محدث دہلوی کے خاندان سے تھے۔ ؎

سنتا ہوں کہ مہمان وہ بت، غیر کے گھر ہے
پتھر پڑیں اس پر کہ دعا کا یہ اثر ہے

رہے کمبخت کیا ٹھکانے سے بن گئی دل پہ دل لگانے سے
بالیں پہ سراسیمہ کوئی رشک قمر تھے او بے خبری تجھ کو بتا کچھ بھی خبر ہے

دل نواز آپ تو فرمائیے کیا دیتے ہیں
دل انہی کا ہے کہ دل اہلِ وفا دیتے ہیں

یارب مرے ہوں دست دعا اس قدر دراز
میں چھین لوں فلک سے اثر کو بڑھا کے ہاتھ

جاویدؔ اب اغنیائے زمانہ کا ہے یہ حال
دیتے نہیں فقیر کو ٹکڑا، اٹھا کے ہاتھ

بے وجہ آسماں نہیں گردش میں رات دن
اس پر پڑا ہے صبر کسی بے قرار کا

ہو جان کو اگر ایک مصیبت تو رو دیئے
دل بھی یہاں ملا تو ترے اختیار کا

دیکھ کر مجھ کو وہ کہتے ہیں یہی ہے جاویدؔ
یہ جو چلتے ہوئے انسان چلے آتے ہیں

ہمایوں
بدایوں محلہ کٹرہ بزرگ سے یہ ماہانہ شعر و سخن کا گلدستہ یکم جنوری ۱۸۸۵ء کو جاری ہوا۔ مالک مولوی افضل علی، مہتمم منشی محمد جعفر نجم تھے۔ افضل المطابع میں چھپتا تھا۔

غمخوار ہند
لاہور کوچہ بخشی بھگت رام سے ۷ر جنوری ۱۸۸۵ء کو یہ ہفتہ وار اخبار بارہ صفحات پر جاری ہوا۔ ہر شنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک پنڈت مہاراج کشن غمخوار، مہتمم علیم الدین تھے۔ سالانہ چندہ پانچ روپیہ تھا۔ علیم الدین پریس میں چھپتا تھا۔

آصفی
حیدر آباد دکن محاذی پرانی حویلی سے ۹ر جنوری ۱۸۸۵ء کو یہ ہفتہ وار اخبار شائع ہوا۔ بارہ صفحات پر ہر جمعہ کو نکلتا تھا۔ مالک سید محمد سلطان عاقل دہلوی، مہتمم و اسسٹنٹ ایڈیٹر سید الطاف حسین قابل تھے۔ سالانہ چندہ سات روپیہ تھا۔ مطبع آصفی میں طباعت ہوتی تھی۔

ریاض سخن
رام پور سے ۲۰ر جنوری ۱۸۸۵ء کو یہ ماہانہ شعر و شاعری کا گلدستہ ظہور میں آیا۔ مالک احمد علی خاں شوقؔ بن اصغر علی خاں اہلکار ریاست تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ مطبع نیر اعظم میں چھپتا تھا۔ سر ورق پر یہ شعر درج تھا:

کدھر ہو تم اے عندلیبانِ معنی
چلو پھول توڑو ریاض سخن کے

ریاض سخن کے پہلے نمبر ۲۰ر جنوری ۱۸۸۵ء میں اس گلدستہ کی دو تاریخیں سر ورق پر درج ہیں:

گلدستۂ انتخاب سخن کا ہے بے مثال — یکتائے روزگار ہے رنگیں ادائے دہر
تاریخ ہے مسیحی و ہجری بہم یہ شوقؔ — مجموعۂ ریاض سخن، پر فضائے دہر
۱۸۸۵ء — ۱۳۰۲ھ

قطعہ تاریخ منشی محمد فیروز شاہ خاں صاحب فیروز رامپوری سے

طبع گلدستہ ہو گیا فیروز	جب ہوئی مجھ کو یہ خبر مسموع
عیسوی سال کی لکھی تاریخ	کہ ریاضِ سخن ہوا مطبوع

۱۸۸۵ء

یہ گلدستہ کس بنا پر شائع ہوا، یہ جناب شوق مالک گلدستہ کے قلم سے سنئے۔ مذکورہ شمارے میں تحریر کرتے ہیں۔

"اردو شاعری کے اساتذہ دہلی اور لکھنؤ کے منتخب لوگ اہل زبان صاحبِ کمال آج کل ریاست رامپور میں جمع ہیں۔ وہ کون ہے جو داغؔ، عروجؔ، جلالؔ، غنیؔ کو نہیں جانتا۔ ان لوگوں کا کمال اظہر من الشمس ہے۔ فی الحال غریب خانہ پر یکم جنوری سے ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو ایک جلسہ مشاعرہ کا طے ہوا ہے جس میں تمام ارباب کمال قدم رنجہ فرماکر اپنے اپنے کلام کے ارشاد سے اس جلسہ کو عزت بخشتے ہیں۔ ان کے علاوہ تمام نامی شعراء اس ریاست کے جمع ہوتے ہیں۔۔ ۔۔۔ لہٰذا یہ قاعدہ مقرر کیا گیا کہ ماہوار ایک گلدستہ موسوم بہ ریاض سخن ہر انگریزی مہینے کی ۲۰ر تاریخ کو شائع ہوا کرے۔"

اسی شمارے سے شعرار کا منتخب کلام نقل کیا جاتا ہے۔

جناب سید اعجاز حسین اعجاز نبیرہ جناب مولانا مفتی صدرالدین دہلوی مقیم لکھنؤ تلمیذ جناب داغؔ دہلوی۔ سے

کچھ خطر اس کو نہیں سیلِ حوادث سے مگر	سر اٹھاتے ہیں حباب لب دریا کیسا
شور ناقوس بنا میں کبھی آواز اذاں	پردے پردے میں پکارا تجھے کیسا کیسا

جناب محمد بشیر خاں صاحب بشیر رام پوری شاگردِ داغ دہلوی سے

کیا کہوں تم سے میں اے تازہ اسیرانِ جنوں — ابتدا عشق کی کیسی ہے نتیجہ کیسا

مخالف ہوں کچھ ایسا کہ سمجھتا ہی نہیں — دشمن و دوست ہے کیسا، اپنا پرایا کیسا

صاحبِ عالم جناب مرزا رحیم الدین حیا دہلوی ملازم سرکار رامپور سے

اس کی تصویر کی بھی دیکھنے کی تاب نہیں — جس کا نقشے میں یہ عالم ہے وہ ہوگا کیسا

ہم بھی ہنگامۂ محشر میں دہائی دیں گے — تم بھی دیکھو گے کہ ہوتا ہے تماشا کیسا

جناب محمد رفیع الدین خاں صاحب دانش مقیم ریاست ٹونک شاگردِ داغ دہلوی سے

ہم ہیں بدست مئے الفتِ ساقی واعظ — فکرِ امروز نہیں یہاں غمِ فردا کیسا

خواہش دل ہے کہ جو کچھ ہو ابھی ہو جائے — صبر امروز کسے وعدۂ فردا کیسا

جناب سید شمس الزماں خاں صاحب رئیس آگرہ تلمیذ داغ دہلوی سے

زاہد عشق بتاں میں ہے بڑی کیفیت — طے کر واس کو یہ تسبیح و مصلا کیسا

حضرت شمس جب اس بت سے چھٹے سب چھوٹے

یہ کس چیز کو کہتے ہیں تماشا کیسا

حافظ احمد علی خاں شوق: شوق صاحب رام پور کے باشندے تھے ان کے والد اصغر علی خاں تحصیلدار معززین رامپور میں سے تھے۔ ان کے بزرگ زمانہ قدیم سے ریاست رامپور سے متعلق و معتمد اور دربار میں بااثر ذی رسوخ رہے شوق علم دوست ادیب تھے نظم و نثر پر پورے طور پر حاوی تھے۔ سفرنامہ ابن جبیر کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ سے

یارب تو مجھے غیر کی تقدیر عطا کر

میں تجھ سے کسی چیز کا سائل نہیں ہوتا

تمہاری جدائی میں مرنا گوارا — عدو کی خوشامد ہو مشکل یہی ہے

مجھے زندہ رہنا ہے وعدے پر آساں
مگر وعدہ پورا ہو مشکل یہی ہے

آفتاب سخن بنگلور سے یہ شعر و سخن کا ماہانہ گلدستہ یکم جون ۱۸۸۵ء کو شائع ہوا۔ سولہ صفحات پر نکلتا تھا۔ مالک محمد ابراہیم طپش، مہتمم عبدالقادر تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ مطبع گلزار ہند میں چھپائی ہوتی تھی۔

سیفت گورنمنٹ لاہور حویلی میاں خاں سے پندرہ روزہ اخبار ۱۵ر جنوری ۱۸۸۵ء کو نکلا۔ مالک سید نادر علی شاہ سیفی، مہتمم منشی ہر سکھ رائے تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا۔ مطبع سیفی میں طباعت ہوتی تھی۔

طبیب لاہور لاہور سے یہ طبی ماہانہ رسالہ ۲۰ صفحات پر ۳۰ر جنوری ۱۸۸۵ء کو وجود میں آیا۔ مالک وایڈیٹر حکیم حافظ فخرالدین صاحب تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ مطبع وکٹوریہ میں چھپتا تھا۔

اس رسالہ میں یونانی اور انگریزی طب کا مقابلہ اور ان پر محاکمہ، انگریزی طبی رسالوں کا مفید خلاصہ، حکیموں اور ڈاکٹروں کے مجربات اور ڈاکٹروں کی تبدیلی اور ترقی کی خبریں اور معلومات دی جاتی تھی۔

دامنِ گل چیں لکھنؤ محلہ کٹرہ ابو تراب خاں سے یہ ماہانہ شعر و شاعری کا گلدستہ یکم فروری ۱۸۸۵ء کو جاری ہوا۔ سولہ صفحات اردو ٹائپ میں نکلنا شروع ہوا۔ بعد میں لیتھو پر چھپنے لگا۔ سرپرست جناب امیر مینائی صاحب، مالک محمد احمد قمر، مہتمم منشی شیخ واجد علی صاحب لکھنوی تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ اردو پریس میں چھپائی ہوتی تھی۔ کافی سالوں چلنے کے بعد بند ہوگیا تھا۔ دوبارہ ۱۸۹۸ء میں جناب امیر مینائی کے چھوٹے صاحبزادے منشی

لطیف احمد اختر مینائی نے نکالا۔
۔ امن گل چیں مورخہ فروری ۱۸۸۵ء کی غزلوں سے منتخب اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔
جناب منشی ممتاز علی صاحب آہ امیٹھوی ؂

ہائے وہ بوٹا سا قد، وہ چاند سا مکھڑا
وہ پری آنکھیں وہ رخ پر زلف بل کھائی ہوئی
بلبلوں کے دست گستاخ ان تلک پہنچے نہیں
چولیاں پھولوں کی ہیں پھر کس کی مسکائی ہوئی

جناب محمد اطہر حسین صاحب اطہر بدایونی۔

ہائے دیکھو تو کبھی آنکھیں اٹھا کر بزم میں
تم پہ کس کس کی نظر پڑتی ہے للچائی ہوئی
کیا شگفتہ آکے تربت پر مری ہوتا وہ گل
کچھ تھے باسی پھول کچھ کلیاں تھیں مرجھائی ہوئی

جناب احسان علی خاں صاحب احسان شاہجہان پوری شاگرد جناب جلال لکھنوی ؂

بن گئی دشمن نگاہِ شوق ان کو دیکھ کر
ہم سے بھی کہتی نہیں کس کی تماشائی ہوئی
ان کے روئے آتشیں سے شمع کو نسبت نہیں
وہ پڑی ہے دور محفل سے نکلوائی ہوئی

جناب منشی عبدالرحمن صاحب بسمل نائب سررشتہ دار عدالت دیوانی رام پور ؂

ڈھونڈھ لیں گے اژدہام حشر میں قاتل کو ہم
کب چھپائے سے چھپے گی آنکھ شرمائی ہوئی

منہ چھپا کر شیخ کعبہ سے چلا ہے دیر کو
دیکھ لی کیا آنکھ اس کافر کی شرمائی ہوئی

جناب سید مرزا صاحب تعشق خلف الرشید جناب محمد مرزا صاحب انس لکھنوی ۔ہ

صبح کو پہچان نے والوں میں رسوائی ہوئی
شب کی خبریں کہہ رہی ہیں آنکھ شرمائی ہوئی
اے تعشق جن کو فرقت ہے یہ ان کے ہیں نشاں
یاس آنکھوں میں ہے منہ پر بیکسی چھائی ہوئی

جناب محمد احمد صاحب قمر و محو : قمر صاحب جناب امیر مینائی کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ پہلے محو تخلص تھا اس کے بعد قمر بدلا۔ سہ

دیکھ لیتا ہوں جو آنکھیں اس کی شرمائی ہوئی
آ نہیں سکتی زباں تک دل میں بات آئی ہوئی
میں نے اپنی داستاں چھیڑی تو جھنجلا کر کہا
اڑ گئی ظالم مری آنکھوں میں نیند آئی ہوئی
ان سے کہتی ہے نزاکت وقتِ آرائش قمر
جان پریاں بن گئی اچھی خود آرائی ہوئی

جناب منشی واجد علی صاحب بسمل : بسمل صاحب کاکوری کے باشندے تھے اور امیر مینائی کے شاگرد تھے۔ بڑے ذہین اور ہوشیار تھے۔ خم خانۂ جاوید جلد اول کے مرتب کرتے وقت ان کی عمر ۴۰۔ ۴۲ برس کی ہوگی۔ عرصہ دراز تک رامپور میں نائب میر منشی کے عہدے پر مامور ہوئے۔ مذاق سلیم رکھتے تھے۔ ۱ه

سلہ دامن گل چین اکتوبر ۱۸۸۶ء۔

دوستو کیا پوچھتے ہو اس کی بربادی کا حال
یہ بھرا گھر دیکھتے ہی دیکھتے بن ہو گیا

شمع بزمِ عیش تھا وہ اں خندۂ دنداں نما
اشک جو آنکھوں سے ٹپکایاں دُرِ نایاب تھا

یاں دلِ شوریدہ کو سر پھوڑنے کا تھا خیال
زیرِ سر واں غیر کا زانو برائے خواب تھا

میں نے دیکھا رات بسمل کو پڑا تھا خاک پر
بسترِ سنجاب تھا، نے بالشِ کمخواب تھا

دربارِ اکبری دہلی محلہ چاندنی چوک سے یہ عشرہ وار اخبار یکم فروری ۱۸۸۵ء کو جاری ہوا۔ مالک افضل خاں تھے۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ افضل المطابع میں طبع ہوتا تھا۔

اچی سن گزٹ فرخ نگر ضلع گوڑگانوہ سے یکم فروری ۱۸۸۵ء کو یہ پندرہ روزہ اخبار شائع ہوا۔ مالک چودھری پنڈت جینی جیا لال سراوگی مہتمم جینی پرکاش تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔

خورشید آفاق پیلی بھیت سے ۷ فروری ۱۸۸۵ء کو یہ ہفتہ وار اخبار ہر شنبہ کو نکلنا شروع ہوا۔ مالک حکیم مظہر احسن خاں صاحب احسنؔ تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ مطبع مظہری میں طباعت ہوتی تھی۔

حکیم مظہر احسن خاں صاحب احسنؔ: احسن صاحب کے والد حکیم محمد مجتبیٰ اور دادا حکیم محمود خاں تھے۔ رام پور میں ۱۸۴۷ء میں پیدا ہوئے۔ نستعلیق میر عوض علی عدیلؔ، نسخ حافظ فیاض، شکست و شفیعا منشی عطا حسین، فارسی و عربی

مولوی عبدالمجید خاں، سید علی حسین اور مولوی نورالنبی، علم عروض مولوی جمال شاہ سے حاصل کئے۔ پہلے غالب کو کلام دکھایا۔ ان کے انتقال کے بعد منشی مظفر علی صاحب اسیر سے مشورہ کیا۔ خاندانی پیشہ طبابت تھا لیکن یہ لکڑی کی تجارت میں مشغول ہوگئے۔[1] آخری عمر میں پیلی بھیت میں سکونت اختیار کی۔ وہیں سے خورشید آفاق اخبار نکالا۔ یہاں ان کے شاگردوں کی تعداد کافی تھی۔ ۱۰ مارچ ۱۸۹۱ء کو ۴۴ برس کی عمر میں فوت ہوئے۔ پیلی بھیت کی مٹی لکھی تھی وہیں دفن ہوئے۔ عروض سیفی کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ طب میں قرابادین بھی تحریر فرمائی ہے۔ اردو فارسی میں کہتے تھے، صاحب دیوان تھے۔[2]

ہر دم ہے جاں کنی ترے عاشق کے واسطے
کہتے ہیں جس کو مرگ، غمِ انتظار ہے

یارب ہوئی ہے عمر اسی شغل میں بسر

کوثر پہ اہتمام ہو مجھ بادہ خوار کا
اتنا تو ہو جو عشق کسی کا ہو واعظو!

جنت میں پوچھتا ہوں پتہ کوئی یار کا

خدا کے واسطے گیسو ہٹا دے اپنے چہرے سے
ارے ظالم نہ کر رتبہ برابر کفر و ایماں کا

بات کرنے میں تو شرماتے ہو تم ظلم کرنے میں نہیں آتا لحاظ

ایک ہیں غیر کہ رہتے ہیں وفا پر ناخوش
ایک ہم ہیں کہ جفا پر بھی تری شاد رہے

---

[1] انتخاب یادگار صہ [2] تلامذہ غالب صہ ۲۷۔

اپنچ پٹنہ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۵ فروری ۱۸۸۵ء کو جلوہ افروز ہوا۔ بارہ صفحات پر ہر پنجشنبہ کو نکلتا تھا۔ منشی محمد اعظم نے برمکان مولوی شرف الدین بیرسٹر جاری کیا تھا۔ جون ۱۸۸۵ء سے سید الطاف حسین وکیل نے دوبارہ جاری کیا۔ اس کے بعد محلہ دریاپور سے مولوی سید رحیم الدین کی ملکیت میں اور مولوی سید محمد یوسف کے اہتمام میں شائع ہوا۔ مطبع یونین میں چھپتا تھا۔ سرورق پر یہ رباعی درج ہے:

صبح کہ شاہ اختران والی چرخ چار بیں
راز خدا درو نہاں جملہ نہاں از و عیاں
کرد زاوجِ آسماں میل بمرکز زمیں
جان ہمہ جہانیاں دستِ خدائے راستیں

یہ اخبار مزاحیہ تھا خبروں میں بھی مزاح کا رنگ غالب ہے جس سے خبر کی ماہیت بدل جاتی تھی ادبی حصہ اس میں کم ہوتا ہے۔ غیر ملکی خبریں وہ بھی مختصر ہوتی ہیں ملکی خبریں برائے نام نظر آتی ہیں۔ اس اخبار میں کیا ہوتا ہے ایڈیٹر کی قلم سے سنئے:۔

"اخاہ! مسٹر اپنچ ہیں کیا آپ نے اب تک نہیں دیکھا ضرور دیکھئے اخبار نہیں چلتا ہوا جادو، ظرافت کا پتلا۔ ایک جملہ پڑھو اور ہنستے ہنستے بے خود نہ ہو جاؤ تو ہمارا ذمہ۔ ایک خبر دیکھو اور پیٹ نہ پکڑو تو ہم گنہگار۔ پھر یہی نہیں کہ ہا ہا ہے ہے کے سوا کام کی باتیں نہیں پولٹیکل، سوشل، مارل آرٹیکل سے مالامال۔ ملکی تمدنی، اخلاقی مضامین پر زبردست چٹکیاں لینے میں گرو گھنٹال، اس پر زبان کی صفائی، محاورات کی بندش کا کیا کہنا پڑھئے اور لوٹ پوٹ

ہو جائیے ۔ ان سب خوبیوں پر قیمت پوچھئے تو کچھ نہیں صرف سفید سفید چھ چہرہ شاہی ارسال کیجئے اور سال بھر تک مزے لوٹئے ۔ فی پرچہ دو آنے ۔"

ہم عصر اخبارات میں باہمی چپقلش ضرور ہوتی ہے ۔ چنانچہ اہلپنچ مورخہ ۲۸ / نومبر ۱۸۹۷ء میں ریاض الاخبار کو حکومتِ برطانیہ کا خوشامدی ثابت کیا ہے ۔ ملاحظہ کیجئے :-

"کریٹ خالی ہو گیا یا نہیں ہم اس کو چھیڑنا نہیں چاہتے ۔ اب یہ مضمون پامال ہے ہم کو ہنسی ان بودوں اور فرسودہ روزگار اخباروں پر آتی ہے جو اس معاملہ کے متعلق بھونڈی اور خوشامدانہ تقریر کر کے آزادئ اخبار پر ایک بدنما دھبا لگا رہے ہیں ۔ ہم کو سب سے زیادہ افسوس ریاض الاخبار پر ہے جو خلاف توقع اس نے اپنا رنگ اس بودے پن سے بدل ڈالا ہے ۔ تخلیہ کریٹ کے متعلق اس نے حال کے پرچہ میں کیسی بھدی رائے دی ۔ اس نے اسلامی بادشاہ کی رفعت خاک میں ملا دی ، بجائے اس کے کہ وہ آزادانہ دیانت سے رائے دیتا خوشامد کی بھر مار کر رہا ہے ۔ روزانہ اخبار جس نے دیانت داری سے کام لیا ہے چوٹیں کر رہا ہے کیا ریاض الاخبار کو اس کی خبر نہیں کہ سلطانی فوج کے اٹھ جانے سے کریٹ کا کیا حشر ہو گا ، وہ زمانہ کا رنگ دیکھ کر کوئی صحیح رائے قائم نہیں کر سکتا محض رپورٹر کی ژٹل اور لغو تار برقیوں پر اپنے فیصلہ کی بنیاد ڈالتا ہے ۔ کیا ریاض الاخبار نے واقعات ہی سے کریٹ میں ترکوں کی ہر دلعزیزی نہیں سمجھی کیا ریاض الاخبار

کو اس کی خبر نہیں ہے کہ کریٹ کے یہودیوں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ جب ترکی فوج ہی یہاں نہیں رہے گی تو ہم کیا کریں گے۔ کیا ریاض الاخبار یہ نہیں جانتا کہ ترکی فوج کے نکلتے ہی عیسائیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ ان کے اسباب لوٹ لئے سخت پریشان کیا۔ کیا ریاض الاخبار اس کو نہیں سمجھتا کہ کریٹ پر قبضہ کر لینے کے بعد دول یورپ کو کیسا چسکا پڑ جائے گا۔ اگر اس پر بھی نہ سمجھے تو نہ سمجھے۔"

اس اخبار میں مزاحیہ غزلیں اور نظمیں کافی لکھی جاتی تھیں۔ اس اخبار کے مخصوص شاعر ا، ت، ل، بسمل۔ سوختہ جگر۔ شہباز۔ ا، ب، ت، ناصح، مشفق بہاری حضرت قاآنی ہند، اکبر داناپوری، حضرت ن، ص، حضرت م، ن، الخبیرؔ۔ حضرت کالؔ مہجورؔ۔ حضرت ا، ن دردؔ۔ حضرت م، ی، ج مہجورؔ۔ حضرت عابد بیمارؔ۔ حضرت م، ق اخترؔ۔ جوہرؔ امردہوی۔ اعجازؔ جبل پوری، مائلؔ دھرم پوری، مسافرؔ کلکتہ، حضرت نسیمؔ وغیرہ تھے۔ جو دل چسپ ظریف اور حیرت میں ڈالنے والے مضامین کے خالق تھے۔ لیجئے حضرت آزادؔ کا بھی رنگ دیکھئے۔ ؎

میخوار ہیں بے قرار ساقی　　لا بادۂ خوش گوار ساقی
مے دے کہ سرور جان و دل ہو　　ہلکی ہو نہ تند، معتدل ہو
بھر بھر کے پلائے جا گلابی　　جاڑا ابھی ہے سبا قیا گلابی
مستوں کے نکھار کے دن آئے　　خوش ہو کہ بہار کے دن آئے
میخواروں کے حوصلے کے دن ہیں　　کیا کیف کے ولولے کے دن ہیں
بدحال بھی مست ہیں وہ دن ہیں　　توبہ کو شکست ہے وہ دن ہیں
دن کٹ گئے ناخوشی کے سارے　　دن آ گئے میکشی کے پیارے

یہ ان کی چہل پہل کے دن ہیں
امید کے، پھول پھل کے دن ہیں
سردی سے چمٹ چمٹ کے سونا
راتوں کو لپٹ لپٹ کے سونا

گل بن سخن شہر میرٹھ بیرون دروازہ باغپت محاذی سے ۱۵ فروری ۱۸۸۵ء کو یہ پندرہ روزہ اخبار وجود میں آیا۔ مالک برکت علی صاحب انداز اور مہتمم چراغ الدین صاحب لائق لاہوری تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ مطبع شگوفہ فیض میں چھپائی ہوتی تھی۔

کٹرہ پنچ چوک الہ آباد سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۴ فروری ۱۸۸۵ء کو جلوہ افروز ہوا۔ آٹھ صفحات پر ہر شنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک حافظ سید محمد اسماعیل تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ مطبع اسماعیلیہ میں طبع ہوتا تھا۔

امجد الاخبار بدایوں محلہ فرشوری ٹولہ سے ۱۵ فروری ۱۸۸۵ء کو یہ ہفتہ وار اخبار چار صفحات پر نکلنا شروع ہوا۔ ہر چہارشنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک مولوی امجد حسین، مہتمم علی محمد خاں، ایڈیٹر مولوی علی ارشد حسین تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ دس آنہ تھا۔

سعید الاخبار بدایوں محلہ کھیڑہ بزرگ سے یکم جنوری ۱۸۸۵ء کو یہ ماہانہ رسالہ شائع ہوا۔ مالک مولوی افضل علی ضَو، مہتمم منشی محمد جعفر نجم تھے۔ بارہ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ افضل المطابع میں طباعت ہوتی تھی۔

افضل علی ضَو: افضل علی صاحب کے والد مولوی یاد علی تھے۔ بدایوں کے قدیم شرفا میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ آپ کے جد اعلیٰ ظہور اللہ خاں نوا بدایونی تھے۔ بچپن سے مضمون نگاری اور شاعری سے لگاؤ تھا۔ مولوی راشد علی ضیا کے شاگرد

تھے۔ انگریزی اور فارسی میں مہارت تھی۔ ہمیشہ رؤسا کی صحبت میں رہے اور اپنی قابلیت کی وجہ سے انعام پاتے رہے۔ کچھ ریاستوں سے ان کا وظیفہ مقرر تھا۔ معیدالاخبار کی طرح بدایوں گزٹ بھی نکالا۔ گلدستہ بدایوں دوبارہ جاری کیا مگر یہ زیادہ دن نہیں چلے۔ بدایوں سے لکھنؤ کو مراجعت کی۔ وہاں ایک اخبار روزانہ جاری کیا۔ اس میں بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ انتظامی قابلیت اچھی تھی۔ ہر ایک سوسائٹی کو چمکایا۔ کبھی کسی کے منیجر اور کسی کارخانہ کے مہتمم مقرر ہوئے۔ مرزا دبیر کے صاحبزادے مرزا محمد جعفر سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ اسی بنا پر مولانا شبلی کی کتاب موازنۂ انیس و دبیر کے جواب میں ردالموازنہ لکھی تھی۔

(خم خانۂ جاوید جلد پنجم)

س تیرا احسان ہوگا اے اجل دم بھر ٹھہر جانا
وہ اپنی آنکھ سے بھی دیکھ لیں عاشق کا مر جانا

حسینوں کا یہ اک انداز ہے اس کی شکایت کیا
ذراسی بات ہے اقرار کرنا اور مکر جانا

حوریں بہشت میں ہوں تو یہ اور بات ہے
معشوق اس جہاں میں تو آپ سا نہیں

بیخودوں کو حسن و قبحِ ذات کی پروا نہیں
زیست میں شہرہ ہو یا بعد فنا تشہیر ہو

ہاں تمہارے دم سے روشن ہو گئی دیوانگی
سچ ہے اے منوؔ تم چراغِ خانۂ زنجیر ہو

مفتاح القوانین آگرہ سے یہ پندرہ روزہ اخبار یکم جنوری ۱۸۸۵ء کو نکلا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک منشی

نندکشور بی اے پروفیسر آگرہ کالج تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے آٹھ آنہ تھا۔

نیٹو کرسچین پیپر ضلع بھنڈارا ناگپور سے یکم جنوری ۱۸۸۵ء کو یہ ہفتہ وار اخبار نمودار ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ مہتمم صفدر علی عیسائی اسسٹنٹ کمشنر بہادر سکریٹری نیٹو کرسچین سوسائٹی تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ اردو فارسی اور رومن میں نکلتا تھا۔ یہ عیسائی مشنریوں کا اخبار تھا۔

ظریف ہند دہلی چاندنی چوک کوچہ قابل عطار سے یکم مارچ ۱۸۸۵ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا۔ آٹھ صفحات پر ہر جمعہ کو نکلتا تھا مالک و ایڈیٹر افضل خاں دہلوی تھے۔ سالانہ چندہ سوا روپیہ تھا۔ افضل المطابع میں طباعت ہوتی تھی۔

صحیفۂ قدسی دہلی متصل گلی امام، عقب مسجد مولوی محبوب علی چھتہ شیخ منگلو سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم مارچ ۱۸۸۵ء کو شائع ہوا۔ سولہ صفحات پر ہر پنجشنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک جناب مولوی عبدالقدوس صاحب مہتمم منشی غلام حسین صاحب تھے۔ سالانہ چندہ نو روپیہ تھا۔

مولانا عبدالقدوس قدسی دہلوی: مولانا عبدالقدوس صاحب مولانا راسخ کی پھوپی کے صاحبزادے اور مولانا محمد حسین فقیر کے بھانجے تھے[1]۔ صاحب اختر شہنشاہی لکھتے ہیں: آپ وقائع نگاری میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ ابھی کچھ عرصہ نہیں گذرا کہ اس اخبار نے ان اخبارات کے ساتھ جو عمر طبعی کو پہنچ کر پیر نابالغ کہلاتے ہیں ان سے ہمسری کرنے کا دعویٰ کیا بلکہ ایک دو قدم ان سے بڑھ کر چلتا ہے اس اخبار کی قدر و منزلت بدرجہ اولیٰ سمجھی جاتی ہے۔ نظم و نثر میں مولانا شہرۂ آفاق

---

[1] کمال راسخ صد ۱۰۹۔

ہیں۔ ان کی قابلیت لیاقت محتاج بیان نہیں۔ ان کی عبارت برجستہ اور خیالات پاکیزہ ہیں۔"

افسوس مولانا قدسی باوجود مشہور و معروف شاعر ہونے کے ان کا کلام اور حالات زندگی کسی تذکرہ میں دستیاب نہیں ہو سکے۔ بڑی تلاش کے بعد ایک ایسی کتاب کی تقریظ سے اشعار منتخب کئے جا رہے ہیں جو نثری ہے۔ وہ کتاب ہدایات الرشید یا الی مخام العنید مولانا محمد خلیل احمد صاحب کی تصنیف ہے جو رد شیعہ میں لکھی گئی ہے۔ اشعار گوش گذار کیجئے اور اندازہ لگائیے مولانا قدسی کو کلام پر کس قدر قدرت حاصل ہے، یہ تقریظ ۷۸ اشعار کی ہے۔ چند شعر اس میں سے نقل کئے جاتے ہیں :۔

زبانِ خامہ وقف حمدِ حق ہے | مگر ہیبت سے اس کا سینہ شق ہے
اسی کے حکم سے چلتے ہیں تارے | حباب اس کے سمجھتے ہیں اشارے
ادا قدسی نے کی کچھ حمد باری | تو اب نعتِ نبی کی آئی باری
محمدؐ بن عبداللہ کیا ہیں | رسول اللہ و ختم الانبیا کیا ہیں
وہیں اقلیم معنی کے شہنشاہ | صراط مستقیم ان کی گذرگاہ
وہی ہیں مصدرِ امر و نواہی | وہی بلاشک ہیں محبوب الٰہی
ہوا جب آ کے اک شیعہ مقابل | تو ہم سے ہی اٹھا ایک قابل
خلیل احمد ہے ان کا نام نامی | رہیں دارین میں یارب گرامی
لکھے ہیں یوں جواباتِ حقیقی | نگیں ہوں جو انگوٹھی پر عقیقی
ہے الزامی جوابوں کا عجب رنگ | عدو ہو جائیں گے پڑھ کر انہیں دنگ
ہوا قدسی کو فکر سال پیدا | کہ ہے مدت سے ان باتوں کا شیدا

۱۸۸۸ء

آپ نے مولانا راسخ کی وفات پر ایک تاریخی قطعہ کہا ہے۔ ؎

سنا اٹھ گئے دنیا سے مولوی راسخ
امید زیست ٹھہر اب نہ پاؤں کو پھیلا
کہا ہے قدسی رنجور نے سرِ تربت
ہے قبر راسخ طوطیٔ ہند واویلا
۱۳۲۵ھ

مولانا عبدالرحمٰن راسخ کے دیوان "کمال راسخ" کی بھی دو تاریخیں کہی ہیں۔ ؎

سال تصنیف میں دیوان کے لکھا قدسی نے
آہ مرنے پہ کھلا آج کمالِ راسخ
۱۳۲۵ھ
طبع دیوان پر کہا قدسی یہ ہم نے سالِ حال
یہ کلامِ بے زوال راسخِ مرحوم ہے
۱۳۲۵ھ

وائس آف اسلام کان پور سے مہینہ میں دو بار یہ اخبار یکم مارچ ۱۸۸۵ء کو نکلا۔ مالک حافظ عبدالحق سوداگر سول لائن تھے انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔

خنجر عشق لکھنؤ محلہ رستم نگر قریب درگاہ حضرت عباس سے یہ ماہانہ شعر و شاعری کا گلدستہ ۲۰ مارچ ۱۸۸۵ء کو جلوہ افگن ہوا۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ مطبع درگا پرشاد میں چھپتا تھا۔ سرورق پر یہ شعر تھا۔ ؎

یہ سوئے اہلِ دلِ ایماں ہے ابروئے ستمگر کا
سپر سینہ ہو جس کا دار روکے خنجر کا

آفتاب عالمتاب لاہور متصل کوتوالی سے ۶ مارچ ۱۸۸۵ء کو یہ ہفتہ وار اخبار سولہ صفحات پر ہر دوشنبہ کو نکلنا شروع ہوا۔ مالک دیوان آیا سنگھ، ایڈیٹر منشی رام سنگھ تھے۔ سالانہ چندہ پانچ روپیہ تھا۔ مطبع برانچ آفتاب میں طباعت ہوتی تھی۔

لاہور گزٹ لاہور عقب مسجد وزیر خاں سے ۷ مارچ ۱۸۸۵ء کو یہ ہفتہ وار اخبار وجود میں آیا۔ آٹھ صفحات پر ہر دوشنبہ کو شائع ہوتا تھا۔ مالک منشی دیدار بخش تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ قبلۃ المطابع میں چھپتا تھا۔

میڈیکل ریفارمر آگرہ محلہ صابون کٹرہ سے یکم مارچ ۱۸۸۵ء کو یہ ماہانہ رسالہ شائع ہوا۔ مالک منشی سید اولاد علی مدرس آگرہ کالج تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ مطبع ممتازیہ میں طبع ہوتا تھا۔

ہر دلعزیز لاہور متصل کوتوالی سے ۹ مارچ ۱۸۸۵ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا۔ آٹھ صفحات پر ہر جمعہ کو نکلتا تھا۔ مالک دیوان آیا سنگھ، ایڈیٹر رام سنگھ تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ بارہ آنے تھا۔

ریاض رنگیں پرتاب گڑھ رائے بریلی سے ۱۵ مارچ ۱۸۸۵ء کو یہ ماہانہ شعر و شاعری کا گلدستہ ظہور پذیر ہوا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک حکیم محمد طاہر افسر کاپی نقل نویس عدالت کلکٹری تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔

آزاد لکھنؤ محلہ گولہ گنج ڈاک خانہ امین آباد، کوٹھی منشی اطہر علی وکیل ہائی کورٹ سے ۲۵ مارچ ۱۸۸۵ء کو یہ ہفتہ وار اخبار شائع ہوا۔ بارہ صفحات پر ہر سہ شنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک منشی احمد علی تھے۔ سالانہ چندہ سات

روپے تیرہ آنے تھا۔ مطبع اردو پریس میں چھپائی ہوتی تھی۔

منشی احمد علی شوق : جناب شوق کے والد ماجد شیخ کاظم علی قیس تھے۔ یہ قاضی قدوۃ الدین رومی کی اولاد میں سے تھے اور یہ خاندان یوپی میں عالی نسب مانا جاتا ہے۔ شوق صاحب کی پیدائش قصبہ جگور ضلع لکھنؤ میں ... ... ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوتی رہی۔ ان کے بہنوئی شیخ امیر الزماں صدیقی اپنے ساتھ ان کو اناؤ لے گئے وہاں فارسی و عربی کی تعلیم شروع ہوئی۔ کچھ دنوں کے بعد سہسوان آئے مولانا ریاض الحسن سے علوم عربیہ کی تکمیل کی اور انٹرنس کا امتحان بھی پاس کیا۔ اٹھارہ برس کی عمر میں وطن لوٹے۔ لکھنؤ میں قیام ہوا۔ شعر و شاعری کی ابتدا ہوئی۔ جناب منشی منظفر علی خاں اسیر کے شاگرد ہوئے۔ اسیر صاحب ان کے رشتے کے دادا تھے۔ فکر معاش نے ستایا تو فیض آباد میں کچھ عرصہ تحصیلداری کی۔ ملازمت سے علیحدگی کے بعد لکھنؤ آئے۔ ان ایام میں آزاد اخبار نکالا۔ اسے ترک کرنے کے بعد بھوپال گئے۔ ملازمت کی، نظامت کے عہدے تک پہنچے۔ پنشن یافتہ ہونے کے بعد عمر کے آخری ایام میں رامپور کے سرکاری کتب خانے سے متعلق ہوگئے۔

جناب شوق کو ادب سے بڑی وابستگی رہی۔ ان کی ادبی تنقیدیں ادب کے لئے بڑا سرمایہ ہے "آزاد"، "اودھ پنچ" اور "صبح امید" میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہتے تھے۔ لکھنؤ کے مشاعروں میں اکثر شرکت کرتے تھے۔ جناب اسیر کے دولت کدہ پر ہفتہ وار مشاعرے ہوتے تھے، علمی ادبی مباحثے ہوتے۔ جن میں نواب سراج الدولہ وغیرہ بھی شرکت کرتے تھے۔ ان مباحثوں سے آپ نے کافی فیض اٹھایا۔ اسی اثنا میں مثنوی ترانۂ شوق لکھی۔ آپ کی قابل قدر تصنیف "عالم حسیناں" چار مثنویوں کا مجموعہ ہے۔ اس پر آپ کے قدیمی

دوست بابو جوالا پرشاد برق لکھنوی نے ایک فاضلانہ مقدمہ تحریر کیا ہے۔ ایک اور مجموعہ مثنویوں کا "گنجینہ" کے نام سے شائع ہوا تھا۔ آپ کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ نے مولانا آزاد کی طرح فطری شاعری کی بنیاد لکھنؤ میں ڈالی۔ قاسم و زہرہ ایک ناول بھی آپ کی تصنیف ہے۔ آپ کے انتقال کے بعد دیوان "فیضانِ شوق" بھی طبع ہو گیا تھا۔ آپ میر تقی میر کی پیروی فرماتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں، ؎

خدا بخشے بہت ہی شوق ہم کو یاد آتا ہے
وہ دل والا تھا وہ اس میں جنابِ میر کا سا تھا
دکھاؤں شوق ہر ہر لفظ میں جذب کی قوت
جو مجھ پر مہرباں روحِ جنابِ میر ہو جائے

جناب شوق نے اردو ادب میں جدت آفرینی اور اجتہاد سے اردو کے تمول و تمدن کے سامانوں میں ایزادی کی۔ ساٹھ سال اردو کی خدمت کر کے ۷۲ سال کی عمر میں ۱۷ اپریل ۱۹۲۵ء کو فوت ہوئے۔ ان کے صاحبزادے منشی طاہر علی صاحب بی اے حکومت ہند کے دفتر وزارت میں ملازم تھے۔ [1]

خطائے بیشتر میں ہوں خطا کا معترف یارب
بشر ہوں اور نہیں ممکن بشر کا بے خطا ہونا
میں کیوں محروم رکھوں تیرے وصفِ عفو سے تجھکو
نہیں منظور یارب مجھ کو اپنا پارسا ہونا

بکتے بکتے تو تو اے ناصح بمرا سر کھا گیا ۔۔۔ دل گیا میرا گیا، تیری گرہ سے کیا گیا
گل ہو کے میں کیا ہنستا، ایسا نہ تھا غم میرا ۔۔۔ شبنم کی طرح گذرا روتے ہی جنم میرا

---

[1] خم خانۂ جاوید، پنجم ص۱۴۱۔

اٹھنا ہی نہیں در سے ترے اشک ہو یا دل
جو ہے وہی ہو رہتا ہے گر پڑ کے یہیں کا
کیا مجھے عشق میں سودا تھا کہ گھر میں رہتا
کہیں رہتا تو تری راہ گذر میں رہتا
رکھ دیا آج ہم نے دل لے شوق
دوسرا نام بے قراری کا!

گلزار جہاں کلکتہ نمبر ۷ اسماعیل لین جکن پارہ کلنگا سے یہ ماہانہ رسالہ ۲۱ مارچ ۱۸۸۵ء کو جاری ہوا سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک امیر علی تھے رسالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ اس میں کھیلوں کے متعلق مضامین لکھے جاتے تھے۔

گلزار خلد قنوج محلہ صفدر گنج ضلع فرخ آباد سے یہ ماہانہ نعتیہ شعر و شاعری کا گلدستہ مارچ ۱۸۸۵ء کو شائع ہوا۔ اٹھارہ صفحات پر مشتمل تھا۔ ہر انگریزی مہینہ کی آٹھویں کو نکلتا تھا۔ مالک منشی بھگو خاں رحیم تھے سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا مطبع رحیمی میں طبع ہوتا تھا۔ سرورق پر یہ شعر درج تھا۔

محمدؐ سے صفت پوچھو خدا کی خدا سے پوچھ بوستان محمدؐ

شروع کے چند صفحات میں تبلیغی مضامین اور شرعی مسائل زیادہ تر مولینا اشرف علی صاحب کے دیئے جاتے تھے۔ بقایا میں مختلف شعراء کا کلام طرحی زیادہ اور بہت کم غیر طرحی چھپتا تھا۔ اس رسالہ کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں عاشقانہ کلام قطعاً نہیں ہوتا تھا بلکہ تمام رسالہ نعت رسولؐ سے بھرا رہتا تھا۔

ربیع الاول ۱۳۰۶ھ کے گلزار خلد کے شمارے سے شعراء کے کلام کا انتخاب درج کیا جاتا ہے۔

جناب مولوی ممتاز احمد صاحب ممتاز تھانوی تلمیذ جناب داغ دہلوی۔ ؎

کرتے ہیں دشمنوں کے لئے بھی دعائیں آپ
فوراً ہلاک ہوں جو نہ ان کو بچائیں آپ
کیسا ہی ہو شقی کوئی مستوجبِ عذاب ہو
بخشے خدا اسے بھی اگر بخشوائیں آپ
اللہ کیا نصیب ہے اس تشنہ کام کا
محشر میں جس کو ساغرِ کوثر پلائیں آپ

نواب حاجی رضوان علی خاں رئیس اعظم مراد آباد۔ ؎

تشریف لا کے بزم میں بادِ سحر کی طرح
روتے ہوؤں کو پھول کی صورت ہنسائیں آپ
ہنگامہ اضطراب کا ہے ہم اکیلے ہیں
اے مونسِ شکستہ دلاں جلد آئیں آپ
محشر میں یاد کرکے شہا بخشوائیے
ایسا نہ ہو کہ مجھ کو وہاں بھول جائیں آپ

جناب محمد یعقوب صاحب حسرت اسلام پوری برادر جناب شفیقہ بھگوان پوری۔ ؎

پاس اپنے جاں نثار کو آقا بلائیں آپ
دردر نہ اس فقیر کو شاہا پھرائیں آپ
بیتاب ہوں بہت نہیں فرقت کی تاب ہے
یثرب میں ہند سے مجھے جلدی بلائیں آپ

جناب مولوی احمد رضا صاحب عاصی۔ ؎

بیتاب ہے یہ جانِ حزیں اب فراق میں
للّٰلہ وہ جمالِ مبارک دکھائیں آپ
اس تشنہ لب کو اے مرے ساقیٔ مہرباں
اپنی شرابِ وصل کا ساغر پلائیں آپ
ہے شوقِ دید روضۂ اقدس بہت مگر
آؤں میں کس طرح سے جبتک بلائیں آپ

جناب دوست محمد صاحب دوستؔ غازی پوری شاگرد جناب مہر علی شاہ مہرؔ غازی پوری۔ سے

کیونکر نصیب ہو اسے جنت کا دیکھنا
اہلِ گناہ کو نہ اگر بخشوائیں آپ
.بر ہم بہت ہے میرے گناہ سے خدائے پاک
للّٰلہ مجھ کو قہرِ خدا سے بچائیں آپ

جناب سید محمد تبارک حسین تبارکؔ شہرامی تلمیذ جناب داغؔ دہلوی۔ سے

ہم امتِ جنابِ رسولِ کریم ہیں
اے منکر و نکیر نہ ہم کو ڈرائیں آپ
جائیں جو سرزمینِ مدینہ کو چھوڑ کر
مٹی خراب اپنی تبارکؔ کرائیں آپ

بیربر دہلی محلہ چاندنی چوک کوچہ قابل عطار سے مارچ ۱۸۸۵ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ ہر جمعہ کو نکلتا تھا۔ مالک افضل خاں تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ افضل المطابع میں طبع ہوتا تھا۔

ادیب ہند رامپور سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم اپریل ۱۸۸۵ء کو شائع ہوا۔ بانی حافظ احمد علی خاں شوقؔ خلف اصغر علی خاں تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا۔

بادِ صبا بنگلور سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم اپریل ۱۸۸۵ء کو وجود میں آیا۔ چار صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک محمد ابراہیم طپشؔ، ایڈیٹر قادر شریف صابرؔ تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ مطبع گلزار بنگلور میں طباعت ہوتی تھی۔

قادر شریف صابرؔ : صابر صاحب بنگلور کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۸۷ء میں دل گداز لکھنؤ کے جواب میں رسالہ دلسوز بنگلور سے شائع کیا۔ اس رسالہ میں ٹیپو سلطان اور انگریزوں کی جنگ سے متعلق ایک ناول قسط وار چھاپا جاتا تھا۔ اس رسالہ کے بعد بادِ صبا، اخبار نصیر، رسالہ تعلیم، رسالہ پنچ الپنچ وغیرہ شائع کئے جناب امیر مینائی کے آپ شاگرد تھے۔ ۱۹۰۸ء میں فوت ہوئے۔ (مدراس میں اردو)

تڑپتے لوٹتے ہم ہجر میں بستر پہ سوتے ہیں
الٰہی وہ بھی ہیں جو زانوئے دلبر پہ سوتے ہیں

غش کی طرح آئے تو گئے ہوش کی صورت
آفت تھی مری جان، یہ یارانہ کسی کا

گھر میں مرے آئے تو شب ہجر یہ بولے
منزل ہے بلاؤں کی، یہ کاشانہ کسی کا

دل میں رہ کر نظر نہیں آتا ہے ستم یہ بھی اس ستمگر کا
بے نشاں وہ نہیں ہے اے قاصد لامکاں گھر نہیں ہے دلبر کا

قیس کعبہ کو دیکھ چلا آیا
ہائے لیلیٰ نہیں ہے محمل میں

یہ مے کشی اور یہ بت پرستی، نہ پاس مذہب، نہ خوفِ محشر
نعوذ باللہ تم کو صابر، خدا کا دل میں خیال بھی ہے

گلدستۂ مضامین

متھرا سے یکم اپریل ۱۸۸۵ء کو یہ ماہانہ رسالہ ظہور میں آیا۔ ۲۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک چودھری شیام لال ایف ایم متھرا گورنمنٹ سکول، ایڈیٹر منشی گنگا پرشاد مختار رئیس صدر بازار مہتمم منشی بانکے لال زار بدایونی تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ متھرا پریس میں چھپتا تھا۔

منشی بانکے لال زار بدایونی: زار بدایونی صاحب نیاز خیرآبادی کے شاگرد تھے ۱۸۸۶ء میں امیر مینائی سے اصلاح لینے لگے۔ پھر ۱۸۸۹ء میں گورکھپور چلے گئے۔ ۱۸۸۲ء میں چھاتہ میں سکونت اختیار رکھتے تھے۔

زاہد تجھے قسم ہے ذرا چکھ کے دیکھ لے
کیسی کھنچی ہوئی ہے یہ مئے خوشگوار ہے

کیا خاک تئے مجمع محشر نگاہ میں دیکھے ہیں ہم نے رنگ تری جلوہ گاہ کے
جھرمٹ میں زار ہیں وہ حسینوں کے اس طرح گویا ستارے گرد چمکتے ہیں ماہ کے
حشر برپا ہے آج پہلو میں طور بے طور ہیں مرے دل کے
کہاں اتری ہے دستارِ فضیلت کہو اے شیخ! آئے ہو کدھر سے

جو دیکھا اپنے بسمل کو تڑپتا
تو آنکھیں بند کر لیں اس نے ڈر سے

گل کدۂ بہار

قصبہ سہسوان محلہ نیا گنج ضلع بدایوں سے یکم اپریل ۱۸۸۵ء کو یہ ماہانہ شعر و شاعری کا گلدستہ سولہ صفحات پر شائع ہوا۔ مالک حافظ متین صاحب متین تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ مطبع

نسیم سحر بدایوں میں چھپتا تھا۔ سرورق پر یہ شعر درج تھا ؎

جھگڑے سنتے ہو ذرا اوروں کے
آج میری بھی داستاں سن لو

لختِ جگر کلکتہ گلی بینو تلہ پالک اسٹریٹ سے ۱۰ اپریل ۱۸۸۵ء کو یہ ماہانہ رسالہ جاری ہوا۔ ۲۶ صفحات پر مشتمل تھا۔ مہتمم مولوی سید عبدالرحیم صاحب آبد تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تیرہ آنے تھا۔ مطبع قادریہ میں طباعت ہوتی تھی۔ سرورق پر یہ شعر درج تھا ؎

لختے بردانِ دل گذرو ہر کہ ز پیشم
من قاش فروشِ دلِ صد پارہ خویشم

ہر دلعزیز لکھنؤ محلہ گھسیاری منڈی ڈاک خانہ آمین آباد سے ۲۰ اپریل ۱۸۸۵ء کو یہ ماہانہ رسالہ وجود میں آیا۔ ۲۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ رائے سری کرشن قیصر مؤلف صنعت قیصری وغیرہ مالک ڈفرن کلب اس کے بانی تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ قیصر المطابع میں چھپتا تھا۔

پیکِ صبا کلکتہ محلہ بینو تلہ گلی پالک اسٹریٹ نمبر ۱۶ سے ۲۶ اپریل ۱۸۸۵ء کو یہ روزنامہ اخبار ظہور میں آیا۔ چار صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک عمر محمد ناخدا، ایڈیٹر سید عبدالرحیم آبد تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا۔ مطبع قادریہ میں چھپائی ہوتی تھی۔

نو بہار ٹونک سے یہ ماہانہ شعر و سخن کا رسالہ یکم مئی ۱۸۸۵ء کو جلوہ افروز ہوا۔ مالک غلام علی خاں تھے۔ مطبع احمدی میں طباعت ہوتی تھی۔

روزنامچہ بزمِ ملک کلکتہ محلہ ہری باڑہ سکین لین نمبر اول سے یہ روزنامہ اخبار چار صفحات پر نکلنا شروع ہوا۔ مالک علی اصغر ایم اے

تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ مطبع خیر خواہ خلائق میں طبع ہوتا تھا۔

بہار ہند کلکتہ محلہ بینو ٹلہ گلی یا لک اسٹریٹ نمبر ۱۶ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۵ ر مئی ۱۸۸۵ء کو شائع ہوا۔ مہتمم سید عبدالرحیم ابد تھے۔ آٹھ صفحات پر یکشنبہ کو نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ آٹھ روپے تیرہ آنے تھا۔ مطبع نادرۃ میں طباعت ہوتی تھی۔

جوہر سخن حیدرآباد دکن کوچہ جلال سے ۱۹ ر مئی ۱۸۸۵ء کو یہ ماہانہ شعر و سخن کا گلدستہ وجود میں آیا۔ مالک عبداللہ ضیغم صاحب دانا و نواب سر شرف الامرا تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ مطبع آصفی میں چھپائی ہوتی تھی۔

عبداللہ ضیغم: ضیغم صاحب کے جد اعلیٰ نواب مصطفیٰ خاں قندھاری شاہ اودھ کی فوج کے سپہ سالار تھے اور شاہی دربار کے مصاحب تھے۔ آپ کے بزرگ شاہان اودھ کی ریاست میں معزز عہدوں پر ممتاز تھے اور خدمات جلیلہ کے سلسلہ میں ان کو جاگیریں اور انعامات عطا ہوئے تھے۔ آپ کے عم بزرگوار محمد احمد حسین خاں تیس ہزار روپیہ سالانہ کے جاگیر دار تھے۔ آپ کے والد محمد صالح خاں لکھنوی تھے۔ ضیغم صاحب لکھنؤ میں پیدا ہوئے وہیں نشو و نما پائی اور لکھنؤ کے علما سے تعلیم بھی حاصل کی۔

آپ کے خالو محمد صفی اللہ خاں المخاطب شرف الامرا سرکار نظام میں اچھے عہدہ پر سرفراز تھے۔ جس وقت انگریزی حکومت کا غلبہ و قبضہ حیدرآباد دکن وغیرہ پر ہوا تو اس وقت سے انگریزی حکومت کی طرف سے ان کے لئے تین ہزار روپیہ ماہانہ زندگی بھر کے لئے مقرر ہوئے اور مدراس کونسل کے ممبر بھی بنائے گئے اور انگریزی حکومت نے شرف الامرا سی۔ ایس۔ آئی،

نصیر الدولہ نصرت جنگ کے خطابات سے نوازا۔ نظام سرکار میں بھی آپ عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ محمد صفی اللہ خاں صاحب کا انتقال ۱۲۸۵ھ میں ہوا۔

ضیغم صاحب ۱۲۶۵ھ کو حیدرآباد دکن میں قسمت آزمائی کے لئے پہنچے۔ یہاں ان کی تقدیر کا ستارہ چمکا اور خالو کی لڑکی سے ان کا عقد ہو گیا جس کی وجہ سے آپ کو وہیں کی مستقل سکونت اختیار کرنی پڑی۔ یہاں آپ کو شعر و شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ ۱۳۰۱ھ میں نواب عباس حسین خاں ششدر کو کلام دکھانے لگے۔ اسی اثنا میں ششدر صاحب کہیں چلے گئے اور ۱۳۰۹ھ میں نواب حکیم مولوی نیاز احمد صاحب جو حافظ رحمت اللہ خاں والئ روہیل کھنڈ کے قریبی رشتہ داروں میں تھے۔ حیدرآباد تشریف لائے۔ آپ حکیم صاحب کی خدمت میں گئے اور کلام کی اصلاح لینے لگے۔[1] ان کے انتقال کے بعد محمد باقر لکھنوی سے تلمذ اختیار کیا۔ صاحب دیوان ہیں اور ایک تذکرہ "یادگار ضیغم" آپ کی تالیف ہے۔ ۱۹۲۶ء میں آپ کی اسی سال کی عمر تھی۔[2]

ضیغم صاحب خوش مزاج، خوش خلق اور شگفتہ طبیعت کے مالک تھے علم عروض کے ماہر اور انتظامی معاملات میں کافی تجربہ کار تھے۔ سخنداں اور سخن فہم بھی کمال کے تھے۔[3]

منہ چوم لیا خواب میں اے یار تمہارا — جو چاہو کہو ہوں میں گنہگار تمہارا
تو آؤ لپٹ جاؤ گلے سے مرے اے جاں — اچھا نہیں ہر روز کا انکار تمہارا
دیتے ہو مجھے گالیاں پہلو میں بٹھا کر — دنیا سے نرالا ہے اجی پیار تمہارا

۱۔ محبوب الزمن تذکرہ شعرائے دکن ص ۶۹۔ ۲۔ سخنوران دکن ص ۲۶۶۔ ۳۔ مرقع نگار لکھنؤ فروری ۱۸۹۵ء

قرباں کروں طالع بیدار پہ جان — دیکھوں میں اگر خواب میں دیدار تمہارا
کہدے کوئی اس یوسف ثانی سے یہ جاکر — آج اٹھ گیا دنیا سے خریدار تمہارا

ضیغم کی طرح زور طبیعت میں ہو اس کی
جو نام جپے حیدر کرار تمہارا

گلدستۂ نتیجہ سخن کلکتہ مورخہ مارچ ۱۸۸۴ء سے ایک غزل نقل کی جاتی ہے۔ سه

اشک آنکھوں سے ہماری ہیں رواں شام وسحر
کوچ کرتا ہے سدا یہ کارواں شام وسحر
اے صبا اتنا تو احسان کیجیو مجھ زار پر
جاؤں کوئے یار میں، میں ناتواں شام وسحر
کوچۂ دلدار میں جائیں گے اٹھتے بیٹھتے
المدد اے نالۂ آہ وفغاں شام وسحر
فصل گل آئی ہے وحشت کو ترقی ہے سدا
غل مچاتے قیدئے بندگراں شام وسحر
خسرو اقلیم وحشت عشق ہے ضیغم مگر
داغ کا کیونکر نہ دے وہ ارمغاں شام وسحر

بہارستان شوخی بلند شہر مکان داروغہ رام رتن سے ۱۵ مئی ۱۸۸۵ء کو یہ ماہانہ شعر وسخن کا رسالہ نکلا۔ سولہ صفحات پر شائع ہوا۔ مالک بابو گنگا سہائے تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا مطبع گردن گزٹ میں طباعت ہوتی تھی۔

درد دل لکھنؤ محلہ محمود نگر ڈاک خانہ چوک سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۵ مئی ۱۸۸۵ء کو جاری ہوا۔ مالک نواب علی خاں صدر نشین جلسہ محمدی

مہتمم حسین علی خاں تھے۔ چار صفحات پر ہر جمعہ کو نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ مطبع اعجاز محمدی میں طبع ہوتا تھا۔

دکن پنچ مدراس باغ حسام الملک ڈاک خانہ رائے پیٹھ سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم جنوری ۱۸۸۵ء کو شائع ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ مہتمم منشی محی الدین حسین تسنیم مالک مرزا قاسم بیگ تھے۔ مطبع ہدایت میں چھپتا تھا۔

کتاب مسائل قانون آگرہ سے یہ پندرہ روزہ قانونی اخبار یکم جون ۱۸۸۵ء کو نکلا۔ مالک بیج ناتھ صاحب بی اے منصف تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔

متھرا اخبار متھرا محلہ منڈی رام داس سے یکم جون ۱۸۸۵ء کو یہ ہفتہ وار اخبار وجود میں آیا۔ مالک بابو بنسی دھر، مہتمم و ایڈیٹر پنڈت دین دیال تھے۔ بارہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مطبع منبع العلوم میں چھپائی ہوتی تھی۔

بہار سخن کان پور محلہ رام نرائن سے ۱۵ جون ۱۸۸۵ء کو یہ ماہانہ رسالہ ظہور پذیر ہوا۔ مالک عنایت حسین خاں شاگرد میر احمد علی سالم تھے۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ قیمت ایک روپیہ تھی۔

خیر خواہ عام گجرات سے یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر ہر چہار شنبہ ۱۸۸۵ء کو نکلنا شروع ہوا۔ مالک منشی رلا رام صاحب تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تین آنے تھا۔ مطبع خیر خواہ عام میں طباعت ہوتی تھی۔

علیم الاخبار کلکتہ چاندنی چوک مکان نمبر ا مل گوم گرلین سے ۲ جولائی ۱۸۸۵ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جلوہ گر ہوا۔ ہر دوشنبہ کو بارہ صفحات پر نکلتا تھا۔ مالک منشی علیم الدین، مہتمم اسماعیل خاں شوکت تھے۔ سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔ مطبع علیم الاخبار میں طبع ہوتا تھا۔

برق بمبئی محلہ پریل روڈ متصل ہسپتال جمشید جی سے یہ ماہانہ شعر و سخن کا گلدستہ یکم جولائی ۱۸۸۵ء کو جاری ہوا۔ مالک نواب علی حسرت لکھنوی، مہتمم مولوی ابوالحسن جوہر بریلوی تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ سرورق پر یہ شعر درج تھا۔

تڑپ بجلی سے ہے بڑھ کر کہیں ہم بیقراروں میں
ہماری چشم تر و ابر غم ہیں اشکباروں میں

چراغ کعبہ بمبئی قریب دو ٹانکی ابلسک روڈ عمر کھاریی ڈویژن سے یہ ماہانہ رسالہ یکم جولائی ۱۸۸۵ء کو شائع ہوا۔ مالک بلقیس جہاں بیگم ایڈیٹر ناظمہ بیگم تھیں۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا ۲۴ صفحات پر مشتمل تھا۔

تعویذ متھرا سے یکم جولائی ۱۸۸۵ء کو یہ ہفتہ وار اخبار وجود میں آیا۔ مالک لالہ بانکے لال نادر بدایونی تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ چار آنے تھا۔

نورالاسلام پٹنہ محلہ لودی کٹرہ مکان مولوی شیر علی سے یہ ماہانہ رسالہ ۳۶ صفحات پر نکلنا شروع ہوا۔ مالک و ایڈیٹر مولوی حسن علی صاحب تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ آٹھ آنہ تھا یونین پریس میں چھپتا تھا۔

طغرائے اعجاز بندرہ روزہ یہ اخبار یکم جولائی ۱۸۸۵ء کو نمودار ہوا۔ اس میں شعراء کا کلام چھپتا تھا۔ ایڈیٹر و مہتمم مولوی عبدالجلیل نعمانی تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ آٹھ آنے تھا مطبع احمدی میں طبع ہوتا تھا۔ سرورق پر یہ شعر درج تھا۔

بہ لطف حضرت فیاض برحق
لطیف و ناصر و معبود مطلق

آریہ گزٹ فیروزپور سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۵ جولائی ۱۸۸۵ء کو جلوہ افروز ہوا۔ سولہ صفحات پر ہر یکشنبہ کو نکلتا تھا۔ ایڈیٹر منشی گوبند لال سہارن پوری تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے چھ آنے تھا۔

صدق بہار شریف محلہ خانقاہ ضلع پٹنہ سے ۱۴ جولائی ۱۸۸۵ء کو مہینہ میں یہ اخبار نکلنا شروع ہوا، چار صفحوں پر مشتمل تھا۔ مالک مولوی عبدالقادر فردوسی تھے۔ سالانہ چندہ کچھ نہیں لیا جاتا تھا محصول سالانہ چھ آنے لیا جاتا تھا۔ بعد میں اس اخبار کا نام بوقلمون صدق" ہو گیا تھا۔

ناظم الہند لاہور چھاؤنی انارکلی محلہ لکمہ دیوی سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم جولائی ۱۸۸۵ء کو جاری ہوا۔ مالک سید ناظر حسین ناظم تھے رسالانہ چندہ دس روپیہ تھا بارہ صفحات پر نکلتا تھا اس کا دوسرا نام "سفیر گورنمنٹ" تھا۔ منشی للتا پرشاد صاحب شاؔد بھی اس کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں اور انہوں نے بھی اس اخبار کو ترقی دی۔

منشی للتا پرشاد شاؔد: شاؔد صاحب میرٹھ کے رہنے والے ہیں۔ ان کے جد اعلیٰ رائے صاحب رام بڑے پائے کے شاعر تھے۔ یاؔد تخلص تھا رائے نکیٹ نرائن، بابو سری نرائن، بابو فتح بہادر وغیرہ شاؔد صاحب کے عزیز تھے جو بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ ان کے والد منشی جنگ بہادر جنگؔ تھے۔ شاہان دہلی کی طرف سے ان کے بزرگ محاسب خزانہ تھے، شروع میں صوبہ بہار میں ممتاز رہے پھر دہلی میں تبدیل کر دیئے گئے۔ یہاں خدمات اور قابلیت کے صلے میں ضلع مظفر نگر میں دو گاؤں جاگیر میں ملے۔ سلطنت مغلیہ کے خاتمہ کے بعد ان کا خاندان عظیم آباد پٹنہ سے منتقل ہو کر میرٹھ محلہ بہر دں کے کنویں میں سکونت پذیر ہوا۔

شاد صاحب مختلف محکموں میں ملازم ہوئے۔ زیادہ وقت و مدت

ریلوے کی ملازمت میں گذاری۔ ۱۹۴۵ء میں ریلوے میں خزانچی کے عہدہ سے ۶۰ سال کی عمر میں ریٹائر ہوئے۔ عقائد کے اعتبار سے رادھا سوامی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں تصوف کی طرف زیادہ مائل ہیں۔ اسلامی عقائد سے کافی واقفیت ہے۔ انھوں نے تحقیق الفاظ اور محاورات کی چھان بین میں کافی وقت لگایا ہے۔ ۱۹۱۲ء میں آپ کا قیام اجمیر میں تھا جہاں آپ نے اردو زبان کی ترقی کے لئے ایک انجمن بھی قائم کی تھی۔ آپ کی تصانیف مرثیوں کے علاوہ کلام شاد، جذبات شاد، بقائے سخن، پنجۂ پنجتن اور نالۂ دل خراش طبع ہو چکی ہیں۔ ؎۱

ایک ٹھوکر کی ہوس مجھ کو پڑی رہتی ہے
تیرے قدموں میں مری جان پڑی رہتی ہے

جو سبھی دار ہیں تیار ہیں چلنے کے لئے
رات دن سب کی قضا سر پہ کھڑی رہتی ہے

چشم پر اشک میں تصویر کھنچی رہتی ہے
اک عمارت ہے کہ پانی میں کھڑی رہتی ہے

اس کی محفل میں گذرتی ہے مزے سے اے شادؔ
زندگی لطف کی دو چار گھڑی رہتی ہے

بھکلے چڑھاوے کوئی تم سے یہ غلط ہے
انسان ہوں آخر سگِ دنیا تو نہیں ہوں

دیدار دکھا دے مجھے غش آئے تو آئے
شیدا ہوں تمہارا کوئی موسیٰ تو نہیں ہوں

؎۱ ہندوؤں میں اردو ص ۳۹۴۔

ممکن نہیں بھٹکائے کوئی راہ سے لے شاد
وہ ساتھ ہے ہر وقت میں تنہا تو نہیں ہوں

کڑی منزل سہی آواز پہ لبیک کہہ دینا
پہنچ ہی جائے گا اک روز صرف جستجو ہو جا

دو رنگی چھوڑنے سے عشق میں رنگینیاں ہونگی
اسے تو اپنا کرلے شاد یا خود اس کا تو ہو جا

ہم نہ مجنوں ہیں نہ وحشی ہیں نہ سودائی ہیں
پھر ہمارے لئے زنجیر تعیت کیا ہے

کیوں ہوا ہائے مکدر دلِ صافی تیرا
خاکسارانِ جہاں سے یہ کدورت کیا ہے

صبر کر شاد، ذرا دیکھ تو کیا ہوتا ہے
یہ زمانہ ہی بدل جائے گا عجلت کیا ہے

نامۂ عشاق بنارس محلہ مقیم گنج سے مقام سفہ گھاٹ تھانہ آدم پورڈاکخانہ گنجر برج سے ۱۵ اگست ۱۸۸۵ء کو یہ ماہانہ شعر و شاعری کا گلدستہ جاری ہوا۔ مالک منشی شیخ محمد رضی، ایڈیٹر مولوی محمد عمر کلیم تھے۔ ۲۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ مطبع اکسیر اعظم میں طبع ہوتا تھا۔

کاشف الحقیقت کپورتھلہ سے یہ ماہانہ رسالہ یکم اگست ۱۸۸۵ء کو ۲۴ صفحات پر نکلنا شروع ہوا۔ بانی بابو ہری چند، ایڈیٹر رگھو بیر داس تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔

مفید المزارعین کانپور سے یہ ماہانہ زراعتی و تجارتی رسالہ یکم اگست ۱۸۸۵ء کو شائع ہوا۔ مہتمم مولوی خواجہ سید محمد حسین

ایم۔ آر سی اسسٹنٹ ڈائرکٹر محکمہ زراعت وتجارت تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ چھ آنے تھا۔ مطبع نول کشور میں چھپتا تھا۔

اشاعت اسلام راولپنڈی سے اگست ۱۸۸۵ء کو یہ ماہانہ مذہبی رسالہ وجود میں آیا۔ بانی محمد امین حنفی قادری کتب فروش تھے سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔

فتح گڈھ پنچ فرخ آباد سے ۱۵ اگست ۱۸۸۵ء کو یہ اخبار مہینہ میں دو بار ظہور پذیر ہوا۔ بارہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک بابو دوتی رام ایڈیٹر منشی صدیق حسین منت تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ مطبع گلزار ہند میں طباعت ہوتی تھی۔

پرکالۂ آتش قنوج سے یکم اگست ۱۸۸۵ء کو یہ پندرہ روزہ اخبار جاری ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ مہتمم منشی بھگو خاں رحیم تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ سر ورق پر پہلے یہ شعر درج تھا۔ ؎

مضمون نرالے ہیں مزا اور ہی کچھ ہے
اخبار نہیں نام خدا اور ہی کچھ ہے

کچھ عرصہ کے بعد یہ شعر درج ہونے لگا تھا۔ ؎

گوش وہ ہے جو رہے میرے سخن کا مشتاق
چشم وہ ہے جو مری دید کی حسرت رکھے

ٹائیٹل پیج انتہائی دقیانوسی شکل کا ہے۔ مضامین غنیمت ہوتے ہیں۔ خبریں مضامین اور تبصرے مزاحیہ انداز میں دیئے جاتے ہیں۔ مہدی سوڈانی کے ایک خط پر تبصرہ کیا ہے۔ یکم اگست ۱۸۸۹ء کے شمارے میں ملاحظہ کیجئے۔ عنوان ہے "ہم بھی ہیں پانچوں سواروں میں "

مہدی سوڈانی بھی اپنے تئیں سچ مچ کا مہدی سمجھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ایک خط بہت دن ہوئے بحضور قیصر ہند روانہ کیا تھا جس کا پوست کندہ احوال ظاہر کر دیا گیا تھا۔ اب مہدی مذکور نے اور خطوط بنام خدیو مصر و ملکہ معظمہ بھیجے ہیں۔ ان میں لکھا ہے مہدی سے فوراً بیعت کریں اگر انکار کیا تو تم پر اسی طرح سے خروج کروں گا جس طرح میں نے شاہ حبش کو خبردار کرنے کے بعد اس پر چڑھائی کی اور تہہ تیغ کیا۔ بیان ہوا ہے کہ مہدی کے خطوط ان کو واپس ہوں گے اور کچھ جواب نہیں دیا جائے گا۔ اب ان خطوں کی کارروائی ہندوستان میں تو یہی ہے یعنی مہدی کے قاصد ہندوستان میں بغاوت پھیلا رہے ہیں۔ چنانچہ ایک اخبار ڈھاکہ سے معلوم ہوا کہ مسلمان فقیر ڈھاکہ میں یہ کہتا پھرتا ہے کہ قیصر ہند کی حکومت ماہ بیساکھ میں ختم ہو گئی اور بجائے اس کے خلیفہ مہدی صاحب تخت حکومت پر مسند آرا ہوئے۔ ایک گروہ مسلمان اس فقیر کا پیرو ہو گیا جس کی مدد سے اس نے دیہات کے لوٹنے کا کام اختیار کیا ہے۔ اس بات کی رپورٹ صاحب مجسٹریٹ ڈھاکہ سے کی گئی تو انہوں نے اس امر کو خفیف سمجھ کر تھانہ پولس کو حکم دیا کہ فقیر مذکور کو گرفتار کر لو۔ تھانہ کی پولس نے ہیر دی حکم کو ٹیڑھی کھیر سمجھا اور رپورٹ کی کہ فقیر کی جماعت بہت زبردست ہے زیادہ فوج درکار ہے۔ بمجرد پہنچنے اس رپورٹ کے صاحب اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولس ایک زبردست جماعت کے ہمراہ تعاقب میں بھیجے گئے۔ نتیجہ معلوم نہیں کیا ہوا۔"

کشمیر میں روسی قبضہ کا خطرہ ہوا تو حکومت برطانیہ نے اس کے مداوا کے لئے

کیا تدبیر اختیار کی وہ بھی اسی شمارے یکم اگست ۱۸۸۹ء میں درج ہے۔

"حملہ روس کے حقیقی و بناوٹی خوف پر سرحد علاقہ کشمیر کی طرف حکام انگریزی کی توجہ ہو رہی ہے۔ ایک صاحب نے ولایت میں یہ رائے دی ہے کہ جب تک علاقہ کشمیر کو انگریزی نوآبادی نہیں بنایا جائے گا اس وقت تک خاطر خواہ حفاظت کی امید کرنا مشکل ہے۔ گریفن صاحب بہادر نے اس رائے کی تقویت میں بیان دیا ہے کہ کشمیر میں کم از کم تیس لاکھ انگریز آباد کئے جاویں۔ اس سے پورا اطمینان ہو گا اور کسی قسم کی سازش جو روس کرنا چاہے گا کارگر نہ ہو گی۔ کشمیر کے بڑے علاقہ ناگر و ہنزہ کے وحشی لوگوں کو تعلقات براہ راست سے قابو کریں گے کوشش در پیش ہے اور دو چیدہ افسران گورنمنٹ کی جانب سے روانہ کئے گئے ہیں اور ان کے ساتھ واسطے حفاظت کے جنگی فوج کا بھی ایک جرار دستہ بھیجا گیا ہے۔"

یہ اخبار باتصویر تھا۔ مصر پر انگلستان اور فرانس حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ کارٹون میں ایک مصری کو دکھایا گیا ہے کہ وہ درمیان میں کھڑا ہے اور اس پر ایک طرف انگلستان بشکل شیر اور دوسری طرف فرانس بصورت سانپ حملہ کر رہے ہیں جس کے نیچے یہ شعر تحریر ہے۔ ؎

دونوں جانب سے گھرا ہوں ناک میں آیا ہے دم\
دے پناہ یارب تہیہ کربلا کے واسطے

اس میں شعراء کا کلام بھی شائع ہوتا تھا لیکن بہت عامیانہ اور بھونڈے مزاحیہ انداز کی غزلیں زیادہ تر چھپتی تھیں۔ دیمک پر اسی مذکورہ شمارہ میں ایک نظم چھپی ہے، دو تین شعر سنکر اندازہ فرمالیں۔ ؎

ہاں نہ سمئے زمیں پہ کوئی بشر　　چاٹ جائے گی بے خطر دیمک
ہم گورنمنٹ کو یہ دیں گے صلاح　　فوج میں رکھے بیشتر دیمک
ہند میں جنگ روس و کابل کی
جلد پہنچائے گی خبر دیمک

نامۂ دل سوز اندور چھاؤنی سے ۱۵ اگست ۱۸۸۵ء کو یہ ماہانہ رسالہ جاری ہوا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مہتمم پنڈت جگ موہن ناتھ شوقؔ تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ مطبع سرکاری میں طبع ہوتا تھا۔ سرورق پر یہ شعر درج تھا:

نالوں سے دل ہلیں گے کیوں کر نہ ان بتوں کے
عرشِ بریں کے پائے اکثر ہلا دیئے ہیں

جگ موہن ناتھ شوقؔ: پنڈت شوقؔ صاحب کے والد پنڈت وشیشور ناتھ رینہ تھے۔ یہ خاندان معزز کشمیریوں کا ہے اور تین پشتوں سے دہلی سے جاورہ گیا ہوا ہے۔ جب کہ نواب غفور خاں کو مالوہ کا علاقہ ملا اور انہوں نے جاورہ کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا، اس وقت شوقؔ صاحب کے جد امجد پنڈت شیو ناتھ دیوان مقرر ہوئے۔ انگریزی حاکم ان کی قدر و منزلت کرتے تھے۔ شوقؔ صاحب کی قابلیت دیکھ کر اور خاندانی وقار کو مدنظر رکھتے ہوئے گورنر آکلینڈ کالونے ۱۸۹۰ء میں صوبہ متحدہ آگرہ اودھ میں ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ پر فائز کیا۔ ۱۹۲۰ء میں آپ ریٹائرڈ ہو گئے۔ اس کے بعد ریاست جے پور اور ریاست لکھنا میں اچھے عہدوں پر سرفراز ہوئے۔ شاعری کا شوق ابتدا ہی سے تھا۔ طبیعت رنگین اور ذہن رسا پایا تھا۔ جہاں رہے وہاں مشہور شعراء کی صحبتیں اٹھائیں۔ پہلے حضرت امیرؔ مینائی اور اس کے بعد نوحؔ مچھلی شہری کے شاگرد ہوئے اور ایک تذکرہ "بہارِ گلشنِ کشمیر" شائع کیا۔ کلام میں اثر اور سوز و

گداز ہے ۔ [1]

میں صدہا بھیس میں آیا گیا ہوں
نکالا اور پھر لایا گیا ہوں

میں حیراں ہوں کہ جاؤں یا نہ جاؤں
اجل کہتی ہے بلوایا گیا ہوں

رہا جب مدتوں دیر و حرم میں
سمجھ آئی کہ بہکایا گیا ہوں

میں تو اس سے اک دلِ مظلوم ہی مانگا کیا
کاتبِ روزِ ازل کیا جانے کیا لکھا کیا

جس شکایت ہائے پنہاں سے یہ لب واقف نہ تھے
چشم خون آلود سے آخر نمایاں ہو گئیں

کسی کا بخت خوابیدہ ہوں یا پامالِ جفا ہوں میں
کسی حسرت بھرے دل کی اک آہ نارسا ہوں میں

مجھ میں باقی اب رہا کیا ہے
دیکھئے مرضیٔ خدا کیا ہے

کیوں یہ چپ چپ گئے عدم والے
یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے

فرخ رام پور محلہ دریہ سے یکم ستمبر ۱۸۸۵ء کو یہ ماہانہ رسالہ جاری ہوا۔ ۳۶ صفحات پر مشتمل تھا۔ سرپرست شیخ فضل الرحمٰن فرخ، مہتمم حکیم محمد رضا اور مالک حکیم احمد رضا صاحب تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ مطبع احمدی میں طبع ہوتا تھا۔ سرورق پر یہ شعر درج تھا ۔

وہ پھول ملے ہیں چمن طبع نکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہیں جن پھولوں کی بو کو

سفر عام بھوپال سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم ستمبر ۱۸۸۵ء کو شائع ہوا۔ آٹھ صفحات پر ہر پنجشنبہ کو نکلتا تھا۔ مہتمم عبدالواحد صاحب تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ مطبع فیض عام میں چھپتا تھا۔

---

[1] ہندوؤں میں اردو ص۲۶۱۔

نالۂ عشاق پٹنہ محلہ صدر گلی مکان حاجی مولوی سید احمد صاحب رئیس سے یہ ماہانہ رسالہ نکلا۔ ۲۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک منشی شیخ عابد حسین عابد تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ سرورق پر یہ شعر درج تھا۔ ؎

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے   نالہ پابند نے نہیں ہے

نسیم سحر بدایوں محلہ مولوی ٹولہ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۵ استمبر ۱۸۸۵ء کو بارہ صفحات پر نکلنا شروع ہوا۔ مالک مولوی امتیاز احمد تاثیر، مہتمم علی احمد خاں اسیر تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ ایک آنہ تھا۔ سرورق پر یہ شعر لکھا ہوا تھا۔ ؎

الٰہی رنگ تاثیری کرامت کن فغانم را
بموج اشک بلبل آب دہ تیغ زبانم را

علی احمد خاں اسیر: اسیر صاحب کا وطن بریلی تھا مگر بدایوں میں رہتے تھے اور جناب مذاق بدایونی کے شاگرد تھے۔ خم خانہ جاوید جلد اول میں ان کے دو شعر درج ہیں۔ ؎

دیکھ کر خنجر جھکایا خود سرِ نیاز   رحم اس پر بھی نہ آیا قاتلِ خونخوار کو
ادائیں کو حشم کی ہوں پسند   اٹھائے ہیں سب ناز بیمار کے

سروش بنارس بنارس محلہ مقیم گنج متصل سقہ گھاٹ آدم پورہ سے ۱۶ استمبر ۱۸۸۵ء کو یہ ہفتہ وار اخبار وجود میں آیا۔ آٹھ صفحات پر ہر چہار شنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک منشی شیخ ولی محمد تھے۔ مہتمم اکسیر اعظم میڈیکل ہال تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ مطبع اکسیر اعظم میں چھپتا تھا۔

حرز جاں کیمپ فتح گڑھ محلہ بزازہ سے یکم اکتوبر ۱۸۸۵ء کو یہ ماہانہ رسالہ جلوہ افروز ہوا۔ ۲۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک حکیم

اصغر حسین صاحب رئیس تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ مطبع حسنی میں طباعت ہوتی تھی۔ یہ طبی رسالہ تھا۔

خیالِ یار

مچھانہ ضلع متھرا سے یکم اکتوبر ۱۸۸۵ء کو یہ شعر و سخن کا ماہانہ گلدستہ جاری ہوا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مہتمم لالہ دیبی پرشاد معاون لالہ بانکے لال زار بدایونی تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ مطبع آفتاب عالمتاب لکھنؤ میں طباعت ہوتی تھی۔ سرورق اس شعر سے مزین تھا۔ ؎

وصل ظاہر سے تصور میں خیال اچھا ہے
ان حسینوں سے حسینوں کا خیال اچھا ہے

معدن الاکسیر

کپورتھلہ پنجاب کھجور والی حویلی سے یکم اکتوبر ۱۸۸۵ء کو یہ پندرہ روزہ اخبار شائع ہوا۔ مالک و ایڈیٹر مولوی حکیم چراغ الدین صاحب رئیس پاک پٹن تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپے تیرہ آنے تھا۔ یہ طبی رسالہ تھا۔ ایڈیٹر نے چودہ برس کی محنت اور دولت سے علوم اربعہ کیمیا و سیمیا و علم جغرافیہ وغیرہ کی کتابوں سے جو اکسیر کے عمدہ عمدہ نسخے اور خوراکی کشتے بہم پہنچائے تھے، ان کو اس رسالہ میں شائع کیا جاتا تھا۔

کلیدِ جنت

لاہور محلہ چہل بیبیاں متصل حویلی سید حیدر شاہ سے یہ ماہانہ رسالہ ۲۴ صفحات پر ۱۵ اکتوبر ۱۸۸۵ء کو نکلا۔ مالک سردار علی اختر صاحب تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ مطبع گلزار محمدی میں چھپائی ہوتی تھی۔

گلدستہ حکمت

لاہور محلہ کمیٹی بازار سے یہ ماہانہ طبی رسالہ یکم جولائی ۱۸۸۵ء کو وجود میں آیا۔ ۲۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک حکیم احمد الدین بن حکیم الدین، مہتمم مولوی غلام حسین مدرس انگریزی گورنمنٹ

اسکول تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ ملا دو پیازہ پریس میں طباعت ہوتی تھی۔

عطارد قنوج ضلع فرخ آباد سے یہ ماہانہ رسالہ ۲۷ اکتوبر ۱۸۸۵ء کو جلوہ افروز ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ بانی منشی بال کشن، مہتمم مولوی میر سید حسن صاحب مختار عدالت تحصیل، پرنٹر شیخ تہور علی تہور، ایڈیٹر منشی سالگ رام انور لکھنوی تھے۔ سالانہ چندہ سوا روپیہ تھا۔ سرورق پہ یہ شعر تحریر تھا۔ ؎

فلک پر جو عطارد ہے وہ کب اس طور نور افشاں

زمیں پر یہ عطارد جیوں ہوا قنوج سے تاباں

انجینیرنگ گارڈ لاہور محلہ یکی دروازہ سے یکم جنوری ۱۸۸۵ء کو یہ ماہانہ رسالہ جاری ہوا۔ بارہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مہتمم مولوی کریم بخش نقشہ نویس تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔

فیروز نگار کھولا ضلع امراؤتی سے یکم نومبر ۱۸۸۵ء کو یہ ماہانہ شعر وسخن کا گلدستہ شائع ہوا۔ سولہ صفحات پر نکلتا تھا۔ مہتمم نثار علی صاحب اور بانی منشی صادق علی صاحب تیصر تھے۔ صادق المطابع میں طبع ہوتا تھا۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔

حب الوطن کلکتہ نمبر ۳۲ اسائی لم لین سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم نومبر ۱۸۸۵ء کو نکلا۔ آٹھ صفحات کا ہوتا تھا۔ مہتمم محمد یسیٰ صاحب تھے سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔

سٹوڈنٹس گائڈ لاہور متصل کوتوالی سے یہ ماہانہ رسالہ یکم نومبر ۱۸۸۵ء کو ۲۴ صفحات پر نکلنا شروع ہوا۔ مالک ہر بھگت سنگھ، مہتمم دیوان ایا سنگھ پسر متبنیٰ دیوان بوٹا سنگھ تھے سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔

سرمایہ فراست بھوپال سے یہ ماہانہ انجمن تہذیب کا آرگن یکم اکتوبر ۱۸۸۵ء کو طلوع ہوا۔ میر مجلس مولوی غضنفر حسین صاحب پیشکار انجمن مہتمم سید اکرام الدین تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔

شیخ چلی سیالکوٹ محلہ بازار چوسڑا سے ۶ اکتوبر ۱۸۸۵ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا۔ آٹھ صفحات پر نکلتا تھا۔ مالک بال سنگھ اہلوالیہ تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔

شوکتِ ہند بمبئی محلہ بھنڈی بازار سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم دسمبر ۱۸۸۵ء کو جاری ہوا۔ چار صفحات پر ہر جمعہ کو شائع ہوتا تھا۔ مالک راحت علی مہر کن، مہتمم عظمت علی سوداگر تھے۔ مطبع چشمۂ فیض میں طبع ہوتا تھا۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تیرہ آنے تھا۔

رہبر ہند لاہور حویلی میاں خاں سے ہفتہ میں دو بار یہ اخبار یکم دسمبر ۱۸۸۵ء کو شائع ہوا۔ مالک سید نادر علی شاہ سیفی۔ مہتمم منشی خادم علی اسسٹنٹ مینجر تھے۔ سالانہ چندہ انیس روپے چار آنہ تھا۔

نصرت السنت بنارس محلہ دارانگر تھانہ جیب پور سے یہ ماہانہ سولہ صفحات کا مذہبی رسالہ ۱۰ دسمبر ۱۸۸۵ء کو وجود میں آیا۔ مالک مولوی محمد سعید صاحب غیر مقلد مہتمم مدرسہ اسلامیہ تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ مطبع صدیقی میں چھپائی ہوتی تھی۔ یہ اہل حدیث یعنی غیر مقلدین کا آرگن تھا جو مقلدوں کی ہر کتاب کا جواب دیتا تھا۔

صلح کل ۱۸۸۵ء کو گورکھپور سے یہ روزانہ اخبار جناب ریاض خیرآبادی نے جاری کیا جس کے اہتمام و ایڈیٹری کے لئے ریاض صاحب

نے جناب دہلوی کو بلوایا اور ایک لمیٹڈ کمپنی کے اہتمام میں اس کو سپرد کیا۔ سالانہ چندہ نو روپیہ بارہ آنہ تھا۔ اس میں خبریں کم اور بڑا حصہ غزلیات کا ہوتا تھا خبریں تازہ بتازہ نوبہ نو ہوتی تھیں۔ صاحب تاج التواریخ اس کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"افسوس ہے کہ ملک کی بے قدری کی بدولت کچھ دنوں کے لئے اس کی رفتار میں فرق آگیا تھا، اب پھر جاری ہے لیکن اس نے روزانہ ہونے کی حیثیت سے بھی ریاض الاخبار کے برابر شہرت حاصل نہیں کی۔ حالانکہ اس کی قیمت پندرہ اور گھٹیا کاغذ نو روپے بارہ آنے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ ابھی اس کے چند نمبر شائع ہوئے ہیں امید ہے کہ یہ پرچہ قدر دانوں کی توجہ سے جلد ترقی کرے گا۔"

آئینہ سخن انبالہ سے یہ ماہانہ گلدستہ ۲۵ ستمبر ۱۸۸۵ء کو شائع ہوا۔ یہ انگریزی مہینے کی ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر و مینجر جناب عبدالحلیم صاحب ناؔدم تھے۔ ۲۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ مطبع ٹمپل رحمان بازار انبالہ چھاؤنی میں طبع ہوتا تھا۔

اس گلدستہ میں زیادہ تر غیر معروف شعراء کا کلام چھپتا تھا۔ غزلیں زیادہ تر معمولی درجہ کی ہوتی تھیں۔ چنانچہ ایڈیٹر صاحب نے شعراء کو اشعار کے انتخاب کے بارے میں یہ ہدایت فرمائی تھی۔

"انتخاب اپنے کلام کا شعراء کو اپنے ذمے سمجھنا چاہیئے ورنہ کمیٹی کو مجبوراً انتخاب کرنا پڑے گا۔"

سرورق پر یہ دو شعر درج ہیں۔ ؎

ہاتھ آئے گا یہ موقع نہ تمہیں پھر ہرگز — عاشقو دوڑو کہ تصویر صنم کھنچتی ہے
کھچ رہا ہے قد دلدار کا نقشہ اس میں — دیکھتے جاؤ قیامت یہ سراپا ہوگا

۲۵ ستمبر ۱۸۸۵ء کے گلدستہ کے منتخب اشعار حسب ذیل ہیں۔

منشی محمد شریف خاں اشرف مختار کار عدالت پٹیالہ۔ ؎

مر بھی جاؤں تو ابھی اٹھ کے کھڑا ہو جاؤں

وہ مسیحا جو مرے آ کے پکارے سر پر

اس کی فرقت میں کبھی اُف نہ کریں گے اشرف

سو فلک سنگِ ستم کھینچ کے مارے سر پر

جناب حکیم سید باقر علی صاحب دیوانہ خلف حکیم سید جعفر علی راضی متوطن جے پور ؎

ہو شہ حسن حسینان زمانہ میں تم

رشکِ مہ تاج نگاریں ہے تمہارے سر پر

سایہ افگن جو ہوئے وہ سر بالیں آکر

برق سی کوند گئی آج ہمارے سر پر

جناب مرزا ذاکر حسین صاحب پرویں خوش نویس ریاست پٹیالہ۔ ؎

نہیں ممکن کہ شب وصل میں کھولوں آنکھیں

ملک الموت بھی گر آ کے پکارے سر پر

کہ دعا تو یہ ولی نعم کے حق میں پرویں

سایۂ رحمت باری ہو تمہارے سر پر

جناب ماسٹر غلام قادر صاحب شگفتہ ہیڈ ماسٹر شاخ مدرسہ پٹیالہ۔ ؎

غیر کو ہاتھ لگانے نہ دو پیارے سر پر

دیکھو چل جائیں گی شمشیر ہمارے سر پر

غنچۂ دل ہو شگفتہ کیا کیا

رشکِ گل پھول اگر کھینچ نہ مارے سر پر

جناب مولانا فضل امام صاحب عاجز ساکنہ قدیم قصبہ مکن پور ضلع کان پور حال وارد موضع بروُلی۔ ؎

سر کھلے دیکھو سر بام نہ ٹہلو اے جان
بد نظر لگ نہ کہیں جائے تمہارے سر پہ

بوسہ زلف جو مانگا تو جھڑک کر بولے
چڑھ گئے ہیں بہت آپ ہمارے سر پہ

عبدالحلیم ناؔدم: جناب ناؔدم انبالہ کے باشندے تھے۔ یہ پٹیالہ وغیرہ کے نقشہ نویس قسم کے غیر معروف شعراء جو بے استادے تھے ان کو عوام میں روشناس کرانا چاہتے تھے ناؔدم صاحب کو ابتدا عمر سے شعر گوئی کا شوق تھا۔ معلوم دیتا ہے انہوں نے اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی اس لئے کلام میں پختگی نہیں ہے۔ ؎

بال بکھرے ہوئے دیکھے جو تمہارے سر پہ
تازہ اے جان بلا آئی ہمارے سر پہ

زلفیں بکھرا کے وہ کس ناز سے بولے دیکھو
کالی چھائی ہے گھٹا آج ہمارے سر پہ

ہے جبیں ماہ ستارے ہیں گہر بالوں میں
کہکشاں مانگ ہے اے جان تمہارے سر پہ

بخدا شوق سے ہم سر کو جھکا دیں ناؔدم
سنگ وہ بت جو کبھی کھینچ کے مارے سر پہ

۱۸۸۶ء

تصویرِ سخن متھرا سے یہ شعر و سخن کا ماہانہ گلدستہ یکم جنوری ۱۸۸۶ء کو جاری ہوا مالک وسیع اللہ شوخ تھے۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ بارہ آنہ تھا۔ متھرا پریس میں چھپائی ہوتی تھی۔

دانشِ ہند ملتان سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم جنوری ۱۸۸۶ء کو شائع ہوا۔ آٹھ صفحات پر ہر چہار شنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک پنڈت راج ناتھ اور محمد دین صاحب تھے۔ سالانہ چندہ سات روپے دس آنے تھا۔ مطبع دانشِ ہند میں طبع ہوتا تھا۔

ریاضِ ہند امرتسر محلہ ہال بازار سے یکم جنوری ۱۸۸۶ء کو یہ ہفتہ وار اخبار ہر دو شنبہ کو آٹھ صفحات پر نکلنا شروع ہوا۔ مالک محمد حسین مہتمم نور احمد تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تیرہ آنے تھا۔

زمیندار ضلع گوجرانوالہ خیر دزآباد سے یہ ماہانہ زراعتی رسالہ یکم جنوری ۱۸۸۶ء کو وجود میں آیا۔ پچاس صفحات پر مشتمل تھا۔ مہتمم منشی محبوب عالم سکریٹری انجمن ترقی زراعت تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔

مطبع خادم التعلیم میں چھپتا تھا۔ سرورق پر یہ شعر درج تھا۔ ؎

کیمیا خواہی زراعت کن کہ خوش گفت آنکہ گفت

زرع ثلثانش زراعت وثلث باقی

سہیل بنارس محلہ پہدئیں علاقہ آدم پور سے یکم جنوری ۱۸۸۶ء کو یہ ہفتہ وار اخبار بارہ صفحات پر ہر پنجشنبہ کو نکلنا شروع ہوا۔ مہتمم شرف احمد مطیع تاباں تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔

ظریف الہند میرٹھ پیٹھ بازار متصل تحصیل سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم جنوری ۱۸۸۶ء کو ظہور میں آیا۔ مالک منشی ثابت علی، مہتمم منشی وزیر علی، ایڈیٹر منشی حسین علی فرحت دہلوی تھے۔ آٹھ صفحات پر ہر جمعہ کو نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ دو روپے چار آنے تھا۔ مطبع شگوفہ فیض میں چھپائی ہوتی تھی۔

حسین علی فرحت: فرحت صاحب مرزا نیاز علی بیگ نکہت کے شاگرد تھے۔ ؎

جب سے دیکھا ہے قدم بالائے یار

سرو کو خاطر میں کب لاتے ہیں ہم

عطار کان پور نئی سڑک متصل نیا گرجا سے یکم جنوری ۱۸۸۶ء کو یہ ماہانہ طبی رسالہ جاری ہوا۔ مہتمم عبدالغنی عوض بخش ڈاکٹر مجلس و پولس تھے سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ مطبع نامی میں طبع ہوتا تھا۔

فصیح الاخبار الہ آباد محلہ نور علی گنج متصل مکان شاہ محمد احسن سے یکم جنوری ۱۸۸۶ء کو یہ ہفتہ وار اخبار بارہ صفحات پر ہر دو شنبہ کو نکلنا شروع ہوا۔ مالک فصیح اللہ تھے سالانہ چندہ سات روپے تھا۔ مطبع وقائع قیصری میں طباعت ہوتی تھی۔

طوفان سیالکوٹ محلہ چوہڑا سے یکم جنوری ۱۸۸۶ء کو یہ ہفتہ وار اخبار شیخ چلی کے ضمیمہ کے طور پر نکلا۔ مالک مان سنگھ اہلوالیہ تھے۔

ملا دو پیازہ لاہور سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم جنوری ۱۸۸۶ء کو نمودار ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک منشی الہ دین محلہ چابک سواران، مہتمم منشی احمد بخش، ایڈیٹر میاں علاؤالدین تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ بارہ آنہ تھا۔

ملکی نامہ بر لاہور محلہ موچی دروازہ سے یکم جنوری ۱۸۸۶ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جلوہ افروز ہوا۔ آٹھ صفحات پر ہر جمعہ کو نکلتا تھا۔ مالک و مہتمم و ایڈیٹر سید جواد علی شاہ تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ مطبع جعفری میں چھپائی ہوتی تھی۔

ملکی شہدا لاہور محلہ ہیرا منڈی سے یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر ہر شنبہ یکم جنوری ۱۸۸۶ء کو نکلنا شروع ہوا۔ مالک مولوی فضل الدین صاحب تھے۔ اس کا دوسرا نام "پولیٹیکل سپاہی" تھا۔

وزیر الملک سیالکوٹ سے ہفتہ میں دو بار یکم جنوری ۱۸۸۶ء کو یہ اخبار جاری ہوا۔ مالک مرزا غلام احمد تھے۔ سہ شنبہ اور جمعہ کو نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ پانچ روپے دس آنے تھا۔ ظفر المطابع میں چھپتا تھا۔

باٹے خاں لاہور متصل تکیہ سادھواں سے یہ ہفتہ وار اخبار ۶ر جنوری ۱۸۸۶ء کو وجود میں آیا۔ ہر چہارشنبہ کو آٹھ صفحات پر شائع ہوتا تھا۔ مالک منشی عبدالرحمٰن تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ اس کی تعریف سنئے :

"یہ پولیٹیکل پہلوان جو ظرافت کا لنگوٹ باندھ کر مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا ملکی اکھاڑے میں پینترے بدلتا آرہا ہے کسی شخص کو اپنا مدمقابل بنانا نہیں چاہتا بلکہ ہندوستان کے مخالفوں سے قلمی دنگل رچانا اس کا خاص فرض ہوگا۔"

تیس مار خاں لاہور محلہ چہل بیبیاں سے ۶ر جنوری ۱۸۸۶ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جلوہ افگن ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ ہر شنبہ کو

شائع ہوتا تھا۔ مالک سردار علی صاحب اختر تھے۔ مطبع گلزار بخش میں چھپتا تھا۔

ایسٹ انڈین ریلوے کلکتہ سے یہ ماہانہ رسالہ ۲۲ جولائی ۱۸۸۶ء کو نکلا۔ ساٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ سی، ایچ ڈن چیف انجینیر کلکتہ اس کے مہتمم تھے۔ وقف، شرح ٹکٹ اور حیوانات وغیرہ کے قواعد اس میں لکھے جاتے تھے۔

دھرم پرکاش قصبہ سنبھل محلہ کوٹ ضلع مراد آباد سے یہ ہفتہ وار اخبار دس صفحات پر ہر پنجشنبہ کو ۲۸ جنوری ۱۸۸۶ء کو نکلنا شروع ہوا۔ مالک گور سہائے اگروال، ایڈیٹر منشی دھر تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ چودہ آنے تھا۔

معاون مجمع محمدی کراچی بندر سندھ سے ۱۵ جنوری ۱۸۸۶ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا۔ مہتمم مولوی بخش اللہ سکریٹری مجمع محمدی، ایڈیٹر شیخ ریاض الدین احمد بریلوی ایف، اے معلم مدرسہ اسلامیہ تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ مطبع فیض عثمانی میں طبع ہوتا تھا۔

مشتہر دہلی بھوجلہ پہاڑی سے یہ پندرہ روزہ اخبار جنوری ۱۸۸۶ء کو نمودار ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ مطبع رضوی میں طباعت ہوتی تھی۔ اس میں ہر قسم کے تجارتی اور بیوہ عورتوں کی شادی کے اشتہارات شائع ہوتے تھے۔

اخبار عالم یکم جنوری ۱۸۸۶ء کو یہ اخبار نہایت آب و تاب کے ساتھ عمدہ اور سفید چکنے کاغذ پر نامی پریس کان پور سے شائع ہوا۔ اس اخبار میں پولٹیکل، سوشل، مورل، کمرشل سے متعلق مضامین چھپتے تھے مضامین کی مناسبت سے جس قدر تصویریں اور نقشے مل سکتے تھے وہ

مضامین کے ساتھ شائع کئے جاتے تھے۔ پہلے سال یہ اخبار مہینہ میں دو بار شائع ہوا۔ دوسرے سال ہفتہ وار ہو گیا۔ ۱۸۸۹ء میں اس کا سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔[1] اس اخبار کے ایڈیٹر و مالک ہندوستان کی مشہور و معروف بڑی جنتری کے چھاپنے والے منشی محمد رحمت اللہ صاحب رعدؔ تھے۔

۱۱؍فروری ۱۸۸۶ء کے پرچہ میں خبر کے عنوان کے نیچے ایک تصویر بنی ہوئی ہے جس میں ایک مولانا صاحب کھڑے ہوئے ہیں اور ایک عورت کی لاش کو بغور دیکھ رہے ہیں۔ عورت کی لاش کے دونوں طرف اس عورت کے دونوں بچے ہیں۔ ایک بچہ کھڑا ہوا مولانا صاحب کو اپنی ماں کی لاش دکھانے کے لئے ہاتھ بڑھائے ہوئے ہے۔ دوسرا بچہ لاش سے تھوڑے فاصلہ پر ماتمی شکل بنائے ہوئے اپنے ایک گال پر ہاتھ رکھے ہوئے بیٹھا ہے۔ اس تصویر کے ساتھ یہ خبر شائع ہوئی ہے۔

"آپ کو یاد ہو گا کہ وہ محتاج عورت جو کچھ دنوں پہلے بازار میں بھیک مانگتی پھرتی تھی اور جس کے ساتھ تین معصوم بچے تھے ان ہی دو ہفتوں کا زمانہ ہوا کہ وہ بیمار ہو کر ہسپتال گئی اور وہیں تین روز کے بعد مر گئی۔ ایک چھوٹا بچہ جو گود میں لئے رہتی تھی چھ مہینے کا تھا۔ اس کا باپ اس کے پیدا ہونے سے سات مہینے پہلے دو معصوم لڑکیاں چھوڑ کر مر گیا تھا۔ اس وقت بڑی لڑکی کا سن پانچ برس کا تھا اور چھوٹی تین برس کی ہے جب بیوہ عورت بچوں کو ساتھ لیکر بھیک مانگنے نکلتی تھی تو بڑی لڑکی اس کے ساتھ پیروں چلتی تھی اور چھوٹی لڑکی گود میں لئے

---

[1] بڑی جنتری ۱۸۸۹ء۔

رہا کرتی تھی مگر جس روز یہ لڑکا پیدا ہوا تو اس کو گود میں لینا بند کر دیا پیدل چلانے لگی۔ لڑکی کے پاؤں اس قدر مضبوط نہیں ہونے پائے تھے کہ سارا سارا دن اس کے ساتھ پیدل گھوم سکے وہ چند دن بیمار پڑی اور مر گئی۔ جزیلی میں ایک سوداگر نارائن رہتا تھا جس کی تجارت میں ایک مولوی صاحب بھی شریک تھے۔ لیکن مولوی صاحب کو کسی کی علالت کی وجہ سے نارائن کے ہمراہ ہسپتال آنا پڑا جیسے ہی پھاٹک کے اندر قدم رکھا دیکھا کہ ایک محتاج اور بیکس عورت ہسپتال کے میدان میں ایک جانب پڑی دم توڑ رہی ہے اور دو معصوم بچے اس کے ساتھ ہیں جن میں ایک بالکل بے زبان ہے۔ نارائن اس حالت کو دیکھ کر دم بخود ہو گیا۔ مولوی صاحب سے مخاطب ہو کر بولا۔ یہ عبرت ناک منظر ہے تصویر لینے کے قابل ہے سامان لاؤ۔ سامان جب لایا گیا تو وہ عورت مر چکی تھی کوئی وارث نہ ہونے پر اس کی لاش میڈیکل سکول آگرہ کے طالب علموں کی ڈاکٹری کے لئے بھیجدی گئی۔ چونکہ مسلمانوں کے بچوں کی پرورش کا کوئی انتظام نہ تھا لہذا یہ دونوں بچے عیسائی محتاج خانے میں دیدیئے گئے۔"

آفتاب ہند اعظم گڈھ محلہ معتبر گنج قریب شفاخانہ سرکاری سے یکم فروری ۱۸۸۶ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا۔ چار صفحات پر ہر دوشنبہ کو نکلتا تھا مالک قدرت علی خاں لکھنوی تھے سالانہ چندہ تین روپیہ تھا مطبع آفتاب ہند میں طبع ہوتا تھا۔

آفتاب عالم آرہ ضلع شاہ آباد سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۵ فروری ۱۸۸۶ء کو طلوع ہوا۔ ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک مرزا عنایت علی

بیگم عنایت لکھنوی تاجر کتب، ایڈیٹر جناب مولوی حافظ حاجی حکیم عبدالکریم تھے۔ سالانہ قیمت سوا دو روپیہ تھی۔

جلوۂ ایزدی میرٹھ بڑھانہ دروازہ سیٹھ بازار سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم فروری ۱۸۸۶ء کو آٹھ صفحات پر ہر دوشنبہ کو نکلنا شروع ہوا۔ مالک محمد خلیل خلف محمد حسن کوتوال مہتمم محمد رفیع تھے۔ سالانہ چندہ دس روپیہ تھا۔ مطبع گلزار احمدی میں طبع ہوتا تھا۔

زینت الاخبار گورکھپور محلہ علی نگر سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم فروری ۱۸۸۶ء کو شائع ہوا۔ مالک بابو کشوری موہن چیٹرجی تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے چار آنہ تھا۔ پرنٹنگ پریس میں چھپتا تھا۔ بارہ صفحات پر ہر سہ شنبہ کو شائع ہوتا تھا۔

نیوگائیڈ لاہور موچی دروازہ متصل مسجد کمان گران سے یکم فروری ۱۸۸۶ء کو یہ ہفتہ وار اخبار نمودار ہوا۔ آٹھ صفحات پر ہر دوشنبہ کو اپنی شکل دکھاتا تھا۔ مالک ماسٹر غلام حسین مدرس گورنمنٹ سکول، مہتمم شیخ کریم علی تھے۔ سالانہ چندہ ڈھائی روپیہ تھا۔ اردو و انگریزی دونوں زبانوں میں چھپتا تھا۔

نسیم جنت آگرہ سے یہ ماہانہ نعتیہ کلاموں کا گلدستہ یکم جنوری ۱۸۸۶ء کو جلوہ افروز ہوا۔ مالک صادق علی قیصر، مہتمم نثار علی تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ صادق المطابع میں چھپتا تھا۔

امپیریل پیپر لاہور انارکلی سے یہ ہفتہ وار اخبار ۲۰ مارچ ۱۸۸۶ء کو وجود میں آیا۔ سولہ صفحات پر ہر دوشنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک سید حبیب علی شاہ، مہتمم سید رحمت علی شاہ تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا۔ یہ اخبار سیرت و صورت دونوں میں نیک ہے۔ اس میں انگریزی و اردو دونوں

کا ترجمہ سلیس و شستہ عبارت میں شائع ہوتا تھا۔ تازہ خبریں اور مختلف واقعات کو درج کیے جاتے تھے۔

تہذیب سخن کھولاپور ضلع امراؤتی سے یہ شعر و شاعری کا ماہانہ گلدستہ مارچ ۱۸۸۶ء میں جاری ہوا۔ مالک منشی کرشن لال جوش تھے آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ صادق المطابع میں طباعت ہوتی تھی۔

البیلا بدایوں محلہ فرشوری ٹولہ سے یکم اپریل ۱۸۸۶ء کو یہ ہفتہ وار اخبار شائع ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک مولوی علی امجد حسین زوار، ایڈیٹر مولوی علی ارشد حسین تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تیرہ آنے تھا۔ مطبع امجدی میں چھپائی ہوتی تھی۔

بیریر سیالکوٹ سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم اپریل ۱۸۸۶ء کو نکلا۔ آٹھ صفحات پر ہر شنبہ کو شائع ہوتا تھا۔ مالک منشی گیان چند، مہتمم منشی برج لال تھے سالانہ قیمت ڈھائی روپے تھی۔ مطبع وکٹوریہ میں چھپتا تھا۔

گلدستہ کلام دہلی بستی حضرت نظام الدین سے یہ شعر و شاعری کا ماہانہ گلدستہ یکم اپریل ۱۸۸۶ء کو وجود میں آیا۔ مالک منشی امیر سنگھ تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔

مجمع العلوم والفنون لاہور موچی دروازہ کوچہ دریائی باقاں سے یکم اپریل ۱۸۸۶ء کو یہ ماہانہ رسالہ آٹھ صفحات پر نکلنا شروع ہوا۔ ایڈیٹر مولوی عبداللہ خاں تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ سرورق پر یہ شعر درج تھا۔ ؎

صاحب نظران از سر انصاف بہ بینند ارزاں چہ قدر کردہ ام این جنسِ گراں را

غنچۂ مراد شملہ سے ۱۵ اپریل ۱۸۸۶ء کو یہ ماہانہ شعر و سخن گلدستہ ظہور پذیر ہوا۔ مالک و ایڈیٹر منشی عبدالقادر صاحب نائب تھے۔ ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ چودہ آنے تھا۔ مطبع مطلع انوار سہارنپور میں چھپائی ہوتی تھی۔ رسالے کے سرورق پر یہ شعر تحریر تھا۔ ؎

ملا اہل معانی سے سخن کی داد پا دیں گے

ملا ہے ان دنوں موقع طبیعت آزمائی کا

اعتراض بمبئی محلہ کھاتس بازار سے ۱۵ اپریل ۱۸۸۶ء کو یہ ماہانہ شعر و شاعری کا گلدستہ جاری ہوا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ مالک امداد علی تھے۔

پنجاب اوپینین ضلع ہوشیارپور سے ۱۵ اپریل ۱۸۸۶ء کو یہ ہفتہ وار اخبار نکلا۔ آٹھ صفحات پر شائع ہوتا تھا۔ لالہ مالک رام شادؔ مالک تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے چودہ آنے تھا۔ سفیر پنجاب پریس میں طباعت ہوتی تھی۔

منشی مالک رام شادؔ: جناب شادؔ صاحب بجواڑہ ضلع ہوشیارپور پنجاب کے رہنے والے تھے۔ شعر و شاعری کا ذوق تھا۔ جناب عاشقؔ لکھنوی اور قمرؔ لکھنوی کے شاگرد تھے جس کا اظہار انہوں نے اپنے ایک مقطع میں کیا ہے۔ ؎

ہم تو عاشقؔ اور قمرؔ کے ہوگئے شاگرد شادؔ

علم میں اور فضل میں ان کو یکتا دیکھ کر

انہوں نے لکھنؤ کے اسکول کا اثر بہت کم لیا ہے۔ استادوں کا رنگ کہیں کہیں نظر آتا ہے لیکن ان کے رنگ میں زیادہ نہیں رنگے گئے۔ کلام زیادہ تر سادہ اور عام فہم ہے۔ ؎ (آفتاب سخن سرسی جولائی ۱۸۸۸ء)

کس سے گلا کروں فلک بدشعار کا
چھوڑا نشاں بھی ہائے نہ میرے مزار کا
وعدہ جواب قریب ہے دیدار یار کا
کچھ ڈھنگ اور ہی ہے دل بے قرار کا
دامن اٹھا کے چلتا ہے وہ شوخ نازنیں
کھٹکا ہے اس کو راہ میں میرے غبار کا
اس نے وفا کے جور اٹھائے ہیں مدتوں
کیا خوف ہو ہمیں ستم روزگار کا
جاگے عدو کے گھر میں وہ لے شاد رات کو
اب تک اثر ہے آنکھوں میں ان کی خمار کا
جب قیامت میں مجھے یاد آئی اے ظالم تری
میرے نالوں سے یہاں ایک روز محشر ہو گیا
رہتے تھے پہلے حسینوں کے جہاں پر جمگھٹے
اے پری وہ ہائے ویراں اب وہی گھر ہو گیا
ہو گیا وہ بے وفا ناحق خفا اے شاد جب
میں یہ سمجھا مجھ سے برگشتہ مقدر ہو گیا

نالۂ زخمی

شیوراج پور ضلع کان پور سے یہ ماہانہ گلدستہ اپریل ۱۸۸۶ء کو شائع ہوا۔ مہتمم لالہ راج بہاری زخمی سے کا کوری تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ مطبع نسیم ہند فتح پور میں چھپتا تھا۔ سرورق پر یہ شعر درج ہے۔

اسے دیکھے جو مشتاق مضامین و معانی ہے
جہاں میں دھوم ہے جس کی یہ وہ ارژنگ معنی ہے

نالۂ زخمی مورخہ مئی ۱۸۸۶ء سے شعرا کا منتخب کلام درج کیا جاتا ہے۔
جناب سید افضل علی صاحب امیرؔ ہیڈ مولوی گورنمنٹ اسکول بلند شہر۔ سے

عوض خون کے بھرا ہے جوشِ وحشت میری رگ رگ میں
کہ ہوں میں پرورش پایا ہوا صحرا کے دامن کا
وہ بسمل ہوں مرے زخموں کو جب جراح سیتا تھا
تو ہر ٹانکے پہ خوں روتا تھا حلقہ چشمِ سوزن کا
ذکر اے امیرؔ ترا نالۂ عاشق کرے کیوں کر
کہ دل سختی میں اس کافر کا اک ٹکڑا ہے آہن کا

جناب سید احمد علی صاحب اظہرؔ شاگرد جناب حکیم میر امداد علی صاحب انعامؔ محقق کان پور۔ سے

ادائے رقص میں اس کی لٹا دیتی ہے عالم کو
وہ سینہ تان کر چلنا، اٹھانا جھک کے دامن کا
یگانہ بھی محبت میں نظر آتا ہے بیگانہ
پھنسے یا رب نہ اس آفت میں دل دشمن کے دشمن کا
سنا ہے برق وش بھی نام اس کا ہم نے اے اظہرؔ
خدا حافظ ہے سینہ میں ہمارے دل کے خرمن کا

جناب منشی محمد ظہور صاحب بیتابؔ تلمیذ جناب منجھلے صاحب رعایتؔ لکھنوی۔ سے

سیاہی تیرے پستاں پر جو بھٹنے کی نظر آئی
اناڑی پھول سمجھے نارِ بیدانہ یہ سوسن کا
حیاتِ چند روزہ پر کشش بیجا ہے عاشق سے
جہاں میں مل کے چلنا ساتھ ہے چولی دامن کا

جناب سید محمد علاؤالدین جلالی صاحب تلمیذ جناب میر ناصر علی صاحب اویس بلگرامی۔ ؎

ہمیشہ آ کے گلگر دیھولوں کی چادر چڑھائیں گے
رہے گا حشر تک قائم نشاں عاشق کے مدفن کا
ترحم عاشقوں کے حال پر مطلق نہیں کرتے
خدا نے دل دیا ہے ان بتوں کو سنگ و آہن کا
خدا صیاد کی آنکھوں سے بینائی اڑا دے گا
قیامت تک نہ پائے گا نشاں میرے نشیمن کا

آرہ گزٹ آرہ ضلع آباد محلہ پھاٹک سادات بلگرامی سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم مئی ۱۸۸۶ء کو جاری ہوا۔ آٹھ صفحات پر ہر پنجشنبہ کو نکلتا تھا مالک سید فرزند احمد صاحب صفیر بلگرامی، مہتمم سید خورشید احمد تھے۔ سالانہ چندہ سوا روپیہ تھا۔ مطبع نور الانوار میں طبع ہوتا تھا۔

افسوں فتح گڈھ سے یہ ماہانہ شعر و سخن کا گلدستہ یکم مئی ۱۸۸۶ء کو شائع ہوا۔ مہتمم جگدمبا پرشاد، مالک نصیر الزماں موضع رائے پور ضلع فرخ آباد تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔

موج ظرافت ہوشنگ آباد سے یہ ہفتہ وار ظریفانہ رسالہ یکم مئی ۱۸۸۶ء کو نکلا۔ آٹھ صفحات تھے ہر یکشنبہ کو شائع ہوتا تھا۔ مالک مرزا عبدالکریم سوداگر تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ مطبع موج نربدا میں چھپتا تھا۔ سرورق پر یہ شعر درج تھا۔ ؎

مضامین نیست در طبعم بموجِ ست آب گوہر ہا
تراوش نیست در کلکم کہ خون بحر دکانداِم

سری گورمت پرکاشک

راولپنڈی سے یہ ماہانہ مذہبی رسالہ مئی ۱۸۸۶ء کو ۲۸ صفحات پر نکلنا شروع ہوا یہ گورسنگھ سبھا کا آرگن تھا، گورمکھی اور اردو زبانوں میں نکلتا تھا، بابا کھیم سنگھ بیدی سی، ایس، آئی میر مجلس خالصہ دیوان سرپرست تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ جلوہ نور پریس میں چھپائی ہوتی تھی۔

خالصہ گزٹ

لاہور محلہ موری دروازہ سے ۱۶ جون ۱۸۸۶ء کو یہ ہفتہ وار اخبار وجود میں آیا۔ بانی بھائی نندگوپال سکریٹری خالصہ مینجنگ کمیٹی تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے چار آنے تھا۔

آئینہ سخن

فتحپور سے یہ شعر وشاعری کا ماہانہ رسالہ جون ۱۸۸۶ء کو طلوع ہوا۔ مالک صدیق احمد قادری صاحب تھے۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔

انسٹی ٹیوٹ

پٹنہ محلہ صادق پور سے یکم جولائی ۱۸۸۶ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جلوہ افروز ہوا۔ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں نکلتا تھا۔ بانی مولوی محمد حسین صاحب میر مجلس مولوی سید حسین صاحب تھے، سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ مطبع صادق پور میں چھپائی ہوتی تھی۔

ترجمان حقیقت

قصور ضلع لائل پور سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم جولائی ۱۸۸۶ء کو جاری ہوا۔ سولہ صفحات پر ہر جمعہ کو نکلتا تھا۔ مہتمم ولی اللہ سکریٹری انجمن مفید عام تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا۔

چمن ہند

شملہ سے یہ پندرہ روزہ اخبار یکم جولائی ۱۸۸۶ء کو شائع ہوا مالک عبدالقادر صاحب تائب تھے۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔

عزیز الاخبار رسول پور ارکاٹ ڈاک خانہ پالارا سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم جولائی ۱۸۸۶ء کو نکلا۔ آٹھ صفحات پر ہر پنجشنبہ کو شائع ہوتا تھا۔ مہتمم محمد مرتضیٰ گھٹالہ، ایڈیٹر سید حسین، مالک مولوی شاہ عزیز الدین گھٹالہ تھے۔ سالانہ چندہ سات روپے دس آنے تھا۔ مطبع شوکت الاسلام میں طبع ہوتا تھا۔

گلدستۂ نعتیہ رلتے پور ضلع فرخ آباد سے یہ ماہانہ گلدستہ یکم جولائی ۱۸۸۶ء کو وجود میں آیا۔ آٹھ صفحات پر نکلتا تھا۔ مالک نصیر الزماں خاں صاحب تھے۔ یہ اخبار افسوں کا ضمیمہ تھا۔

مذاق کا پتلا رامپور سے مئی ۱۸۸۶ء کو یہ ہفتہ وار اخبار نکلا جو بہت چھوٹے سائز پر شائع ہوتا تھا۔ فتنہ کی نقل کی گئی تھی۔ ٹائیٹل پر بد مذاق تصویر تھی۔ چنانچہ اس تقلید پر ریاض خیر آبادی معترض ہوئے۔ انہوں نے فرمایا۔

"ہمارے دوست حکیم غلام رضا صاحب مالک اخبار مہر قیصری کی کیفیت سنئے۔ آپ نے فتنہ کی تقطیع کا ایک ظریف پرچہ نکال دیا کاغذ بھی رنگین اور ۱۶ صفحہ بھی۔ فرق ہے تو تصویر لوح میں۔ فتنہ کی وضع وصورت کی تقلید کرنے والوں میں پہلے شخص یہی ہیں، انہیں گو کچھ پرواہ نہ ہو مگر ہمیں تو شرم آتی ہے۔ پھر نام کتنا سڈول "مذاق کا پتلا رام پور" نام مضامین سے بڑھ کر اور مضامین نام سے بڑھ کر۔"

سحر بابل ضلع فتحپور سے یہ ماہانہ شعر وسخن کا گلدستہ یکم ستمبر ۱۸۸۶ء کو جاری ہوا۔ ۲۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک مولوی نظام الدین شوقی، مہتمم سید واجد علی وحید، ایڈیٹر منشی بندا پرشاد عزیز ساکنہ فتح پور محلہ حیدیانہ تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ سرورق پر یہ شعر درج تھا۔

جسے دیکھو وہی اس زہرۂ معنی پہ مائل ہے ‏ ‏ کلامِ نکتہ سنجاں درحقیقت سحر بابل ہے

مبارک گورکھپور سے یہ ہفتہ وار اخبار محکمہ ریلوے کا آرگن ۲۰ ستمبر ۱۸۸۶ء کو نکلا۔ چار صفحات پر مشتمل تھا۔ انگریزی اور اردو زبانوں میں چھپتا تھا۔ مہتمم مسٹر چارلس جوزف لکی، ایڈیٹر بابو پربھو داس عیسائی مترجم دفتر سیشن تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔

نغمۂ بہار لکھنؤ محلہ راجہ کا بازار سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۵ ستمبر ۱۸۸۶ء کو نمودار ہوا۔ ۲۴ صفحات پر نکلتا تھا۔ مالک سید مہدی حسن عقیلؔ، مہتمم یعقوب علی خاں نصرتؔ تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ مطبع اردو پریس میں طبع ہوتا تھا۔

اس گلدستہ کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں خاص طور پر لکھنؤ کے شعراء کا کلام درج کیا جاتا تھا۔ بہت کم غیر لکھنوی شعراء کا کلام اس میں نظر آتا ہے۔ شعراء کے کلام کے انتخاب کے لئے ایک کمیٹی قائم ہوئی تھی۔ ایڈیٹر کا دعویٰ ہے کہ انتخاب کلام میں انصاف سے کام لیا جاتا ہے۔ اس گلدستہ کے سرورق پر یہ شعر زینت دے رہا ہے۔ ؎

ہر شاخ گل پہ ہے۔ یہی نغمہ ہزار کا
آیا ہے دھوم دھام سے موسم بہار کا

۱۵ جنوری ۱۸۸۷ء کے شمارے سے شعراء کا منتخب کلام نقل کیا جاتا ہے۔
جناب نواب محمد سلیمان خاں صاحب اسدؔ شاگرد جناب امیرؔ لکھنوی۔ ؎

بہار آئی ہے خوش ہیں میکش، شراب خم سے چھلک رہی ہے
شگوفے پھولے ہیں گل کھلے ہیں چمن میں بلبل چہک رہی ہے
خیال ہے ایک شعلہ رو کا برنگ آتشکدہ ہے سینا
بھکے نہ کیوں کر جگر اسدؔ کا کہ آگ دل میں دہک رہی ہے

جناب میر بادشاہ علی بقاؔ خلف جناب میر وزیر علی صباؔ ۔ سہ

چمن میں بلبل بلک رہی ہے، فراق گل میں پھڑک رہی ہے
لبوں پہ دم ہے سسک رہی ہے، زمیں پہ سر کو پٹک رہی ہے
گذر گئے ہیں جو روتے برسوں تو خشک آنسو نہ ہوں تو کیا ہوں
لہو کی ایک ایک بوند آنکھوں سے اشک بن کر ٹپک رہی ہے

جناب شیخ فدا علی صاحب عیشؔ عرف اچھے صاحب لکھنوی شاگرد جناب میر کلو عرشؔ ۔ سہ

حضور ساون کی ہے اندھیری، فقیر خانہ میں آج رہئیے
ستم کا پانی برس رہا ہے، غضب کی بجلی چمک رہی ہے
اٹھا جنازہ جو میرا گھر سے تو پیچھے پیچھے چلیں امیدیں
ادھر تمنا اُدھر ہے ارمان، سر آگے حسرت پٹک رہی ہے
کرے نہ اقرار اپنے منہ سے خدا نہ لڑوائے جھوٹ مجھ کو
ضرور اس نے شراب پی ہے، زبان واعظ بہک رہی ہے

جناب صاحبزادہ محمد مرتضیٰ البسملؔ رامپوری شاگرد جناب جلالؔ لکھنوی ۔ سہ

پڑے ہیں دونوں یہ کشمکش میں، امنگیں جوش شباب کی ہیں
کسی کی انگیا وصال کی شب، کسی کی چولی مسک رہی ہے
یہ کون سویا ہے چودھویں شب، نقاب رخ سے الٹ کے چھت پر
نظارہ بازی میں آنکھ انجم کی آسماں پر جھپک رہی ہے
تمام مطلب ادا ہو کیونکر، مرا بیاں اور زبان قاصد
وہ پوچھتے ہیں کہاں سے آیا، زباں اس کی بہک رہی ہے

سید مہدی حسن عقیلؔ : جناب سید عقیل صاحب لکھنؤ کے رہنے والے تھے اور حکیم سید غضنفر علی خاں حکیمؔ کو اپنا کلام دکھاتے تھے ۔ ان کا اپنے زمانہ

کے اچھے شاعروں میں شمار ہوتا تھا شعر اچھا کہتے تھے، ترانۂ شوق کا قطعۂ تاریخ بھی لکھا تھا وہ ملاحظہ ہو۔ سلہ

طبع شد مثنوی نادرِ دہر | یادگارِ زماں ترانۂ شوق
نظم پروشن کلام ماہِ مبیں | نیرِ آسماں ترانۂ شوق
نور افشاں مدام ایں تصنیف | جلوۂ جاوداں ترانۂ شوق
اہلِ عالم ہمہ مسرت سنج | دل کند شادماں ترانۂ شوق

گفت تاریخ طبع ذہن عقیل
صبح عیدِ جہاں، ترانۂ شوق

غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ سہ

وہ زلف کھولے جو آرہے ہیں، کمر برابر لچک رہی ہے
اس اٹھتے جوبن کو دیکھ کر، یاں طبیعت اپنی بہک رہی ہے
اٹھائے غم لاکھوں زندگی میں، پس فنا بھی وہ چھیڑتے ہیں
ہر اک سے ہنس ہنس کے کہہ رہے ہیں یہ روح کس کی بھٹک رہی ہے
نہیں ہے بے وجہ پریشاں ضرور ہے عشق گل میں حیراں
ستایا کس نے صبا کو یارب کہ باغ میں سر پٹک رہی ہے
بہے جو ہنگامِ نزع آنسو، ہماری آنکھوں سے وہ یہ بولے
بھری ہے دیدار کی جو حسرت وہ ہو کے پانی ٹپک رہی ہے
تمہاری تیغ غضب نے صاحب عقیلؔ ہی کو نہیں ہے مارا
غریب اجل بھی تو ہو کے بسمل تڑپ رہی ہے سسک رہی ہے

سلہ ترانۂ شوق ص۱۳۹۔

یعقوب علی خاں نصرت: نصرت صاحب بھی لکھنؤ کے باشندے تھے، شعر و شاعری کا شوق بچپن سے تھا۔ جناب لطافت مرحوم کے شاگرد تھے، زبان میں لطافت اور نزاکت ہے۔ الفاظ کے گورکھ دھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ؎

کلی چمن میں چٹک رہی ہے خوشی سے بلبل چہک رہی ہے
گلوں کی خوشبو مہک رہی ہے طبیعت اپنی پھڑک رہی ہے

وصال سے کیا ہوں شاد و خرم، یہی ہے دل کو خیال ہر دم
سحر کو پھر ہوگا ہجر کا غم کہ آنکھ بائیں پھڑک رہی ہے

وہ سو رہے ہیں جو شب کے جاگے اٹھائیں ہم کس طرح سے جاکے
صبا دبے پاؤں آتے آتے سرہانے، ڈر سے ٹھٹک رہی ہے

پڑا ہے ناسور دل میں ایسا کہ عمر بھر جو نہ ہوگا اچھا
نہیں یہ رس رس کے خون آتا تمہاری الفت ٹپک رہی ہے

قریب منبر کے جاکے رندو بغور بہر خدا سنو تو!
عجب نہیں ہے کہ کچھ پئے ہو زبان واعظ بہک رہی ہے

یہ دوستوں کی تھی کیسی الفت نہ بعد دفن آیا کوئی نصرت
اکیلی تربت پہ شمع تربت سراپا دیدے ٹپک رہی ہے

سحر ساحری لکھنؤ محلہ سرائے معانی خاں سے یکم اکتوبر ۱۸۸۶ء کو یہ ہفتہ وار اخبار سولہ صفحات پر ہر دوشنبہ کو نکلنا شروع ہوا۔ مالک پنڈت بیج ناتھ، ایڈیٹر منشی شنکر دیال فرحت تھے، سالانہ چندہ پانچ روپے تھا مطبع ثمر ہند میں چھپائی ہوتی تھی۔

منشی شنکر دیال فرحت: فرحت صاحب لکھنؤ کے رہنے والے تھے اور قوم کے کایستھ سکسینہ تھے۔ اصل وطن ان کا قصبہ بھوگاؤں ضلع مین پوری

تھا۔ آپ کے بزرگ وہاں کے قانون گو تھے۔ ان کے دادا منشی جہاں سنگھ نے فرخ آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کے والد کافی عمر لکھنؤ کے نوابی خاندان میں اعلیٰ منصبوں پر فائز رہے ہیں۔ یہ ۱۸۴۳ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے مطبع امریکن مشن لکھنؤ میں ملازمت کی۔ آپ کی تالیف زیادہ تر دھارمک ہیں۔ رامائن اور پران کا منظوم ترجمہ کیا۔ فن موسیقی بھی جانتے تھے۔ ٹھمری، بٹہ اور دھوبیاں آپ نے بڑی معرکہ کی لکھی ہیں۔ کلام میں سادگی ہے۔ زبان شستہ و صاف ہے۔ ؎

سنا ہے آپ ذکرِ عاشق ناشاد کرتے ہیں
جزاک اللہ مجھ بھولے ہوئے کو یاد کرتے ہیں

اتر آتی ہیں پریاں صاف ان کے شیشۂ دل میں
نہیں معلوم کیا جادو یہ آدم زاد کرتے ہیں

عروسِ گل کی مہندی آج ہے کیا صحنِ گلشن میں
کہ مرغانِ چمن شورِ مبارک باد کرتے ہیں

نہیں معشوق و عاشق اپنے اپنے فعل سے غافل
وہ صحنِ باغ کو ہم دشت کو آباد کرتے ہیں

کتر کر، نوچ کر، پر توڑ کر، پر باندھ کر فرحتؔ
وہ مرغانِ چمن کو قید سے آزاد کرتے ہیں

قصۂ ہجر بتاں ہوش میں آلوں تو کہوں
تھام لوں، ضبط کر دل، دل کو سنبھالوں تو کہوں

رازِ دل کی نہ کسی کو ہو خبر کانوں کان
فرحتؔ اغیار کو جب بزم سے ٹالوں تو کہوں

رنگ دنیا کا بس اب نوع دگر ہوتا ہے
پیری آتی ہے جوانی کا سفر ہوتا ہے

لطیف الاخبار گورکھ پور محلہ خونی پور سے ۱۳ر اکتوبر ۱۸۸۶ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا۔ بارہ صفحات پر ہر جمعہ کو نکلتا تھا۔ مالک عبدالطیف خاں، ایڈیٹر خواجہ محی الدین لکھنوی تھے۔ سالانہ چندہ دس روپیہ تھا۔ مطبع لطیف الاخبار میں چھپتا تھا۔

نجم الہند جون پور محلہ ملاٹولہ سے یکم اکتوبر ۱۸۸۶ء کو یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر دوشنبہ کو نکلنا شروع ہوا۔ مالک و ایڈیٹر کاتب شیخ محمد محسن تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ اعظم المطابع میں طباعت ہوتی تھی۔

نغمہ عنادل بنارس محلہ کتوا پورہ تھانہ آدم پور سے یہ ماہانہ رسالہ یکم اکتوبر ۱۸۸۶ء کو شائع ہوا۔ مالک سید فدا حسین تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔

صحیفۂ نامی لکھنؤ کٹڑہ ابوتراب خاں ڈاک خانہ چوک سے یکم اکتوبر ۱۸۸۶ء کو یہ پندرہ روزہ اخبار وجود میں آیا۔ مالک ابوالحسنات حافظ خواجہ قطب الدین احمد، مہتمم و ایڈیٹر خواجہ احمد حسن تھے سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ مطبع نامی میں چھپتا تھا۔

فیروز پنچ فیروز پور سے ۴ر اکتوبر ۱۸۸۶ء کو یہ ہفتہ وار اخبار ظہور پذیر ہوا۔ آٹھ صفحات پر ہر دوشنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک فیروز الدین تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ صدیقی پریس میں چھپائی ہوتی تھی۔

پنجاب سماچار قصبہ و تحصیل اونہ ضلع ہوشیار پور سے یہ عشرہ وار اخبار ۲۵ر اکتوبر ۱۸۸۶ء کو جلوہ افروز ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک سردار پرتاب سنگھ تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ

چودہ آنہ تھا۔ مطبع قیصری جالندھر میں چھپتا تھا۔

بہار شملہ: ہفتہ وار اکتوبر ۱۸۸۶ء کو شائع ہوا۔ مالک عبدالقادر نائب تھے۔

گجرات پنچ: گجرات سے یکم اکتوبر ۱۸۸۶ء کو طلوع ہوا۔

معائنہ لاہور سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم جنوری ۱۸۸۶ء کو جاری ہوا۔ ایڈیٹر سید جواد علی تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ مطبع جعفری میں طبع ہوتا تھا۔

باغبان لاہور سے یہ ماہانہ رسالہ یکم دسمبر ۱۸۸۶ء کو ۴۲ صفحات پر مشتمل نکلنا شروع ہوا۔ مالک منشی نورالدین فلک، مہتمم حکیم رحیم بخش، ایڈیٹر بابو عزیزالدین تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے بارہ آنے تھا۔ مطبع کوہ نور میں طباعت ہوتی تھی۔

مرچینٹ انبالہ انبالہ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۶ دسمبر ۱۸۸۶ء کو شائع ہوا چار صفحات پر ہر دوشنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک سوداگران انبالہ صدر بازار تھے، مہتمم پنڈت شیو پرشاد تھے۔ سالانہ چندہ کچھ نہیں تھا بلا قیمت جاتا تھا۔ مطبع فوق کاشی دہلی میں چھپائی ہوتی تھی۔

نورالاسلام پٹنہ محلہ لودی کٹرہ مکان مولوی بشیر علی مرحوم سے یہ ماہانہ رسالہ ۳۶ صفحات پر دسمبر ۱۸۸۶ء میں نکلا۔ مالک و ایڈیٹر مولوی حسن علی صاحب تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ یونین پریس میں طباعت ہوتی تھی۔

جریدۂ انتظامیہ بھوپال سے یکم جمادالثانی ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۶ء کو یہ ماہانہ رسالہ چار صفحات کا وجود میں آیا۔ بانی نواب عبداللطیف خاں صاحب سی، آئی، ای سکریٹری انجمن اسلامیہ کلکتہ تھے۔

بھوپال کا ریاست کے احکام اس میں شائع ہوتے تھے۔

سحر آفریں میسور بھرت پور سے یہ ماہانہ ۲۰ صفحات کا رسالہ ۱۸۸۶ء کو ظہور میں آیا۔ مالک حیدر حسین آفریں تھے۔ رسالانہ چندہ ایک روپیہ چار آنہ تھا۔ مطبع گلشن علم آگرہ میں طبع ہوتا تھا۔

سرپنچ میرٹھ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۸۶ء کو جلوہ پذیر ہوا۔ چار صفحات پر ہر جمعہ کو نکلتا تھا۔ مالک سید رفیع الدین ہمشیرہ زادہ منشی جمیل الدین ہجر تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ اس کا دوسرا نام "قیصر ہند" تھا۔

مخبر سرور بمبئی ناگپاڑہ شیخ برہان کمان والا عرف تیلی محلہ مقابل مسجد محلہ شیخ عبداللہ متصل مسافر خانہ سیٹھ اسماعیل سے ہفتہ میں دوبار یہ اخبار ۱۸۸۶ء کو جاری ہوا۔ مالک حاجی مولا بخش، مہتمم حاجی عبدالرحیم تھے۔ رسالانہ چندہ چھ روپے چار آنہ تھا۔ مطبع مخبر سرور میں چھپتا تھا۔

ذکر الحبیب یہ ماہانہ رسالہ ۱۸۸۶ء کو جے پور سے نکلتا تھا۔ مولوی سراج الحق اس کے ایڈیٹر تھے۔ یوسفی پریس انور میں طباعت ہوتی تھی۔

دہلی گائڈ دہلی بازار چتلی قبر سے یہ عشرہ وار اخبار ۱۸۸۶ء کو شائع ہوا۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ مالک و ایڈیٹر نواب مرزا صاحب دہلوی سجادہ نشین درگاہ حضرت میر محمدی چتلی قبر دہلی تھے۔ اس کا پہلا نام "رہنمائے ہند" تھا۔ اس کے نام کی تبدیلی کی وجہ یہ ہوئی کہ نواب مرزا صاحب لال قلعہ کے چاندماری کے میدان میں کھڑے تھے کہ ڈپٹی کمشنر دہلی اور اس کے عملے کے دو تین آدمی اس میدان میں موجود تھے، وہاں ایک دھوبن آکر کھڑی ہوگئی۔ اس کو ہٹانے کے لئے ڈپٹی کمشنر نے اپنے جوتے کے ٹھڈے سے مارا۔ وہ حاملہ تھی اس

ضرب کو برداشت نہیں کر سکی اور مر گئی۔ اس کی لاش خاموشی کے ساتھ لاپتہ کردی گئی۔ "رہنمائے ہند" میں یہ خبر شائع ہوگئی۔ ڈپٹی کمشنر نے اس اخبار کو نوٹس دیا۔ دعویٰ دائر ہوا۔ مجسٹریٹ کے ہاں پیشی ہوئی۔ مرزاجی دبے نہیں۔ جب عدالت نے پوچھا تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ دھوبن کو ڈپٹی کمشنر نے مارا ہے انہوں نے کہا کہ میرے پاس اس کا مکمل ثبوت و شہادت موجود ہے۔ آخر باہمی سمجھوتہ ہوگیا اور یہ طے پایا کہ آپ اپنے اخبار کا نام بدل دیں۔ اس وقت سے رہنمائے ہند کا نام "دہلی گائڈ" ہوگیا۔

اس اخبار میں مقامی و غیر مقامی اور جنگوں کی خبریں کافی دی جاتی تھیں راجہ، مہاراجہ، نوابوں اور رئیسوں کے مفصل حالات شائع کیے جاتے تھے اولیائے کرام اور صوفیائے عظام سے مرزاجی کو بے پناہ عقیدت و محبت تھی۔ ان کے حالات بھی چھپتے تھے۔ یہ اخبار ۱۸۹۲ء میں روزانہ ہوگیا تھا۔ ۱۹۰۵ء میں عشرہ وار نکلنے لگا تھا۔

نواب مرزا: مرزا صاحب کے پردادا خواجہ حسن تبریزی حضرت سید رفاعی کے خلیفہ تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے بہت پہلے دہلی میں آئے تھے اور یہیں سکونت اختیار کرلی تھی۔ تبریزی صاحب کے صاحبزادے خواجہ احمد، خداترس اور صوفی منش انسان تھے جو قرآن مجید اور کتب دینی کی تجارت کرتے تھے اور اچھے خوش نویس تھے۔ خواجہ صاحب کے صاحبزادے مرزا صاحب کے والد صوفی عبدالغفور صاحب مرحوم تھے جو فارسی عربی کے بڑے ماہر تھے۔ انہوں نے کافی کتابیں تالیف و تصنیف کی ہیں۔ آپ کی تالیف "گلبنِ جنت" جو ۱۸۸۵ء میں شائع ہوئی تھی اس میں آپ نے اپنی عمر ۳۶ سال کی لکھی ہے۔ گویا آپ ۱۸۴۹ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا انتقال ۱۸۸۵ء میں ہوا تھا۔ آپ شاہدہ پریس کے

مالک تھے۔ ان کو یکم جنوری ۱۸۷۷ء کے دربار میں شرکت کے لئے مدعو بھی کیا گیا تھا۔

نواب مرزا صاحب خاندان مغلیہ کے چشم و چراغ تھے۔ ان کی نانی حسینی بیگم زوجہ مرزا سلیم بہادر بن اکبر شاہ ثانی تھیں جن کی بہادر شاہ ظفر سے باغ روشن آرا، باغ سرہند اور باغ چاندنی محل کی ملکیت کے سلسلے میں ایک تاریخی مقدمہ بازی ہوئی تھی جس کا ذکر میں نے ۱۸۵۷ء کے مجاہد شعرا میں کیا ہے اور اس کا ذکر ۱۸ جنوری ۱۸۶۰ء کے سرکاری کاغذات میں ان لفظوں کے ساتھ ہے۔

"حسینی بیگم زوجہ مرزا سلیم بہادر بن حضرت اکبر شاہ ثانی دہلی کی ہے۔ مسماۃ مذکور میں بہادر شاہ مخرج سے سخت ناچاقی تھی اور اسی وجہ سے عرصہ دراز سے قلعہ میں نہیں رہتی تھیں۔ شہر میں سکونت پذیر تھیں۔"

نواب مرزا صاحب پرانے اخبار نویس اور اخبار نویسوں کی محفلوں کے رازدار اور واقف کار تھے۔ عمر کا بہت بڑا حصہ صحافت میں بتایا۔ ستارہ ہند پریس جوان کے والد کا تھا، خود اس کو ۱۹۲۵ء تک چلاتے رہے۔ ۱۹۰۴ء میں اردو ہندی انگریزی تینوں زبانوں میں دہلی ٹیلیگراف ۔۔ ۔۔ ایک انگریز کی شرکت میں نکالا۔ جو ۱۹۲۴ء تک چلتا رہا۔ مرناجی کی حکومت ہند اور راجوں اور مہاراجوں میں کافی وقعت تھی۔ ۱۹۰۲ء کے دربار میں آپ شریک ہوئے تھے اور خاص طور پر مہاراجہ بھاولپور، نواب رام پور وغیرہ آپ کو اپنے سالانہ جشن میں دعوت دیکر بلاتے تھے اور سرکاری مہمان کی عزت ان کو حاصل ہوتی تھی۔ آپ درگاہ میر مہدی کے سجادہ نشین تھے۔ اسی درگاہ میں سکونت رکھتے تھے۔ اس درگاہ میں حسب ذیل مزارات ہیں۔

(۱) (۱) سید عماد الدین عرف میر مہدی جو حسنی اور حسینی تھے۔ بڑے ولی، پرہیزگار

اور عالم و فاضل تھے۔ تمام عمر نکاح نہیں کیا تھا۔ آپ مولانا فخر دہلوی کے خلیفہ تھے اور اکبر شاہ، مرزا سلیم اور حضرت ظفر شاہ کے پیر بھی تھے۔ ۱۲۴۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

(۲) نواب خسرو زمانی عزت حسینی بیگم۔

(۳) سلیم بہادر بن اکبر شاہ ثانی۔

مرزا صاحب نے ۱۸۹۰ء میں انوار المدارس جاری کیا تھا جس کے سرپرست و معاون دہلی اور بیرون دہلی کے معززین، مشاہیر تھے۔ چنانچہ اس مدرسہ کے چندہ کے رجسٹر میں مولانا عبدالرحمٰن راسخ دہلوی ایڈیٹر اخبار گلدستہ دہلی، محمد مرزا جان مالک اشرف الاخبار دہلی، منشی مہا نرائن ایڈیٹر اخبار خیر خواہ ہند دہلی، سید میر حسن رضوی ایڈیٹر اخبار خیر خواہ عالم دہلی، محمد برکت ایڈیٹر ہمدرد میرٹھ وغیرہ کے نام نامی نظر آتے ہیں۔

یہ تمام حالات نواب مرزا صاحب کی زبانی اور ان کی خاندانی دستاویزات سے حاصل ہوئے۔ جس زمانے میں میں نے یہ حالات لکھے تھے مرزا صاحب علیل تھے، اُٹھ بیٹھ نہیں سکتے تھے پاؤں بہت کمزور ہو گئے تھے لیکن ہوش و حواس اور یادداشت سب درست تھی۔ حافظہ انتہائی تیز تھا تمام واقعات دن، وقت اور تاریخوں کے حوالے کے ساتھ سنا دیا کرتے تھے۔ افسوس مرزا صاحب کے حالات لکھنے کے چند دنوں بعد مرزا صاحب ۱۵ اپریل ۱۹۵۲ء کو جمعہ کے روز فوت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ مغفرت کرے پرانے صحافی دور کے یہی ایک یادگار تھے۔

مرقع عالم | ہردوئی سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۸۸۶ء کو جاری ہوا۔ اس کے مالک حکیم محمد علی خاں تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ آٹھ آنہ تھا

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ تھی۔ اس رسالہ میں علمی و ادبی اور تاریخی مضامین شائع ہوتے تھے۔ صاحب تاج التواریخ اس پر تبصرہ فرماتے ہیں۔

"اس نے اردو زبان میں ایک نئی روح اور تازہ جان ڈالی ہے۔ عبدالحلیم شرر کے رنگ میں ایک جدت پیدا کی گئی ہے، استعارہ اور تشابیہ میں نرالی طرز سے کام لیا جاتا ہے۔"

یہ اخبار غالباً ۱۹۰۵ء میں بند ہو گیا تھا۔ جولائی ۱۹۱۲ء میں دوبارہ جاری ہوا۔ تب مولانا عبدالحلیم شرر نے رسالہ دل گداز جون ۱۹۱۲ء میں اس کا شاندار خیر مقدم ان الفاظ میں کیا ہے:

"حکیم محمد علی خاں نے یہ لٹریری رسالہ ماہ جولائی ۱۹۱۲ء سے پھر جاری کر دیا ہے۔ حکیم صاحب نے اپنی بیماری اور مختلف معذوریوں کے باعث ایک زمانہ سے اس کی اشاعت روک دی تھی لیکن احباب اور قدر دانوں کے اصرار سے مجبوراً پھر جاری کیا۔ پہلا رسالہ جو ہمارے پاس آیا ہے اس میں ابتداً تاریخی اور عالمانہ مضامین ہیں اور آخر میں ایک ناول کا ایک جز ہے جو صفحہ ۱۸ سے شروع ہے نئے خریدار ابتدائی جز ایڈیٹر سے منگوا سکتے ہیں۔"

حکیم محمد علی خاں صاحب: ہردوئی کے آنریری مجسٹریٹ تھے۔ عدالتی کاموں کے ساتھ تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی جاری رہتا تھا۔ آپ مولانا شرر کے ہم سبق اور لنگوٹیے یار غار تھے۔ آپ کی حسب ذیل تصانیف ہیں۔

۱۔ عبرت: جان و ہتوریا کا دلچسپ تاریخی قصہ، عقد پر محققانہ بحث (تین حصوں میں)۔

۲۔ جعفر عباسیہ: اس میں عورتوں کے پردہ نہ کرنے کے نقصانات دلائل

کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔

۳۔ اختر حسینہ: عورتوں کو تعلیم کہاں تک دینی چاہیے اور بلا رضامندی کی شادی کے کیسے برے نتائج نکلتے ہیں۔ (دو حصوں میں)

۴۔ نیل کا سانپ: کلوپٹرا اور انتانی کی حسرت بھری داستان، تاریخ کا اصل واقعہ۔

۵۔ گورا اور رنڈاپے کے ہاتھوں دو شریف خاندانوں کی بربادی۔ دیدہ مقدس شرع شریف سے عقد بیوگان کے لیے دلائل۔

۶۔ حسن سرور: دل چسپ اور دل تڑپا دینے والا سچا اور نیا ناول۔ (تین حصوں میں)

۷۔ دل دیوی: علاؤالدین خلجی کے عہد کا ایک دل چسپ واقعہ۔

۸۔ اہرام مصر: کب اور کس نے اس کو تعمیر کیا۔

۹۔ تقدیر: تقدیر اور تدبیر پر ایک محققانہ بحث۔

۱۰۔ مضامین مرقع عالم: ۱۸۸۶ء تا غایتہ ۱۹۰۵ء

۱۸۸۷ء

انتخاب الحکمت گورداسپور سے یہ ماہانہ رسالہ حکمت یکم جنوری ۱۸۸۷ء کو جاری ہوا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک وایڈیٹر گیارام میڈیکل آفیسر، جائنٹ ایڈیٹر مولوی نورالدین تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ چودہ آنے تھا۔ عبدالرحمٰن پریس میں چھپتا تھا۔

آئینہ انگریزی سوداگری لندن محلہ سینٹ جان اسکوائر سے یہ سہ ماہی رسالہ جنوری ۱۸۸۷ء کو شائع ہوا۔ ۷۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک مسٹر جگرٹ تھے۔ قیمت سالانہ دو روپے تھی۔ مطبع جگرٹ میں چھپائی ہوتی تھی۔ اس رسالہ میں تمام تر اشتہارات، ولایت کے نرخ نامے، سوداگروں کے پتے درج ہوتے تھے۔

پنجاب ریویو امرتسر سے یہ ماہانہ مشنریوں کا رسالہ یکم جنوری ۱۸۸۷ء کو نکلا۔ ایک سو چھپن صفحات پر مشتمل تھا۔ پادری رجب علی اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپے تھا۔ مطبع وکیل ہند میں طباعت ہوتی تھی۔

اس رسالے میں ملکی معاملات پر بحث کے علاوہ رائے عامہ کے مطابق تہذیب واخلاق اور حسن معاشرت، علوم جدیدہ اور مختلف کتابوں پر ریویو اور مشہور ومعروف اشخاص کے حالات زندگی درج کئے جاتے تھے۔

پنجاب ریویو کی تعریف میں "زبان دہلی" ستمبر ۱۹۱۰ء میں قلم باز خاں بھی رطب اللسان ہیں۔ حالانکہ اس کے صرف پانچ نمبر نکلے تھے پھر بند ہو گیا تھا۔ فرماتے ہیں:

"پنجاب میں جس آب وتاب کے ساتھ مرحوم مبر در پادری رجب علی نے جنوری ۱۸۷۰ء میں امرتسر سے پنجاب ریویو نکالا۔ اس پایہ کا کوئی علمی رسالہ آجتک اردو زبان میں نہیں دیکھا گیا۔ پنجاب ریویو خالص علمی پرچہ تھا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اگرچہ چوتھائی صدی کا گزر چکا ہے۔ مگر اردو کے موجودہ رسائل پنجاب ریویو سے زیادہ عزت اور سوخ حاصل نہیں کر سکے۔ اس کا اول نمبر ایک سو صفحات سے زیادہ حجم کا تھا۔ مگر یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ یہ ایک سو صفحات بیدردی سے رنگے گئے تھے۔ نہیں بلکہ اس کا ہر ایک مضمون پر از معلومات تھا۔ دو تین مضامین کے علاوہ باقی تمام پرچہ قابل ایڈیٹر کے زور قلم کا نتیجہ تھا۔ یہ عجیب معاملہ ہے پادری رجب علی زبان انگریزی سے محض نابلد تھے مگر اس پر بھی وہ اپنے پرچے کے ایک نمبر کے لئے مختلف النوع مضامین لکھتے تھے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ ہم پنجاب ریویو کے ایک نمبر کے مضامین کی فہرست درج کر دیں۔ فہرست مضامین پنجاب ریویو مارچ ۱۸۸۱ء

ایڈیٹوریل: عربوں کی فلاسفی نمبر ۲	صفحات ۱۴
اصول قوانین	صفحات ۱۴
اعلان پنجاب۔ ریویو	صفحات ۳
تذکرۃ المومنین پر ریویو	صفحات ۱۲
روس، انگلستان اور ہند کی پیچیدگیوں پر ریویو	صفحات ۱۴
ماہیت و فوائد کونین	صفحات ۱۶
ایڈیٹوریل نوٹس: ہمارا نوحہ	صفحات ۲
ریاست کشمیر اور انگریزی گورنمنٹ کے تعلقات	صفحات ۸۲"

چشمہ حیات الہ آباد سے یہ ماہانہ رسالہ سولہ صفحات پر یکم جنوری ۱۸۸۷ء کو نکلنا شروع ہوا۔ بانی شیخ نظام الدین اسسٹنٹ ہسپتال، شفاخانہ پھول پور ضلع الہ آباد تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ اس کا دوسرا نام اعجاز نظامی تھا۔

ریاض النبوی شیوراج پور ضلع کانپور سے یہ ماہانہ نعتیہ رسالہ یکم جنوری ۱۸۸۷ء کو طلوع ہوا۔ مالک منشی راج بہادر صاحب زخمی تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ آٹھ آنہ تھا۔ اس گلدستہ کا دوسرا نام فریاد زخمی بھی تھا۔

قیصر الاخبار اناؤ ضلع لکھنؤ سے یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات کا یکم جنوری ۱۸۸۷ء کو جلوہ افروز ہوا۔ مالک سید یعقوب علی تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ مطبع قیصری میں طبع ہوتا تھا۔

کائستھ ریفورمر ایسوسی ایشن آگرہ سے یہ ماہانہ رسالہ یکم جنوری ۱۸۸۷ء کو وجود میں آیا۔ کائستھوں کا آرگن تھا۔ نرائن پرشاد جوائنٹ سکریٹری، بابو ہرگوبند ناتھ

سکریٹری تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ آٹھ آنہ تھا۔

ہمت گوجرانوالہ سے یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر یکم جنوری ۱۸۸۷ء کو جاری ہوا۔ مہتمم منشی محبوب عالم تھے۔ ہر جمعہ کو نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ مطبع خادم التعلیم میں چھپتا تھا۔

چلتا پرزہ دہلی محلہ بھوجلہ پہاڑی سے یہ ہفتہ وار مزاحیہ اخبار بڑی دھوم دھام سے ۱۶ جنوری ۱۸۸۷ء کو نکلا۔ آٹھ صفحات پر ہر یکشنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک میر حسن رضوی ایڈیٹر مولوی عبدالرحمٰن راسخ تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ مطبع رضوی میں چھپائی ہوتی تھی۔

دلگداز لکھنؤ محلہ جھنوائی ٹولہ نزد مکان حکیم یعقوب سے ۲۵ جنوری ۱۸۸۷ء کو یہ ماہانہ رسالہ جلوہ افگن ہوا۔ ۲۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک وایڈیٹر مولوی عبدالحلیم شرر سکریٹری انجمن دارالسلام تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ قومی پریس میں طبع ہوتا تھا۔

اس رسالہ میں سوائے مولانا عبدالحلیم شرر صاحب کے مضامین کے علاوہ کسی دوسرے کا مضمون نہیں ہوتا تھا۔ اس خصوصیت کا ذکر مولانا نے خود کیا ہے، فرماتے ہیں:

> "دلگداز کی خصوصیت ہے کہ اس میں جو کچھ ہوتا ہے خاص ایڈیٹر کے دماغ و قلم کا نتیجہ ہوتا ہے اس میں اور کسی کے مضامین نہیں ہوتے۔ یہ شرط بجائے خود سخت ہے۔ بہت آسان تھا کہ ایک دس پانچ جزو کا رسالہ نکال دیا جاتا جس میں ملک کے بہت سے انشا پردازوں کے مضامین جمع کر دیئے جاتے لیکن دلگداز کو اپنی اس یک رنگی پر ناز ہے اور دست بدعا ہے کہ خدا اس کو آخر تک۔

تباہ ہو رہے ہیں" (دلگداز لکھنؤ جنوری ۱۹۱۲ء)

اس رسالہ میں ادبی سیاسی مضامین بہت کم اور تاریخی معلوماتی بہت زیادہ ہوتے تھے اور معلوم دیتا ہے کہ مولانا شررؔ نے جب سے اس میں ناولوں کو بالاقساط چھاپنا شروع کیا تھا تو لوگوں کی زیادہ توجہ ناولوں پر ہو گئی تھی اور لوگ ناولوں کی مانگ کرنے لگے تھے۔ چنانچہ اس میں کافی ناول بالاقساط شائع ہوئے۔

دل گداز کو مولانا نے جس ماحول میں جاری کیا اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے ناولوں کی مقبولیت اور مانگ کا ذکر جنوری ۱۹۱۵ء کے شمارے میں کیا ہے۔

"اسی عہد میں مولوی محمد حسین آزاد کا لٹریچر ایک بہت ہی پسندیدہ رنگ پیش کر رہا تھا۔ خصوصاً انہوں نے زبان اردو کی تاریخ اور تذکرہ شعراء اردو لکھ کر ادب اردو میں خاص ناموری حاصل کی۔ اسی زمانے میں ۱۸۸۲ء میں "محشر" نام کا ایک ہفتہ وار رسالہ میں نے مولوی عبدالباسط صاحب محشر کے نام سے نکالا۔ جس کے ذریعے سے ایڈیسن کا رنگ اردو میں ایسے دل کش عنوان اور موزوں و مناسب الفاظ و خیالات میں پیش کیا گیا کہ ملک یک بیک چونک پڑا۔ ساتھ ہی میرے مضامین اودھ اخبار کے کالموں میں شائع ہونا شروع ہوئے، جنہوں نے ملک کے سامنے ایک بالکل نیا لٹریچر پیش کیا جو اس قدر مقبول ہوا کہ ہر طرف سے مرحبا کی صدائیں سنی جانے لگیں۔ یکایک نظر آیا کہ اکثر مضمون نگار اسی رنگ کو اختیار کر رہے ہیں اور ملک کا عام رجحان انہی کی طرف ہے۔ اسی درمیان میں میں نے اپنا

ناول "دل چسپ" اور موثر ڈراما "شہید وفا" ملک کے سامنے پیش کیا اور ہر طرف سے حوصلہ افزائی ہونے لگی۔ آخر ملک کا اصرار و تقاضا دیکھ کر آغاز ۱۸۸۷ء سے میں نے رسالہ دلگداز جاری کیا جس کا لٹریچر انگریزی دانوں میں اور پرانے مذاق کے لوگوں میں مقبول ہوا۔ پھر ۱۸۸۸ء سے اس کے ساتھ تاریخی ناولوں کا سلسلہ جاری کیا گیا جس میں سب سے پہلا ناول "ملک العزیز ورجنا" ہے۔ ان ناولوں کو ملک نے جس شوق سے لیا اس کے بیان کرنے کی تو ضرورت نہیں ہے، مگر اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ انہیں ناولوں کی وجہ سے ناولوں کی تصنیف ہونے اور ملک میں ان کے مطالعہ کا شوق بڑھنے کی بنیاد پڑی۔ انہیں ناولوں کے ذریعہ سے ملک میں تاریخ کے پڑھنے اور واقعات عالم سے دل چسپی حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا اور انہیں ناولوں اور دلگداز کے صفحوں نے وہ رنگ پیدا کیا جس پر موجودہ ادب اردو کی بنیاد قائم ہوئی۔"

جو بھی حکومت قائم ہوتی ہے وہ اپنے عقائد کو پھیلانے کی کوشش کرتی ہے جس طرح ہندوستان میں کانگریسی حکومت جو درسی کتابیں داخل کر رہی ہے ان میں ہندو مذہب کے اوتاروں اور رشیوں منیوں وغیرہ کی زندگی کے حالات و کمالات درج کرتی ہے جس سے غیر ہندوؤں کے خیالات اور عقیدے میں فرق پڑ رہا ہے، اسی طرح انگریزوں نے بھی اپنے عہد میں سکولوں وغیرہ میں عیسائی مذہب کو پھیلانے کے طریقے اختیار کئے تھے، اس وقت بھی مسلمانوں کو اپنے بچوں کی فکر ہوتی اس لئے مسلمان بچے اپنے

خیالات بدلنے لگے تھے عیسائی ہونے کا خدشہ رہتا تھا بلکہ کچھ بچے عیسائی بھی بن گئے تھے، چنانچہ مسلمانوں کو اپنے مذہبی اسکول قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی یہاں اور اسکول قائم ہوئے وہاں جسٹس مولانا کرامت حسین نے لکھنؤ میں ایک مدرسہ نسواں قائم کیا۔ مولانا کرامت حسین کی مساعی جمیلہ کا ذکر کرتے ہوئے مولانا شرر نے مئی ۱۹۱۵ء کے شمارے میں اس مدرسہ کی کامیابی کے لئے اسی لئے بیحد ضرورت سمجھی کہ مسلمان گورنمنٹ اور مشنری اسکولوں میں اپنے بچوں کو داخل نہ کریں بلکہ اپنے دینی و مذہبی سکولوں میں تعلیم دلوائیں تاکہ مسلمانوں کے ایمانوں اور عقیدے میں خلل نہ پڑے۔

"مسلمانوں نے آنکھیں بند کر کے لڑکوں کو مشنری اور گورنمنٹ مدارس میں بھیج بھیج کر جو مذہبی اور معاشرتی نقصان اٹھا لیا، ان کے متنبہ ہونے کے لئے بخوبی کافی ہے اور اگر ذرا بھی سمجھ ہے تو لڑکیوں کے بارے میں ایسی غفلت نہ کریں گے۔ لڑکیوں کا معاملہ لڑکوں کو دیکھتے ہوئے بہت نازک ہے۔ لڑکوں کے بگڑنے اور تمام قومی و دینی بندشیں توڑ دینے پر بھی جو قومی معاشرت باقی رہ گئی اس کا باعث صرف لڑکیوں کا اس آفت سے محفوظ رہنا ہے۔ اگر خدانخواستہ لڑکیاں بھی ویسی ہی تعلیم یافتہ ہو گئیں جیسے تعلیم یافتہ لڑکے ہوئے ہیں تو پھر ہندوستان میں نہ اسلام ہی کا پتہ لگے گا اور نہ قومیت کا۔ اب زنانے مدرسے جس کثرت سے کھل گئے ہیں اور ان میں جس بے پروائی سے لڑکیاں جانے لگی ہیں اس سے بخوبی سمجھ لیا جا سکتا ہے کہ تعلیم نسواں کا رد کنا قوت سے باہر ہے۔ جب ہم لڑکیوں کو تعلیم دلانے پر مجبور ہیں

تو کم از کم اتنا خیال رہنا چاہئے کہ ان کو انہیں مدارس میں تعلیم دلائی جائے جو خالص اپنے دین اور اپنی معاشرت کے اعتبار سے پورے ہوں۔"

اسلام اور عقلیت مصنفہ مولوی ظریف ایم اے پر تنقید کرتے ہوئے سر سید اور علامہ شبلی کے مذہبی خیالات کے بارے میں مولانا شرر جو نظریہ رکھتے تھے اس کا اظہار دل گداز لکھنؤ مورخہ اپریل ۱۹۱۱ء میں کیا ہے۔

"سر سید اپنی اصلاح کی کوشش میں ابتداً بہت صحیح اصول پر چل رہے تھے جب تک وہ معاملات دنیوی میں عقل و نقل کی مطابقت کی کوشش کر رہے تھے۔ بجائی پر تھے مگر آخر میں وہ بھی اعتزال کے فریب میں آ گئے۔ دوسرے عالم کے متعلق اور امور مابعد الموت میں بحث کرنے لگے اور یہی ایک غلطی تھی جس نے انہیں بدنام کیا اور بڑی حد تک ناکام بھی رکھا۔ سب سے زیادہ مضرت اس بارے میں مولوی شبلی نعمانی کی تحریریں پہنچا رہی ہیں ...... اس بات کی کوششیں کہ معتزلہ کو برحق اور حقیقت کو اعتزال سے ثابت کیا جائے۔ انبیا کے اخبار و روایات میں جو چیزیں سائنس کی قلمرو سے باہر ہیں انہیں رسیاں باندھ کے عالم سائنس کے اندر کھینچ لایا جائے۔ تمام انگریزی طلبہ کو بغیر اس کے کہ انہیں محسوس بھی ہو معمولی مسلمان سے معتزلی بنا رہی ہیں اور جب معتزلہ بن جانے اور عقل کے خبط میں مبتلا ہونے کے بعد ان کو یہ نظر آتا ہے کہ جن تاویلوں کے ذریعہ سے یہ حضرات عقل و نقل کے مطابق بناتے ہیں وہ کس قدر مہمل اور دور از کار ہیں۔"

سرسید کے عقائد سے مولانا شرر کو اختلاف تھا لیکن ان کی تعلیمی جد و جہد کو سراہتے تھے۔ چنانچہ مارچ ۱۹۱۱ء کے دل گداز میں سرسید مرحوم کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے۔

"ایک مدت کی نا امیدی کے بعد سرسید مرحوم نے ہماری اجڑی ہوئی تاریک سنسان اور خاموش محفل میں علم کا ایک چراغ روشن کیا تھا جس کی شعاعیں مسلمانوں کی تدریجی بیداری کے ساتھ زیادہ روشن ہوتی جاتی تھیں۔ اگلے مذاق کڑوے تیل کے چراغ سے ترقی کر کے وہ لیمپ بنا۔ اس لیمپ کی روشنی میں یوماً فیوماً ترقی ہوتی گئی یہاں تک کہ گیس کے درجہ کو پہنچ گیا۔"

اسلام عین فطرت ہے اس اصول و نظریہ کو تسلیم کرتے ہوئے مولانا عبدالحلیم شرر نے سرسید مرحوم کے نیچر۔ نظریہ اور ان کے مذہبی عقائد کو حسب ذیل واقعہ سے تشبیہ دی تھی۔ ان کا یہ مضمون زیر عنوان "نیچر کی ترقیاں" مارچ ۱۹۱۲ء کے پرچہ میں چھپا تھا۔ اس کا اقتباس یہ ہے:

"یورپ میں ایک جگہ مشہور ہے کہ بعض آوارہ عورتیں مردوں کے مجمع میں برہنہ ہو کے ناچتی ہیں مگر یہ ایک بد تہذیبی و بد اخلاقی کا فعل سمجھا جاتا تھا اور قانون کسی طرح اس کی اجازت نہ دے سکتا تھا۔ جو عورتیں ایسا کرتی بھی تھیں تو پوشیدہ مکانوں میں اور خاص جماعتوں کے سامنے کرتی تھیں۔ یہ مجال نہ تھی کہ عام مجمعوں کے سامنے ننگی ہو کے ناچیں۔ مگر فی الحال پیرس کی ایک باکمال حسینہ نے اپنا کمال عریانی دکھا کے زمانہ کو منوایا کہ ننگا ہو کے ناچنا ہرگز بد اخلاقی نہیں بلکہ فطرت کے بالکل مطابق اور نیچر کی

سب سے زیادہ مکمل جلوہ فرمائی ہے۔ ان بی صاحبہ کا نام مس ویلانی ہے جو پیرس کی بڑی مشہور رقاصہ ہیں۔ مس ویلانی نے مختلف صحبتوں میں پوشیدہ طور پر اپنا یہ کمال دکھلانے کے بعد فی الحال جرمنی کے شہر میونخ میں خاص خاص مشہور مصوروں نقاشوں اور بت تراشوں کو بلا کے ان کے سامنے اپنے برہنہ ناچ کا کمال دکھایا۔ پولس کے افسر جو پرانے اصول اخلاق کے دلدادہ اور لکیر کے فقیر تھے، اس ناچ کو سخت بداخلاقی و بدتہذیبی تصور کرتے تھے اور مس ویلا کی تاک میں لگے ہوئے تھے۔ میونخ کے کسی تھیٹر میں وہ ننگی کھڑی ہوئی ناچ ہی رہی تھیں کہ پولس نے دخل بیجا کر کے صحبت بھر بھنڈ کر دی اور مس ویلا کا چالان کر دیا۔ یہ مقدمہ جب مجسٹریٹ کے اجلاس میں پیش ہوا تو جرمنی کے نصف درجن مشہور و معروف صاحب کمال مصوروں نے آکر شہادت دی کہ ہم نے خود مس ویلانی کو ننگا ہو کے ناچتا دیکھا ہے اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ نہایت اعلیٰ درجہ کا سائنٹفک ناچ تھا جس میں ایک اعلیٰ ترین کمال انسانی نظر آتا ہے اور ہمیں اپنے فن میں ان کے اس ناچ سے بڑی مدد ملی ہے۔ جرمن کے سب سے بڑے نقاش پروفیسر کول باش نے کہا: "یہ رقص علم و فن کی حیثیت سے بڑے اعلیٰ ترین کمال کا ظاہر کرنے والا اور بہت ہی مہذب و معزز تھا۔ میں اپنی بی بی کو بھی یہ ناچ دکھانے لے گیا تھا اور انہوں نے بھی تسلیم کیا کہ اس میں کوئی اعتراض کے قابل بات نہیں ہے۔" میونخ کی آرٹسٹ سوسائٹی کے پریسیڈنٹ پروفیسر پیٹرش نے شہادت

میں اس سے بھی بڑھ کر یہ ارشاد فرمایا۔" میں تو اس دن خوش ہوں گا جب ایسے کمالات بجائے منتخب لوگوں کے عوام کے سامنے اور خلقت عام کے مجمع میں دکھائے جایا کریں گے اور تہذیب انسانی کی یہ ترقی عام مخلوق کے لئے ایک نعمت عظمیٰ ہوگی۔ انسانی جسم کے حسن و جمال کے اظہار سے تہذیب میں کسی قسم کا رخنہ نہیں پڑتا۔" الغرض ایسی ایسی زبردست اور زوردار شہادتیں پیش ہوئیں کہ پولس کو ایسے مہذب و شائستہ فعل پر مس ویلانی کے چالان کرنے پر ندامت ہوئی اور جوری نے فیصلہ سنایا کہ "مس ویلانی اپنے اس رقص سے ایک فن کی اعلیٰ درجہ کی خدمت کر رہی تھیں، یہ عذر کہ ان کا یہ فعل اخلاق عامہ کے اصول کے خلاف تھا بالکل لغو و بے بنیاد ہے۔ چنانچہ اب امید ہے کہ مس ویلانی بہت بے تکلفی و آزادی اور فخر و ناز کے ساتھ اپنا کمال دکھایا کریں گی اور پھر کسی قسم کی مزاحمت پیش نہ آئے گی۔" ہمیں یاد ہے کہ ایک بار سر سید مرحوم لکھنؤ سے علی گڈھ جا رہے تھے۔ گاڑی ہر دوئی کے اسٹیشن پر ٹھہری۔ اکثر لوگوں کو جو اسٹیشن پر موجود تھے اور سر سید صاحب کی زیارت کے مشتاق تھے، دور سے ان کی صورت دکھا دی۔ فوراً سید صاحب کی گاڑی کے سامنے ایک میلا سا لگ گیا اور سندیلہ کے ایک وکیل صاحب نے بڑی جرأت کر کے یہ حرکت کی کہ سید صاحب کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے اور خوشامد و لجاجت سے کہنے لگے "مجھے دکھا دیجئے۔" جب کئی بار انہوں نے یہی سوال کیا تو سید صاحب نے پوچھا

"آخر کیا دکھا دوں"۔ عرض کیا: "نیچر، میں نیچر کے دیکھنے کا مشتاق ہوں اور سنا ہے آپ سے ملاقات ہے"۔ سید صاحب نے ہنس کر کہا: "آپ ہی کے گھر میں ہے جا کر دیکھ لیجئے"۔ مگر ہمیں افسوس ہے کہ ان دنوں مس ویلانی نہ ہوئیں ورنہ سید صاحب انہیں ان کی بی بی کے پاس بھیجنے کے عوض مس ویلانی کے پاس بھیجدیتے"۔

مثنوی گلزار نسیم کی جو بحث اودھ پنچ اور دلگداز میں چھڑی تھی وہ ختم ہو چکی تھی لیکن مسٹر چکبست نے اس کو دوبارہ شروع کر دیا تھا جس کا جواب مولانا شرر نے اپریل ۱۹۰۵ء کے دلگداز میں دیا ہے۔

"مسٹر چکبست نے شمس العلماء مولانا حالی کا جواب دینے کے لئے خاص اہتمام کیا ہے اور اس بحث کو مکرر چھیڑ دیا ہے جو پیشتر اودھ پنچ میں چھڑ چکی تھی۔ ہمارے مہربان کو حالی کا جواب دینے سے پہلے ان اعتراضوں کو اٹھانے کی کوشش کرنی چاہئے تھی جو خود اساتذہ لکھنؤ کی جانب سے وارد کئے جا رہے ہیں۔ باہر والوں کو یقین کامل ہے کہ گلزار نسیم کی زبان خاص لکھنؤ کی زبان ہے جس کے باعث سارے ہندوستان میں لکھنؤ کی زبان کا نہایت ہی غلط اندازہ کیا جاتا ہے۔ دہلی والے گلزار نسیم پر اعتراض کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ اعتراض تمام لکھنؤ اور اہل لکھنؤ کی مستند زبان پر ہے۔ اس لئے ضروری بھی ہے کہ عام پبلک پر ظاہر کر دیا جائے کہ گلزار نسیم میں اہل لکھنؤ کے نزدیک صدہا غلطیاں ہیں اور اس مثنوی کی زبان اہل لکھنؤ کی زبان نہیں ہے۔ میرا مقصد اعتراض کرنا نہیں ہے مگر صرف دو مقصد ہیں (۱) یہ کہ یہ

عام غلط فہمی دور ہو کہ گلزار نسیم کی زبان لکھنؤ کی مسلمہ و مستند زبان ہے۔ (۲) یہ کہ مسٹر چکبست کی توجہ اس طرف مائل کی جائے کہ ان شبہات میں سے جو اس مثنوی کی نسبت اکثر اہل لکھنؤ اور عام شعرا سے اردو کو ہیں، واقف ہو کے ان کو دور کریں اور اس مثنوی کو ویسا ہی پاک و بے عیب کر دکھائیں جیسا کہ میرے نزدیک اسے ہونا چاہیے۔ لہٰذا اب میں مثنوی کے اشعار نقل کرکے لوگوں کے شبہات واعتراضات کو پیش کئے دیتا ہوں مسٹر چکبست کو اختیار ہے چاہیں انہیں تسلیم کریں یا ان کی تردید فرمائیں۔ گلزار نسیم ایسی مثنوی ہے کہ ان اعتراضوں اور شبہوں سے اسے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچ سکتا نہ اس کی خوبیاں کم ہو سکتی ہیں اور نہ اس کی شہرت مٹ سکتی ہے۔ اس لئے کہ وہ باوجود ان غلطیوں کے اعلیٰ درجہ کی اور بے مثل و بے نظیر مثنوی ہے مگر اتنا ضرور ہوگا کہ لوگ دھوکے سے بچ جائیں گے اور ان غلطیوں سے محفوظ رہیں گے جو دکھائی جاتی ہیں۔ بعض اشعار کا مطلب ہی نہیں سمجھ میں آتا۔ ممکن ہے کہ میری فہم کا قصور ہو۔ ایسی صورت میں جن صاحبوں کی فہم رسائی کرتی ہو وہ مجھے سمجھا دیں۔ ؎

صاد آنکھوں کی دیکھ کر بسر کی ۔۔۔ بینائی کے چہرے پر نظر کی

بینائی کے چہرہ پر نظر کرنے سے کیا مراد ہے؟ ؎

ایک بلی جو جھپٹی چوہے کو کھا نپ ۔۔۔ نیولے نے بھگا دیا، دکھا سانپ

سانپ کو نیولا مار ڈالا کرتا ہے مگر یہ دکھا سانپ کیا؟ آخر نیولے نے مداری کا تماشا کیوں دکھایا۔ ؎

سن کے قیدی کے زار نالے — زنجیر کے بیچ سے نکالے

مانا کہ "زنجیر کے ایسے بیچ نکال ڈالے" مگر اس سے یہ مطلب کیونکر نکلا کہ بکاؤلی کے پاؤں سے زنجیر نکال لی؟ سچ یہ ہے کہ یہ شعر یوں ہے:

سن کے قیدی کی زار نالی — زنجیر کے بیچ سے نکالی

زار نالی چاہے غلط ہو مگر مصنف نے اس سے رونے دھونے کے معنی لئے ہیں اور دوسرے مصرعہ میں وہی ترکیب رکھی ہے جو اس کے کلام میں عام ہے زنجیر کے بیچ سے نکالی بجائے زنجیر کے بیچ سے اسے نکالا۔ س ہ

واں پھانس چبھی ہے اس کو غم کی — یاں سانس نہیں ہے ایک دم کی

"ایک دم کی سانس نہ ہونا" اس محاورے کے معنی مجھے معلوم نہیں بعض جگہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے کسی مضمون کے ادا کرنے کی کوشش کی ہے مگر ضروری الفاظ کے چھوڑ دینے سے مطلب خبط ہو گیا ہے اور کامیابی نہیں ہوئی یا کچھ اور مطلب ہو گیا۔ س ہ

چاہا گلچیں کا امتحان لے — پوچھا کہ نگیں جو لے کہاں لے؟

جب تک کسی خاص نگیں کو دکھا کے یہ نہ کہا جائے کہ "اس نگیں کو لے تو کہاں لے" اس وقت تک اس تمام سوال کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔ س ہ

رکنا ہوا اس پری کا مشکل — یہ دل لگی اب لگائے گی دل

پہلے مصرعہ کے ذریعہ سے مصنف نے تو یہ مضمون ادا کرنا چاہا ہے کہ اس پری روح افزا کے ٹھہر جانے سے دشواریاں پیش آئیں مگر زبان پر قدرت نہ ہونے سے مطلب یہ ہو گیا کہ اس کا ٹھہرنا مشکل

ہوا۔ یعنی ٹھہر نہ سکی۔ ؎

شہزادی نے ایک دن پھر آکر　　شادی کو کہا حیا اٹھا کر

"پردۂ حیا اٹھا کر" کی جگہ صرف "حیا اٹھا کر" موزوں تو کر دیا گیا ہے مگر معنی کچھ نہیں رہے۔

بہت سے اشعار میں لفظی غلطیاں ہیں یا تو لفظ کے حرکات غلط ہو گئے ہیں یا ان کے معنی غلط لیے گئے ہیں یا بے محل ان کا استعمال ہو گیا ہے یا ان میں تذکیر و تانیث کی یا اور کسی قسم کی غلطی ہے۔ ؎

"بولا چکھوں گا میں یہ انساں" یا　　بیڑے چکھے پان کے مزیدار

میرے خیال میں ناسخ و آتش کے زمانے سے لے کے اس وقت تک "چکھوں گا" اور چکھے کی جگہ "چکھوں گا" اور "چکھے" غیر فصیح ہی نہیں غلط ہے۔ دوسرے مصرعہ میں صرف "بیڑے" کافی تھا "پان کے بیڑے" محاورے میں اچھا نہیں۔ مسٹر چکبست نے آتش کی جو اصلاح نقل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ استاد نے یہ دونوں غلطیاں نکال دی تھیں مگر نسیم نے بلا لحاظ اس کے کہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے اپنا وہی ناقص مصرعہ قائم رکھا۔ خیر ان کی خوشی مگر خرابی یہ کہ ذمہ دار لکھنؤ قرار دیا جاتا ہے۔ ؎

کھاتے ہی حمَل کا ڈھنگ پایا　　اور وہ بانجھ تھی جب حمَل ہی تو لی

ان دونوں مصرعوں میں "حمل" کی جگہ "حمَل" نظم کر دیا گیا ہے جو قطعاً غلط ہے۔ ؎

بادل سا وہ بحیر آسماں جوش　　بجلی سی لہر سے تھا ہم آغوش

قطع نظر اس کے کہ پہلا مصرعہ بہت بھونڈا ہے لہر کی جگہ لہر یعنی

ہائے متحرک کے ساتھ موزوں کر دیا گیا ہے جو اردو میں غلط ہے۔ ص

جاگی تو سب اس کی جوڑ کی تھیں ۔ اندر کے اکھاڑے کی پری تھیں

اس میں "پری" کی جگہ "پریاں" چاہئے جو نہایت ہی ذلیل قسم کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ ص

خوش لہجہ بہت بکاؤلی تھی ۔ گاتی اور ناچتی بڑی تھی

اول مصرعہ میں خوش گلو یا خوش آواز کی جگہ غلطی سے "خوش لہجہ" کا لفظ استعمال ہو گیا اور دوسرے میں "بڑی" کا لفظ سراسر غلط ہے اور بہت ہی برا ہے۔ یا تو "بڑی ناچنے گانے والی" چاہئے یا یوں کہنا چاہئے کہ "خوب گاتی اور ناچتی تھی"۔ "ناچتی گاتی بڑی" کیا۔ یہاں "بڑی" کا لفظ صرف اس سبب سے بگڑ گیا کہ مسٹر چکبست نے بے سمجھے تصرف فرمایا ہے۔ نامی پریس لکھنؤ کی چھپی ہوئی مثنوی میں اس شعر کا آخری مصرعہ یوں ہے "گاتی اور ناچتی بڑی تھی" یعنی بڑی گانے اور ناچنے والی تھی۔ گو اس پر بھی یہ اعتراض ہوتا کہ گائن کی جگہ "گاتی" اور ناچنے والی کی جگہ "ناچتی" غلط ہے مگر شعر کے معنی پیدا ہو جاتے اور ایسا مہمل نہ رہتا جیسا کہ اسے مسٹر چکبست نے بنا دیا ہے۔ ص

بیجا وہ ہوا کہا کہ جا جا ۔ کیسی رانی کہاں کا راجا

"برہم ہوا" کی جگہ "بیجا ہوا" کہنا میرے خیال میں بہت ہی مبتذل بازاری زبان ہے اور بازار بھی لکھنؤ کا نہیں کہیں اور کا۔"

ہندوستان کے علمار کے مذہبی، دینی اور تعلیمی کارنامے ابد الآباد تک

قائم رہیں گے۔ انہوں نے ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ مرکزِ اسلام مکۂ معظمہ میں اس وقت جب کہ کوئی معقول مدرسہ وہاں قائم نہیں تھا۔ مولانا رحمت اللہ کرانوی مرحوم و مغفور نے مدرسہ صولتیہ کی بنیاد ڈالی جس کا آجکل مکہ معظمہ کی بڑی یونیورسٹی (بڑے مدرسوں) میں شمار ہوتا ہے۔ اس کی افادیت کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا شررؔ نے اس مدرسہ کو ترقی دینے کے لئے اگست ۱۹۱۱ء کے دل گداز میں اپیل کی ہے۔

"مکہ معظمہ اسلام کا اصلی سرچشمہ ہے اور اسی کو اسلامی تعلیموں کا اصلی مرکز ہونا چاہئے۔ خانہ کعبہ اور اس کے حج کی وجہ سے دینی، دنیوی اخلاقی، معاشرتی اور پولٹیکل مواقع مکہ معظمہ کو حاصل ہیں جو دنیا کے کسی شہر کو نہیں نصیب ہو سکتے مگر افسوس دولتِ عثمانیہ اس کے حقیقی موقعوں سے فائدہ اٹھانا جانتی نہیں۔ مسلمانوں کی عام تعلیم خصوصاً دینی تعلیم کی یونیورسٹی فطرتاً مکہ معظمہ میں ہونی چاہئے اور وہیں ہو سکتی ہے۔ لیکن کتنی بڑی حیرت کی بات ہے کہ ترکی سلطنت نے کبھی اس کی کوشش نہیں کی۔ تاہم اس کمی کو مولانا رحمت اللہ صاحب مرحوم نے اپنا مدرسہ صولتیہ قائم کر کے بہت کچھ رفع کر دیا جو فی الحال ان کے جانشین مولانا محمد سعید صاحب کے زیر اہتمام ہے۔ ابتداً یہ مدرسہ ہندوستانی مہاجرین مکہ کی اولاد کے لئے قائم کیا گیا تھا لیکن اپنی عمدہ تعلیم کی وجہ سے۔ ایسی عام مرجعت حاصل کر لی کہ اب تمام قوموں کے طلبہ اس میں تعلیم پاتے ہیں اب اس کے متعلق بورڈنگ ہاؤس بھی جاری کر دیا گیا ہے اور طلبہ کے لئے موقع حاصل ہے کہ اعلیٰ مدرسوں اور اتالیقوں کی زیر نگرانی تعلیم پا کے علم و فضل کے ساتھ اخلاق و معاشرت میں بھی

ترقی کریں مسلمانانِ ہند کو اس مدرسہ کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے ممکن ہے کہ اس کا بار دولتِ عثمانیہ پر ڈالا جائے، لیکن اول تو یہ قومی مدرسہ ہے، ایک ہندوستانی عالم کا قائم کیا ہوا ہے۔ دوسرے حرمِ الٰہی میں ہندوستانیوں کی فیاضی و اولوالعزمی کی یادگار ہے۔"

جمہوریت کیا بلا ہے کیا حیثیت رکھتی ہے اور کیسا پر فریب لفظ ہے اس کی پوری تصویر ہمارے سامنے ہے جو ملک اس کے دعویدار ہیں ان کے ہاں کیا ہو رہا ہے۔ ہندوستان ہو امریکہ ہو یا روس ہو ان کے اعمال نامے سب کے سامنے ہیں، اس جمہوریت کی حقیقت اور صحیح تعریف مولانا شرر نے جن الفاظ میں دلگداز لکھنؤ مارچ ۱۹۱۲ء میں کی ہے اس سے دنیا کی جمہوریت کے ڈھونگوں کا پورا نقشہ ہمارے سامنے آجاتا ہے۔

اس دور میں جمہوریت کا خلل دماغ بہتوں کے دلوں میں پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن یہ خدا کا بنایا ہوا نظام قدرت ہے کہ شخصیت ہمیشہ جمہوریت پر متصرف رہے گی۔ جن ملکوں میں جمہوری سلطنتیں ہیں وہاں یہ نہ سمجھو کہ اختیارات صحیح معنی میں جمہور کے ہاتھ میں ہیں ہاں دراصل شخصیت ہی ہے جو قوم کو دھوکا دے کے اور جمہوریت کا لباس پہن کے ملک پر حکومت کر رہی ہے۔"

مولانا عبدالحلیم شرر: شرر نسباً شیخ ہاشمی و عباسی تھے۔ ۱۸۶۰ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ کچھ دنوں گھر پر تعلیم پائی۔ سات آٹھ برس کا سن تھا کہ مٹیا برج کلکتہ میں ان کے والد نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ سلطان واجد علی کے ذوقِ ریاست اور نفاست پسندی نے مٹیا برج میں چھوٹے پیمانے پر لکھنؤ آباد کر دیا تھا علم و فن

شعر و شاعری کی دل چسپیوں سے فضا معمور تھی۔ شرر نے یہیں ماہر فن استادوں سے تعلیم حاصل کی۔ ان کی ذہنی تربیت میں شہزادوں کی صحبت اور دربادی ماحول کا دخل رہا۔ ۱۸۵۶ء میں جب سلطان واجد علی شاہ کلکتہ روانہ ہوئے تو آپ کے نانا منشی قمرالدین صاحب بھی ان کے ہمراہ تھے۔ جب ان کے نانا کا انتقال ہوا تو اس وقت ان کی عمر پندرہ برس کی تھی۔ یہ اپنے نانا کی جگہ ملازم دربار ہوئے۔ اس ملازمت سے مولانا کو بڑے ادبی فائدے حاصل ہوئے۔ انہیں وہ خطوط دیکھنے کا موقع ملا جو سلطان واجد علی شاہ کے نام بیگمات بھیجا کرتی تھیں جن کی محبت آمیز عبارتیں حسن انشار کا بہترین حسین و جمیل نمونہ تھیں۔ شرر نے خود تحریر کیا ہے۔

"بہرحال میری انشار پرداری کا پہلا نصاب یہی دو نامے تھے جو ظاہری صورت اور باطنی رنگ عبارت دونوں حیثیتوں سے بہت ہی دل کش تھے۔"

۱۹ برس کی عمر میں مولانا شرر لکھنؤ آگئے اور مولوی عبدالحیٔ صاحب سے عربی کی کتب درسیہ ختم کیں۔ اسی دور میں ان کی شادی ہوگئی۔ لیکن اس سے ان کے تحصیل علم کے ذوق میں کوئی فرق نہیں آیا۔ علم حدیث کی تکمیل کے لئے دہلی گئے اور علامہ نذیر حسین محدث کی خدمت میں رہ کر اپنی علمی پیاس بجھائی۔ لکھنؤ واپس آنے کے بعد انہوں نے اپنے طور پر انگریزی پڑھنا شروع کی جس کی وجہ سے انہیں تاریخ وادب کی کتابوں کے ترجمے کرنے میں مدد ملی۔

شرر کی ادبی زندگی کا آغاز صحافت کے ذریعہ ہوا۔ منشی احمد علی کسمنڈوی کی صحبت میں انہوں نے اخبارات میں مضامین بھیجنا شروع کئے۔ اسی زمانہ میں منشی نول کشور نے انہیں اودھ اخبار کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں لے لیا۔ شرر زمانہ اور پبلک کے مذاق کے بڑے نباض تھے۔ انہوں نے لطیفۂ خیال آرائی کو سادہ

اور دل کش اسلوب بیان کے ساتھ کچھ ایسے انداز میں سمویا کہ پورے ملک میں ان کی مضمون نگاری کی دھوم مچ گئی۔ اس کے بعد انہوں نے ہفتہ وار اخبار محشر جاری کیا جو مقبول ہوا۔ ۱۸۸۷ء میں رسالہ دل گداز جاری کیا جس نے اردو کی تاریخی خدمت انجام دی۔ شہرت اور قسمت کی یاوری نے حیدر آباد پہنچایا۔ ۱۸۹۵ء میں وقار الامراء کے لڑکوں کے اتالیق کی حیثیت سے انگلستان گئے جہاں انہوں نے فرنچ زبان سیکھی۔ ۱۹۰۴ء میں مولانا شرر حیدر آباد سے لکھنؤ آگئے اور باقی پوری زندگی علم و ادب کی خدمت میں صرف کی۔ دسمبر ۱۹۲۶ء میں ان کا انتقال ہوا۔

مولانا شرر بڑے ذہین، محنتی اور جفاکش انسان تھے۔ قلم کی روانی کا یہ عالم تھا کہ ہزاروں صفحات پر مضمون نگاری کے دریا بہا دیئے۔ تاریخ، سوانح، مذہب و اصلاح، علمی و ادبی مسائل، ادب لطیف، ناول۔ ان کی جولانیوں کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ مطالعہ وافر، حافظہ قوی اور قوت آخذہ بہت تیز تھی۔ بلاتکلف لکھتے اور خوب لکھتے تھے۔

شرر کو سب سے زیادہ امتیاز۔۔ ناول نگار کی حیثیت سے حاصل ہوا۔ انہوں نے ناول کی بیرونی ساخت میں مغربی فن کے اثرات کو زیادہ سلجھے ہوئے انداز میں نمایاں کیا۔ ان کے یہاں پلاٹ کا واضح تصور ملتا ہے۔ واقعات کی ترتیب میں نظم و ربط کی باقاعدگی نظر آتی ہے۔ مناظر کی مصوری بھی وہ بڑے دل چسپ انداز میں کرتے ہیں۔ اردو میں تاریخی ناول نگاری کی بنا رکھنے کا سہرا ان ہی کے سر ہے۔ فردوس بریں ایک زندہ جاوید افسانوی تخلیق ہے۔ منصور موہنا، ایام عرب، زوال بغداد، فلورا فلورنڈا بھی قابل مطالعہ ہیں۔ انہوں نے اصلاحی اور سماجی ناول بھی لکھے ہیں۔ ان کی کافی تصانیف ہیں۔

مولانا شرر کو شعر گوئی کا بھی شوق تھا۔ سید حیدر علی صاحب طباطبائی نظم

کے شاگرد تھے۔ کلام میں سلاست اور روانی ہے۔ سہ

الجھے تھے دمِ وعظ، وہ واعظ سے نشے میں
سنتے ہیں نکالے گئے مسجد سے شررؔ آج

یہ شوخیاں یہ ناز و ادا یہ لگاوٹیں — کیا چیز تم ہو ہائے اگر بے وفا نہ ہو
تم اور وفا کرو یہ نہ مانوں گا کبھی — اس کو فریب دو جو تمہیں جانتا نہ ہو

کروڑوں آرزوئیں نوحہ خواں تھیں ساتھ میت کے
ہزاروں حسرتیں سر پیٹتی ہیں میرے مدفن پر

شررؔ کی شکل پر کچھ ان دنوں وحشت برستی ہے
مٹے ہیں آج کل حضرت کسی کافر کی چتوں پر

مزا جو ہو پھر فکرِ عقبیٰ حضرتِ واعظ
کسی دن دو گھڑی کو بیٹھ جاؤ بادہ خواروں میں

کیا کیا شررؔ ذلیل ہوئے آبرو گئی
ایسا بھی عاشقی میں کسی کو مزا نہ ہو

اسکول ماسٹر گوجرانوالہ فیروز والہ سے یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر یکم فروری ۱۸۸۷ء کو جاری ہوا۔ ہر دوشنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک منشی محبوب عالم تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ مطبع خادم التعلیم میں طبع ہوتا تھا۔ تعلیم اور اہل تعلیم کی ترقی اس اخبار کی غرض تھی۔

صدر پنچ دہلی محلہ صدر بازار سے یکم فروری ۱۸۸۷ء کو یہ ہفتہ وار اخبار شائع ہوا۔ آٹھ صفحات پر ہر یک شنبہ کو نمودار ہوتا تھا۔ مالک امجد صاحب تھے۔ مطبع احمد المطابع میں بھگوان داس کے اہتمام میں چھپتا تھا۔

معنی جون پور سے یہ ماہانہ شعر و سخن کا گلدستہ ۲۰ فروری ۱۸۸۷ء کو نکلا۔ ۲۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک منشی شیخ بشارت علی بشیر محلہ خواجگی ٹولہ مہتمم سید محمد کاظم نادر محلہ بازار کھتہ، ایڈیٹر سید غلام حسین محلہ مخدوم شاہ ادھن تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ اعظم المطابع میں طباعت ہوتی تھی۔ سرورق پر یہ شعر درج تھا ؎

گلدستہ معنی کے ذرا ڈھنگ کو دیکھو
بندش کے مضامین کے نئے رنگ کو دیکھو

جوبلی پیپر لکھنؤ محلہ گولہ گنج سے یہ پندرہ روزہ اخبار ۱۶ فروری ۱۸۸۷ء کو نمودار ہوا۔ سرپرست حاجی سید نظیر حسین، مالک سید حسن جعفر صاحب جاہ، سید عزیز حسن ایس۔ ایم۔ آئی نائب صدر و ایڈیٹر و لائف سکریٹری محمڈن ایسوسی ایشن تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ مطبع شوکت جعفری میں چھپتا تھا۔

احتشام الاخبار ریاست جاورہ سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم مارچ ۱۸۸۷ء کو جاری ہوا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک سید نظام الدین صاحب تھے۔ سالانہ چندہ چار روپے تیرہ آنہ تھا۔

فیض عام امرتسر ٹاؤن ہال سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم مارچ ۱۸۸۷ء کو وجود میں آیا۔ آٹھ صفحات پر ہر دوشنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک منشی گنڈارام، مہتمم لالہ دیوی دیال تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ۔ مطبع ترنجن پرکاش میں چھپائی ہوتی تھی۔

جعفر زٹلی لاہور محلہ شاہ عالمی گیٹ کوچہ گاہندیاں سے ۴ مارچ ۱۸۸۷ء کو یہ ہفتہ وار اخبار شائع ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ مہتمم

مولوی محمد حسن تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے تیرہ آنہ تھا۔ مالک ملا محمد بخش تھے۔

ملا محمد بخش : ملا صاحب عجیب وغیر معمولی قابلیت کے انسان تھے۔ اَن پڑھ اور جاہل ہونے کے باوجود دو ہفتہ وار اخبار جعفر زٹلی اور ہنٹر کے ایڈیٹر اور مالک تھے۔ ایک مطبع تاج الہند پریس کے نام سے جاری کیا تھا جس میں یہ دونوں اخبار چھپتے تھے۔ جعفر زٹلی سرسید اور نیچریوں کا مذاق اڑانے اور ان پر پھبتیاں کسنے کے لئے وقف تھا اور آخر وقت تک یہی "کارخیر" جاری رہا۔ ملا محمد بخش ۱۸۵۱ء کو لاہور میں پیدا ہوئے اور ۱۹۲۳ء کو وہیں انتقال فرمایا۔ [1]

روشنی لاہور محلہ کشمیری دروازہ سے یہ ہفتہ وار اخبار۔ ۱ر مارچ ۱۸۸۷ء کو طلوع ہوا۔ مالک شیر محمد صاحب تھے۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔

اخبار الاخیار دہلی محلہ جوڑیوالان سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم اپریل ۱۸۸۷ء کو جاری ہوا۔ مالک مولوی شیخ محمد دین، ایڈیٹر منشی حبیب الدین احمد صاحب سوزاں تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ انوار محمدی پریس میں طبع ہوتا تھا یہ اخبار غالباً ۱۸۹۰ء میں بند ہو گیا تھا۔

دہلی ہی پر منحصر نہ تھا بلکہ ہندوستان کے گوشے گوشے میں عیسائی مشنری اپنی دولت و ثروت اور حکومت کی دھونس دھڑلے سے غریب ہندوستانیوں کو اپنے پھندوں میں پھانس رہے تھے۔ پہاڑ ہوں یا جنگل ہوں، دیہات ہو یا شہر ہو غرض گلی گلی کوچے کوچے میں عیسائیت کا پروپیگنڈہ پادری زوروں پر کرتے پھرتے تھے۔ کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ تھا۔ اس ناقابل برداشت حالت

---

[1] تاریخ اقوام کشمیر صـ۸۶ـ۴۔

کو دیکھ کر منشی محمد دین صاحب نے یہ اخبار عیسائیت کی بیخ کنی اور اسلام کو فروغ دینے کے لئے جاری کیا۔ چنانچہ یہ اخبار نظام حکومت پر بھی آزادانہ اور بے باکی کے ساتھ تبصرے کرتا تھا۔ یکم ستمبر ۱۸۸۷ء کی اشاعت میں "غافل حکام کے لئے عبرت" کے عنوان کے ماتحت لکھتا ہے :-

"... ہم جہاں تک ایسے حکام کی ان حالتوں کے سبب دریافت کرنے کے لئے غور کرتے ہیں تو دو صورتوں سے خالی نہیں معلوم ہوتی یا تو وہ عیش پرست بے پرواہ اپنے فرائض منصبی سے ناواقف محض غافل ہوتے ہیں یا مال حرام سے جیبیں گدھے کی طرح پر کرنے کی ہوس ان کو اس امر پر مجبور کرتی ہے کہ اقدام جرائم کی طرف سے دانستہ یا بے پرواہ اور در پردہ ان مردار خور گدھوں کی طرح جو کسی بیمار گرے پڑے جانور کی دم نکلنے کی امید میں علیحدہ کسی درخت کے ٹھنے پر بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں، اپنی مٹھیاں گرم کرنے کی غرض سے اس وقوع کے منتظر رہتے ہیں۔"

منشی محمد دین صاحب مرحوم بڑے نڈر اور بے خوف و بہادر انسان تھے اسی شان سے ان کا قلم بھی چلتا تھا۔ حکام تو حکام وہ حکومت پر بھی نکتہ چینی کئے بغیر نہیں رہتے تھے۔ بڑی متانت اور سنجیدگی کے ساتھ ان کی قلعی کھولتے تھے ۱۸۸۹ء میں جب کہ حکومت برطانیہ ہندوستان کو پورا ہضم کر چکی تھی اور روس ہندوستان پر قبضہ کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔ ان حکومتوں کے اس وقت کے خیالات اور ہندوستان کی حالت کا نقشہ "مشاعرہ روس و انگلینڈ و ہند" کے عنوان کے تحت ۸ر مارچ ۱۸۸۹ء کے پرچے میں کھینچا ہے اور ایک ایک کی زبانی ان کے خیالات و جذبات کی ترجمانی کرائی ہے۔

غزل روس سے

توکل پر بڑھا ہے ہند کی جانب قدم میرا
ہے ہمسر چرخِ اعظم کی بلندی پر علم میرا
مری فوجوں کی جمگھٹ ہند کی سرحد پہ ہوئے گی
دکھا دوں گا کوئی دم میں اگر باقی ہے دم میرا
یہ فالِ نیک پائی میں نے انجیلِ مقدس سے
عرب اسلام کا حصہ ہے، حصہ ہے عجم میرا

غزل انگلینڈ سے

جما ہے سرزمین ہند پر جب سے قدم میرا
نہیں اوجِ فلک سے کم بلندی میں علم میرا
مرے انصاف کی میزان کے پلے یوں برابر ہیں
جو کالوں پر ستم میرا، تو گوروں پہ کرم میرا

غزل ہند سے

غنیمت جانتے ہیں سب وفاداری میں دم میرا
رہے تسلیم سے باہر ہوا ہے کب قدم میرا
مرے آباد گلشن کا عجب اک پھوٹ میوہ ہے
کیا برباد جس نے سب کا سب جاہ و حشم میرا
سیہ بختِ ازل ہوں، نام میرا ہند ہے ہمدم
کرم غیروں کی قسمت میں ہے، حصہ ہے الم میرا

اس اخبار میں کم و بیش حکومت کے ہر ایک محکمے اور شعبے کی بدعنوانیوں پر روشنی ڈالی جاتی تھی اور یہ اخبار حق بات کہنے سے کبھی نہیں چوکتا تھا جہاں

یہ جو برائیاں دیکھتا اس کی نقاب کشائی کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس زمانے میں ریاستوں کی رعایا کی جو ناگفتہ بہ حالت تھی راجوں، نوابوں اور رزیڈنٹوں کی سازشوں کی وجہ سے وہاں کی رعایا جس طرح ستائی جارہی تھی اس کا ذکر اس اخبار کے ۲۲ر اکتوبر ۱۸۸۸ء کے آرٹیکل میں کیا گیا ہے اس کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

"دیسی ریاستوں کی خرابی کا باعث فقط رزیڈنٹ کی خفگی ہے۔ اگر رئیس رزیڈنٹ کو خدا کہنے میں ذرا تامل کرے، ستیاناس ہونے میں کچھ شبہ نہیں۔ کوئی ریاست ایسی نہیں کہ رزیڈنٹوں کے آردروں کے ہاتھوں ستائی نہ گئی ہو۔ یہ رزیڈنٹ دنیا بھر کے نالائق، پست فطرت، کمینہ خصال، ناستودہ افعال اشخاص کو ریاستوں میں ضرور جگہ دلاتے ہیں۔ یہ جب تک رضامند ہیں رئیسوں کو نادری بلکہ چنگیز خانی اختیارات حاصل ہیں۔ رعایا کو لوٹیں ماریں قتل کریں لیکن ادھر رزیڈنٹوں کو نذر، کیبنیٹ، بیگار، دعوت، فرمائش، تحفہ تحائف میں فرق ان کے آردروں کی مدارات کا سلسلہ جاری نہ رہا تو ادھر رعایا کو استغاثوں پر آمادہ کیا گیا۔ اب عرائض کا تانتا لگا ہوا ہے۔ اگر رئیس نے رضامند کر لیا تب مستغیثوں کو ڈنڈے مار کر نکال دیا۔ ادھر رئیس کے اور ان کے مدارالمہام کے آردروں نے مستغیثوں کے کھگو کھگو کر جوتے لگانا شروع کئے۔ کسی کی ڈاڑھی مونڈی، کسی کو ننگا کیا، کسی کو قید کیا غرض سب کو چار دن میں ٹھیک بنا لیا۔"

دہلی والوں اور یوپی والوں کو پاکستان میں ہندوستان کے دیسی پان فراہم نہ ہونے کی وجہ سے جن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے انہی پریشانیوں کا سامنا آج سے ۷۰ سال قبل دہلی والوں کو کرنا پڑا تھا۔ ۲۲ر جولائی ۱۸۸۹ء

کے اخبار کی ایک خبر کا عنوان ہے "پانوں کا شہر بدر ہونا" اس کے بعد یہ پتا دیتے ہے۔

"شہر دہلی کی میونسپل کمیٹی کی ضروریات فراہمی روپیہ نے پانوں کا گھر خوب تاکا ہاتھ دھو کر کمیٹی کی تجویز ان کے حق میں تڈیاں بن گئیں اس وقت پانوں کا محصول اس گائے کی یاد دلاتا ہے جو بیرحم گھوسی کے ہاتھ تلے رہ کر اپنے تھنوں میں دودھ کی ایک دھار بھی نہیں بچا سکتی پانوں کے آڑتیوں نے زیادتی محصول سے گھبرا کر زیر جامع مسجد سے دکانیں اٹھالیں اور شاہدرہ میں حدود ممالک مغربی و شمالی کے اندر جا قائم کیں۔ اب دہلی کے دکانداروں کو شاہدرہ جا کر پان خریدنے پڑتے ہیں۔ سخت شکایت ہے کہ وقت داخلۂ شہر ایک آنہ فی ڈھولی خاک اڑائی اور دو آنہ فی روپیہ محصول چنگی نہ صرف پانوں کی اصل قیمت پر بلکہ خرچ سفر بھی پڑتے ہیں۔ تکلیف سفر دس آنے محصول علاوہ رہا۔ اب سب باتوں پر طرہ یہ ہے کہ کوئی خریدار دس ڈھولیوں سے کم نہ خریدے۔ شہر میں اب پانوں کے نرخ کا حال ابتر ہے۔ وہ غریب پرانے زمانے کی بڑھیاں جو گرانی غلہ اور قلیل سرمایہ کے سبب ان پتوں کو چبا چبا کر دن کاٹتی تھیں، اب وہ ان پتوں کو بھی ترس جائیں گی۔"

منشی محمد دین دہلوی : محمد دین صاحب کے والد ماجد حافظ قاری شیخ محمد حسین صاحب ایک متقی، پرہیزگار، تجارت پیشہ، دیانت دار و صوفی منش انسان تھے جو اپنے وقت کے دہلی کے بہترین قاری تھے۔ جامع مسجد کے شمالی لال قلعہ کے سامنے والے دروازہ میں رمضان شریف کو محراب سناتے تھے۔ ان کے سننے والوں کی تعداد امام جامع مسجد کے سننے والوں سے کہیں زیادہ ہوتی تھی۔

منشی محمد دین صاحب جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے گیارہ سال قبل ۱۸۴۶ء کو دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ مولوی نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کی خدمت میں ان کو لے جایا گیا تھا۔ ابتدائی کتابیں پڑھنے نہ پائے تھے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی شروع ہوگئی اور فکر معاش کی الجھنوں میں الجھ کر رہ گئے۔ لیکن مطالعہ جاری رکھا۔ علمار کی صحبتوں میں کافی وقت گذارتے تھے۔ حاجی امداد اللہ رحمت اللہ علیہ سے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے قبل ان کے والد نے ان کو بیعت کرا دیا تھا۔

اخبار بند ہونے کے بعد بھی منشی محمد دین صاحب مشنریوں کے خلاف کام کرتے رہے خاموش نہیں بیٹھے۔ ۱۸۹۲ء میں دہلی کے معززین اور سربرآوردہ حضرات نے ایک جماعت انجمن مویدالاسلام اور یتیم خانہ لڑکوں اور لڑکیوں کا سکول قائم کیا جس میں حکیم اجمل خاں، مولوی عبدالاحد صاحب مطبع مجتبائی والے، سید احمد امام جامع مسجد، نواب فیض احمد صاحب، حکیم ظہیر الدین صاحب، حکیم رضی الدین صاحب نواب غلام محمد حسن خاں صاحب، مولانا عبدالرحمٰن راسخ، منشی محمد دین صاحب، خان بہادر محمد اکرام اللہ خاں صاحب، مولوی عبدالحق صاحب حقانی، خان بہادر محمد الہٰی بخش صاحب وغیرہ حضرات اس کے سرگرم کارکن، معاون اور سرپرست تھے۔ ان اداروں کی غرض یہ تھی کہ مسلمان لڑکے اور لڑکیاں اسکول نہ ہونے کی وجہ سے عیسائی اسکولوں میں داخل ہوکر عیسائی مذہب اختیار کرنے پر آمادہ ہوجاتی تھیں۔ اسی طرح یتیم خانہ نہ ہونے کی وجہ سے لاوارث بچے مشنریوں کے ہاتھوں میں چلے جاتے تھے۔ ان بزرگان دین کی ان اداروں میں برائے نام شمولیت نہیں تھی جیسے آجکل کے زمانے کا دستور ہے کہ انجمنوں اور جماعتوں میں لیڈروں نے نام لکھوا دیا اور کام سے غافل رہے۔ یہ حضرات گھر گھر اور دکان دکان جاکر چندہ کیا کرتے تھے۔ ہر ایک کے ذمہ ایک وارڈ تھا وہ اس علاقہ کا ذمہ دار تھا۔ چنانچہ ۱۳۱۱ھ کی سالانہ رپورٹ میں

منشی محمد الدین کی جانفشانی اور جد وجہد کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔

"شیخ محمد الدین صاحب ممبر کارکن نے تقریباً تین مہینے سے کام شروع کیا ہے۔ اس قلیل عرصہ میں ۱۹۰ کی رقم وصول کی ہے۔ شیخ صاحب بھی اپنے علاقہ میں سرگرمی اور استقلال سے کام کر رہے ہیں۔"

منشی محمد الدین صاحب مخلص، دیانتدار اور عالی حوصلہ انسان تھے۔ ان میں قومی و ملی ہمدردی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ جس کام یا جس ادارہ میں قوم کی بھلائی دیکھتے اس میں شامل ہو جاتے تھے۔ قوم کے مفاد کی خاطر اپنے بیگانوں کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور وہ کسی طاقت و قوت سے کبھی مرعوب ہونے والوں میں سے نہیں تھے۔ چنانچہ انہوں نے جب یہ محسوس کیا اور ان کے مشاہدے میں یہ بات آئی کہ جامع مسجد کی منتظمہ کمیٹی سے خلاف شرع افعال سرزد ہو رہے ہیں اور وقف کی آمدنی کا مصرف صحیح طور پر نہیں ہو رہا ہے اور ممبران منتظمہ کمیٹی اس کی آمدنی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں تو انہوں نے ۱۹۱۰ء میں جامع مسجد کی منتظمہ کمیٹی کے ممبران کے خلاف حساب فہمی کا دعویٰ دائر کر دیا۔ منتظمہ کمیٹی کے ممبران کون تھے۔ اپنے تھے بیگانے نہیں تھے اور معمولی حیثیت کے بھی لوگ نہیں تھے۔ حکومت کے ناک کے بال تھے جن کے اشاروں پر حکومت چلتی تھی ان کے نام نامی یہ ہیں:۔

۱۔ شاہزادہ مرزا ثریا جاہ گورگانوی خلف مرزا الٰہی بخش۔
۲۔ خان بہادر مولوی عبدالاحد صاحب مطبع مجتبائی والے۔
۳۔ شمس العلماء مولوی سید احمد امام جامع مسجد دہلی۔
۴۔ خان بہادر غلام محمد خاں ولد عنایت الرحمٰن خاں صاحب ٹیا محل دہلی۔
۵۔ حاذق الملک حکیم اجمل خاں صاحب (بلیماران)

۶۔ نواب فیض احمد خاں صاحب ولد نجف خاں صاحب چھتہ شیخ منگلو۔
۷۔ خان بہادر محمد اکرام اللہ خاں صاحب ولد بخشی محمد انعام اللہ خاں صاحب۔
۸۔ حکیم احمد سعید خاں صاحب ولد عنایت الرحمٰن خاں صاحب۔

ان ناموں کو ملاحظہ کیجئے اور خاص طور پر مرزا الٰہی بخش کے صاحبزادے مرزا ثریا جاہ کی پوزیشن سے اندازہ فرمایئے کہ کیا حکومت ان کے خلاف کچھ کر سکتی تھی، اور کیا ان کے خلاف آواز اٹھانا کسی معمولی آدمی کا کام تھا۔ ہرگز نہیں چنانچہ اس استغاثہ کا جو حشر ہونا چاہئے تھا وہی ہوا۔ کلکتہ ہائی کورٹ تک سے خارج ہوا۔ لیکن اعلاء کلمۃ الحق بلند کرنے والے نے بلند کی۔

منشی صاحب دور اندیش و دوربین اور انسانی نفسیات کے ماہر بھی تھے۔ ان کے بڑے صاحبزادے معین الدین صاحب عیسائی مشنریوں کی صحبت میں بیٹھنے لگے تھے جس کی وجہ سے انہوں نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ ان کے عیسائی مذہب اختیار کرنے کے بعد ان کا گھر میں آنا جانا جاری تھا۔ تمام خاندان کے لوگ ان کے گھر میں آنے کے مخالف تھے کہ یہ گھر میں نہ آئے جب یہ عیسائی ہو گیا ہے تو اس کو ہم سے اور ہمارے گھر سے کیا تعلق ہے۔

منشی صاحب اس بائیکاٹ کے مخالف تھے۔ جب بائیکاٹ کا زیادہ زور ہونے لگا تو ایک روز خاندان والوں کو سمجھایا کہ یہ ابھی چھوکرا ہے۔ اس کے اس وقت دو گھر ہیں ایک خاندانی دوسرا عیسائیوں کا۔ خدا نے چاہا تو اس کو عیسائیت سے نفرت پیدا ہو جائے گی۔ اگر تم نے اس کے لئے اپنے گھر کا دروازہ بند کر دیا اور اس نے آنا چھوڑ دیا تو عیسائیت سے نفرت ہونے کے بعد جب یہ دیکھے گا کہ میں اپنے گھر نہیں جا سکتا تو یہ مجبور ہو جائے گا کہ عیسائی ہی بنا رہوں اس لئے اس کو گھر آنے سے منع نہ کرو اور نہ اس سے الجھو۔ اس کو اس کی حالت

پر چھوڑ دو۔ چنانچہ ان کی یہ دور اندیشی کام آئی اور میرے والد ماجد مولوی شرف الحق صاحب مرحوم کے سمجھانے بجھانے پر کچھ دنوں کے بعد صاحبزادے کو عیسائیت سے نفرت ہو گئی اور وہ پھر مسلمان ہو گئے۔

منشی محمد دین ایک وجیہہ، خوبصورت، باوضع اور دبدبے والے بزرگ تھے۔ سانولا سا رنگ تھا، متوسط قد، آنکھیں بڑی بڑی، پیشانی کشادہ اور چوڑی تھی۔ کبھی انگرکھا کبھی اچکن پہنتے تھے۔ گرگابی جوتی کے عادی تھے۔ آپ کے ہم عصر اور دوست مولوی کرامت اللہ صاحب، مولوی عبدالحق صاحب مفسر تفسیر حقانی، مولانا سید امیر حمزہ صاحب، مولوی محمد حسین صاحب فقیر تھے۔ یہ حضرات ان کی عزت کرتے تھے اور ان کی دانائی و فراست کے قائل تھے۔ منشی صاحب کو قرآن مجید سننے کا بہت شوق تھا۔ تمام مشاغل سے فارغ ہو کر بعد نماز عشاء حافظ حفیظ الدین صاحب برادر حافظ زین العابدین صاحب ویسٹ اینڈ واکرز والوں سے جو دہلی کے مانے ہوئے قاری تھے ان سے قرآن مجید سنتے تھے۔ اس کے بعد آرام کے لئے گھر جاتے تھے۔ آپ کو شکار کا بھی شوق تھا۔ دہلی کے اعلیٰ افسران آپ کے ساتھ شکار کھیلنے جاتے تھے۔ نشانہ بازی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ پہلوانی کے بچپن سے عادی تھے ڈھائی تین من کی جوڑی آخر عمر تک ہلاتے رہے۔ ان کی پہلوانی کے ساتھی حافظ شفیع الدین صاحب والد سمیع الدین صاحب، حافظ عبدالرب صاحب والد میاں رشید، فریدالدین صاحب والد ممتاز الدین، محمد اسماعیل صاحب والد اللہ نور اور حافظ حفیظ الدین صاحب تھے۔

پہلے تخت والی گلی میں رہتے تھے۔ ان کا یہ مکان ذاتی تھا۔ جب یہ مکان فروخت کر دیا تو گلی حکیم جی والی میں سکونت اختیار کر لی۔ اسی مکان میں ۷۵ برس کی عمر میں ۱۹۲۱ء میں ۲۶ رمضان کو شب قدر میں انتقال فرما گئے۔ مہندیوں میں

آپ کی قبر ہے۔

آپ کے تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ (۱) صاحبزادے معین الدین (۲) اسلام الدین (۳) اکرام الدین۔ معین الدین کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ اسلام الدین کے ہاں ایک لڑکا محی الدین پیدا ہوا جو آجکل کراچی میں شادی شدہ ہیں۔ لڑکی بھی ایک ہوئی جس کا نام امت الغفور ہے۔ یہ محمدیا مین سے بیاہی گئی تھیں، ان کے خاوند کا انتقال ہوگیا ہے۔ بیوگی کی زندگی دہلی میں گذار رہی ہیں۔ اکرام الدین نے بھی شادی نہیں کی یہ بھی فوت ہو چکے ہیں۔ لڑکیاں (۱) حشرت النساء جو حکیم عبدالستار مرحوم سے بیاہی گئی تھیں۔ حکیم عبدالستار مرحوم کے چار لڑکے حکیم محمد ادریس راشن والے، حکیم محمد عثمان، حکیم محمد صادق حیات ہیں اور محمد اسمٰعیل کا انتقال ہو گیا۔ (۲) رقیہ بی ان کی شادی درونہ عبدالمجید صاحب سے ہوئی۔ یہ پہلے محلہ چوڑیوالان میں رہتی تھیں اب حویلی اعظم خاں میں رہنے کے بعد بھوجلہ پہاڑی پر رہتی ہیں۔ ان کا ایک لڑکا محمد میاں اور لڑکی محمد بی ہے (۳) رابعہ کا نکاح شیخ حبیب بخش صاحب مرحوم سے ہوا۔ چار لڑکے اور دو لڑکیاں ان کے ہاں ہوئیں۔ کراچی میں ان کا انتقال ہوا۔ لڑکے محمد احمد عرف کالا بابو، خلیل احمد، نور احمد، اخلاق احمد ہیں۔ لڑکیوں کے نام رضیہ اور نفیسہ ہیں۔

منشی حبیب الدین سوزاںؔ: سوزاں صاحب کا سلسلہ نسب حضرت ایوب انصاری سے ملتا ہے۔ ان کے والد خواجہ معین الدین انصاری تھے۔ سوزاں صاحب کا وطن سہارن پور تھا وہیں ۱۸۲۷ء میں پیدا ہوئے۔ فارسی زبان میں ان کو مہارت تھی۔ شباب کا زمانہ آیا جب کہ جوانی دیوانی ہوتی ہے اس عمر میں سہارن پور سے دہلی آئے حسن پرست تھے۔ دہلی کے بازار حسن کے چکر کاٹنے لگے۔ صحرائے عشق میں قدم پیمائی کرنی شروع کی۔ عاشقانہ سوز و گداز نے شاعری کی بنیاد ڈالی شعر

کہنا شروع کیا۔ اسناد کی تلاش ہوئی تو مرزا غالب جیسے رندِ مشرب کے سامنے زانوئے ادب طے کیا۔ ایک آتشہ تھے دو آتشہ بن گئے۔ نظم کے علاوہ نثر بھی خوب لکھتے تھے کافی کتابیں تصنیف کیں جن میں قابلِ ذکر گنجِ شائیگاں، تریاقِ مسموم، حالاتِ حکمائے یونان اور تاثیر القلوب ہیں۔ صاحب "تذکرہ گل خنداں" لکھتے ہیں۔

"مرزا غالب کی حیات تک دہلی میں رہے مگر ان کے انتقال کے بعد یہاں جی نہ لگا اور پھر وطن مالوفہ چلے گئے"۔

اس واقعہ کے ثبوت میں جناب مالک رام صاحب مؤلف "تلامذہ غالب" نے یہ شعر پیش کیا ہے۔ ؎

غالب سے کام تھا سو وہ سوزاں گذر گئے
دہلی میں اب جناب کا کیا کام رہ گیا

مرزا غالب کا انتقال ۱۸۶۹ء کو ہوا گویا سوزاں صاحب نے اسی سال سے دہلی چھوڑ دی تھی اور اپنے وطن تشریف لے گئے تھے۔ یہ خیال صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اخبار الاخیار دہلی ۱۸۸۱ء کو جاری ہوا تھا جس کی ادارت کی ذمہ داری ان کو سونپی گئی تھی وہ اس اخبار کو مرتب کرتے تھے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے دہلی کو بالکل خیرباد نہیں کہا تھا۔ رہا مذکورہ شعر کا تعلق تو شاعر جو کچھ کلام میں کہتا ہے اس پر عمل کرنا ضروری نہیں سمجھتا بلکہ وارداتِ قلبی کا اظہار کرتا ہے چنانچہ اس شعر کی بھی حقیقت یہی ہے۔

سوزاں صاحب کا ذریعہ معاش کوئی خاص نہیں تھا پریشان حالی میں زیادہ زندگی گذاری۔ لیکن اپنی اس حالت کا کسی سے ذکر نہیں کرتے تھے بلا کے قانع تھے ملنے والوں کو ان کی تنگی و پریشانی کا قطعاً علم نہیں ہوتا۔ ہنستے ہنساتے زندگی کے دن پورے کئے اور ۱۸۸۹ء میں ۶۵ سال کی عمر پاکے فوت ہوئے۔

ایک مختصر سا دیوان شائع ہوا تھا بقایا کلام افلاس کی نذر ہوا جو طبع نہیں ہو سکا۔ سوزاں صاحب کے کلام میں متانت کے ساتھ ظرافت بھی پائی جاتی ہے۔ زبان سہل اور عام فہم ہے۔ سلہ

دھو سکے تو اپنے دل کے داغ دھو
شیخ منہ کو ہر گھڑی دھوتا ہے کیا

الٰہی آنکھیں پھوٹیں ہاتھ ٹوٹے جس نے دنیا میں
نہ چشم عشوہ زا دیکھی، نہ ساق نازنیں پکڑی

توبہ کا ارادہ تو ہمارا بھی ہے اے شیخ
لیکن ذرا آ جائے بڑھاپا ابھی کچھ اور

سر و ساماں نہیں ہم سے مہیا ہوتے
ورنہ فرعون تو کیا اس کے بھی باوا ہوتے

سن کے بیماریٔ سوزاں کی خبر از رہِ درد
لگے کہنے کہ بڑھاپا ہے خدا خیر کرے

اس مسیحا پر طبیعت جب سے ہے آئی ہوئی
مردنی سی ہے ہماری شکل پر چھائی ہوئی

چاند کی سی شکل جو بیٹھے ہیں یہ منہ پھیر کر
آجکل اپنی طبیعت ان پہ ہے آئی ہوئی

عشق چشم مست ساقی میں ہم از خود رفتہ تھے
جب حریفانِ ازل میں بادہ پیمائی ہوئی

وہ شب وصل اس پری کا سر جھکا کر بیٹھنا
وہ نگہ نیچی وہ چتون اس کی شرمائی ہوئی

سلہ تذکرہ گل خنداں صـ۲۸۶۔

حضرت سودا آں دل اس بے مہر کو دینا نہ تھا

پیرومرشد آپ سے خیر اس میں دانائی ہوئی [1]

جاتے ہیں پر افسوس یہ ہم کو نہیں معلوم

جائیں گے کہاں اور ہم آئے ہیں کدھر سے

آتی ہے تجھے دیکھ کے کیا کیا مرے دل میں

پر کہہ نہیں سکتا ہوں میں ظالم ترے ڈر سے

دوست دہلی محلہ گندی گلی دریا گنج منصل کوچہ پرمانند سے یکم اپریل ۱۸۸۰ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا۔ آٹھ صفحات پر ہر شنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک بابو اماشنکر تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ بارہ آنہ تھا۔ مطبع محب ہند میں طبع ہوتا تھا۔ بابو چھپال سنگھ شیدا دہلوی اس اخبار کے بانی و ایڈیٹر تھے۔ یہ اخبار زیادہ دنوں نہیں چل سکا۔

بابو چھپال سنگھ شیدا: شیدا صاحب دہلی کے رہنے والے اور کھتری برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ شروع عمر میں شاعری کا ذوق پیدا ہو گیا تھا۔ پڑھنے کا ڈھنگ بھی اچھا تھا۔ آپ ہندوستان کے اچھے اخبار نویسوں میں مانے جاتے تھے۔ ۱۸۸۵ء میں آپ نے اخبار "سول اینڈ ملٹری نیوز" لدھیانہ کی ایڈیٹری کی۔ کئی برس تک اس اخبار کا کام کیا۔ اس کے بعد سودیشی کی تحریک شروع ہوئی اور ملک میں بیداری کے آثار نظر آنے لگے۔ اس زمانہ میں آپ لاہور میں اخبار کیسری اور ہندوستان کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ کئی برس کے بعد اودھ اخبار کے ادارہ میں شامل ہوئے۔ اس کے بعد دہلی کے اخبار

---

[1] رسالہ دامن گل چیں لکھنؤ فروری ۱۸۸۵ء۔

ریاست میں گئے۔ وہاں کافی عرصہ تک اس کی ذمہ داری کو نبھایا۔ جس طرح آپ مشہور مضمون نگار تھے اسی طرح خوش فکر شاعر بھی تھے۔ ابتدا میں منشی بہاری لال مشتاق دہلوی کو کچھ غزلیں دکھائیں اس کے بعد اصلاح لینے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اخبار نویسی نے ان کو شعر کہنے کا موقع نہیں دیا۔[1]

ہم اپنے جذبۂ دل کو بھی آزماتے ہیں — کہ کس طرح نہیں آتا ہے یار دیکھیں گے
آہِ شرر نے جگر تک جلا دیا — اے دل ہوس ابھی تجھے باقی آتش کی ہے

بپا کرے گا قیامت غرور جذبۂ دل
کہ آپ آئیں وہ لے جائیں خود منا کے مجھے

اگر وہ صاف باطن ہیں اگر وہ دل کے اچھے ہیں
برا ہرگز ہماری صاف باتوں کا نہ مانیں گے

بجز عشق بتاں، عشق خدا ہم مان لیں کیوں کر
اگر ہم مان بھی لیں حضرت شیدا نہ مانیں گے

شیدا وطن میں چین، نہ غربت میں منزلت
اے ننگِ خانماں تری مٹی خراب ہے

لمعات الاخلاق

بانس بریلی محلہ ذخیرہ سے یکم اپریل ۱۸۸۷ء کو یہ ہفتہ وار اخبار شائع ہوا۔ آٹھ صفحات پر ہر سہ شنبہ کو نکلتا تھا مالک حکیم سید امداد حسین رضوی دبیر انجمن اسلامیہ تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے چار آنے تھا۔ مطبع درخشاں میں چھپتا تھا۔

نامہ منظوم

ضلع مرزا پور سے یکم اپریل ۱۸۸۷ء کو یہ ماہانہ رسالہ جاری ہوا۔ مالک بابو ہنومان پرشاد، ایڈیٹر پنڈت دین دیال شرما تھے۔

[1] خم خانہ جاوید جلد پنجم۔

بارہ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ مطبع ریڈنگ روم میں طبع ہوتا تھا۔

راوی لاہور کمیٹی بازار کوچہ اچاریاں سے یہ ہفتہ وار اخبار ۹ اپریل ۱۸۸۷ء کو نکلا۔ آٹھ صفحات پر ہر یک شنبہ کو نکلتا تھا۔ مہتمم پنڈت ہرگوپال بی، ایچ، جی دتاتری تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ مارننگ اسٹار پریس میں طباعت ہوتی تھی۔

پبلک نیوز لاہور کمیٹی بازار کوچہ اچاریاں سے آٹھ صفحات پر یہ ہفتہ وار اخبار بطور ضمیمہ راوی اخبار ۹ اپریل ۱۸۸۷ء سے نکلنا شروع ہوا۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ چار آنہ تھا۔ راوی مذکور کے مہتمم اس اخبار کے مہتمم تھے۔ مطبع راوی بے نظیر میں طبع ہوتا تھا۔

پیکر گورکھپور محلہ خونی پور سے یہ ماہنامہ شعر و شاعری کا گلدستہ اپریل ۱۸۸۷ء کو نمودار ہوا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک عبداللطیف خاں مہتمم خواجہ محی الدین لکھنوی تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ آٹھ آنے تھا۔ مطبع لطیف الاخبار میں چھپتا تھا۔

افسر الاخبار قلعہ گولکنڈہ حیدرآباد دکن سے یہ ہفتہ وار اخبار چار صفحات پر یکم مئی ۱۸۸۷ء کو ظہور پذیر ہوا۔ ہر شنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک مشتاق احمد تھے۔ سالانہ چندہ نو روپیہ تھا۔ افسر المطابع میں طبع ہوتا تھا۔

کھتری ہتکاری آگرہ محلہ ماہی کٹھان سے یہ ماہنامہ ۲۴ صفحات کا رسالہ مئی ۱۸۸۷ء کو جلوہ افروز ہوا۔ مینیجر منشی دینا ناتھ ٹنڈن ممبر مجلس و خزانچی منشی دیال چند تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ مطبع رحمانی میں چھپائی ہوتی تھی۔

دکن پنچ حیدرآباد دکن بازار شیدی عنبر محلہ گولی گوڑہ سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم جون ۱۸۸۷ء کو طلوع ہوا۔ بارہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک

کشن راؤ، مہتمم عبدالکریم ظریف، ایڈیٹر مولوی غریب الدین تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا، مطبع دکن پنچ میں طباعت ہوتی تھی۔

دوستِ ہند بھیرہ ضلع شاہ پور سے یہ ہفتہ وار اخبار ہر پنجشنبہ کو آٹھ صفحات پر ۲۳ جون ۱۸۸۷ء کو نکلنا شروع ہوا۔ مالک بخشی رام لبھایا سابق پرائیویٹ سکریٹری مہاراجہ والئ جموں و کشمیر، مہتمم حکیم دیوی دیال تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔

شریر لاہور محلہ موچی دروازہ سے یہ پندرہ روزہ اخبار خادم ہند کا ضمیمہ ۲۴ جون ۱۸۸۷ء کو جاری ہوا۔ چار صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک اتم چند کپور تھے سالانہ چندہ دس آنے تھا۔ سرورق پر یہ درج تھا۔

ہم شریر اپنی شرارت سے نہیں باز آتے
غیر کے سر پہ ہیں جادو کی طرح چڑھ جاتے

لسان الملک میرٹھ سے یہ ماہنامہ بیس صفحات کا رسالہ ۱۰ جون ۱۸۸۷ء کو شائع ہوا۔ مالک جناب مولوی سید مرتضیٰ یزدانی، مہتمم منشی احمد صاحب شفق تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ حدیقۃ العلوم مطبع میں چھپتا تھا۔

ناروَمن میرٹھ سے یہ ہفتہ وار اخبار چار صفحات پر یکم جولائی ۱۸۸۷ء کو وجود میں آیا۔ ہر یک شنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک منشی رام سروپ رائے زادہ مہتمم منشی فخر الدین تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ بارہ آنہ تھا۔ فخر المطابع میں طبع ہوتا تھا۔

مناد فیروز والہ ضلع گوجرانوالہ سے یہ ہفتہ وار اخبار چار صفحہ کا یکم جولائی ۱۸۸۷ء کو جلوہ افروز ہوا۔ مالک و ایڈیٹر منشی محبوب عالم تھے۔

سالانہ چندہ مع محصول ایک روپیہ بارہ آنے تھا۔ یہ پیسہ اخبار کا ضمیمہ تھا جس میں ہر قسم کے تجارتی اشتہار نہایت سستی قیمت پر مشتہر ہوتے تھے۔

نغمۂ ہند لاہور سے یہ بارہ صفحات کا ہفتہ وار اخبار یکم جولائی ۱۸۸۷ء کو جلوہ افروز ہوا۔ مالک و ایڈیٹر یوسف علی خاں قزلباش تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ آٹھ آنہ تھا۔ مطبع تحفہ پنجاب میں چھپائی ہوتی تھی۔

خادم الطلباء دہلی محلہ حوض قاضی سے یہ سہ ماہی رسالہ یکم جنوری ۱۸۸۷ء سے طلوع ہوا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک مولوی خواجہ الطاف حسین حالی مدرس اینگلو عربک سکول دہلی، ایڈیٹر منشی ذکاء اللہ خاں پروفیسر میور کالج الہ آباد تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ آٹھ آنہ تھا۔ اس اخبار میں طلباء کے مضامین، سکولوں کے امتحانات کے نتائج وغیرہ شائع ہوتے تھے۔

منشی ذکاء اللہ صاحب دہلوی: موی صاحب اپریل ۱۸۳۲ء میں دہلی کوچہ چیلان کوچہ بلاقی بیگم میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے جس خاندان میں آنکھ کھولی وہ پیڑھیوں سے تیموری خاندان کا اتالیق رہا ہے۔ ان کا شجرہ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے ملتا ہے۔ مغلیہ حکومت کے عہد میں یہ خاندان غزنی میں رہتا تھا۔ مولوی صاحب کے مورث اعلیٰ حافظ محمد علی روزگار کی تلاش میں ہندوستان آئے اور لاہور میں مقیم ہوئے۔ ان کی قابلیت نے دہلی تک پہنچایا اور یہ شاہی اتالیق مقرر ہوئے۔ ان کے بعد مغلیہ خاندان میں اس خاندان کے افراد اتالیق مقرر ہوتے رہے۔

حافظ محمد علی صاحب کے صاحبزادے حافظ محمد ابراہیم صاحب ان کے بیٹے حافظ محمد بقاء اللہ صاحب اور ان کے فرزند حافظ ثناء اللہ صاحب یکے بعد دیگرے اتالیق بنتے رہے۔ مولوی ذکاء اللہ صاحب بھی اتالیق کے امیدوار تھے۔

ان کے دادا حافظ بقاء اللہ صاحب کا دہلی میں فضیلت و لیاقت کا ڈنکا

بجتا تھا۔ اسلامی ادب اور تاریخ میں انہیں بڑا عبور حاصل تھا۔ مولوی صاحب کے شعور نے ان ہی کی آغوش میں آنکھ کھولی تھی۔ ان کی صحبت میں رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان پر اپنے دادا کی خصلت و عادات وخیالات وعقائد کا کافی اثر پڑا۔ ان کے والد حافظ ثناء اللہ صاحب کی ایمانداری زبان زد خاص و عام تھی۔ وہ بہادر شاہ ظفر کے چھوٹے صاحبزادے مرزا کوچک سلطان کے اتالیق تھے جن کو جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں بچانے کے لئے انہوں نے اپنی خدمات پیش کیں۔ انہوں نے ان کی بات پر توجہ نہیں دی اور جے پور چلے گئے۔ جہاں سے وہ قیدی بنا کر رنگون بھیج دیئے گئے۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی زد میں مولوی صاحب بھی آئے۔ ان کا مکان جو قلعہ معلیٰ کے قریب تھا وہ سب نیست و نابود ہوا اور جائیداد ضبط ہوئی۔ جس وقت دہلی میں ہندوستانیوں کے خون سے انگریز ہولی کھیل رہے تھے، انگریزوں کا ظلم شباب پر تھا، حافظ ثناء اللہ صاحب اپنے خاندان کو لیکر کوچہ بکوچہ پھر رہے تھے، لیکن اس خطرناک وقت میں بھی ان کی نماز روزہ میں فرق نہیں آیا۔ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے ڈاکوان کی سمت آتے ہوئے دکھائی دیئے، مولوی ذکاء اللہ ان کی حفاظت کے لئے کھڑے تھے۔ انہوں نے اپنے والد سے بھاگنے کے لئے کہا لیکن انہوں نے جواب دیا، قضا آسکتی ہے لیکن نماز قضا نہیں ہو سکتی۔ اس طرح دم آخر تک ان کی پرہیزگاری میں فرق نہیں آیا۔ آیات قرآنی پڑھتے پڑھتے دنیا سے سدھارے۔

مولوی ذکاء اللہ صاحب چھ سال کی عمر سے اپنے دادا کے ساتھ قلعہ معلیٰ میں جایا کرتے تھے۔ بیگمات ان کی ذہانت سے لطف اندوز ہوتی تھیں۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے دادا سے پائی۔ بارہ سال کی عمر میں دہلی کالج میں ان کو داخل

کیا گیا۔ انہوں نے ریاضی، طبیعات، تاریخ، جغرافیہ اور عربی و فارسی میں اپنی قابلیت کا سکہ جما شروع کر دیا اور تھوڑے دنوں میں اپنی کلاس میں امتیازی حیثیت حاصل کر لی اور بارہ سال کی عمر میں کالج میں اول انعام پایا۔ دہلی کالج میں طلبا کی حوصلہ افزائی کرنے کے لئے اول نمبر پہ پاس ہونے والے کو وظیفہ دیا جاتا تھا جس میں مولوی صاحب زیادہ وظیفے لیتے تھے۔ شعبۂ فارسی میں چار وظیفے پانے والوں میں مولوی صاحب بھی تھے۔ تعلیم پانے کے بعد بھی ان کا انعامات کا سلسلہ جاری رہا۔ تعلیم نسواں کے صلہ میں ڈپٹی انسپکٹری کے زمانہ میں خلعت ملا۔ ریاضیات کے سلسلہ میں حکومت نے پندرہ سو روپے انعام میں دیئے اور خان بہادر شمس العلماء کے خطاب سے بھی نوازا گیا۔ [1]

مولوی ذکاء اللہ صاحب کے استاد مولانا امام بخش صہبائی اور ریورنڈ ماسٹر رام چندر صاحب تھے۔ ان کا یہ انتہائی احترام کرتے تھے اور کالج کے ہم جماعت مولانا محمد حسین آزاد اور ڈپٹی نذیر احمد صاحب تھے جو مولوی ذکاء اللہ صاحب کے ساتھ زندگی بھر رہے۔ ان کے تعلقات میں کبھی فرق نہیں آیا۔ جس زمانہ میں مولانا محمد حسین صاحب آزاد کا دماغ خراب ہو گیا تھا اس وقت بھی ان کی دوستی جاری رہی۔ اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ مولوی ذکاء اللہ صاحب حجامت بنوا رہے تھے، آزاد اس نوبت آنکلے اور فرمانے لگے یہ نائی خط بنانا کیا جانے میں بناؤں گا۔ یہ کہا اور نائی سے استرا لے کر خط بنانا شروع کر دیا کہ اتنے میں مولوی صاحب کے ایک پرانے دوست ننھے خاں آ گئے۔ یہ صورت دیکھ کر حیران ہو گئے مگر خاموشی سے اس منظر کو دیکھتے رہے۔ جب مولانا آزاد حجامت بنا کر فارغ ہو گئے اور نائی کو استرا دے کر کمرے

---

[1] مضمون نذیر احمد صاحب دہلی کالج اردو میگزین ۱۹۵۲ء۔

میں چلے گئے تو ننھے خاں صاحب نے مولوی صاحب سے کہا "خوب مولانا صاحب تو پاگل تھے مگر تم ان سے بھی بڑھ کر دیوانے بن گئے کہ ایک پاگل کے ہاتھ میں استرا ہے اور تم نے اپنا گلا اور چہرہ اس کے سامنے کر دیا۔ اگر وہ تمہارا گلا کاٹ دیتے یا ناک اڑا دیتے تو کیا کرتے۔" مولوی صاحب یہ فقرے سن کر مسکرا دیئے اور بڑی متانت سے فرمایا "بھئی جیسا ہمارا دوست پاگل ویسے ہم پاگل۔ ہم دونوں بچپن کے سچے دوست ہیں وہ مجھ کو کبھی آزار نہیں پہنچا سکتے۔ سچی محبت ہر حال میں یکساں رہتی ہے۔" [1]

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مولوی ذکاءاللہ صاحب نے دہلی کالج میں بیس روپے ماہانہ پر معلم ریاضی کی خدمت قبول کی۔ اس کے بعد آگرہ کالج میں اردو لٹریچر کی تعلیم پر مامور ہوئے۔ سات سال تک معلمی کی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۸۵۵ء میں بلندشہر و مراد آباد کے لئے ڈپٹی انسپکٹر مدارس مقرر ہوئے اور گیارہ سال تک نہایت کامیابی سے اس فرض کو انجام دیا۔ ۱۸۶۶ء میں دہلی نارمل اسکول کی صدر مدرسی کی۔ تین سال کے بعد ۱۸۶۹ء میں اورنٹیل کالج لاہور کی پروفیسری کے لئے مامور ہوئے۔ چارج لینے سے قبل میور سنٹرل کالج الہ آباد میں پروفیسر ورنیکلر سائنس اینڈ لٹریچر و فیلو الہ آباد یونیورسٹی مقرر ہوئے۔ یہاں سے پنشن لینے کے بعد تصنیف و تالیف میں مصروف ہو گئے۔

الہ آباد کالج میں بھی مولوی ذکاءاللہ صاحب نے جدید علوم کی تحصیل کے لئے اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کا بیڑہ اٹھایا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ہندوستانی بچوں کو بیرونی زبان میں تعلیم دینا ان کی دماغی صلاحیتوں کو سلب کرنے کے مترادف ہے۔

---

[1] محمد حسین آزاد۔ صفحہ ۵۲۔

بغیر نصاب کی کتابوں کے تعلیمی مشکلات کا انہیں ذاتی تجربہ تھا اس لئے انہوں نے اپنے شاگردوں اور خصوصاً آئندہ آنے والی نسلوں کے مفاد کے لئے اردو میں ریاضی سائنس، اقتصادیات، سیاسیات، تاریخ اور جغرافیہ وغیرہ کی کتابوں کا ترجمہ کرنا شروع کر دیا۔ ان کی یہ کتابیں پنجاب کی یونیورسٹیوں کے نصاب میں عرصہ تک جاری رہیں۔

مولوی ذکاراللہ صاحب اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ تندرست و توانا، حسین اور ذہین تھے۔ سوائے نزغ کی بیماری کے وہ کبھی بیمار نہیں ہوئے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میری تندرستی کا باعث میرا پابند اوقات و عادات ہے۔ ایک مرتبہ جب ان کے مکان کی مرمت ہو رہی تھی، دوسرے مکان میں کھانا کھانے جایا کرتے تھے۔ راستے میں سرسید مرحوم کے پسر کلاں سید حمید کا مکان پڑتا تھا۔ ایک روز انہوں نے دیکھا کہ حمید اپنے ہاتھ میں گھڑی لئے کھڑے ہیں۔ رک کر انہوں نے ان سے معلوم کیا تو حمید نے جواب دیا "رات کو چابی نہ دینے کی وجہ سے گھڑی بند ہو گئی تھی اب آپ کی چہل قدمی کے وقت سے ملائی ہے۔" مولوی صاحب نے مسکرا کر جواب دیا "اچھا آپ مجھے ایک بند گھڑی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔"[1] دونوں کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ اس طرح ان کے اوقات میں ایک منٹ کا بھی فرق نہیں آ سکتا تھا۔ لکھتے وقت کسی کا بلانا انہیں شاق گذرتا تھا۔

مولوی صاحب نے اپنی زندگی کے شروع میں جو اصول مرتب کئے انہیں آخر تک نبھایا۔ آپ روشن خیال، تعلیم جدید کے سرگرم حامی اور پرانی وضعداری کے پابند، کریم النفس، وسیع الاخلاق، منکسر المزاج، روشن دماغ، خیر خواہ عامہ خلائق

---

[1] ذکاراللہ آف دہلی ص ۱۴۵۔

راسخ الاعتقاد، صلح کل اور مرنجاں مرنج انسان تھے۔ دماغی طور پر ترقی پسند لیکن پرانی وضع کے پابند تھے اور مغربی تہذیب کو "شاخ نازک پہ ناپائیدار آشیانہ" سمجھتے تھے۔ بقول ڈپٹی نذیر احمد صاحب۔

"باوجودیکہ سر سید احمد خاں کے پٹھو تھے مگر انہوں نے ساری عمر ترکی ٹوپی نہیں اوڑھی، انگریزی جوتی تک نہیں پہنی اور جاڑوں کے دنوں میں بوڑھے بنئے کی طرح روئی دار پاجامہ پہنے رہتے تھے، حسد ان کو چھو تک نہیں گیا تھا۔"

مولوی ذکاء اللہ صاحب غمزدوں کے رفیق، بیکسوں کے شفیق تھے۔ نوکروں اور خادموں سے دوستوں اور عزیزوں کا سا برتاؤ کرتے تھے۔ ان کی خدمات کو ان کی محبت اور احسان سمجھتے تھے۔ ان کی ضروریات بہت مختصر تھیں۔ صرف ایک خادم تھا جو ان کا آخر تک رفیق حیات رہا۔ انہیں اس کی وفاداری کا اعتراف اور اس کے آرام و دکھ کا ہمیشہ خیال رہتا تھا۔ ایک مرتبہ جب ان کی مالی حالت بھی اچھی نہیں تھی ایک اچھوت بیوہ عورت امداد کے لئے آئی۔ اس کی مجبوری کا خیال کرتے ہوئے انہوں نے اسے پنکھا جھلنے پر رکھ لیا تھا۔ اپنا خرچہ کم کر کے اس کی اجرت میں اور اضافہ کر دیا۔ گرمیاں ختم ہونے پر جب اس کی ضرورت نہ رہی تو انہوں نے اس کی مزید امداد کی اور کپڑے بنا کر دیئے۔

ان کی طبیعت میں ظرافت و شوخی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ان کی لطیفہ گوئی اور خوش مذاقی کا چرچا تھا۔ ان کی ہنسی غضب کی ہوتی تھی۔ ان کی خوش گپوں اور دل لگی سے لوگوں کے پیٹ میں بل پڑ جاتے تھے۔ ان کی بات بات میں لطافت، شستگی، شوخی اور زور ہوتا تھا۔ ان کا گھر شہر میں خوش مذاقی کے لئے مشہور تھا۔ جہاں لطافت و ظرافت کے دریا اور قہقہوں کے چشمے ابلتے رہتے

تھے بقول حالی وہ اپنے دوستوں میں بلبل ہزار داستاں لیکن مجمع میں بے زبان تھے۔ ان کے چٹکلے اور دلچسپ لطائف و ظرائف ضرب المثل ہو گئے تھے۔

ایک مرتبہ ان سے کسی نے معلوم کیا کہ مرزا غالب کو ریاضی میں بھی کچھ دخل تھا یا نہیں؟ انہوں نے کہا ایسا ہی دخل تھا جیسا کہ مجھے شاعری میں۔ مولوی ذکاء اللہ صاحب کا آخری کارنامہ ان کے قدیمی دوست مولوی سمیع اللہ صاحب کی سوانح عمری ہے۔ مولوی سمیع اللہ صاحب الہ آباد یونیورسٹی کے روح رواں اور سرسید مرحوم کے دست راست تھے۔ وہ اودھ ضلع ججی سے ریٹائر ہو کر مولوی صاحب سے تین برس قبل فوت ہو گئے تھے۔ مولوی صاحب ان کی موت سے بہت متاثر ہوئے۔ انہوں نے بڑی محنت کے ساتھ ان کی سوانح عمری لکھی۔ جس کی وجہ سے وہ علیل ہو گئے۔ مولوی صاحب کی وفات سے تین ہفتے پہلے مولانا حالی ان کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ مولوی صاحب نے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد مولوی سمیع اللہ صاحب کی سوانح عمری کی ایک جلد ان کو پیش کی اور کہا یہ میری آخری تصنیف ہے اس نے میری جان لے لی۔ جب مولانا حالی رخصت ہونے لگے تو آہستہ سے رقت بھری آواز سے کہا: "یہ ہماری آخری ملاقات ہے خدا تمہاری ہر راہ میں حفاظت کرے۔" ان کی پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی اور دونوں دوست پھر ایک دوسرے سے نہ مل سکے۔ اور ۱۹۱۰ء مطابق ۱۳۲۸ھ میں وفات پائی۔ پروفیسر حامد حسن قادری نے یہ تاریخ وفات کہی۔ ع

یافت قرب شفیع امم، ذکاء اللہ

۵۴۱ ۷۸۶ ۱۳۲۸ھ

مولوی ذکاء اللہ صاحب نے ریاضیات، تاریخ و جغرافیہ، علم و ادب، علم اخلاق، طبیعات و ہیئت، سیاست و مدن پر بقول مولانا ذکاء اللہ ۱۶۰

کتابیں لکھی ہیں۔ ان کی تصانیف کے بارے میں اہلِ علم کی رائیں کیا ہیں ذیل نقل کی جاتی ہیں۔ [1]

مولوی بشیر الدین صاحب خلف ڈپٹی نذیر احمد واقعات دارالحکومت جلد دویم میں تحریر فرماتے ہیں:

"فن تاریخ اور ریاضی میں علی الخصوص مسلمانوں میں آپ کا جواب نہ تھا۔ آپ کی تصانیف ایک نہیں دو نہیں سینکڑوں ہیں جتنی ضخیم کتابیں آپ نے تصنیف کیں اور ترجمہ کیں، کسی نے نہیں کیں......بالکل عالمانہ اور فلسفیانہ رنگ تھا۔ گو شمس العلماء تھے مگر کہلائے ہمیشہ منشی اور یہ لفظ تھا بھی بہت موزوں۔ اتنا بڑا منشی یعنی لکھاڑ کوئی دیکھنے میں نہیں آیا۔ خدا جانے قلم تھا یا مشین رواں تھا۔ یہ معلومات کا ایک نامحدود و غیر متناہی ذخیرہ۔ ایسے لوگ کہاں پیدا ہوتے ہیں اور شاید پیدا ہوتے ہوں مگر فی زمانہ مسلمانوں میں تو ہوتے نہیں اور سارا ہندوستان چھان مارو ایک بھی ان جیسا نہیں ملے گا۔"

رام بابو سکسینہ تاریخِ ادب اردو میں لکھتے ہیں:

"تاریخ ہندوستان میں ریسرچ سے کام لیا ہے اور عامۃ الناس کے لئے ہے۔ ان کی تمام کتابوں کا طرز تحریر نہایت سلیس اور عبارت آرائی اور تصنع سے بالکل صاف ہے اور سب اسکولوں میں پڑھے جانے کے قابل ہیں۔"

---

[1] مضمون نذیر احمد صاحب، قدیم دہلی کالج نمبر ۱۹۵۳ء۔

عنبر احمد جان صاحب ایم اے نے تنویر ادب میں یہ رائے دی ہے۔

"آپ کا طرز نگارش سلیس رواں اور بے تکلف ہے۔ بڑے سے بڑے حال کو نہایت مختصر عبارت میں لکھ دیتے ہیں اور مشکل سے مشکل بات کو چند الفاظ میں سلجھا دیتے ہیں۔"

مولوی ذکاء اللہ صاحب نے صرف خادم الطباء کی ایڈیٹری نہیں کی بلکہ الہ آباد کی ملازمت کے زمانہ میں مدرسہ تعلیم رفاہ عام کے آرگن "حاشیۂ ہند" کے سرپرستوں اور بانیوں سے تھے۔ یہ ہفتہ وار اخبار جنوری ۱۸۸۳ء کو جاری ہوا تھا۔[1]

خیال محبوب حیدرآباد دکن محلہ پرانی حویلی کے متصل سے جولائی ۱۸۸۰ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک مولوی عبدالسلام صاحب اعرشی تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ نظام پریس میں طبع ہوتا تھا۔

داغ دل بریلی سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۵ جولائی ۱۸۸۰ء کو شائع ہوا۔ مالک حکیم سید محمد یٰسین خلف سید عنایت حسین صاحب سلیس اسپرنٹنڈنٹ تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔

بنگلور اخبار بنگلور محلہ چاندنی سے یہ ہفتہ میں دو بار اخبار جولائی ۱۸۸۰ء کو چار صفحات پر نکلنا شروع ہوا۔ ہر شنبہ و چہارشنبہ کو نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ چار روپے آٹھ آنے تھا۔ بنگلور پریس میں چھپتا تھا۔

پیام ناگپور سے یہ ہفتہ وار اخبار ۲۴ جولائی ۱۸۸۰ء کو نمودار ہوا۔ آٹھ صفحات پر ہر دوشنبہ کو نکلتا تھا۔ مہتمم و ایڈیٹر جہانگیر خاں صاحب تھے۔ قیمت سالانہ تین روپیہ تھی۔ البرٹ پریس میں چھپائی ہوتی تھی۔

---

[1] اختر شہنشاہی صہ ۱۰۴

مشیرِ ہند لدھیانہ سے یہ ہفتہ وار اخبار جولائی ۱۸۸۷ء کو جلوہ افروز ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ مالک شرف الدین صاحب شرف تھے۔

انبالہ گزٹ انبالہ مکان رائے جسونت رائے رئیس باغ والے سے یکم اگست ۱۸۸۷ء کو یہ ہفتہ وار سولہ صفحات کا اخبار نمودار ہوا۔ مالک لالہ ہربنس رائے تھے۔ ہر یکشنبہ کو نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ چار روپے تیرہ آنہ تھا۔ مطبع گزٹ میں چھپتا تھا۔

بہارِ سخن گورکھپور محلہ کمو گرپور سے یہ ماہنامہ شعر و شاعری کا گلدستہ ۱۵ اگست ۱۸۸۷ء کو رونق افروز ہوا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک منشی محمد مبین صاحب جلیسؔ مچھلی شہری، مہتمم منشی حافظ محمد طہٰ صاحب نشترؔ تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ سرورق پر یہ شعر درج ہوتا ہے

جھالی باغ مضامیں پہ گھٹا بن کے بہار
اس تور لے ہوئے بیٹھے تھے طبیعت والے

منشی محمد مبین جلیسؔ: آپ قصبہ مچھلی شہر ضلع جونپور کے رہنے والے تھے۔ جناب احسان شاہجہان پوری کے شاگرد تھے۔ فارسی کی استعداد معقول تھی شعر اچھا کہتے تھے ؎

گھونگھٹ میں تڑپتی ہے ان آنکھوں کی شرارت
لے جیں وہ ارمان بھرے دل کے لئے ہے

صراحی سے نہ کچھ مطلب، نہ مینا کی مجھے خواہش
یہاں خونِ تمنا سے لبالب ساغرِ دل ہے

بتوں پر جان جاتی ہے حسینوں پر فدا دل ہے
مری مٹی میں خاکِ کشتگانِ عشق کامل ہے

دل پسے ہیں جس چال میں وہ لغزش پا ہے
ساقی تری رفتار میں مستانہ ادا ہے

قیامت ہیں جلیسیں اب ان بتوں کو کیا کہیں ہوا
کسی سے کیا کہیں کیونکہ مرے ہیں کون قاتل ہے

جوبلی گزٹ میرٹھ سے مجلس تہذیب کایستھان کا یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر ۱۸ اگست ۱۸۸۰ء کو جاری ہوا۔ ہر شنبہ کو نکلتا تھا۔ مہتمم منشی گھانسی رام، ایڈیٹر منشی گنس سروپ تھے۔ اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔ جوبلی پریس میں طبع ہوتا تھا۔

انیس ... محلہ ... گلی محلہ گوبند عطار سے یہ ہفتہ وار اخبار ہر شنبہ کو ۱۷ اگست ۱۸۸۷ء کو شائع ہوا۔ مالک مولوی عبدالغفار، ایڈیٹر منشی امداد حسین تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ احسن المطابع میں چھپتا تھا۔

سرمۂ روزگار آگرہ باغ گلاب سے یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات کا ۱۲ اگست ۱۸۸۷ء کو نکلا۔ ہر سہ شنبہ کو شائع ہوتا تھا۔ مالک سید عشرت حسین، مہتمم مرزا خادم حسین تھے۔ سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔ مطبع منظر علم میں چھپائی ہوتی تھی۔ اس کے سرورق پر یہ شعر درج تھا۔ ؎

خاکساری سے عجب رتبہ اعلیٰ پایا
دیدۂ اہل جہاں میں رہا سرمہ ہو کر

ملہم عالم دہلی محلہ بلیماران سے یہ ہفتہ وار اخبار ۵ اگست ۱۸۸۷ء کو روز افزوں ہوا۔ مالک و مہتمم و ایڈیٹر منشی محمد اسماعیل ... تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ ہر دوشنبہ کو نکلتا تھا۔ مطبع فاروقی میں طباعت ہوتی تھی۔

آفتاب محشر علی گڑھ سے یہ پندرہ روزہ اخبار ۱۵ر ستمبر ۱۸۸۷ء کو جاری ہوا بارہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک لالہ کندن لال بشر، مہتمم لالہ سکن لال تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ مطبع کوہستھ پرکاش میں طبع ہوتا تھا۔

نوید امید کان پور محلہ ٹھنڈی سڑک سے ستمبر ۱۸۸۷ء کو یہ ماہنامہ رسالہ شائع ہوا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مہتمم بی نظیرا۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔

ویکلی رپورٹ آگرہ محلہ باغ گلاب سے یہ ماہنامہ ستمبر ۱۸۸۷ء کو عرصۂ وجود میں آیا۔ مالک سید عشرت حسین، مہتمم مرزا خادم حسین تھے۔ مطبع منظر طلسم میں چھپائی ہوتی تھی۔

ہلال بھوپال متصل کوتوالی سے ۱۹ر ستمبر ۱۸۸۷ء کو یہ ماہنامہ آٹھ صفحات کا ظہور میں آیا۔ مہتمم محمد حسن سکریٹری انجمن تہذیب تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔

ادیب لکھنؤ سے یہ ماہنامہ علمی وادبی ۱۵ر اکتوبر ۱۸۸۷ء کو جاری ہوا مالک ہدایت رسول نحوی سکریٹری انجمن تجارت تھے۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔

بہار ہند لکھنؤ چوک سے یہ ماہنامہ رسالہ یکم اکتوبر ۱۸۸۷ء کو ۲۰ صفحات پر شائع ہوا۔ مالک شیخ اصغر علی و محمد علی تاجران عطر، مہتمم مرزا محمد مرتضیٰ عرف مچھو بیگ عاشق تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ مطبع انوار محمدی میں طبع ہوتا تھا۔

مچھو بیگ عاشق: آپ مولوی مصطفیٰ خاں صاحب مطبع مصطفائی کے داماد تھے۔ ان کے والد مرزا اصغر علی شرفائے لکھنؤ میں بہت ممتاز تھے اور نواب اصغر علی خاں نسیم دہلوی کے شاگرد تھے۔ "اودھ پنچ" کے معروف نامہ نگاروں میں

تھے۔ ستم ظریف لکھنوی کے نام سے مضامین لکھا کرتے تھے۔ آزاد منش اور رند مشرب انسان تھے۔ مرزا صاحب نے اودھ پنچ میں جاند ٹو خانوں کے بارے میں جو مضمون لکھا تھا وہ ادبی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوا۔ لکھنؤ کی بیگماتی زبان میں آپ نے ایک مثنوی "نیرنگ خیال" لکھی تھی۔ ایک لغات بھی مرتب کی تھی جس کے حصہ اول میں الف ممدودہ اور الف مقصورہ" کے سب کے الفاظ ہیں۔ دوسری جلد ترتیب دے رہے تھے کہ فوت ہو گئے۔ ان کی زبان نہایت صاف شستہ اور بذلہ سنجی نہایت لطیف ہوتی تھی۔ خوددارانہ طبیعت پائی تھی اس لئے ملازمت کرنے سے گریز کرتے تھے۔ سیاسیات سے گہری دلچسپی لیتے تھے۔ ایک دفعہ کانگریس کے ڈیلی گیٹ بھی منتخب ہوئے۔ منشی گپتا ان کے مشہور شاگرد تھے۔ گلزار سخاوت، میلاد شریف، آفتاب قیامت (لیکچر کے انداز میں ظریفانہ نظم) بہار ہند، چشم بصیرت (مجموعہ مضامین) ان کی تصانیف تھیں۔[1] فن شعر گوئی میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ کلام سرتاپا عاشقانہ رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ ؎

اسی نظر سے ہے واعظ کو شوق جنت کا
پئیں گے مفت کی چل کر شراب کوثر پر

حسن پریوں کا سنا کرتے تھے پر کچھ بھی نہیں
دور کے ڈھول سہانے تھے مگر کچھ بھی نہیں

میں دل لگا کے بہت خوش ہوا تھا ان سے ہوا
خطا معاف ہو ایسی نظر بھر ہو گی

جلتا ہے بتوں کے عشق میں دل
کیا قدر ہوئی خدا کے گھر کی

یہ اس کی شان کر گئی تاثیر یار پر
مری دعا کہ نام کو جس میں اثر نہ تھا

---

[1] "تاریخ نظم و نثر اردو" ص ۲۲۶۔

خورشید اعظم گڈھ سے یہ ہفتہ وار اخبار سولہ صفحات پر ۱۳؍اکتوبر ۱۸۸۷ء کو نکلا۔ ہر پنجشنبہ کو شائع ہوتا تھا۔ مالک و ایڈیٹر و کاتب شیخ الہام علی سوہانی، مہتمم شاہ منصور عالم تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ مطبع الہامیہ میں چھپتا تھا۔

گلزارِ سخن حیدر آباد دکن رجمنٹ بازار محلہ عبدالرزاق سکندر آباد سے یہ ماہنامہ ۲۸ صفحوں کا یکم اکتوبر ۱۸۸۷ء کو نمودار ہوا۔ مالک نورالدین، مہتمم حاجی عبدالرحیم شرف مختار مدرسہ محمدیہ تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ مطبع نور دکن میں چھپائی ہوتی تھی۔ سر ورق پر یہ شعر تحریر تھا۔ ؎

مزہ نہیں ہے خموشی کا، خوشنما بیاں کے لئے
زباں سخن کے لئے ہے، سخن زباں کے لئے

ریاض المصطفےٰ کان پور محلہ تاڑی گودام سے یہ ماہنامہ نعتیہ گلدستہ نومبر ۱۸۸۷ء کو ظہور پذیر ہوا۔ مالک شیخ احمد علی تھے۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ یہ تہذیب سخن کا ضمیمہ تھا۔

گل و بلبل حیدر آباد دکن پورانی حویلی کے سامنے دفتر اخبار آصفی سے یہ شعر و سخن کا ماہنامہ گلدستہ ۱۱؍دسمبر ۱۸۸۷ء کو جلوہ افروز ہوا۔ ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک سید الطاف حسین قابلؔ، مہتمم سید محمد عباس مجوِرؔ تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ سر ورق پر یہ شعر درج تھا۔ ؎

وہ بہار آئی وہ غنچے ہنس کے شرمانے لگے
گوشِ گل تک نغمۂ بلبل بھی اب جانے لگے

تہذیبِ سخن کان پور محلہ تاڑی گودام سے یہ شعر و سخن کا ماہنامہ گلدستہ جولائی ۱۸۸۷ء کو جاری ہوا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک

شیخ احمد علی احمد تھے۔ مطبع عزیزی میں چھپتا تھا۔ شیخ احمد علی صاحب احمد صادق المطابع کے منیجر بھی تھے۔ شعر گوئی کا شوق تھا۔ گلزار خلد مورخہ صفر ۱۳۰۶ھ سے ان کا ایک شعر ملتا ہے۔ ؎

آج عالم میں ہوئی مشعل احمد روشن
بھاگتا پھرتا ہے شیطان لعیں آج کی رات

شور عنادل علی گڈھ سے یہ ماہنامہ شعر و شاعری کا گلدستہ ۱۸۸۷ء کو نمودار ہوا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک بنواری لال وکیل، مہتمم لالہ سگن لال تھے۔ مطبع کالیستھ پرکاش میں چھپتا تھا۔

مطلع سخن اورنگ آباد حیدرآباد دکن سے یہ ماہنامہ شعر و شاعری کا گلدستہ ۱۸۸۷ء کو ظہور پذیر ہوا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مہتمم بشیر الدین افسر تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔

منشی بشیر الدین افسر: افسر صاحب اورنگ آباد کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد مولوی رحیم الدین انصاری تھے۔ افسر ۱۲۸۴ھ کو بمقام اورنگ آباد پیدا ہوئے۔ تعلیم پانے کے بعد محکمہ مالگذاری میں ملازمت کی۔ مختلف ملازمتوں میں ۲۰ برس تک لگے رہے۔ اس کے بعد اورنگ آباد کے صوبہ داری کے محکمہ میں مال افسر مقرر ہوئے شروع زمانے میں آپ عاشقانہ کلام کہتے تھے بعد میں نعتیہ کلام پر اکتفا کیا۔ جناب داغ پہلی مرتبہ جب حیدرآباد گئے تھے اسی زمانہ میں افسر ان کے شاگرد ہوئے۔ اسی وقت یہ گلدستہ جاری کیا۔ ان کا ایک چھوٹا سا دیوان اور مرثیہ طبع ہو گیا تھا۔ آپ کو فن طب میں بھی مہارت تھی اس فن کو آپ نے حکیم عبدالباسط اورنگ آبادی سے سیکھا تھا۔ ؎

الٰہی حمد میں مقبول اتنا ہو سخن میرا
کہ چومے تیری قدرت بھی محبت سے دہن میرا

الٰہی درد الفت کی شکایت لکھتے ہیں شاعر
میں کہتا ہوں نہ چھوٹے دل سے یہ دردِ محن میرا

دیا اک بوسہ جو تم نے ہوا کیا — بڑا دل ہے ان کا جو دل دے رہے ہیں
اسے طلب ہے نئے دل کی، دل لگی کیلئے — کہاں سے روز نیا دل بنے کسی کے لئے

یہ سچ ہے حشر میں حوریں ملیں گی اے زاہد
حسیں یہاں بھی تو ہو کوئی، دل لگی کے لئے

سنو درد دل تم زبانی ہماری — مزا دے گی تم کو کہانی ہماری
بہت دل کو سمجھایا الفت میں ہم نے — مگر ایک اس نے نہ مانی ہماری

وہ آخر اڑا لے گئے دل کو افسر
نہ کام آئی کچھ پاسبانی ہماری

پیسہ اخبار گوجرانوالہ مقام فیروز والا سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۸۷ء کو جلوہ افگن ہوا۔ آٹھ صفحات پر ہر جمعہ کو نکلتا تھا۔ مالک منشی محبوب عالم صاحب تھے۔ سالانہ چندہ بارہ آنہ محصول ڈاک تیرہ آنہ ملا کر ایک روپیہ نو آنہ تھا۔ مطبع خادم التعلیم میں چھپتا تھا۔ اس کے سرورق پر یہ مقولہ درج تھا۔ تو پاک پاک ثنا دہ برادرہ مدارا زکس باک۔

چند سال کے بعد یہ اخبار لاہور انارکلی سے نکلنا شروع ہوا۔ جنوری ۱۸۹۶ء میں معمولی کاغذ پر سالانہ چندہ دو روپے اور اچھے کاغذ پر تین روپیہ ہو گیا تھا۔ ایک پرچے کی قیمت ۳ پائی تھی۔ ——— ابتداء میں اس کی اشاعت تین ہزار سات سو تھی۔ ۱۸۹۶ء میں اس کی اشاعت دس ہزار ہو گئی تھی۔

جنوری ۱۸۹۶ء میں ایڈیٹر کے کہنے کے مطابق ہندوستان بھر کے تمام اخبارات میں سب سے زیادہ چھپنے والا شہر لاہور کا مشہور اخبار پیسہ اخبار تھا۔ ۱۹۰۹ء سے چند سال قبل یہ روزانہ ہو گیا تھا۔

پیسہ اخبار سنجیدہ اور متین اخبار تھا۔ بدیسی حکومت کے ناواجب افعال کی نقاب کشائی کرتا تھا۔ ہندوستانیوں کو انگریزوں کے مقابلے میں باعزت سمجھتا تھا۔ ہندوستان کے مفاد کا زبردست حامی تھا۔ حتیٰ کہ بدیشی اشیا کے استعمال کا سخت ترین مخالف اور دیشی چیزوں کے استعمال کی تلقین کرتا تھا۔ بدیشی تسلط کسی چیز میں برداشت نہیں کرتا تھا۔ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت اور لوگوں کے روزمرہ کے مسائل پر توجہ دینا ضروری سمجھتا تھا۔ اردو صحافت کی قدیم روایات کے برعکس اس اخبار پر اخباریت زیادہ غالب تھی۔ یہ اخبار تجارتی اصولوں پر نکلا تھا اس لئے اور اخباروں کے مقابلہ میں اس کی اشاعت اور عمر بھی زیادہ ہوئی۔ ۱۸۸۷ء میں جاری ہو کر ۱۹۲۴ء میں ۳۸ سال کی عمر پاکر بند ہوا۔

انگریز نے ہندوستان کو سونے کی چڑیا سمجھ رکھا تھا۔ اس کا روپیہ اپنے کاموں میں بڑی بے دردی کے ساتھ خرچ کرتا تھا۔ غیر ممالک اور انگلستان میں جو دفاتر سفارت خانے وغیرہ تھے ان کا تمام خرچ ہندوستان کے سرمایہ سے جاتا تھا۔ جس کی مخالفت یکم فروری ۱۸۹۶ء کے پرچے میں کی گئی ہے اور ایسے اخراجات کی تفصیل بھی دی ہے اس خبر کا عنوان ہے انگلستان کے خرچ ہندوستان کے سر۔

> "انگلستان کے اکثر اخراجات یا تو کلیتہً خزانہ انگلستان سے دیئے جانے کے قابل ہیں یا کم از کم ایک واجبی حصہ ان کا خزانہ ہند سے لینا چاہئے لیکن سب کے سب غیر واجبی طور پر ہندوستان کے سر بندھے ہوئے ہیں اور گذشتہ دس سال سے ۳۰ فی صدی کی اوسط سے ان میں اضافہ بھی ہو گیا ہے۔ ۱۸۸۲ء میں اس خرچ کی تعداد دو کروڑ انتیس لاکھ گیارہ ہزار روپیہ تھی۔ لندن میں انڈیا آفس بنا۔ اس کا خرچ تعمیر ہندوستان سے پانچ لاکھ پاؤنڈ لیا گیا اور جو کلونیل آفس لندن میں

بتایا گیا اس کے لئے خزانہ ہند سے ایک لاکھ روپیہ اٹھایا گیا (مال مفت دل بے رحم) ۲ لاکھ ۲۰ ہزار پاؤنڈ سالانہ مصارف انڈیا آفس لندن ہندوستان سے لیا جاتا ہے اور ہوم گورنمنٹ قیام سفارت چین کے لئے ۱/۲ ۱۲ ہزار پاؤنڈ اور سفارت ایران کے لئے ۷ ہزار پاؤنڈ سالانہ ہندوستان سے لیا جاتا ہے۔ رزیڈنسی عرب، ترکی اور کونسل بغداد کا خرچ ایک لاکھ بہتر ہزار تین سو ساٹھ انگلستان ہندوستان سے دلواتا ہے گویا اسے ان مقامات سے کوئی غرض نہیں۔"

انگریز ہندوستانی فوج کو غیر ممالک میں بھیجتا تھا اور اس کے اخراجات ہندوستانی خزانے سے ادا کرتا تھا، پیسہ اخبار کے شمارے ۶ جون ۱۸۹۷ء میں اس طریقے کی بھی سخت الفاظ میں مذمت کی ہے۔ اس تبصرہ کا عنوان یہ شعر ہے ؎

وہ کون ہے جو مجھ پہ تاسف نہیں کرتا
پر میرا جگر دیکھ کہ میں اُف نہیں کرتا

"قاعدے کی بات ہے کہ مظلوم بے زبان پر بڑے بڑے سنگدل ظالموں کو بھی رحم آجاتا ہے۔ مہمات خارجہ پر ہندوستانی فوج بھیجنا اور مصارف کا بار بھی غریب ہندوستان ہی کے گلے میں باندھنا اتنا بھاری ظلم ہے کہ اخبار ٹائمس لندن جیسا متعصب و طرفدار گورنمنٹ بھی اسے بے تحاشا "ناانصافی کہہ اٹھا ہے اور ان سختیوں پر ہندوستان کی خاموشی و تحمل دیکھ کر اس کا دل بھی بھر آیا۔ ۱۹ مئی کے لنڈن کے تار برقی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اخبار مذکور نے بڑے شد و مد سے اسی معاملے پر کئی مضامین لکھے ہیں اور جو ہندوستانی فوج افریقہ وغیرہ میں مصروف کارزار ہے یا ہونے والی ہے اس کی تنخواہ وغیرہ کے مصارف کو بھی خزانہ ہند

سے دلوانا اس نے صریح نا انصافی اور ہندوستان پر ظلم کیا ہے
... ... بمبئی پریسیڈنسی ایسوسی ایشن نے سکریٹری آف سٹیٹ
اور وائسرائے ہند کو تار دیئے ہیں کہ "ہم سوڈان میں ہندوستانی
فوج کے خرچ کا کوئی حصہ ہندوستان پر نہ ڈالا جائے۔" ... ...
یہ سچ ہے اگر یہ فوج ہندوستان میں رہتی تو اس کی تنخواہیں
وغیرہ ہندوستان سے دی جاتیں۔ لیکن جب کہ ہندوستان اس
کے وجود سے خالی ہے اور ان کی خدمات سے محروم کیا گیا اور جبکہ
ان کی خدمات ممالک غیر میں منتقل کر دی گئیں تو ایسی حالت میں
ہندوستان سے ان کی تنخواہیں دلانی کیا نا انصافی نہیں ہے؟
اس بحث میں سکریٹری آف سٹیٹ نے سابق کی نظیروں پر زیادہ
زور دیا ہے۔ لیکن یہ ایک بیہودہ حجت اور عذر بدتر از گناہ ہے۔"

انگریزوں نے ہندوستان میں خدا کی زمین پر قبضہ کرنے کے بعد تمام ہندوستان پر تسلط جما لیا تھا۔ ایسی خطرناک قوم کے بارے میں بعض ریاستوں میں وہاں کے قانون یا رسم و رواج کے مطابق ان کو وہاں کی زمین خریدنے کا اختیار نہیں تھا جس کو انگریزی حکومت بھی تسلیم کر چکی تھی۔ لیکن جہاں طاقت و حکومت کا گھمنڈ کام میں آتا ہے وہاں اس کے سامنے سب قانون و معاہدے ہیچ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ وائسرائے ہند نے اس معاہدے کی مٹی خراب کی اور انگریزوں کو حیدرآباد کے علاقے میں زمین خریدنے کا اختیار دیدیا جس پر بلیسہ اخبار نے ۶ جون ۱۸۹۶ء کے پرچے میں تبصرہ کرتے ہوئے اس بے انصافی پر ماتم کیا ہے۔ جس کا عنوان ہے: "ہندوستانی ریاستوں کے حقوق میں گورنمنٹ کی مداخلت۔"

"اب تک ریاست حیدرآباد دکن میں دیگر ریاستوں کے کسی یورپین کو زمین خریدنے یا اس پر کوئی عمارت مثل گرجا وغیرہ بنانے کی اجازت نہیں تھی اور یہ قاعدہ قدیم الایام سے چلا آتا تھا حال میں مدراس کے کسی پادری نے علاقہ نظام میں زمین خریدنی چاہی اور گورنمنٹ نظام کی ممانعت پر اس نے

مدراس کے بشپ سے فریاد کی۔ بشپ نے ریذیڈنٹ حیدرآباد کو لکھا اور ریذیڈنٹ مدارالمہام ریاست سے کہا کہ پادری کو زمین خریدنے کی اجازت دی جائے۔ مدارالمہام نے وہی عذر خلاف دستور قدیم قاعدہ ریاست پیش کر کے اس درخواست کو نامنظور کیا۔ مسٹر پلاؤڈل ریذیڈنٹ نے گورنمنٹ ہند کو لکھا اور بڑا زور دیا کہ یہ قاعدہ منسوخ کیا جائے۔ وائسرائے نے باجلاس کونسل حکم دیا کہ برٹش گورنمنٹ کو حق حاصل ہے کہ جو حقوق خرید زمین تجارت و دیگر جائز کاروبار کے رعایائے حیدرآباد کو علاقہ سرکار انگریزی میں حاصل ہیں وہی برٹش رعایا کو علاقہ نظام میں سرکار موصوف سے باصرار دلائے۔ ... عیسائی لوگ خصوصاً پادری جس طرح ریاستوں میں قدم جماتے ہیں اور رفتہ رفتہ اپنی جا و بیجا مداخلتوں کو ہر معاملے میں بڑھاتے جاتے ہیں اور چونکہ ریاست کو ان کے مقدمات سننے کا اختیار نہیں ہوتا لہٰذا یہ لوگ مار آستین بن کر وقتاً فوقتاً کس طرح حیران اور ان کے اختیارات کی توہین کرتے رہتے ہیں۔ ... مسٹر پلاؤڈل جب تک ریذیڈنٹ حیدرآباد دکن ہیں ریاست کی جس قدر

حق تلفیاں ہوں اور دستکاری صنعت .... پہنچے تھوڑی ہے"

انگریزی سرکار نے ہر شعبہ میں اپنا قبضہ جما رکھا تھا، وہ ہندوستان کی ہر صنعت کو ختم کرنے پر تلی ہوئی تھی اگر ہندوستان کا کپڑا بلا محصول کے ہندوستان میں فروخت ہوتا تو سستا بکتا، ایسی صورت میں غیر ملکی بیوپاری اپنا کپڑا فروخت نہیں کر سکتے تھے۔ انگریزی حکومت بھلا یہ کیسے برداشت کرتی اس نے ہندوستان کی اس صنعت کو ختم کرنے اور مانچسٹر اور لنکاشائر کی صنعت کو فروغ دینے کے لئے ہندوستان کے کپڑے پر کافی محصول لگایا جس پر ایڈیٹر پیسہ اخبار نے انگریز کی اس شرارت کو اپنے ۲۰ فروری ۱۸۹۶ء کے نمبر میں بے نقاب کیا ہے۔

"ناظرین کو فراموش نہیں ہوا ہوگا کہ ۱۸۹۴ء میں گورنمنٹ ہندوستان کی مالی حالت ایسی افسوسناک ہو گئی تھی کہ تمام اشیائے آمد ولایت پر محصول در آمد لگایا گیا تھا۔ اس میں ولایت کے کپڑے پر بھی پانچ فی صدی لگایا گیا تھا اور اس خیال سے کہ ہندوستان میں جو کچھ کپڑا بنتا ہے وہ ولایتی کپڑے سے فائدہ کے مقابلہ نہ بک سکے، اس پر ۲۰ درجہ کی سوت سے اوپر کے کپڑوں پر جو بنتے ہیں ان پر بھی محصول لگا دیا گیا۔ ولایت میں مانچسٹر اور لنکاشائر میں کپڑے کے بڑے بڑے کارخانے ہیں۔ کپڑے کے سوداگر اور ان کارخانوں کے مالک بڑے بڑے امیر و کبیر ہیں، تاہم وہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کے مال پر کسی قدر بھی محصول لگایا جائے۔ ان لوگوں نے اس محصول لگائے جانے کے زمانے میں بہت شور و غوغا بلند کیا اور گورنمنٹ پر بہتیرا زور ڈالا۔ تا اینکہ اب صاحب سکریٹری آف سٹیٹ فار انڈیا ان کے دباؤ میں آ گئے اور آپ نے گورنمنٹ ہند کو حکم بھیجا کہ جس طرح

...IDLE COLLEGE ... ACC. NO. 152-41 ... LIBRARY

ہے ہو سکے مانچسٹر کے سوداگروں کی خاطر ولایت کے کپڑے کا محصول کم کر دیا جائے ۔ ... ... ہندوستان پر طرح طرح کے ٹیکسوں کی بھرمار ہو رہی ہے۔ اگر پچاس لاکھ کی افزونی نظر آتی تھی تو سب سے پہلے غریب ہندوستانیوں کا نمک سستا کر دینا چاہیے تھا نہ یہ کہ بجائے نمک کا محصول کم کرنے کے جن کی افواہ گرم تھی کپڑے پر محصول بڑھا کر اسے اور گراں کیا گیا۔ سر جیمس ویسٹلینڈ خود مانتے ہیں کہ دیسی کپڑے پر جو محصول بڑھایا گیا ہے وہ زیادہ تر غریب غربا لوگ ہی استعمال کرتے ہیں اور پھر جو موٹا جھوٹا کپڑا بیس درجہ سے نیچے کے سوت سے بنتا ہے وہ ضرور غریب لوگ ہی ... ... پہنتے ہیں پہلے یہ ۲۰ درجہ سے نیچے کا کپڑا اپنے محصول سے بالکل بری تھا اور اب اس پر محصول لگا کر اسے بڑھا بھی دیا گیا ہے۔ ہندوستان کے کپڑوں کے کارخانے چونکہ بوجہ مصالح اور محنت سستی ہونے کے بڑھ رہے تھے، یہ مانچسٹر اور لنکاشائر والوں کے پہلو میں خار کی طرح کھٹک رہے تھے۔ اب کان پور چیمبر آف کامرس کا خیال ہے کہ یہ بند ہو جائیں گے ... ... بمبئی اور مدراس کی تجارت کے چیمبروں نے بڑے معقول عذرات گورنمنٹ ہند کے پیش کیے ہیں لیکن گورنمنٹ نے ایک کو نہیں سنا اور فوراً قانون منظور کرنے والی ہے"

جب انگریزی حکومت نے ہندوستانی کپڑوں پر ٹیکس لگا دیا تو ہندوستانیوں نے فیصلہ کیا کہ بدیشی کپڑے کا بائیکاٹ کیا جائے اور دیسی کپڑا استعمال کرنے کے لئے تلقین کی جائے۔ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ملک کے مختلف حصوں

میں جلسے ہوئے اور دیشی چیزوں کو خریدنے کے لیے سٹور کا قیام عمل میں لایا گیا جس پر جناب محبوب عالم صاحب نے ۹ر فروری ۱۸۹۷ء کے پیسہ اخبار میں ایک آرٹیکل لکھا اور اس تجویز کی پرزور تائید کی۔ جس کا عنوان ہے "دیسی اشیاء کے استعمال کی ضرورت"۔

"باوجود ہندوستان کے کارخانہ داروں کی عام مخالفت اور واجبی شکایت کے محض اہل مانچسٹر کے فائدے کے لئے گورنمنٹ نے محصول پارچہ کے جدید قانون کو نافذ کر کے ہندوستان میں عموماً بددلی اور ناخوشی پھیلا دی ہے۔ بمبئی میں اور جا بجا مجلس منعقد ہو کر گورنمنٹ کی اس ناانصافی پر اظہار نفرت و ملول کیا جا رہا ہے۔ اس وجہ سے لوگ اب زیادہ سرگرم معلوم ہوتے ہیں کہ ولایتی کپڑے کا استعمال یک قلم چھوڑ کر صرف اپنے ہی ملک کا بنا ہوا کپڑا جو مضبوطی اور عمدگی کے لحاظ سے ولایتی کپڑے کی بہ نسبت کہیں سستا ہے پہنا کریں۔ چنانچہ ۱۵ر فروری کو اکولہ صوبہ برار میں بھی اسی غرض کے لئے ایک بڑا بھاری اور پرجوش جلسہ ہوا۔ اور بمبئی کے لوگ بھی اس معاملہ میں بڑا جوش دکھا رہے ہیں۔ برار کے جلسے میں بزازوں، دلالوں، دکانداروں، تاجروں اور پلیڈروں وغیرہ کی تعداد ۵ ہزار سے زیادہ تھی۔ ایک ریزولیوشن پاس ہوا جس میں جمیع حاضرین نے قطعی عہد کیا کہ جب تک محصول پارچہ کے بارے میں حکومت انصاف سے کام نہیں لے گی وہ لوگ صرف دیسی کپڑے پہنیں گے اور ولایتی کپڑے کو ہرگز ہاتھ نہ لگائیں گے۔ بمبئی پریذیڈنسی کے مختلف مقامات میں اسی غرض کی انجمنیں کثرت سے بن رہی ہیں۔

کہ سوائے اس پارچہ کے جو بمبئی کے کارخانوں میں تیار ہوتا ہے انگریزی کپڑے کو نہ استعمال میں لائیں۔ نہ خریدیں نہ اس کی تجارت کریں۔

لاہور میں بھی "سودیشی دستور پرچارک" کے نام سے ایک انجمن قائم ہوئی ہے اور اس نے ایک ماہوار پرچہ بھی نکالا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ اگر لوگ اس عہد پر پورے طور سے قائم رہ سکیں تو ٹیچ ٹ کے حملہ کا دنداں شکن جواب ایسی حالت یاس میں جب کہ گورنمنٹ نہیں سنتی، اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حقیقت میں یہ پالیسی گورنمنٹ کی کہ وہ اہل انگلستان کے نفع کے لئے ہندوستانیوں کی عام ناراضی کی پرواہ نہیں کرتی، دور اندیشی سے بعید ہے لیکن ایسے خلاف قانون تدبیر توانین کے اجرا اور ہندوستانیوں کے حقوق کے فروگذاشت کا ہر نیا معاملہ اہل ہندوستان کو اتنا فائدہ دیتا ہے کہ ان میں ایک نیا دل پیدا کر دیتا ہے جس سے انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ بغیر ایجی ٹیشن کے کچھ نہیں ملے گا۔

ہندوستان کی ہر چیز پر قبضہ کرنے کے بعد انگریز چاہتا تھا کہ تمام ہندوستانی عیسائی مذہب اختیار کر لیں۔ وہ کسی غیر عیسائی مذہب کی تبلیغ کو ناپسندیدہ نگاہ سے دیکھتا تھا۔ کوئی ہندوستانی اگر عیسائی ہو جاتا تھا تو مشنری طبقہ جشن مناتا تھا اور اگر کوئی عیسائی مسلمان ہو جاتا یا کوئی دوسرا مذہب اختیار کرتا تو اس کے خلاف انتقامی کارروائیاں کرنے لگتا تھا۔ اس تنگ نظری کے خلاف مولوی محبوب عالم صاحب نے ۱۵ فروری ۱۸۹۶ء کے شمارہ میں حسب ذیل مقالہ لکھا جس کا عنوان ہے "اپنی آنکھوں کا شہتیر نظر نہیں آتا"

قوم انگریزی کو بہت بڑا دعویٰ اپنے آزاد اور بے تعصب ہونے کا

ہے، انگریز اپنی سلطنت کو آزادی کا گھر اور اپنی قوم کو انصاف پسند۔ کہنے کے عادی ہیں۔ مسلمانوں پر "ٹالریشن" نہ کرنے کا الزام لگایا جاتا ہے۔ مگر واقعات ثابت کرتے ہیں کہ یہ لوگ خود سب سے بڑے انٹالرینٹ ہیں۔ تھوڑا عرصہ گذرا ہے ہندوستان کے محکمہ تار برقی میں ایک یوریشین افسر نے اسلام قبول کر کے سراج الدین نام قبول کیا تھا۔ اس قصور پر اس غریب کو ملازمت سے علیحدہ کیا۔ حال ہی میں [illegible] ایک عالی خاندان انگریز عیسائی نے برضا و رغبت خود عیسائی مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کیا تھا اور عبدالحمید نام رکھا تھا۔ شرع اسلام کے مطابق ایک دوسری بی بی سے شادی کی تھی جو دیسی نہیں انگلستان کے ایک عالی خاندان کی لڑکی تھی۔ مسٹر عبدالحمید کی [illegible] گورنمنٹ سیلون کے ماتحت بیس سال سے اسسٹنٹ کمشنر تھے۔ ان کے مذہب بدلنے پر گورنر سیلون نے سکریٹری آف اسٹیٹ سے اجازت حاصل کر کے انہیں یک قلم ملازمت سے علیحدہ کر دیا اور ان کی بیس سال کی قابل تعریف خدمات کا کچھ خیال نہ کیا۔ قصور اس بیچارے کا صرف اتنا بتلایا گیا کہ اس نے دوسری شادی کر لی اور اپنا مذہب بدل دیا۔۔ ۔۔ آجکل برہما میں اکثر انگریز سولین افسران نے ناجائز طور پر برمی عورتوں کو گھر میں ڈال رکھا ہے۔ جس کے لئے سال گذشتہ میں صاحب چیف کمشنر نے ایسے افسروں کو تنبیہ بھی کی تھی۔ مگر ان کی ملازمت کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ ۔۔ ۔۔ واقعی گورنمنٹ انگریزی کی یہ تنگ نظری ہزار نفرین کے قابل ہے۔

پیسہ اخبار سرسید کے تعلیمی کاموں کا حامی تھا لیکن کالج پر انگریزوں کے اقتدار حاصل کرنے کے خلاف تھا اور کالج میں جو طبقہ انگریزوں کے تسلط کی مخالفت کرتا تھا اس کی ہمنوائی کرتا تھا۔ چنانچہ مولوی سمیع اللہ صاحب ان لوگوں میں سے تھے۔ سرسید سے ان کے اختلاف کی وجہ یہی تھی جس کی بنا پر انہوں نے کالج کمیٹی سے علیحدگی اختیار کر لی تھی علیحدگی اختیار کرنے کے بعد ان پر کئی مرتبہ زور ڈالا گیا کہ وہ کالج کمیٹی میں شریک ہو جائیں لیکن انہوں نے انکار کیا۔ انکار کی وجہ کیا تھی وہ ۱۸۹۰ مارچ ۱۸۹۰ء کے پرچے میں پڑھیے۔ مولوی محبوب عالم صاحب نے ایک نوٹ لکھا ہے جس کا عنوان ہے "علی گڈھ کالج میں مسٹر بک کی ڈسپاٹک حکومت"۔

"مولوی سمیع اللہ صاحب سے دوبارہ درخواست کی گئی تھی کہ وہ کالج کا ٹرسٹی بننا منظور کریں اور انہوں نے دوبارہ بھی انکار کیا تھا۔ مگر وجوہات انکار میں منتظمان کالج کو توجہ دلائی تھی کہ کالج کے سیاہ و سفید کا اختیار مسٹر بک کے ہاتھ میں اس قدر دیا گیا ہے کہ دوسرے شخص کی کچھ پیش نہیں جا سکتی اور مسٹر بک اپنے اختیارات کو کلاس روم سے باہر بورڈنگ کے کھانا پکانے کی دیگچیوں تک یکساں بلا روک ٹوک استعمال کرتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ میرے پاس کئی خطوط شکایات مسٹر بک کی سخت گیری کی پہنچ چکی ہیں۔ چنانچہ آج کی ڈاک میں ایک شکایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ علی گڈھ کالج میں جہاں بڑے دن کی تعطیلات تین ہفتے اور گڈ فرائیڈے وغیرہ عیسائیوں کے تیوہاروں کی تعطیلات فیاضی کے ساتھ ہوتی رہتی ہیں وہاں جمعۃ الوداع کی تعطیل باوجود تحریک کالج کے پراکٹر

"اور تاید مسٹر سید محمود کے مسٹر بک کے ایک" تو "سے نہیں ملی مسٹر بک کی یہ دست اندازی اور منہ زوری مسلمان پسند نہیں کریں گے جس سے کالج اور زیادہ بدنام ہوگا۔"

پیسہ اخبار قطعاً تنگ نظر نہیں تھا۔ عوامی تحریکوں کا حامی تھا۔ تعلیمی اداروں اور سوشل جماعتوں کی خبریں شائع کرنے سے گریز نہیں کرتا تھا۔ کھتری برادری کے اجلاسوں کی روئیدادوں سے صفحے بھرے رہتے تھے۔ جب تک اخبار گوجرانوالہ میں رہا اس کی پالیسی کانگرس کی پالیسی تھی اور یہ کانگرس کے مقاصد کا حامی تھا۔ لاہور آکر بھی کچھ عرصہ تک یہ پالیسی قائم رہی۔ اس کے بعد اس نے کانگرس اور اس کے مقاصد سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ [1]

یہ اخبار روزمرہ کے واقعات پر بھی زیادہ توجہ دیتا تھا اور چھوٹے طبقوں کی تکلیفات کو دور کرانے کی کوشش کرتا تھا۔ اس کے لئے کوئی طبقہ مخصوص نہیں تھا۔ ہر مظلوم کی مدد کرنا ضروری اور فرض سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی اسی قسم کی خدمات کا ۳۰ جنوری ۱۸۹۲ء کے شمارے کے مقالے میں بڑے دبے ہوئے انداز و الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ جس سے انتہائی عاجزی و انکساری ظاہر ہوتی ہے۔ اس کا عنوان ہے "پیسہ اخبار کی چند تازہ فتوحات":

"پیارے ناظرین یہ سب آپ صاحبان کی محبت اور پیسہ اخبار کی خالص نیک نیتی اور محنت کا نتیجہ ہے۔ اس ناچیز پرچہ کی توجہ سے کئی رفاہ عام کام آئے دن پورے ہوتے رہتے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ۱۸۹۲ء کے شروع میں پیسہ اخبار نے محکمہ پولس اور

---

[1] اخبار نویسوں کے حالات صـ۲ـ۔

دیسی اخبارات کے تعلقات پر گئی مدلل آرٹیکلوں میں بحث کی گئی
...... منشی محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار نے جو امور ہیش کیے مسٹر
رابنس صاحب ایڈیٹر سول ملٹری گزٹ اور پریسیڈنٹ پنجاب
پریس ایسوسی ایشن نے ان کا مسودہ مرتب کیا تھا۔ ان میں علاوہ دیگر
امور کے اس بات کی بھی شکایت کی گئی تھی کہ پولس کے ملازم اہل
اخبارات سے ہر سال کے بعد اخبارات کے متعلق دریافت کرتے
ہیں اور کہ یہ امر اہل اخبارات کی شان کے خلاف ہے اور اخبارات
کی عزت پر برا اثر ڈالتا ہے۔ چنانچہ اس ہفتے میں وہی حالات
جو اخبارات کی نسبت سرکار میں دریافت کیے جاتے ہیں، بجائے
پولس کے ایک کانسٹبل یا سارجنٹ کے صاحب ڈپٹی کمشنر لاہور
کی ایک پرائیوٹ چٹھی کے ساتھ محکمہ تعلیم کے ایک اہلکار کی معرفت
مناسب معقولیت کے ساتھ دریافت کیے گئے ہیں۔"

"آپ کو یاد ہوگا ۱۸۹۲ء کے وسط میں پیسہ اخبار نے دیسی مسیحیوں
اور یورپین مشنریوں کا معاملہ اٹھایا تھا اور دیسی عیسائیوں کے
حقوق ظاہر کر کے کئی مراسلوں کی شہادت سے ثابت کر دیا تھا کہ یورپین
مشنری ان بے چاروں کے ساتھ کیسی سختی سے پیش آتے ہیں اور
ان پر خدا کے کام میں "کیسی ذاتی حکومت کرتے ہیں۔ "نور افشاں"
نے کھسیانے ہو کر لکھ دیا تھا کہ آئندہ اس بارے میں پیسہ اخبار
کی تحریرات کا جواب نہ دیا جائے گا، لیکن جب پیسہ اخبار کے
مضامین امریکہ میں پہنچے تو وہاں کے مشن کے ایک مشہور اخبار میں
ان کا ترجمہ چھپا اور مشن کے ایک بہت بڑے انتظامی جلسے نے

ان کا حوالہ دیکر ہندوستان کے یوریپن پادریوں کو سخت تنبیہہ کی۔ ان لوگوں نے کہا کہ تم کو دیسی مسیحیوں سے برادرانہ سلوک کرنا چاہیئے نہ کہ حاکمانہ برتاؤ۔ چنانچہ ایک دیسی پادری کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ اس سے دیسی مسیحیوں کو اس قدر فائدہ پہنچا ہے جو ان کو کسی اور دوست سے نہیں پہنچ سکتا۔"

"حال میں ایک چھوٹا سا اور کام بھی پیسہ اخبار نے کیا ہے چھوٹا سا تو اس لئے ہے کہ یہ تھوڑے آدمیوں سے متعلق ہے لیکن جن لوگوں کو اس خدمت سے آرام ملا ہے وہ ضرور قائل ہیں۔ پیسہ گذشتہ پرچے میں نولٹن صاحب ہیڈ ماسٹر ہوڈل سکول کے ایک حکم کی غلطی ثابت کی گئی تھی جو کہ وہاں کے مدرسوں کو چھ گھنٹے ہر روز کھڑے ہو کر تعلیم دینے کا حکم دے رکھا تھا اور وہ بیچارے اس نادرشاہی حکم کے سخت عذاب میں گرفتار تھے۔ غنیمت ہے کہ پیسہ اخبار نے نولٹن صاحب کی رائے بدل دی اور انہوں نے اخبار کا مطلب سمجھ کر حکم دیدیا کہ اچھا سارے گھنٹے نہیں مگر پہلے ایک دو گھنٹے مدرس کھڑے ہو کر پڑھائیں ورنہ وہ مجبور نہیں۔ چلو چھٹی ہوئی۔"

پیسہ اخبار کے ایڈیٹر کو معلوم دیتا ہے کہ شعر و شاعری سے دلچسپی نہیں تھی اس لئے اس اخبار میں شعراء کا کلام بہت ہی کم نظر پڑتا ہے۔ ۷ مارچ ۱۸۹۶ء کے پرچے میں مولوی فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی کی وفات پر سات قطعہ تاریخ درج ہیں۔ زیادہ تر فارسی کے ہیں دو اردو کے ہیں جو نقل کئے جاتے ہیں۔

مولوی غلام صاحب ارشد بلگرامی سے

معتقدوں کو چھوڑ کے تنہا — خلد میں جا کے بیٹھے دو نزیل
ہائے مسیحا ہے یہ غضب کیا — مرشد کامل کی ترحیل

۱۳۱۲ھ

فضل رحمٰن نے کیا خلد بریں کا سفر — دستگیر اب کوئی درماندوں کا باقی نہ رہا
مصرع سال رحلت نے لکھا از رہ ملال — آج برباد ہوا ملک شریعت ایوا

۱۳۱۲ھ

اس زمانے میں اخباروں کے سائز ۱۸×۲۲ نہ تھے۔ نہ ان کی قیمتیں سوائے اخبار عام کے دس پندرہ بلکہ سو پچاس روپے سے کم ہوتی تھیں۔ اس دور کے اخبارات کے مضامین بھی عجیب و غریب قسم کے ہوتے تھے۔ کبھی ریل گاڑی پر مضمون ہے۔ کبھی تلوار اور قلم کا مناظرہ ہے۔ کبھی سردی اور گرمی پر خامہ فرسائی ہو رہی ہے، کبھی ریاستوں کی مدح سرائی سے اخبارات کے کالم پر کر دیے جاتے تھے۔ گدھے کی دو دمیں، بچے کی پانچ ٹانگیں، آگ کی بارش وغیرہ قسم کی خبروں پر زیادہ توجہ دی جاتی تھی۔ لیکن پیسہ اخبار وہ مضامین شائع کرتا تھا جو پبلک کے لئے نفع بخش ہوتے تھے۔ چنانچہ یہ اخبار اپنی ارزاں قیمت اور نہایت دلچسپ اور عام پسند مضامین کی بدولت بہت جلد ہندوستان کا مطلع شمس بن گیا تھا۔ یہاں تک کہ اس ہونہار بچے نے تمام بوڑھے اخبارات کو اپنی لیاقت اور ذہانت کا معترف بنا لیا اور انہوں نے اس کی فضیلت اور برتری کو تسلیم کیا۔ ؎۱

؎۱ اخبار نویسوں کے حالات مؤلفہ منشی محمد دین فوق، ص

آجکل کے اخبارات اشتہارات سے لبریز ہوتے ہیں مگر ایک زمانہ تھا کہ لوگ سوائے پیسہ اخبار کے کسی اور اخبار میں اشتہار دینا پسند نہیں کرتے تھے۔ پیسہ اخبار نے اشتہارات کی آمدنی سے معقول فائدہ اٹھایا اور اس دور میں ایسے اشتہاری تاجر اور سوداگر تھے جو پیسہ اخبار میں اشتہار دینے سے بیشتر معمولی بلکہ گمنام زندگی بسر کیا کرتے تھے اور پیسہ اخبار میں اشتہارات شائع کرانے کے بعد ہزار پتی اور لکھ پتی بن گئے

پیسہ اخبار کی مقبولیت کا اس بات سے اندازہ لگائیے کہ اس کی اشاعت ۱۸۹۷ میں گیارہ ہزار تھی جب کہ اور کسی اخبار کی اشاعت اتنی نہیں تھی۔ اس وقت یہ ہفتہ وار اخبار تھا۔ بقول منشی محمد دین صاحب فوق "روزانہ اخبار کی سالانہ قیمت پندرہ روپے اور اشاعت تقریباً تین ہزار تھی" یہ عزت بھی اس دور کے کسی روزنامچے کو اس صدی کے آغاز تک نصیب نہیں ہوئی۔

اس اخبار کو ایڈیٹر گر کہا جائے تو مضائقہ نہ ہوگا۔ بابو دینا ناتھ ایڈیٹر اخبار ہندوستان لاہور اسی پیسہ اخبار میں ملازم رہ چکے تھے۔ مرزا علی حسین جو فتح المبین اور اخبار "وقت" کے مالک اور ایڈیٹر تھے انہوں نے بھی فن اخبار نویسی یہیں سے سیکھی۔ مولوی رؤف صاحب جو بعد میں بھوپال کی سیور ایجنسی میں وکیل ریاست مقرر ہوئے تھے اور زبدۃ الاخبار لاہور کے ایڈیٹر تھے۔ وہ کئی سال تک اسی اخبار میں کام کرتے رہے۔ ساغر اکبر آبادی جو بعد میں کئی اخبارات کے ایڈیٹر رہ چکے تھے سب سے پہلے پیسہ اخبار ہی میں فن اخبار نویسی عملی طور پر بجا لاتے رہے۔ منشی احمد اللہ صاحب بی اے علیگ ایڈیٹر غمخوار عالم بھی برسوں تک پیسہ اخبار میں کام کرتے رہے۔ منشی محمد عبداللہ مہاس جو اخبار وکیل کے ایڈیٹر ہوئے انہوں نے بھی کافی عرصہ تک پیسہ اخبار میں کام سیکھا۔ محمد الدین فوق صاحب

ایڈیٹر کشمیری میگزین کو بھی اسی اخبار کے خرمن سے خوشہ چیں ہونے کا فخر حاصل ہے، محمد الدین خلیق ایڈیٹر ریلوے اینڈ انجینئرنگ نیوز انگریزی وارد و لاہور نے اسی اخبار میں کام سیکھا۔ منشی انبا پرشاد صوفی مراد آبادی ایڈیٹر اخبار جامع العلوم مراد آباد نے بھی عرصہ تک پیسہ اخبار کی خدمت انجام دی۔ مولوی شجاع الدین ایڈیٹر ملت نے بھی مترجم کی حیثیت سے کام کیا۔[1] ان سب سے بڑی شخصیت میر جالب دہلوی کی تھی، یہ بھی پیسہ اخبار کے ایڈیٹر رہے۔ ہندوستان کے مشہور عالم و مؤرخ مولانا اسلم جیراج پوری پروفیسر جامعہ ملیہ دہلی اور ایڈیٹر رسالہ جامعہ دہلی بھی پیسہ اخبار کے دفتر میں عربی سے اردو میں ترجمہ کرنے پر مامور ہوئے۔[2]

مولوی محبوب عالم صاحب: مولوی صاحب ۱۸۶۳ء کو موضع بھر دکی وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ برج اٹاری متصل لاہور میں آپ کے چچا مولوی احمد الدین صاحب مدرس تھے۔ وہاں آپ نے پرائمری کا امتحان پاس کیا۔ یہاں سے قصور گئے جہاں ان کے دوسرے چچا ماسٹر محمد الدین صاحب ہیڈ ماسٹر ومالک ماہنامہ کلید امتحان مڈل وانٹرنس تھے، وہاں مڈل کا امتحان دیا اور میڈیکل کالج میں داخل ہوگئے۔ اسی اثنا میں آپ کے والد مولوی الہ دین صاحب فوت ہوگئے۔ آپ کی اور آپ کے بھائی منشی عبدالعزیز صاحب کی شادی چونکہ چھوٹی عمر میں ہوگئی تھی اس لئے والد صاحب کی وفات کے بعد گھر کا تمام بوجھ اٹھانا پڑا کہ چند ماہ کے بعد ان کو کالج چھوڑنا پڑا۔ پھر آپ لاہور آئے اور پرائیویٹ طور پر منشی اور منشی عالم کی تیاری میں مصروف ہوگئے۔ منشی کے

---

[1] اخبار نویسوں کے حالات صفحہ ۵۔ [2] خمخانۂ جاوید جلد اول صفحہ ۲۹۶

امتحان میں تمام صوبے میں اول آئے۔ خلعت کے علاوہ وظیفہ بھی ملا منشی عالم کی تعلیم کے زمانے میں انہوں نے اپنے بھائی منشی عبدالعزیز صاحب کو جو بعد میں پیسہ اخبار کے ایڈیٹر ہو گئے تھے گھیم کرن تحصیل قصور سے اپنے پاس بلالیا جہاں وہ چھ روپے ماہانہ پر سکول میں ملازم ہوئے۔ ان کے چچا مولوی محمدالدین صاحب چونکہ عدیم الفرصت تھے اس لئے انہوں نے رسالہ کلید امتحان ان دونوں کے سپرد کر دیا۔ رسالہ کا انتظام سنبھالنے کے بعد مولوی صاحب نے ایک مطبع جاری کیا جس کا نام محمدالدین صاحب نے تعلیم کی رعایت سے خادم التعلیم رکھا اور اسی روپے سے کاروبار شروع کیا۔ اس مصروفیت کے باوجود تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ والد صاحب کے فوت ہونے کے بعد والدہ صاحبہ اور اپنے چھوٹے بھائی کی دیکھ بھال ان کے لئے ضروری تھی اس لئے مجبور ہو کر دو سال کے بعد لاہور سے گوجرانوالہ چلے گئے۔ ۱۸۸۷ء میں "ہمت" نام کا ایک ہفتہ وار اخبار نکالا جس کی کتابت اور سنگ سازی مولوی صاحب خود ہی کرتے تھے چند دنوں کے بعد ایک اور ہفتہ وار اخبار "سکول ماسٹر" جاری رہا لیکن آپ کو یہ محسوس ہوا کہ پبلک کو سستے اخبار کی ضرورت ہے۔ چنانچہ انہوں نے "ہمت" کو "پیسہ اخبار" کے نام سے تبدیل کر دیا اور ایک مہینے کے بعد یہ نیر وزوالہ سے گوجرانوالہ میں پریس وا خبار منتقل کر لیا۔ پیسہ اخبار کا سب سے پہلا پرچہ ایک سو شائع ہوا جس کو ان کے بھائی منشی عبدالعزیز سکولوں میں جا کر خود ایک ایک پیسہ میں فروخت کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد آپ نے گوجرانوالہ سے ایک ماہنامہ "زمیندار و باغبان و بیطار" جاری کیا جو پنجاب میں اپنی نوعیت کا پہلا رسالہ تھا جس کی بہت سی کاپیاں ڈسٹرکٹ بورڈ خریدتا تھا۔

مولوی صاحب نے اس خیال سے کہ لاہور پنجاب کا دارالخلافہ ہے

وہاں اخبار گجرانوالا کی بہ نسبت زیادہ ترقی کرے گا۔ ۱۸۹۹ء میں آپ لاہور چلے گئے اور اپنے ہمراہ اپنے بھائی منشی عبدالعزیز صاحب کو بھی لے گئے۔ اس کے بعد سے آپ نے مستقل سکونت لاہور میں اختیار کی۔ تعلیم نسواں کے آپ زبردست حامی تھے اس لئے آپ نے ایک ماہنامہ رسالہ "شریف بیبیاں" لاہور سے شائع کیا اور ۱۸۹۵ء میں لندن کے "ٹٹ بٹس" کے مقابلہ میں "انتخاب لاجواب" نکالا۔

۱۶ مارچ ۱۸۹۷ء کو انہوں نے علاوہ ہفتہ وار ایڈیشن کے پیسہ اخبار کا روزانہ ایڈیشن بھی جاری کیا مگر چونکہ اس وقت روزانہ اخبار کی قدر و قیمت سے لوگ واقف نہ تھے اس لئے انہوں نے ۲ مئی ۱۸۹۹ء کو روزانہ ایڈیشن بند کر دیا۔ ۱۹۰۲ء میں انہوں نے بچوں کی دل چسپی کے لئے ایک ماہنامہ "بچوں کا اخبار" نکالا جس پر ان کو ایک خاص انعام بھی ملا۔ ۱۹۱۲ء تک یہ اخبار شائع ہوتا رہا اور اس کی اشاعت اس وقت ایک ہزار کے قریب تھی۔

۱۹۰۰ء میں آپ لاہور سے فن اخبار نویسی کا مطالعہ کرنے کے لئے یورپ روانہ ہوئے۔ سر سید مرحوم کے بعد یہ دوسرے صحافی تھے جنہوں نے یورپ کے اخباری تجربات سے واقفیت حاصل کر کے اردو اخبار نویسی کی لاج رکھی۔ ان کی روانگی پر ان کے دوستوں نے ایک شاندار جلسہ کیا تھا جس میں شیخ محمد اقبال نے ایک نظم پڑھی تھی۔ ولایت سے آپ جو مضامین پیسہ اخبار میں لکھا کرتے تھے انہوں نے پیسہ اخبار میں ایک بہت بڑی دل چسپی پیدا کر دی تھی۔ واپسی پر انہوں نے سفر نامہ یورپ چھاپا جو نہ صرف ملک میں مقبول عام ہوا بلکہ گورنمنٹ پنجاب نے بھی اس تصنیف پر چار سو روپیہ انعام دیا۔ پر اٹلی، آسٹریا، جرمنی، بلجیم، فرانس، انگلستان، روم، شام اور مصر کی سیاحت کے بعد دسمبر ۱۹۰۰ء میں واپس لاہور آئے اور ان کا ریلوے اسٹیشن پر انجمن اسلامیہ پنجاب اور انجمن حمایت اسلام لاہور کے اکثر

اراکین و عہدیداروں کے علاوہ ہزاروں احباب اور متعلقین نے استقبال کیا۔

آپ نے "دی سن" ایک انگریزی کا اخبار ۱۸۹۵ء میں جاری کیا جو دو سال جاری رہنے کے بعد ناقدردانی کی وجہ سے بند ہو گیا تھا۔ مولوی صاحب اردو فارسی، انگریزی، عربی کے علاوہ فرانسیسی، ترکی، روسی سات زبانیں جانتے تھے۔ اس وقت کا ہندوستان کا کوئی اخبار نویس اتنی زبانوں سے واقفیت نہیں رکھتا تھا۔ جرمن زبان سے ان کو تھوڑی بہت واقفیت تھی۔ آپ کو مطالعہ کا کافی شوق تھا چنانچہ آپ کی ذاتی لائبریری میں بیس ہزار کتابیں تھیں جن میں فرانسیسی، ترکی اور جرمن زبان کی بھی تھیں۔

آپ نے دوبارہ پیسہ اخبار روزانہ ۱۹۰۴ء کو جاری کیا۔ ۱۸۹۰ء میں جب پہلے روزانہ اخبار کیا تھا اس وقت اس کے آٹھ صفحے تھے لیکن اس مرتبہ اس کا سائز دگنا کر دیا گیا جس سے نہ صرف اخبار ہی مقبول ہوا بلکہ یہ سائز ایسا پسند کیا گیا کہ اس کے بعد جس قدر روزانہ اخبار اردو کے جاری ہوئے وہ اسی اخبار کی تقطیع پر چھپتے تھے اور کئی ہفتہ وار اخباروں نے بھی یہی تقطیع کر دی تھی۔

مصنف "اخبار نویسوں کے حالات" مولوی صاحب کی اخبار نویسی کی خصوصیات تحریر فرماتے ہیں:

> "جہاں تک علم ہے یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ اردو اخبارات میں لطیفے، عجائبات، شمار و اعداد، باتصویر حکمت کے موتی، معلومات کا ست، نامور لوگوں کے باتصویر حالات اور صدہا قسم کی دلچسپیاں پیدا کرنے والے آپ ہی پہلے شخص ہیں۔"

عروج کے زمانے میں ان کے چھاپے خانے اور دفتر میں آگ لگ

گئی تھی جس سے تقریباً دو لاکھ روپے کا نقصان ہوا تھا۔ اس کے بعد حیدر آباد دکن سے ڈھائی ہزار روپے سالانہ کا وظیفہ مقرر ہوا جو بیس سال تک جاری رہا۔

مولوی صاحب ذاتی طور پر بڑے وسیع الاخلاق تھے اور نہایت منکسر المزاج تھے۔ طبیعت میں شر اور کسی کو نقصان پہنچانے کی عادت نہیں تھی۔ حکومت برطانیہ میں ان کی قدر و منزلت تھی۔ ان کو ۱۹۰۲ء اور ۱۹۱۲ء کے دونوں درباروں میں شاہی مہمان کی حیثیت سے مدعو کیا گیا تھا۔ پیسہ اخبار کی مقبولیت کی وجہ سے پیسہ اخبار پوسٹ آفس قائم ہوا اور انارکلی میں جس جگہ پیسہ اخبار کا دفتر تھا اس جگہ کا نام پیسہ اخبار سٹریٹ سرکاری طور پر رکھا گیا۔ یہ دونوں چیزیں اب تک قائم ہیں۔ [1]

ہفتہ وار پیسہ اخبار کو اس زمانہ میں بارہ دستی پریس بمشکل چھاپ سکتے تھے۔ آپ نے ولایت سے مشینیں منگائیں اور خادم التعلیم پریس کو خادم التعلیم سٹیم پریس کی شکل دی جس میں سترہ مشینیں نصب تھیں۔

رہے نام اللہ کا، موت کا ذائقہ ہر انسان کو چکھنا پڑتا ہے۔ چنانچہ مولوی محبوب عالم صاحب مئی ۱۹۲۳ء کو فوت ہوئے۔ آپ کی طبیعت موزوں واقع ہوئی تھی۔ شروع عمر سے شاعری کا ذوق رکھتے تھے مسافر تخلص تھا۔ لیکن جب سے اخباری زندگی شروع کی اور مصروفیت زیادہ بڑھی تو اس کے لئے وقت نہیں نکال سکے۔ لیکن ضرورت کے وقت کچھ کہہ لیا کرتے تھے چنانچہ ۹۸-۱۸۹۹ء کی بات ہے کہ آپ کے ایک شکاری دوست نے آپ کو چار تلیر بھیجے۔ آپ نے شکریہ کے چار شعر لکھ بھیجے۔ جن میں سے مولوی محمد الدین صاحب فوق کو

---

[1] اخبار نویسوں کے حالات صفحہ ۶

حسب ذیل تین شعر یاد رہے۔ سہ

چار تکبیر جو آپ نے بھیجے — ان سے بندہ ہوا بہت محظوظ
اے نگارا تجھے خدا رکھے — جملہ آفات سے سدا محفوظ
چونکہ تکبیر تھے چار گنتی میں — اس لئے چار شعر ہیں ملفوظ

۱۸۸۸ء

گلزار اودھ سلطان پور محلہ نورانی بریلی سے یکم جنوری ۱۸۸۸ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا۔ دس صفحات پر ہر شنبہ کو نکلتا تھا۔ مالک منشی نروتم داس تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ جوبلی پریس میں طبع ہوتا تھا۔

سرور قیصری کھیر ضلع علی گڈھ سے یہ پندرہ روزہ اخبار یکم جنوری ۱۸۸۸ء کو شائع ہوا۔ مالک جھینی لال، مہتمم سکھن لال تھے۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ مطبع کالیست پرکاش میں چھپتا تھا۔

امرتسر گزٹ امرتسر سے یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر ۵ جنوری ۱۸۸۸ء کو نکلا۔ ہر پنجشنبہ کو شائع ہوتا تھا۔ مالک نیاز علی خاں تھے سالانہ چندہ پانچ روپیہ تیرہ آنہ تھا۔ مطبع ریاض ہند میں چھپائی ہوتی تھی۔

رہبر مراد آباد محلہ چاہ ترگن سے یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر مشتمل ۴ جنوری ۱۸۸۸ء کو نکلنا شروع ہوا۔ پنڈت پرتاپ کشن آغا رہبر مہتمم تھے۔ چہار شنبہ کو شائع ہوتا تھا۔ سالانہ چندہ سات روپیے بارہ

آنہ تھا۔ مطبع نجم الہند میں طباعت ہوتی تھی۔

آفتاب سخن

سرسی ضلع مراد آباد سے یہ شعر و سخن کا ماہنامہ ۲۸ صفحات پر ۲۰ جنوری ۱۸۸۸ء کو نکلنا شروع ہوا۔ مالک سید احمد حسن صاحب مہر، مہتمم سید آل احمد بلیغ تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ سنبھل پریس میں طبع ہوتا تھا۔

آفتاب سخن مورخہ مئی ۱۸۸۸ء میں منشی آل احمد کا تخلص سحر لکھا ہے۔ ممکن ہے بلیغ و سحر دونوں ہوں۔ "شروع میں اسلامی پریس سرسی ضلع مراد آباد میں یہ رسالہ چھپتا تھا۔ لکھنؤ و دہلی کے شعرا نامی کے عمدہ کلام سے مرصع ہو کر ہر انگریزی کے مہینے کی ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا تھا۔ فرمائشی غزل طرح یا غیر طرح فی شعر آٹھ آنہ پیشگی بھیجنے پر چھپ سکتی تھی۔" سرورق پر یہ شعر درج ہے۔

اب ہے نام خدا شباب سخن نور افشاں ہے آفتاب سخن

دہلی کے علاوہ بھی شعرا کا کلام درج ہوتا تھا۔ دہلی کا تو نام تھا لکھنوی شعرا اس گلدستہ پر چھائے ہوئے تھے۔ انتخاب اشعار صحیح نہیں ہوتا تھا۔ غزلوں میں بھرتی کے اور مہمل شعر زیادہ شائع ہوتے تھے۔

جون ۱۸۸۸ء کے آفتاب سخن کی غزلوں کے منتخب اشعار درج کئے جاتے ہیں۔

جناب نواب محمد سجاد علی آفاق لکھنوی شاگرد جناب مشتاق لکھنوی۔

پھر خدائی ہو گئی، جب ہو گئی قید مکاں
اور بت کافر مرے دل میں ترا گھر ہو گیا
بعد مردن یوں ہماری قبر کی زینت ہوئی
آسماں تاروں بھرا پھولوں کی زینت ہو گیا

جناب سید امیر حسن صاحب امیرؔ لکھنوی شاگرد جناب شیخ حکیم اعظم علی صاحب ذرّہ لکھنوی۔ سہ

دیکھنا زاہد پیوں گا خوب جنت کی شراب
مہرباں مجھ پر اگر ساقیٔ کوثر ہو گیا
اس کو دامن سجدہ کا، مجھ کو ملا دامانِ حشر
میں بھی اب وحشت میں مجنوں کے برابر ہو گیا

جناب ننھے صاحب اشرفؔ شاگرد جناب خورشید لکھنوی۔ سہ

کیا کریں کس سے کہیں جو ظلم ہم پر ہو گیا
بے سبب رنجیدہ وہ کچھ ماہ پیکر ہو گیا
دوزخ و جنت کا کیوں احوال کرتا ہے بیاں
کیا فلک کا زینہ، واعظ کا یہ ممبر ہو گیا

جناب مرزا آغا حسن خاں صاحب ارماںؔ لکھنوی تلمیذ جناب خورشید لکھنوی سہ

وصل کی شب کو خفا وہ ماہِ پیکر ہو گیا
دفعتاً کچھ ایسا برگشتہ مقدر ہو گیا
جب کیا بوسہ طلب ہنس کر یہ بولا وہ صنم
تیرا منہ اس قابل اب اللہ اکبر ہو گیا

جناب مولوی محمد عبد الرحمٰن بقاؔ غازی پوری شاگرد شمشاد لکھنوی سہ

سر ہمارا اور سنگِ آستانِ یار پر
ان دنوں کیا اوج پر اپنا مقدر ہو گیا
میں نے جب اس غیرتِ گل کو سنائی یہ غزل
اے بقاؔ اک بوسہ روزانہ مقرر ہو گیا

منشی آل احمد سحر: سحر صاحب سرسی ضلع مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ ان کو شعر و شاعری کا شوق تھا۔ جناب مولوی سید محمد مصطفیٰ خورشید لکھنوی کے شاگرد تھے۔ چنانچہ ایک قطعہ میں فرماتے ہیں۔ ؎

حضرت خورشید کی فیضِ عنایت کی سبب
نوجہاں میں اے سحر اچھا سخنور ہو گیا

لکھنوی ماحول کا اثر ان کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ کہیں کہیں الفاظ کے گورکھ دھندے سے نکل کر خیال آفرینی اور جدت طبع کا بھی اظہار کیا ہے۔ استاد کا اثر بھی کلام پر پڑا ہے۔ ؎

ہے یوں گلوں کے عشق میں بیہوش عندلیب
گلچیں کا دغدغہ ہے نہ غم روزگار کا
اے شوق دید ہمتِ مردانہ چاہیئے
محشر کے روز دیکھیں گے دیدار یار کا
پہنچا ہے ان کے کانوں میں خوبن کے بجلیاں
دیکھا بھی حال میرے دلِ بے قرار کا
قبرِ شکستہ دیکھ کے میری وہ بول اٹھے
شاید یہی مزار ہے اس دل فگار کا
قدموں سے رہبروں کی لپٹتی ہے اپنی خاک
مر کر بھی ہے سحر یہ اثر انکسار کا[1]

منشی احمد حسین مہر: مہر صاحب بھی سرسی ضلع مراد آباد کے رہنے والے تھے

---

[1] آفتاب سخن سرسی جولائی ۱۸۸۸ء۔

یہ بھی شعر کہتے تھے۔ ان کو بھی مولوی خورشید لکھنوی سے تلمذ حاصل تھا۔ ان کے کلام میں پختگی ہے۔ لکھنویت ان پر بھی غالب ہے۔

اور خواہش میکشی کی بڑھ گئی ہے ان دنوں
ابر باراں، سبزہ، ساقی، جام و مینا دیکھ کر
ہے جو غصہ اور جھنجلانا غضب ہر بات میں
جانِ جاں اٹھے ہو تم منہ آج کس کا دیکھ کر
اور عالم کے حسینوں کا بھلا کن میں شمار
صورت یوسف بنی نقشہ تمہارا دیکھ کر[1]

بلبل ہند مرادآباد محلہ پیر غیب سے یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحوں کا ۱۶ جنوری ۱۸۸۸ء کو نغمہ سرا ہوا۔ مالک مرزا احمد حق بیگ تسخیر تھے، مہتمم منشی کشن سروپ تھے۔ ہر دوشنبہ کو نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا مطبع گلزار العلوم میں چھپتا تھا۔

وکیل قومی لکھنؤ گوٹھی سڑک چھاؤنی پہلوی محل سرائے راجہ ٹھنگا قریب گھسیاری منڈی سے یہ پندرہ روزہ اخبار ۱۴ جنوری ۱۸۸۶ء کو ظہور پذیر ہوا۔ مالک مرزا عبداللہ حسرتی تھے۔ سالانہ چندہ دس روپیہ تھا مطبع وکیل قومی میں طباعت ہوتی تھی۔ سرورق پر یہ شعر تحریر تھا ؎

اذیت، مصیبت، ملامت، جفائیں
ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

عبداللہ حسرتی: حسرتی صاحب ریاض الاخبار وغیرہ کے ایڈیٹر و نامہ نگار

---

[1] آفتاب سخن سرسی جون ۱۸۸۸ء۔

تھے۔ شعر و شاعری کا بھی شوق تھا۔ کچھ عرصہ لاہور کے مشہور رئیس پنڈت جنار دھن صاحب کی سرکار میں وظیفہ خوار بھی رہے تھے۔ کیفر کردار اور دو تین ناول ان کی تصنیف تھے۔ شعر اچھا خاصا کہا کرتے تھے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے۔ بہ

تم نہ چاہو ہمیں پھر ہم تمہیں چاہیں کیوں کر
ایسے بے مہر سے بتلاؤ نباہیں کیوں کر

حال دل کہنے سے اتنا جو خفا ہوتا ہے
ماجرائے غمِ دل اس کو سنائیں کیوں کر

کیا نئی چھیڑ نکالی ہے یہ اس نے مجھ سے
کہتے ہیں روز بتا تجھ کو ستائیں کیوں کر

جو ہنسا کرتا ہو خود کر کے دلوں کو گھائل
زخم دل اس کو کبھی اپنے دکھائیں کیوں کر

حسرتؔ تیری خطا تھی دیا بیدرد کو دل
اب کسی کو غلط الزام لگائیں کیوں کر

آئینہ روزگار غازی پور محلہ میاں پورہ سے یہ ہفتہ وار اخبار آٹھ صفحات پر جنوری ۱۸۸۸ء کو جاری ہوا۔ مالک پانڈے رام سرن کایستھ تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔

حامیٔ اسلام لکھنؤ چوک جدید متصل چار کنکر بارہ دری آغا حسنو سے یہ ماہنامہ ۲۴ صفحات پر جنوری ۱۸۸۸ء کو نمودار ہوا۔ سرپرست جناب مولوی محمد صاحب تائبؔ، مالک مولوی شیخ عبدالغفار انصاری سکنہ جیور ضلع بلند شہر، مہتمم منشی حاجی تیغ بہادر تھے۔ مطبع روزانہ اخبار لکھنؤ میں چھپائی ہوتی تھی۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔

داغ اجمیر سے یہ ماہنامہ شعر و سخن کا گلدستہ جنوری ۱۸۸۸ء کو شائع ہوا۔ مالک، مادھو پرشاد بھارگوا تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا مطبع مادھو پرکاش میں چھپتا تھا۔

معلم تجارت اندور سے یہ ماہنامہ تجارتی رسالہ جنوری ۱۸۸۸ء کو نکلا۔ مالک احمد علی خاں شوق مصاحب مہاراجہ اندور تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔

آگرہ پنچ آگرہ محلہ حکیموں کی گلی کوٹھی مسٹر مارٹن سے یہ ہفتہ وار اخبار بارہ صفحوں کا ۴ فروری ۱۸۸۸ء کو طلوع ہوا۔ مالک امیر خاں تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا مطبع منوری میں چھپتا تھا۔

سرمور گزٹ ماہن انبالہ سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم مئی ۱۸۸۸ء کو جلوہ افروز ہوا۔ ہر دوشنبہ کو نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ پانچ روپیہ تھا۔ اس کے جاری کرنے والے منشی سراج الدین صاحب تھے۔ یہ اخبار کس پایہ کا تھا اس کے بارے میں مولانا شرر لکھنوی کی قلم سے اگست ۱۸۸۹ء کے "دلگداز" لکھنؤ سے سنئے:

"سرمور گزٹ، ایک بے مثل اور زور دار پرچہ نکلا ہے۔ آج ہندوستان میں کم اخبار ہیں جو اس وقعت کو پہنچے ہوں۔ وہ ہندوستان کے بہت بڑے بڑے اہم معاملات پر نہایت عمدگی سے بحث کرتا رہا اور کر رہا ہے۔ حیرت یہ کہ برٹش گورنمنٹ کے آزاد قانون کی عملداری میں، اخبارات کی اردو دنیا سرمور گزٹ کے ایسے زور دار آزاد اخبار کم بتیں کر سکے گی جو ایک دیسی مہذب ریاست میں ہے۔ سمجھ دار اور اہل نظر سمجھ سکتے

ہیں کہ یہ اخبار اس بات کی دلیل ہے کہ ریاست تا من نہایت بہی اعلیٰ اور مہذب اور خوش انتظام ریاست ہے اور اس کے رئیس کے خیالات اس انتہا سے آزادی اور ترقی کو پہنچ گئے ہیں جو ہندوستان کو ایک روز تہذیب کے معرکہ میں دیگر ممالک کے مقابلہ میں کامیاب کر لے گی۔"

اختر ہند لکھنؤ محلہ کٹرہ محلہ علی خاں ڈاک خانہ منصور نگر سے یہ ہفتہ وار اخبار سولہ صفحات پر ۱۸۸۸ء کو جاری ہوا۔ مالک اختر الدولہ حاجی سید محمد اشرف آنریری سکریٹری انجمن علمی تھے ہر جمعہ کو نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا

اشرف گزٹ لکھنؤ سے سولہ صفحات کا یہ اخبار ۱۸۸۸ء کو جاری ہوا۔ مالک اختر الدولہ حاجی سید محمد اشرف نقوی آنریری سکریٹری انجمن علمی مؤلف اختر شہنشاہی۔ ایڈیٹر خواجہ سید حسن خاں، پرنٹر حکیم حافظ مولوی وارث علی صاحب علوی تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ اختر پریس میں چھپتا تھا۔

سفیر دکن حیدر آباد دکن سے ۱۸۸۸ء کو یہ روزانہ اخبار جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر منشی نثار علی شہرت اور مولوی سید امجد علی اشہری تارہ چکے ہیں۔ اس کے سیاسی مضامین ہر طبقہ میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

نسیم سنبھل سنبھل ضلع مراد آباد سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۸۸ء کو شائع ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک منشی احمد اللہ عاجز تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ آٹھ آنہ تھا سنبھل پریس میں چھپتا تھا۔

رسالہ حسن اگست ۱۸۸۸ء کو یہ ماہنامہ شائع ہوا جس کے ایڈیٹر حسن بن عبداللہ عماد نواز جنگ تھے۔ پہلا پرچہ مطبع خاص حیدرآباد دکن میں چھپا۔ جب اس رسالہ کا ذاتی مطبع حسن قائم ہو گیا تو اس میں چھپنے لگا۔ مخصوص حضرات سے سالانہ چندہ بارہ روپے اور عوام سے نو روپے لیا جاتا تھا۔ غریب لوگوں کو اور طالب علموں اور انجمنوں سے بتصفیہ تحریری طے ہو جاتا تھا۔ اس رسالہ کا جو اچھا مضمون یا ترجمہ ہوتا اس کے لکھنے والوں کو ایک اشرفی انعام میں دی جاتی تھی۔ انعام پانے والوں میں منشی ذکاراللہ دہلوی اور مولوی سید اشرف شمسی مرحوم وغیرہ تھے۔ موخرالذکر بزرگ مدت تک دارالعلوم میں مدرس رہے۔ آخری زمانہ میں عثمانیہ کالج میں فارسی کے پروفیسر رہے۔ محرم ۱۳۴۹ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔ اس رسالہ کے مضمون نگار مشہور ادیب اور اہل قلم مولوی سید علی بلگرامی منصرم ہوم سکریٹری حیدرآباد دکن، جمشید جی ابدل جی، پروفیسر علم نباتات حیدرآباد کالج، نواب عمادالدولہ سکریٹری کونسل آف اسٹیٹ، مولوی سید محمد سلطان عاقل دہلوی ایڈیٹر اخبار آصفی حیدرآباد دکن، محمد یوسف علی خاں یوسف قزلباش مالک وایڈیٹر آئینہ ہند لاہور، مہاراجہ کشن پرشاد وغیرہ تھے۔

یہ باوقعت رسالہ علمی وادبی انگریزی ماہنامہ پرچوں کے قدم بہ قدم چلنے کی کوشش کرتا تھا جس میں اس کو کافی حد تک کامیابی حاصل ہوئی۔ علمی دنیا میں اس رسالہ کی بڑی وقعت تھی

حسن بن عبداللہ: آپ قریشی تھے اور جعفر ملیبار کی اولاد میں سے تھے شروع میں آپ ۱۲۸۲ھ میں بلدرگ کے مہتمم کوتوالی مقرر ہوئے۔ اس کے بعد سرسالار جنگ اعظم نے ضلع محبوب نگر کی کلکٹری پر مامور کیا۔ پھر پولس کے محکمہ میں سکریٹری مقرر ہوئے۔ بعدہٗ ضلع بیڑ کی کلکٹری پر تعینات کئے گئے

۱۳۰۱ھ کو صدر محاسب سرکار عالی کے عہدہ کا چارج لیا۔ وہاں سے آبکاری کی کمشنری ملی اور ساتھ ہی انسپکٹر جنرل آف رجسٹریشن واسٹامپ ہوئے۔ آخری زمانہ میں کرڈرٹا گبری کے کمشنر انیس سو روپے ماہانہ پر مامور ہوئے۔ جزائر ملایا، چین، جاپان، امریکہ وغیرہ کی آپ نے سیاحت کی تھی۔ آپ ملازمت سے محرم ۱۳۱۹ھ کو سبکدوش ہو گئے تھے۔ پانچ سو روپے کا وظیفہ مقرر ہوا۔ ۱۰ رجب ۱۳۱۹ھ کو شہنشاہ ایران وطہران کی خواہش پر ایران روانہ ہوئے وہیں کی موت لکھی ہوئی تھی۔ ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۱۹ھ کو طہران پہنچکر فوت ہوئے۔ [1]

رسالہ مدرسہ علوم اسلامیہ

انجمن نعمانیہ لاہور کا یہ رسالہ ۱۳۰۶ھ مطابق ۱۸۸۸ء میں جاری ہوا جس کے ایڈیٹر منشی تاج الدین صاحب مختار چیف کورٹ پنجاب تھے۔ مصطفائی پریس میں حافظ محمد الدین مالک مطبع کے اہتمام میں چھپتا تھا۔ اس میں انجمن کا سالانہ حساب کتاب اور روئیداد چھپتی تھی۔

گلشن داغ

یہ ماہانہ گلدستہ یکم جولائی ۱۸۸۸ء کو وجود میں آیا۔ ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو شائع ہوتا تھا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ منشی محمد عبدالرحیم صبا مالک وایڈیٹر تھے۔ مطبع مفید عام آگرہ میں طبع ہوتا تھا۔ اس کے سرورق پر جناب داغ کے تین شعر اور سرورق کے چاروں طرف داغ دہلوی کے مختلف اشعار درج تھے۔ سہ

راز الفت کا نہ ہر اک ہم نشیں سے پوچھئے
یہ ہمیں کچھ جانتے ہیں، یہ ہمیں سے پوچھئے

---

[1] تزک محبوبیہ جلد دوم دفتر اول ص ۳۱۲۔

ہند سے تا بہ دکن داغؔ ہے شہرت تری
اب تو کچھ اور ترا بخت رسا کہتا ہے

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغؔ
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

شعراء کو غزلوں کے روانہ کرنے کے بارے میں اور انتخاب کے سلسلے میں یہ ہدایتیں اور مشورہ دیا گیا تھا۔

"خریدار ہوں یا غیر خریدار، کلام سب کا طرح اور غیر طرح شائع ہوا کرے گا۔ لیکن طرح کو غیر طرح پر ترجیح ہوگی۔ اکثر شعراء اپنی لمبی چوڑی غزلیں بھیج کر شاکی ہوتے ہیں کہ ہماری غزل کا بہت سخت انتخاب کیا مگر یہ نہیں سوچتے کہ ہماری غزل میں واقعی کس قدر اشعار قابل انتخاب تھے اور کس قدر مہمل اور فضول۔ لہٰذا اپنی غزل کے چوٹی کے اشعار ارسال فرما کر دیکھا کریں کہ پھر کس قدر انتخاب ہوا۔"

گلدستہ کی کتابت بہت اچھی ہے کاغذ رنگین ہے جو زیب نہیں دیتا۔ اشعار کا انتخاب یقیناً معقولیت سے کیا جاتا ہے۔ داغؔ دہلوی کے شاگردوں کے علاوہ دوسرے شعراء کا کلام بھی اس میں شائع ہوتا تھا۔

اگست ۱۸۸۸ء کے شمارے کی غزلوں کے یہ منتخب اشعار ہیں۔

جناب مہاراج یوراج بیر بر ٹھاکر ہرکشن سنگھ بیدآر والی ریاست کشن کوٹ پنجاب شاگرد جناب داغؔ دہلوی۔ سہ

سحر ہو گئی کیوں اجازت نہیں کسی کا وہ کہنا ہمیں یاد ہے
کوئی منہ دکھانے کی صورت نہیں شبِ وصل کیں ایسی گستاخیاں

جناب منشی خاقان حسین صاحب توقیر دہلوی شاگرد جناب داغ دہلوی۔ ؎

گلا کیں کریں گے جفا کیجئے | کہ اب لب ہلانے کی طاقت نہیں
شکایت جفاؤں کی سنکر کہا | مجھے رحم کرنے کی عادت نہیں

جناب حسن رضاخاں صاحب حسن بریلوی شاگرد جناب داغ دہلوی۔ ؎

کہا کرتے ہیں غیر حور و پری | غرض آپ میں آدمیت نہیں
ستم پر ستم، جور پر جور | مرے حال پر کب عنایت نہیں
وہ لیں چٹکیاں دل میں اور پھر یہ قید | جو اُن کی تو پاس محبت نہیں

جناب پنڈت اقبال نرائن سعد شاگرد جناب داغ دہلوی۔ ؎

مرا سایہ بھی مجھ سے رہتا ہے دور | کوئی بھی شریک مصیبت نہیں
گلا کاٹتا ہوں میں خود اس لئے | کہ احسان لینے کی عادت نہیں

جناب عبدالعزیز صاحب عزیز دہلوی شاگرد جناب داغ دہلوی۔ ؎

ستم بھی کریں اور یہ بھی کہیں | مجھے آپ سے کچھ عداوت نہیں
ملا دو ہمیں خاک میں ایک دن | اگر تم کو ملنے کی فرصت نہیں

منشی عبدالرحیم صبا: صبا صاحب جناب داغ کے عزیز و محبوب شاگرد تھے ریاست رتلام میں ملازم تھے۔ صاحب خم خانہ جاوید لکھتے ہیں" عرصہ تک رتلام سے گلدستہ گلشن داغ نکالتے رہے جس میں تلامذہ داغ کا منتخب کلام شائع ہوتا تھا گلدستہ حسن و عشق کی شاعری کا زبردست آرگن تھا۔ اس رسالہ کا مقصد یہ تھا کہ مالوہ کی سرزمین پر اردو شاعری کی ترقی ہو اور نقادان سخن داغ کی شاعری پر گہری نظر ڈالیں۔ حضرت داغ نے اس کی توسیع اشاعت میں اپنے تمام شاگردوں کو ہدایتیں دی تھیں کہ اس گلدستہ میں اشعار کا انتخاب کیا جاتا ہے اور ذوق سلیم و شاعرانہ جذبات کا لحاظ رہتا ہے۔ مگر چند روز کے بعد ملک کی ناقدردانی

ہے یہ رسالہ بند ہو گیا"

صباؔ کے کلام میں راز و نیاز کی تفسیر اور سوز و گداز کی تصویر ہوتی تھی فصاحت و شگفتگی بھی پائی جاتی ہے۔ ؎

یہاں عشق کی کیا بدولت نہیں — اذیت نہیں یا مصیبت نہیں
خدا کے لئے تم ہراساں نہ ہو — دعا ہے تمہاری شکایت نہیں
وہ تیغ نگاہ مجھ پہ کیوں کر چلائیں — کہ یہ مقتضائے نزاکت نہیں
محبت کے ہاتھوں ہمیں یہ ملا — بچی ہم سے کوئی بھی آفت نہیں
زمانہ بھی پھر جائے پھر جائے چرخ — پھرے مجھ سے اک میری قسمت نہیں
لبوں پہ تبسم، جبیں پہ ہے بل — میں کیسے کہوں یہ شرارت نہیں

صباؔ کیا کریں وہ وفا یا جفا
انہیں اپنی تزئین سے فرصت نہیں

نظم

۱۸۸۸ء کو لکھنؤ محلہ نوبستہ سے مہینہ میں دو بار پانچویں اور بیسویں تاریخوں میں بارہ صفحات پر یہ اخبار شائع ہوتا تھا۔ بارہ صفحوں میں آٹھ صفحے نظم کے اور چار نثر کے ہوتے تھے۔ مالک دوارکا پرشاد صاحب افقؔ تھے اور رام سہائے تمناؔ ان کے مدد تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ لکھنؤ پریس میں چھپتا تھا۔ اس کے صفحہ اول پر اخبار کے نام کے نیچے یہ شعر درج ہے۔ ؎

گشت نظم اخبار مہر عالم آرائے تمناؔ — اے تمنائے تمناؔ و تمنائے افقؔ

اخبار کی غرض و غایت منظوم ۲۴ اشعار میں ظاہر کی ہے جس کے آخری شعر میں اخبار کی تاریخ بتائی ہے۔ اس نظم کے آخر کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ ؎

مچا دے شاعری کی لے افقؔ دھوم — دکھا دے جلوہ اخبار منظوم
ہر انداز کے مضموں ہوں اس میں — مطالب نثر کے موزوں ہوا ان میں

بڑھا تاریخ سے توقیرِ اشعار
رقم کر بے بدل منظوم اخبار

۱۸۸۸ء

اس اخبار کے آٹھ صفحوں میں عاشقانہ غزلوں کے ساتھ منظوم خبریں اور تبصرے بھی ہوتے تھے۔ ہمارے سامنے "نظم اخبار" کا ایک شمارہ ۵ مارچ ۱۸۹۰ء کا ہے۔ اسی سے مضامین و خبروں کے اقتباسات جو منظوم ہیں نقل کیے جاتے ہیں۔

ہولی کھیلنے کا موسم ہے ہولی کا سماں و نقشہ جناب افق اپنی ایک نظم میں کھینچتے ہیں۔ ؎

عروسانِ نوگانی ہیں ہولیاں — چھپاتی ہیں مسکی ہوئی چولیاں
ہر اک گھر سوا بندرا بن سے ہے — ہر اک بڑھ کے شے کشن موہن سے ہے
جسے دیکھئے ہے وہ ساغر بدست — جسے دیکھئے وہ ہے صہبا پرست
عنانِ سمندِ زباں تھام کر — بس اس شعر پر اس کو انجام کر

لگے دشمنوں کے کلیجے میں آگ
مبارک ہو گی نازنینوں کو پھاگ

جناب افق جب حیدرآباد دکن گئے تو وہاں بیمار پڑ گئے تھے، ایک نظم میں اسی بیماری اور بیماری کی تکلیفوں اور شفا کا ذکر کیا ہے۔ ؎

ان دنوں میں صفتِ مردمک دیدۂ یار ہوا ایسا بیمار
بیٹھنے اٹھنے سے عاجز ہوا معذور ہوا سخت مجبور ہوا
قبض و ورم دل و حبس دم و بیتابیٔ قلب، ازرہ کرتے تھے جو سلب
مجمع دردو غم و رنج میں محصور ہوا، زندہ در گور رہوا

ہوا ان سب کی نگاہوں میں زمانہ تاریک، جو تھے ہر وقت شریک

روز پہ نور سیہ صورت زنبور رہوا، شب دیجور رہوا

راجہ باقی دکن، مرلی منوہر، شیوراج، ہوئے پریشان مزاج

پڑھ کے تاران کے میں شاداں ہوا مسرور رہوا، دل سے شکور ہوا

ڈاکٹریاں جو ہیں میر وحیدالدین ایک، کامل و نامی و نیک

ان کی کوشش جو ہوئی خوف اجل دور رہوا، کرب کافور ہوا

آئی تخفیف عوارض سے جو یوں جان میں جان، ہو گئے بائی اماں

خوش ہر اک خورد و کلاں کا دل رنجور ہوا، جو تھا مسرور ہوا

اے افق کر سنہ ہجری و فصلی باہم ایک مصرع میں رقم

شکر محسن کہ علاجِ دل رنجور ہوا، عارضہ دور ہوا

۱۳۰۷ھ ۱۸۸۹ء

اسی شمارے میں جناب رام سہائے تمنا کا ایک ترکیب بند درج ہے جس میں جہالت و تعصب کے نقصان وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے۔

ابتدائی تمہیدی اشعار سے

اگر کچھ لطف اپنی زندگانی کا اٹھانا ہے

تو کر ہمدردیِ دنیا، یہی توقیر دنیا ہے

اگر ہمدردیِ احباب تیرے دل میں پیدا ہے

تو تیرا قول بھی مرغوبِ عالم اے تمنا ہے

جہالت کی کیفیت۔ سے

جہالت کی بدولت آفتِ غم سر پہ چھائی ہے

خدا کو اپنے بھولی ہے خدائی کیا سمائی ہے

مچا کہرام ہے کیا دین جہالت نے اٹھائی ہے
جدھر دیکھو حسد ہے، رنج ہے، غم ہے لڑائی ہے
نہ آپس میں محبت ہے، نہ یاروں میں صفائی ہے
گھٹا رشک و حسد کی بھائیوں کے دل پہ چھائی ہے

تعصب کی کار فرمائی یہ ہے

کہیں ناقوس کی آواز سے ہنگامہ شر ہے
کوئی کہتا ہے کیوں آوازۂ اللہ اکبر ہے
محرم میں دسہرے کے جو ہوں ساماں تو محشر ہے
تعصب کی جو بگڑی ہے وہی جاہل کے سر ہے
سمجھ کے پھیر سے، مذہب کی یہ تکرار گھر گھر ہے
جو البشر ہندوؤں کا ہے وہی اللہ جو تر ہے

خبریں منظوم کس انداز سے دی جاتی تھیں سنئے۔ ایک لاہور کی طوائف کی ناک کاٹنے کی خبر، وہ بھی اس کے شیدائی کے ہاتھوں اور جناب افقؔ کی زبان سے۔ سے

یہاں کی ہے طوائف ایک مشہور — پرستاں کی پری فردوس کی حور
حسین و نازک وہ چالاک ہے وہ — جہاں کی رنڈیوں کی ناک ہے وہ
زمانے میں ہے دارو نام اس کا — تھا یوسف بندۂ بیدام اس کا
مزاجِ حسن ہفت افلاک پر تھا — پئے عشاق غصہ ناک پہ تھا
ہے لب عشاق کو جاں بخش اس کا — تھا یارِ غار میراں بخش اس کا
محبت میں بہم شیر و شکر تھے — گل و بلبل پئے اہلِ نظر تھے
وفاداری کے دم بھرتے تھے دونوں — نہ تھا کھٹکا مزے کرتے تھے دونوں

فلک نے تفرقہ کی رہ نکالی — گرہ دارو کے ناخن میں ڈالی
ہوا دارو کو شوق بے وفائی — نظر سے صورتِ عاشق گرائی
بگاڑی ایک عرصہ کی بنی بات — نئے دھوکے کی چالوں سے کیا مات
سرِ عاشق پہ مارا خنجرِ جور — جدا ہونے لئے ڈھونڈا کوئی اور
نہ میراں بخش کی سمجھی قدامت — جفا سے بند کی صاحب سلامت
ہوا بیتاب میراں بخش کا دل — جگر سینے میں تڑپا شکلِ بسمل
رکھی دارو کی اٹھتے بیٹھتے تاک — کسی دن پا کے موقع کاٹ لی ناک
مٹا اسباب خود بینی کا دم میں — گئی پھر سے کی مرغوبی عدم میں
گئی جب بیرخی سے اس طرح ناک — نہ تاب آئی ہوئی دارو غضبناک
رخِ مطلب پہ کی غازے کی مالش — عدالت چڑھ کے کی عاشق پہ نالش

جہاں کو اس خبر سے آگہی ہے
بس اب پیشی پہ پیشی ہو رہی ہے

اس اخبار میں دوسرے شعراء کا کلام اور مشاعروں کی غزلیں بھی شائع ہوتی تھیں۔ حیدر آباد دکن میں کوئی مشاعرہ ہوا ہوگا۔ اس کی تین غزلیں ان تینوں بھائیوں منشی رام سہائے تمنّا، دوارکا پرشاد افقؔ اور منشی ماتا پرشاد نسیاں کی شائع ہوئی ہیں۔ منتخب اشعار یہ ہیں۔

جناب تمنّا سے

گر بڑھے دستِ تمنا تو قناعت کیسی
نام انساں جو ہو بدنام تو عزت کیسی
بر میں معشوق نہ ہو پھر شبِ وصلت کیسی
نفس قابو میں نہ ہو گر تو عبادت کیسی

دل لیا میرا مگر دل نہیں دیتے اپنا
یہ جو رکھی کرتے ہیں خود اپنی حفاظت کیسی

دوارکا پرشاد افق ؔ

میل ہونے پہ مری جان شکایت کیسی
ہو گیا صاف جب آئینہ کدورت کیسی
لذت وصل سے انکار کی عادت کیسی
اے بتو شکر کے بدلے یہ شکایت کیسی
ہوس حور میں بیکار ہے اللہ کی یاد
عاشقی جس سے ہو پیدا وہ عبادت کیسی
شیخ پڑھتے ہیں نماز آپ اگر یہ تو نہیں
ہاتھ پھیلایا طلب کو تو قناعت کیسی

منشی ماتا پرشاد نسیاں ؔ

نیند نہیں آئی مزے میں شب وصلت کیسی
بد نصیبی سے مری ہو گئی قسمت کیسی
ابھی کمسن ہیں وہ کیا جانے ہے الفت کیسی
کیا مزا ہجر کا ہے وصل کی لذت کیسی
بوسہ دینے کو بلایا تھا مگر لڑ بیٹھے
کیوں جی بولو تو یہ دعوت میں عداوت کیسی

اخبار کے ایڈیٹر بھی انسان ہیں وہ آپس میں نہ لڑیں اور نکتہ چینی نہ کریں تو یہ کیسے ممکن ہے جس کا انجام مقدمہ بازی بھی ہوتا ہے چنانچہ اخبار "نظم" کے شمارے ۲۰ ستمبر ۱۸۸۸ء کی ایک خبر کا عنوان

ہے "ایڈیٹران اخبارات اور قانونی باز پرس" کے زیر اخبار مراد آباد سے یہ معلوم ہوا کہ مراد آباد سے دھیلا اخبار نکلتا تھا۔ اب نظم اخبار کی اس خبر سے معلوم ہوا کہ مراد آباد سے حیر پوز اخبار بھی نکلتے تھے۔ اب خبر گوش گذار کیجیے۔

"ہم افسوس کے ساتھ مندرجہ ذیل مقدمات کا ذکر کرتے ہیں جو ایڈیٹران اخبار پر قائم ان کی حرمت ان کی آبرو پر دھبہ لگاتے ہیں۔ ایڈیٹران اخبار ملکی رفارمر سمجھے جاتے ہیں ان کے واسطے ایسے مقدمات نہایت شرمناک ہیں۔

(۱) لالہ ہربنس رائے صاحب ایڈیٹر پروپرائٹر اخبار انبالہ گزٹ کو فحش لکھنے پر ایک ماہ قید اور چالیس روپے جرمانہ ہوا۔

(۲) دہلی کے پرچہ دوست پر نالش لائبل دائر ہوئی۔

(۳) بلبل ہند کے ایڈیٹر نے مالک اخبار حیر پوز مراد آباد پر نالش کی۔"

اسی مذکورہ شمارے ۲۰ ستمبر ۱۸۸۸ء میں دہلی میں کانگریس کے جلسے کی خبر شائع ہوئی ہے۔

"۱۰ ستمبر ۱۸۸۸ء کو دہلی میں ایک بہت بڑا جلسہ نیشنل کانگریس کا ٹاؤن ہال میں منعقد ہوا جس میں خواجہ علی محمد بھیم جی رئیس بمبئی اور جناب بابو مرلی دھر صاحب وکیل انبالہ اور جناب امراؤ مرزا صاحب حیرت نے نہایت عمدہ سپیچ یکے بعد دیگرے دی۔ حاضرین نہایت خوش ہوئے اور بڑی بڑی تعریفیں ہوئیں جناب حیرت نے ایک دو، دلگیر نظم بھی پڑھی جس پر نعرہ تعریف بلند ہوئے تھے۔ اس جلسہ میں تقریباً ایک ہزار معزز ہنود اور

پانچ سو باعزت مسلمان اور بارہ یورپین موجود تھے۔ جناب شیخ حفیظ اللہ خاں صاحب میونسپل کمشنر اس جلسے کے چیئرمین تھے۔"

نظم کے معاصرین نے منظوم اخبار کو بہت سراہا تھا۔ چنانچہ آگرہ اخبار نے ۵ فروری ۱۸۹۰ھ کے شمارے میں منظوم تنقید کی ہے۔ آخری بند یہ ہے۔ ؎

ہیں تمنا وافق زمرہ بیراں اس کے
ایسا اخبار نہ دیکھا نہ سنے یہ نغمے
مشق اول کے ورق ہیں کہ سخن کے چربے
حق تعالٰے نظر بد سے بچائے رکھے
کونپلیں پھوٹی ہیں، نخلِ سخنِ اردو میں
پھول پھیلے ہوئے دیکھو چمن اردو میں

سلطان الاخبار بنگلور نے نثر میں ۴ فروری ۱۸۸۹ھ میں تبصرہ کیا ہے:

"کچھ عرصہ سے ہندوستان کا اکلوتا اخبار دفتر مطبع میں آتا ہے ہم نے اس اخبار کو غور کی نظر سے دیکھا اور اس کے منظومہ مضامین کو نکتہ چینی کے خیال سے پڑھا۔ ہمیں خوشی حاصل ہوئی کہ باوجود اس خیال کے ہم نے اس اخبار کو ہر طرح سے عمدہ پایا۔ نظم میں فصاحت کے ساتھ شاعرانہ اسباب موجود، حشو نظم اخبار کے کلام سے مفقود خبروں کو موتیوں کے سلک میں ایسا پرو دیا ہے گویا دریا کو کوزہ میں بند کیا ہے۔ کہیں مسدس کہیں رباعیات اور کہیں غزلیات کی دھوم ہے، ہر ایک شعر میں زمانہ کی حالت اور نیچرل مضامین کا ہجوم ہے۔ ایڈیٹر نے اپنی طبیعت کے ایسے جوہر دکھائے کہ بیساختہ

کہنا پڑتا ہے کہ شعر گوئی اس کا نام ہے۔ منشی دوارکا پرشاد افقؔ نے ہندیوں پر ثابت کر دیا کہ ابھی ہند کی خاک میں وہ زور ہے کہ جس طرف متوجہ ہو وہ کام کر دکھائے کہ اہل یورپ سے بن نہ پڑے۔"

اس جنار کی مدت عمر چار سال رہی ۱۸۹۲ء میں بند ہو گیا تھا۔

دوارکا پرشاد افقؔ: دہلی جب بھی تباہ ہوئی اس میں ردو بدل ہوا اور بہت سے خاندانوں نے اسے خیر باد کہا۔ چنانچہ منشی دوارکا پرشاد افقؔ کے اجداد بھی دہلی کے رہنے والے تھے۔ کسی تباہی کے زمانہ میں ان کو دہلی چھوڑنی پڑی اور لکھنؤ میں محلہ نوبستہ میں آکر مقیم ہوئے۔ نوبستہ کی سرزمین ہمیشہ سے ایک ممتاز خطہ رہا ہے۔ یہاں کے رہنے والوں نے علم و ادب کی بے مثل خدمات انجام دی ہیں جناب افقؔ کا خاندان بھی علم و ادب کی خدمت کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہا ہے۔ تقریباً ہر فرد صاحبِ فن اور علم نواز بتا ہے۔ جناب افقؔ کے پردادا منشی اودھے راج مطلعؔ اور دادا منشی ایشوری پرشاد شعاعؔ فارسی کے اور ان کے والد منشی پورن چند اردو کے شاعر تھے۔ صاحب یادِ رفتگاں کے نزدیک ان کا تخلص ذرہؔ تھا لیکن صاحبِ تذکرہ شعرائے ہنود ان کے متعلق اور ان کے تخلص کا ذکر ص۹۴ میں اس انداز سے کرتے ہیں۔

"لالہ پورن چند تخلص حسنؔ، کالیستھ سکسینہ، ساکن لکھنؤ محلہ نوبستہ شاگرد منشی خیراتی لال شگفتہؔ اودھ کے اچھے شاعر تھے۔"

اور ص۹۳ میں یہ فرماتے ہیں۔

"رائے پورن چند تخلص عاجزؔ، کالیستھ سکسینہ، مالک مطبع تمنائی لکھنؤ محلہ نوبستہ، مصنف رامائن اردو۔"

اور ان کا ایک شعر نقل کیا ہے ؎

ہے کمر باشک تری، پرا بند اسے آجتک
چشم مردم نے نہ دیکھی روح انساں کی طرح

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ منشی پورن چند جی شاعر تھے۔ تخلص میں تبدیلی ہوتی ہوگی کبھی ذرہ، کبھی حسن اور کبھی عاجز تخلص رکھ لیا ہوگا۔ چنانچہ جناب افق کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ پہلے ان کا تخلص دلؔ تھا بعد میں افقؔ تبدیل کیا۔ چنانچہ صاحب تذکرہ شعرا ہنود نے صفحہ میں افقؔ اور صفحہ ۹۵ میں دلؔ کے تخلص کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔

جناب نثارؔ لکھنوی سے معلوم ہوا۔ پورن چند عاجزؔ افقؔ صاحب کے والد نہیں تھے بلکہ افقؔ صاحب کے بھائی تمناؔ صاحب کے خسر تھے۔ اسی طرح پورن چند حسنؔ کو بھی افقؔ کے والد نہیں سمجھنا چاہیے یہ بھی کوئی اور ذات شریف تھے۔

جناب رفیقؔ ۱۸۷۴ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ نو سال کی عمر میں شعر کہنا شروع کیا۔ گھر کے علاوہ کچھ دنوں آپ نے کیننگ کالج لکھنؤ میں تعلیم پائی لیکن سند یافتہ نہیں بنے۔ مشق سے انگریزی کی اچھی استعداد پیدا کر لی تھی اور بڑی بڑی ضخیم انگریزی کتابوں کے اردو میں ترجمے کئے۔ ہندی میں بھی کافی مہارت پیدا کی اور اس زبان کی کتابوں کے بھی اردو میں ترجمے کئے۔ فارسی میں فاضلانہ دستگاہ رکھتے تھے مگر اپنے افکار و تخیلات کے اظہار کا ذریعہ اردو رکھا۔[۱] ادب کا شاید ہی کوئی موضوع ایسا ہو جس پر افقؔ نے قلم فرسائی نہ کی ہو۔ علم عروض وقافیہ اور صرف و نحو کے ماہر تھے اور ہر موضوع پر آپ کی کتابیں موجود ہیں۔ جن میں قابل ذکر راماین منظوم، ترجمہ نثر رامائن، والمیکی، مہابھارت، بھاگوت

---

[۱] یادِ رفتگاں صفحہ ۲۹۴۔

بھگوت گیتا، سناتن دھرم پرکاش، رام نائک، آئینہ قواعد، آئینہ جغرافیہ، سرمایہ معلومات، قواعد خوش خطی، مرقع کمال نظم، مرقع اخلاق نظم، مرقع خیال نظم، شعر و ادب، رسالہ تفریح طبع۔ حیات بانی، زندگی جاوید، وغیرہ لکھیں۔

ان تالیفات، تصنیفات اور تراجم کے ساتھ تین اخبار نظم اخبار دھرم جیون اور پنجاب سماچار کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیئے۔ منشی رام سہائے تمنا ان کے بڑے بھائی اور چھوٹے بھائی منشی ماتا پرشاد نیساں تھے اور صاحبزادے جناب بشیشور ناتھ منور ہیں۔ ستمبر ۱۹۱۲ء میں افق نے وفات پائی۔

غزلیں آپ نے کم کہی ہیں نظموں پر زیادہ زور صرف کیا، کلام میں روانی اور سلاست ہے۔ ؎

مانع عشق کوئی لاکھ ہو، ہوتا کیا ہے
ہم جو مرتے ہیں کسی پر، تو کسی کا کیا ہے

کبھی شوخی، کبھی مستی، کبھی غصہ، کبھی شرم
نہیں معلوم کہ آنکھوں میں ترے کیا کیا ہے

آئے ہستی میں ہو کیوں اے مرے یارانِ عدم
خاک میں ملنے سے تم لوگوں کو ملتا کیا ہے

عمر کیوں زہد میں اے شیخ گنوائیں عشاق
حور دنیا میں جو مل جائے تو جنت کیسی

یہی کہتا ہے جو اشعار افق سنتا ہے
پائی ہے اس نے خدا جانے طبیعت کیسی

زمانہ اپنا تھا، اپنا برابر جب زمانہ تھا
تھا ربط و ضبط قسمت سے فلک سے دوستانہ تھا

جہاں گلزار ہیں جتنے ہو تم بکھرے ہوئے تنکے
کبھی میرا بھی وہاں اے ہم صفیرو آشیانہ تھا

کفنی بدن پر ہے تو بچھانے کو بوریا
زاہد کی جہاں میں یہ اوقات رہ گئی

دشمن ملے، رقیب ملے، محتسب ملے
محفل میں صرف ان سے ملاقات رہ گئی

وامق نہیں ہے، قیس نہیں، کوہکن نہیں
عشاق میں تری ہی افق ذات رہ گئی

۱۸۸۹ء

انتخاب لکھنؤ کے محلہ محمود نگر سے شعر و شاعری کا یہ ماہانہ گلدستہ ۱۸۸۹ء کو جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر و مہتمم مولوی سید محمد مصطفیٰ خورشید لکھنوی تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔

یہ گلدستہ خاصہ معیاری ہے۔ اس میں مستند شعرار کا منتخب کلام شائع ہوتا ہے۔ چنانچہ جناب شوکت میرٹھی ایڈیٹر شحنۂ ہند میرٹھ جو کسی شاعر اور گلدستہ کو جانچنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے وہ اور دوسرے گلدستوں پر ۸ر ستمبر ۱۸۹۲ء کے شحنۂ ہند میں رائے زنی کرتے ہوئے اس گلدستہ کے بارے میں ہماری رائے سے اتفاق کیا ہے۔

"انتخاب لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔ ہندوستان میں ایسے گلدستوں کی کمی ہے۔ بات توجب ہے کہ فی شعر ایک گلدستہ شائع ہو، کیونکہ بے فکروں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ گلدستوں کے خریدار یامربی یا معاون ہوتے ہیں، ان کی غزلیں تو تمام و کمال درج ہو جاتی ہیں خواہ ان کے اشعار کیسے

رتی ردی اور پرجوش ہوں اور جو لوگ خریدار نہیں ہوتے ان کے اشعار کیسے ہی عمدہ ہوں مگر دست تصرف کی خراش تراش سے نہیں بچ سکتے۔ گلدستوں کے مالک اور مہتمم بھی مجبور ہیں کیونکہ ایسا نہ کریں تو رایت کہاں سے ملے۔ ہاں یہ اظہار ضروری ہے کہ اس گلدستہ میں اشعار کا انتخاب کسی قدر عمدہ ہوتا ہے۔ اگر اسی رنگ میں چلے تو بھی غنیمت ہے۔"

۲۴ اکتوبر ۱۸۹۲ء کے شمارے کی غزلوں کے منتخب اشعار ملاحظہ ہوں۔

مولوی محمد عبدالعلی آسی مدراسی مہتمم انجم المطابع۔ ؎

گیا کیا تھیں آرزوئیں کہ سب خاک ہو گئیں
سینہ میں حسرتیں ہیں فقط یادگار دل

سبزہ ہو اور بہار ہو اور ہو فضائے باغ
لیکن وہ گل نہ ہو تو ہے سب ناگوار دل

محمد عسکری لسمّل۔ ؎

اے شاہ حسن دیکھ ہمارا وقار دل
بالِ ہما ہے فرش سر رہ گذارِ دل

سن پایا جب سے یہ بھی تری جلوہ گاہ ہے
ہوتی ہے روح فرط طرب سے نثار دل

سید محمد کاظم جاوید ؎

حد کی فسردگی ہے کلیجہ کے داغ میں
گویا کہ بے چراغ پڑا ہے مزار دل

صحبت کا ہم نشیں کے اثر دیکھ اے فراق
بیٹھا کچھ اس طرح کہ نہ اٹھا غبار دل

جناب حکیم سید ضامن علی صاحب جلالؔ۔ سہ

ہر غمزہ اس حسین کا ہے امیدوارِ دل

اک دل ہمارے پاس ہے سو خواستگارِ دل

تیور درست صبحِ شبِ ہجر بھی نہیں

اللہ رے انتشارِ حواس اضطرارِ دل

سید فرزند حسین ذاخرؔ شاگرد فاخرؔ لکھنوی۔ سہ

زخمِ جگر ہرے ہوئے آئی بہارِ دل

چھٹکے نہ کس طرح سے چمن میں ہزارِ دل

مٹھی میں دل مسلکے وہ کہتے ہیں یہ مرا

ہوتا ہے اس طریقے سے دیکھو نثارِ دل

مولوی سید اصغر حسین فاخرؔ مرثی انتخاب۔ سہ

آندھی جو آج آئی ہے کعبہ کی سمت سے

پھیلا ہے اٹھ کے کیا یہ کسی کا مزارِ دل

پھٹ پھٹ کے اس کے زخم شگفتہ ہوئے ہیں گل

ہے پہلوئے خزاں بھی دبائے بہارِ دل

سید محمد مصطفیٰ خورشیدؔ: سید خورشید عرف مولوی لڈن نبیرہ مولانا سید دلدار علی مجتہد العصر تھے۔ خورشید صاحب عربی، فارسی اور فنون شاعری عروض وغیرہ سے بخوبی واقف تھے۔ شاعری میں آپ اپنے ماموں سید محمد جعفر اس کے بعد آغا حجو کے شاگرد ہوئے۔ غزل کے علاوہ مثنوی، مرثیہ، نوحہ اور سلام بھی کہتے تھے۔ محرم کے دنوں میں یہ اکثر باہر بھی جایا کرتے تھے۔ دو مرتبہ کربلائے معلیٰ کی زیارت کر چکے ہیں۔ نواب مہدی علی خاں ماہر داماد نواب تاج محل مطبعہ

کی صاحبزادی کا عقد ان سے ہوا تھا۔ ان کے خاندان میں اکثر لوگ صاحب علم و فضل جانتے ہیں۔ صاحبِ دیوان تھے۔ ایک مدرسالہ آفادات ان کی تصنیف ہے آفادات میں انہوں نے اپنے حالات عروض و قافیہ اور متروکات پر روشنی ڈالی۔

خورشید صاحب عروض کے ماہر اور مشاق شاعر تھے۔ سخن گو ہی نہیں بلکہ سخن فہم بلا کے تھے۔ شاگردوں کا حلقہ بھی خاصا ہے۔ سے

دنیا میں ہائے ایک نہیں غم گسار دل
مرجائے دل بنائے نہ کوئی مزار دل

روشن ہے صاف سینۂ عاشق کے داغ سے
رکھتا نہیں ہے دودِ چراغ مزار دل

دم رہے تیرا جہاں میں شبِ فرقت باقی
نہ رہے گی کوئی دنیا کی مصیبت باقی

موسیٰ کی طرح طالبِ دیدار کون ہو
اس دل میں کیا نہیں جو سرِ کوہِ طور تھا

ہیں بے خطا گناہ کئے گو کہ اے کریم
رحمت کو بھولتے تو ہمارا قصور تھا

ہر آن بانئ ستم و جور ہو گئے
تم تو جوان ہوتے ہی کچھ اور ہو گئے

دل سے اٹھے نہ دھواں عشق میں جاتا ہے وہی
یوں تو ایک شمع بھی ہے بزم میں جلنے کے لئے

حفظ جاں ہجر میں اب شاق بہت ہے اے دوست
جس کو کہدے اسے دیدوں میں امانت تیری

عاشق ہی کا یہ دل ہے کہ ساکت ہے میری جاں
پتھر بھی جو توڑیں گے تو فریاد کریں گے

طلب پہ بوسہ کی کیوں اس قدر بگڑتے ہو
زباں ہی سے کہا تھا، چلو لیا تو نہیں

زاہد سے کہتا ہے وہ بت سامنے ہو کر
اب دیکھ لو تم شانِ خدا کو نہیں دیکھا

یہ منہ کو پھیر کر کیسے اشارے ہیں دمِ ذبح
حلال کرتا ہے ظالم کسے دکھا کے مجھے

ستم کئے تو کئے اب تو صاف ہو مجھ سے
جو کچھ ہوا وہ ہوا، یہ کہو خفا تو نہیں

بتوں کے قبضۂ قدرت کو کوئی کیا جانے   یہی ہیں وہ کہ جو برسوں خدا کے گھر میں رہے

تنکا تنکا جمع کیوں کرتے، بناتے کس لئے
ہم نہ سمجھے تھے کہ برباد آشیاں ہو جائے گا

مرقدوں کی تربتیں کر دو برابر شوق سے
یہ بھی اپنی بے نشانی کا نشاں ہو جائے گا

ہم ایسے زار بھی کہیں دیکھے ہیں اے جناب
تن کے عوض ہوا ہی ہوا پیرہن میں ہے

عشقِ جاناں میں ہوئی باعثِ رونق ہر شے
درد بھی دل میں رہا زینتِ پہلو ہو کر

مانا نظر پڑی تھی، دل آیا پھر اس پہ کیوں
آنکھوں کی کیا خطا سب اسی کا قصور تھا

سحابِ سخن جودھ پور سے یہ ماہنامہ ۱۸۸۹ء کو شائع ہوا۔ ایڈیٹر مولوی ابوالحسن مشرقی اور شیام سندر سرخوش تھے۔ اسی کے ساتھ جودھ پور سے رسالہ نغمہ بار بھی جاری ہوا جس کے ایڈیٹر محمد ابراہیم مداح تھے۔ ان دونوں رسالوں میں شعراء کے کلام چھپتے تھے۔ یہ رسالے زیادہ عرصہ تک نہیں چل سکے۔ [1]

آگرہ پنچ آگرہ محلہ لوہری دروازہ سے ۱۸۸۹ء میں یہ ہفتہ وار مزاحیہ اخبار شائع ہوا۔ مرزا وحیدالدین بیگ ابوالعلائی مالک اور مہتمم اور ایڈیٹر اکبر حسین تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ مطبع آگرہ پنچ میں چھپتا تھا۔ حسب ذیل مصرع سرورق پر درج ہوتا تھا۔ ؎

زندگی دو دن کی ہے اے جان ہنس کے بول

کرنیل مرادآباد محلہ نواب پورہ سے ۱۸۸۹ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا اس کے مالک پنڈت بنواری لال مشر تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ دس آنے تھا۔ مطبع بدیابھوشن میں چھپتا تھا۔ معیاری پرچہ نہیں تھا۔ چھوٹی تقطیع پر نکلتا تھا۔ کاغذ، کتابت طباعت بھی اچھی نہیں تھی۔

یہ بات اب تک سننے میں نہیں آئی تھی کہ حاجی صاحبان جہاز میں سوار ہونے کے بعد بغیر حج کئے واپس لوٹ آئے۔ لیکن اس قسم کا واقعہ اخبار کرنیل مرادآباد مورخہ ۲۴ جون ۱۸۹۵ء بیان کرتا ہے۔

"بمبئی میں حسین نامی جہاز گذشتہ اتوار کو کامران سے واپس آیا۔ ۱۰ اپریل کو یہ جہاز ۸۷۰ عازمان حج کو لیکر گیا تھا۔ گذشتہ

---

[1] جائزہ زبان اردو ص ۲۶۴۔

میں ہیضہ پھوٹا اور ۲۴ روز تک قرنطینہ میں رہا اور چونکہ حج کا وقت گذر چکا تھا اس لئے مسافر لوگ بغیر حج کئے بے نیل مرام واپس آئے۔ پندرہ مسافر ہیضہ سے فوت ہوئے۔"

عرب ممالک میں انگریزوں نے عربوں اور غیر عربوں پر تسلط جما رکھا تھا اور عرب حکمراں کی پوزیشن غلاموں جیسی تھی ان کے اشاروں پر ناچتے تھے مخالفت میں ایک لفظ بھی نہیں نکال سکتے تھے۔ لیکن عرب عوام انگریزوں کو تنگ کرنے اور زک پہنچانے کی تلاش میں رہتے تھے۔ چنانچہ حجاز کے بدوؤں کو ایک ایسا موقع مل گیا کہ انھوں نے یورپین حکومتوں کے سربراہوں کا صفایا کر دیا جس کی خبر ۸ جون ۱۸۹۵ء کے اخبار میں چھپی ہے۔

"۲۱ مئی۔ لندن۔ اس خبر کے مطابق جو جدہ سے آئی ہے کل ان بدوؤں نے جو شہر مذکور کے باہر رہتے ہیں برٹش کانسل، وائس کانسل، روسی کانسل، فرانسیسی کانسل سکریٹری پر حملہ کیا۔ برٹش وائس کو گولی مار دی گئی اور برٹش کانسل زخمی ہوا، روسی اور فرانسیسی قائم مقام سخت مجروح ہوئے۔"

ان حکومتوں نے دولت عثمانیہ سے جواب طلب کیا۔ اس کا جواب بھی ۲۴ جون ۱۸۹۵ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے۔

"جدہ کے بلوے کے متعلق سفیران انگلینڈ، روس و فرانس نے دولت عثمانیہ سے کہا ہے کہ بدوؤں سے ہتھیار چھین لئے جائیں اور فساد مذکور میں جس قدر نقصان جان و مال ہوا ہے اس کا معاوضہ دلایا جائے۔ دولت عثمانیہ نے جواب دیا کہ مفسدوں کو قرار واقعی سزا دی جائے گی مگر ان سے ہتھیار چھیننا

آسان نہیں۔"

اس اخبار کا جب سال شروع ہوتا تھا اس کے پہلے شمارے میں تقریباً ہر خبر منظوم شائع ہوتی تھی۔ یکم جنوری ۱۸۹۴ء کے پرچہ کی خبریں پڑھیے۔

ساقی یہ نیا ہے سال آیا
کچھ مے کا نہ لطف میں نے پایا
اخبار کا پہلا ہے یہ نمبر
کہتا ہوئی جلد تا دسمبر
ہے صبح کا وقت ٹھنڈا ٹھنڈا
لادے مجھے بسکٹ اور انڈا
ہے نیچری کا پسند بانا
کانٹے و چھری کھاؤں کھانا
پتلون ہو ایک ایک جاکٹ
انگریزی زباں میں بہئے گٹ پٹ
دمدار ہو سر پہ ایک ٹوپی
دانتوں میں دبی ہو بتی موٹی
کت ہو پیچھے ایک بنڈا
خمدار سا ہو وے ایک ڈنڈا
مہاراج ہیں جو کہ شہر ریواں
اس سال ہوا ہے ان کا گونا
ہیں مالک مطبع جو کہ مشہر
بیاہی گئی ان کی بھی ہے دختر
ایک ان کے ہوا پسر بھی پیدا
دنیا میں اسے رکھے خدایا
نیشنل کانگریس ہوئی ہے لاہور
اسلامی کانگریس کا ہے دور
کایستھ کانفرنس ہوئی ہے متھرا
گذرے ہوئے سن کا یہ تماشا
مہاراجہ دلیپ سنگھ کا مرنا
دنیائے دنی کا ترک کرنا
پٹیالہ کے تھے وزیر اعظم
ہر وقت خوشی میں تھے نہ تھا غم
دنیا کے نہ عیش کچھ بھی دیکھے
چالیسویں سال ہائے گذرے
چھوڑا ہے انھوں نے ایک لڑکا
کالج میں کوئی کے ہے وہ بڑھتا
گذرے ہوئے سن کا حال لکھا
کچھ عیش لکھا، ملال لکھا
اب سال نیا ہے جو کہ آیا
دیکھیں کہ خوشی ہے کیا یہ لایا

پنڈت بنواری لال مشر: پنڈت مشر مرادآباد کے اہل ثروت خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ کرنیل اخبار اور بدیا بھوشن پریس کے آپ مالک تھے۔ پکے سناتنی تھے قوم کی اصلاح کے متمنی تھے۔ کرنیل اخبار کے علاوہ مرادآباد اخبار بھارت پرکاش ہندی میں نکالا۔ یہ ماہنامہ تھا جو آریہ سماج کے خیالات وعقائد کی تردید کے لئے جاری کیا گیا تھا۔ چنانچہ اس رسالہ کا اشتہار یکم اکتوبر ۱۸۹۲ء کے کرنیل اخبار میں شائع ہوا ہے۔ اس میں اس کی غرض وغایت کا حسب ذیل الفاظ میں اظہار کیا ہے۔

"اخبار بھارت پرکاش کا اصلی منشا اور غرض یہ ہے کہ دھرم کی حفاظت ہو۔ نئے نئے فرقے بیچ اور پاک سناتن دھرم میں رخنے ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں گو ان کے بھونکنے اور چاند پر خاک ڈالنے سے سناتن دھرم کا کچھ نہیں ہو سکتا مگر تاہم حفاظت فرض ہے۔"

مشر صاحب کو ادبی ذوق بھی تھا شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ یہ ملک میں فرقہ وارانہ فسادات کو بری نظر سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ جب ریاست ڈامراؤں میں فرقہ وارانہ فسادات کو ختم کرنے کے لئے ایک جلسہ ہوا جس میں تمام فرقوں کے لوگ شریک ہوئے اور باہمی محبت والفت کی فضا پیدا ہوئی۔ اس جلسہ کی روئیداد آپ نے نظم کی جو یکم جولائی ۱۸۹۵ء کے کرنیل اخبار میں شائع ہوئی ہے اس کے چند شعر یہ ہیں۔ ؎

مسرت خیز ہے ساقی جو ڈامراؤں	وہیں کی کچھ خبر تجھ کو سناؤں
خوشی کی یہ خبر سننے میں آئی	ہوئی دونوں مذہب میں صفائی
مئی پچیس سن پچانوے کو	سنو لے ناظرینوں اور خوش ہو

نہایت دھوم سے جلسہ ہوا تھا
بنارس، لکھنؤ اور غازی پور
تھے گورکھپور کے اشخاص بھی
قریب دس ہزار اس جلسے میں تھے
گذشتہ سال میں جو جو تھی تکرار
تنازعہ ہو رہا تھا جو کہ ہر سو
مٹی تکرار دیواں کی بدولت
یہ سولہ جون کے پرچے میں دیکھا
یہ دیکھا عید قرباں میں کہ امسال

اسی جلسہ میں ہر چھوٹا بڑا تھا
بلیا، بانکے پور اور ہابل بکسر
فراہم جلسۂ والا تمامی
امانت اللہ صاحب سب سے پہلے
مسلمانوں ہندوؤں میں تھی تکرار
مسلماں اک طرف، اک سمت ہندو
رہی امن و اماں سے ساری خلقت
کہ اعظم گڈھ کا برلا ہے جو پرچا
رعایا سب رہی جھگڑے سے خوشحال

دعا دیتا ہے ہر وقت مشر
ترقی ہو سدا اے بندہ پرور

پنجاب امرتسر سے ۱۸۸۹ء میں نمودار ہوا ہر جمعہ کو نکلتا تھا۔ بارہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مولوی غلام محمد اختر کلاں نوری اس کے مالک و ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ پانچ روپیہ تھا۔ اختر ہند پریس میں طباعت ہوتی تھی۔ یہ سرسید کی تعلیمی جدوجہد سے متاثر تھا۔ ۱۸۹۴ء میں پنجاب میں سرسید مرحوم نے دورہ کیا تھا، اس کو تفصیل کے ساتھ شائع کیا تھا۔ اس اخبار کو قومی معاملات میں اور اپنے معاصروں سے ہمدردی تھی۔ جب اخبار دھرم جیون کے ایڈیٹر پر جرمانہ ہوا تو اس نے اس سے اظہار ہمدردی کیا ہے۔

"بابو چنداسنگھ وکیل کی طرف سے جو فوجداری استغاثہ اخبار دھرم جیون کے مضامین کی بنا پر ہوا تھا اور جس میں مسٹر اگنی ہوتری مستغاث علیہ تھے۔ ان پر عدالت نے دو سو روپیہ جرمانہ کیا ہے

اور جرمانہ ادا کریں تو دو مہینے قید رہیں .. .. نوع انسانی میں اصلاح کرنے والے لوگوں کو جو اذیتیں پہنچتی ہیں وہ بہت کچھ افسوسناک ہوتی ہیں اور اس لئے ہمیں مسٹر اگنی ہوتر سی سے بہت کچھ ہمدردی ہے۔"

پنجاب گزٹ سیالکوٹ سے یہ ہفتہ وار پرچہ ۱۸۸۹ء میں نکلا۔ یکشنبہ کو آٹھ صفحات پر شائع ہوتا تھا۔ ایڈیٹر منشی غلام قادر فصیح تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا پنجاب پریس میں چھپتا تھا۔

خیر اندیش یہ ہفتہ وار اخبار انبالہ سے ۱۸۸۹ء کو جاری ہوا۔ یک شنبہ کو نکلتا تھا۔ لالہ مرلی دھر وکیل مالک، پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی ایڈیٹر تھے۔ ہر اتوار کو بڑی تقطیع پر بارہ صفحوں پر شائع ہوتا تھا۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ فی پرچہ قیمت ایک آنہ تھی۔ ہیوم پریس میں چھپتا تھا۔

محبوب القلوب حیدر آباد دکن سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۸۹ء کو وجود میں آیا۔ عبدالسلام اس کے مالک و ایڈیٹر تھے۔

روزانہ اخبار دہلی یہ روزانہ اخبار دہلی سے ۱۸۸۹ء کو نمودار ہوا۔ بڑے سائز، عمدہ سفید کاغذ پر آٹھ صفحوں پر شائع ہوتا تھا۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا۔

تازہ خبروں، نوٹ، تار، آرٹیکل، علمی مضامین اور ملکی معاملات سے مملو تھا۔ انگریزی اخباروں سے خبریں نقل کی جاتی تھیں۔ قومی و مذہبی تعصبات سے یہ اخبار پاک تھا۔

نسیم سحر یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۸۹ء کو محلہ امام گنج مرزاپور سے ظہور پذیر ہوا۔ آٹھ صفحات پر ہر چہارشنبہ کو شائع ہوتا

تھا۔ ایڈیٹر بابو دیپ اندرناتھ بوس صاحبقران تھے۔ چندہ سالانہ تین روپے چار آنہ تھا۔ مطبع گلزار ہند میں طباعت ہوتی تھی۔ اس کے سرورق پر یہ رباعی درج تھی۔ ؎

نسیم سحر جا کے مژدہ یہ کہیو چلو عندلیبوں کہ عزم کہاں ہو
ذرا چل کے گلزار ہند کے تم کوئی تر زباں، کوئی نغمہ بیاں ہو

GOVT. GIRLS COLLEGE
ACC. NO. 15241
LIBRARY

۱۸۹۰ء

کھتری سماچار

لاہور سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۹۰ء کو جاری ہوا آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے بانی ایڈیٹر لالہ ہیرالال کپور تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ کھتری سماچار پریس میں چھپتا تھا۔

اس اخبار کو کھتری برادری کی ترجمانی کرنے کے لئے نکالا گیا تھا۔ پہلا پرچہ دو سو چھاپا گیا تھا۔ ابتداء میں برادری کے لوگوں سے چندہ طلب نہیں کیا گیا تھا۔ ایک سال کے بعد جب لوگوں سے چندہ مانگا گیا تو بہت کم لوگوں نے چندے دیئے۔ برادری کے لوگوں نے اس پرچہ کو جدی سمجھ کر قیمت دینے سے انکار کر دیا۔

سر نٹس پیٹرس سابق لفٹننٹ گورنر پنجاب کے عہد میں گون بیگم زوجہ نواب غلام محبوب سبحانی رئیس لاہور کے مقدمہ قتل کا بڑا چرچا تھا۔ "کھتری سماچار" کو اس زمانہ میں روزانہ کر دیا گیا تھا جس میں اس مقدمہ کی کارروائی شائع کی جاتی تھی جس کی وجہ سے یہ امید سے زیادہ فروخت ہوتا تھا۔ مقدمہ کے ختم ہونے کے بعد قوم کی بے توجہی کی وجہ سے اس اخبار کا نام کھتری سماچار

کی بجائے "پنجاب سماچار" بدل دیا تھا۔ پنجاب سماچار کی پالیسی وہی تھی جو ہندو اخباروں نے اختیار کر رکھی تھی۔ [1]

لالہ ہیرا لال کپور : کپور صاحب بروز دیوالی سمت ۱۹۲۱ بکرمی کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا لالہ برجولال چودھری مہاراجہ رنجیت کے عہد میں بازار کے چودھری تھے۔ آپ کے والد سائیں داس تجارتی کاروبار کرتے تھے۔ ان کو کیمیاگری کا چسکا لگ گیا تھا جس کی وجہ سے انہوں نے اپنی تمام جائیداد سادھو سنتوں کی نذر کر دی۔ کپڑے، کمبل، ٹوپیاں اور جوتیاں تک ان کو دیدی تھیں اس کے باوجود ایک آنچ کی کسر مرتے دم تک نہیں نکلی جس کی وجہ سے جسلال جی کی تعلیم مکمل نہ ہو سکی۔ چھوٹی عمر میں آپ گورنمنٹ سنٹرل پریس لاہور میں تین روپیہ ماہانہ پر ملازم ہوئے۔ ایک سال کے بعد جب کہ اخبار سول ملٹری گزٹ لاہور میں جاری ہوا۔ تو اس کے دفتر میں ایک روپیہ یومیہ ٹھیکے پر لگ گئے تھے۔

جب کہ آپ کی عمر تیرہ سال کی تھی قسمت نے پلٹا کھایا مہاراجہ مہتاب چند کو خیال آیا کہ اپنے بھائی کے متبنیٰ بن بہاری کپور کے بھائی بابو ہر نرائن سیٹھ کی لڑکی کے لئے ایک کپور لڑکا تلاش کیا جائے۔ لڑکوں کے فوٹو منگوائے گئے آپ کا فوٹو بھی گیا۔ دیکھا گیا تو وہی پسند ہوا بلکہ جنم پتری بھی مل گئی۔ برات لاہور سے بردوان گئی۔ وہاں بیش قیمت جہیز ملا جو چالاکی سے سارے کا سارا پروہت ہڑپ کر گیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد مہاراجہ مہتاب چند کا انتقال ہو گیا وہ اپنی زندگی میں ان کو نہ صرف تیس روپے ماہوار دیئے جانے کا حکم دے گئے تھے بلکہ شادی اور غمی کے متعلق ہر قسم کی امداد دینے کا حق بھی ان کو دے گئے تھے

---

[1] اخبار نویسوں کے حالات صفحہ ۔

شادی کے بعد آپ اپنے چچا کے پاس انبالہ چلے گئے تھے جو شلی چیزوں کے ٹھیکیدار تھے۔ اس وقت ان کی ۱۴ سال کی عمر تھی پڑھنے کے لئے مشن میں بٹھا دیئے گئے، جی نہیں لگا بلکہ ایک سال کے بعد لاہور چلے آئے۔ اس وقت ٹربیون اخبار جاری ہوا تھا۔ کمپوزیٹری کے کام پہ لگا دیئے گئے جہاں انہوں نے اردو لکھنی پڑھنی سیکھی۔

جب برد وان میں آپ کی شادی ہوئی تو برادری کے اکثر لوگ آپکے مخالف ہو گئے تھے کہ پنجابی کھتریوں کو چھوڑ کر بنگالیوں سے کیوں رشتہ قائم کیا۔ ان حالات کے پیش نظر بنگال اور پنجاب کے کھتریوں کو ملانے کے لئے آپ نے ۱۸۹۰ء میں کھتری سماچار جاری کیا۔

۱۹۱۰ء میں آپ نے ہیرالال کپور اینڈ کمپنی قائم کی جو انتقال جائیداد کا کام کرتی تھی۔ کمپنی قائم ہونے کے بعد اخبار کی طرف توجہ کم ہو گئی تھی۔ کھتری سماچار کی تحریروں کا نتیجہ تھا کہ کھتری کانفرنس ہر سال پنجاب کے کسی نہ کسی مقام پر بڑی شان و شوکت سے کی جاتی تھی۔ آپ کھتری ایسوسی ایشن لاہور کے عرصہ تک سکریٹری رہے۔

۱۹۰۲ء میں آپ دس ہزار کے مقروض تھے اس وقت نہ کوئی زمین تھی اور نہ مکان تھا۔ ۱۹۱۲ء میں پانچسو بیگھے زمین کے علاوہ موضع وڈانہ تحصیل قصور ضلع لاہور کے نمبر دار ہو گئے تھے اور لوگوں کے آرام و آسائش کے لئے کنواں اور باغیچہ بنوایا۔ مسلمانوں کے لئے گاؤں میں مسجد اور لاہور میں بھی شاہ عالمی دروازہ کے باغ میں جہاں پہلے آپ کا دفتر اور پریس تھا ایک مسجد بنوائی اور کنوئیں کی مرمت کرائی۔ آپ نہایت بے تعصب، ہنس مکھ، زندہ دل اور دوست پرور انسان تھے۔ [1]

---

[1] اخبار نویسوں کے حالات صـ۴۸

نظام ہند دہلی سے یہ ہفتہ وار اخبار فروری ۱۸۹۰ء کو شائع ہوا جس کے مالک شاہزادہ ثریا جاہ تھے۔ چھ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ پانچ روپیہ تھا۔ نظام ہند پریس میں چھپتا تھا۔

مرقع المشاہیر جودھپور سے یہ ماہنامہ مارچ ۱۸۹۰ء کو نمودار ہوا۔ دیبی پرشاد اس کے مالک و ایڈیٹر تھے۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔

مذاق میرٹھ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۹۰ء کو نکلا۔ مالک و بانی احمد حسین صاحب تھے۔ یہ ظریف اخبار تھا۔ اس کا مقصد سماج کی اصلاح تھا۔

کانپور گزٹ یہ ہفتہ وار اخبار کانپور سے ۱۸۹۰ء میں جاری ہوا۔ دس صفحات پر نکلتا تھا بابو ہرنام سنگھ اس کے مالک تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ کانپور گزٹ پریس میں طبع ہوتا تھا طباعت، کتابت اور کاغذ عمدہ ہے۔

۸ر نومبر ۱۸۹۲ء کا پرچہ رقم طراز ہے کہ "دہلی کے نلوں میں ۴ر نومبر ۱۸۹۲ء کو پانی چھوڑا گیا۔

وکیل ہند کٹرہ غلام محمد خاں لال کنواں دہلی سے ۱۸۹۰ء کو یہ ہفتہ وار اخبار شائع ہوا۔ مہتمم منشی محمود مرزا خاں، مالک و ایڈیٹر منشی احمد مرزا خاں تھے۔ دس صفحات پر نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ مطبع خادم الاسلام میں چھپتا تھا۔

محمڈن ہیرلڈ بمبئی سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۹۰ء میں وجود میں آیا۔ ہر یکشنبہ کو اردو انگریزی میں نکلتا تھا۔ محمد یوسف مالک تھے۔ سالانہ چندہ پانچ روپیہ تھا۔ پہلے مطبع محمودی میں بعد میں مطبع چتر پربھا

میں چھپائی ہوتی تھی۔

مسلم ہیرلڈ محلہ بھائی کھلہ بمبئی سے یہ روزنامہ اخبار ۱۸۹۰ء میں رونق افروز ہوا جمعہ کو شائع نہیں ہوتا تھا چھوٹی ہوتی تھی۔ چار صفحات پر مشتمل تھا۔ منشی محمد امیر مالک تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ مطبع محمودی میں طبع ہوتا تھا۔

اس اخبار کی صلح کل پالیسی تھی۔ متانت اور سنجیدگی سے نکتہ چینی کرتا تھا۔ باہمی نفرت وعداوت کا سخت مخالف تھا۔ جب کہ ۱۸۹۳ء میں ہندو مسلمانوں کے فسادات شباب پر تھے اور اخبارات کے صفحات مذہبی منافرت پھیلانے میں اپنی قلم کا پورا زور صرف کر رہے تھے، اس وقت یہ اخبار اپنے صفحات پر یہ اعلان کر رہا تھا کہ جو شخص "ہندو مسلمانوں کے اتحاد کے فائدہ" پر بہترین مضمون لکھے گا، اس کو تیس روپے انعام دیا جائے گا۔ یہ اخبار رد نصاری پر بھی مضامین لکھتا تھا۔

ترقی یافتہ قوموں اور غیر ترقی یافتہ قوموں میں بڑا فرق ہے۔ ترقی یافتہ قوموں میں انسانیت کی قدر کی جاتی ہے اور غیر ترقی یافتہ قوموں میں انسان کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ اسی نظریئے کو سامنے رکھتے ہوئے مسلم ہیرلڈ مورخہ ۹ ستمبر ۱۸۹۳ء میں اپنے ایک مقالہ میں ہندوستان و انگلستان کی ذہنیتوں کا موازنہ کیا ہے۔

> " انگلستان میں اگر کوئی بے گناہ سزا پا جائے تو اس سرے سے اس سرے تک یہی سنا جاتا ہے کہ ہائے ایسا کیوں ہوا انگلستان کے رحم دل جب تک اپنے ناکردہ گناہ بھائی کو اس مصیبت سے نجات نہیں دلوا لیتے تب تک چپ نہیں رہتے۔ ہندوستان

ہیں بیسیوں بے گناہ جیسا کہ اپیل کی عدالتوں سے ثابت ہوتا ہے
روزمرہ سزا پا جاتے ہیں کوئی بھی خیال نہیں کرتا کہ ایسا کیوں ہوا۔
پریس بھی چپ رہتا ہے دم نہیں مار سکتا کہ مبادا تو ہین میں دھرا
جائے ۔۔ ۔۔ انگلستان میں بیرسٹری کا پیشہ سب سے پہلے لارڈ
ڈون اور ڈیوکون نے اختیار کیا تھا۔ اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ
بے گناہوں کی وکالت بغیر لینے کسی قسم کی فیس کے کریں اور انہیں
قانونی شکنجہ سے بچائیں۔ انگلستان میں اب بھی اکثر بیرسٹر ایسے
ملتے ہیں جو بے گناہوں کی وکالت بغیر لینے کسی فیس کے کرتے
ہیں۔ ہندوستان میں ایسے وکیل اور ایسے مختار کتنے ہیں جو
بے گناہوں کی وکالت بغیر فیس کرتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ شاید سو میں
سے دو بھی ایسے نہیں نکلنے کے۔"

ست دھرم پرچارک

جالندھر سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۹۰ء میں جاری ہوا۔ سولہ صفحات پر نکلتا تھا۔ لالہ منشی رام پلیڈر مالک تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ چار آنہ تھا۔ ست دھرم پرچارک پریس میں طباعت ہوتی تھی۔

۱۸۹۱ء

گل چیں لکھنؤ سے جنوری ۱۸۹۱ء کو یہ ماہنامہ گلدستہ جاری ہوا۔ اس میں شعرا لکھنؤ وغیرہ کا کلام شائع ہوتا تھا۔ مرتب و مہتمم سید محمد عسکری وسیم، نگراں حضرت فضاؔ اور حضرت جگرؔ تھے۔ نامی پریس لکھنؤ میں چھپتا تھا۔ چھوٹی تقطیع تھی صفحات سولہ تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ "گل چیں" لکھنؤ سے گورکھ پور جنوری ۱۸۹۲ء کو منتقل ہو گیا تھا۔ پھر یہ پرچہ وہیں سے نکلنے لگا تھا اور اس کا تعلق ریاض خیرآبادی اور ریاض الاخبار پریس سے ہو گیا تھا اسی میں یہ طبع ہوتا تھا۔ گورکھ پوری رسالہ کے سرورق پر ایک شعر اردو کا اور ایک شعر فارسی کا درج ہوتا تھا۔ ؎

جہاں رکھا قدم اک دھوم مچ جاتی ہے گلشن میں
گلوں کی طرح بلبل ٹوٹتے ہیں دستِ گل چیں پر
دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار
گل چیں بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

گل چیں کی منتقلی کے بارے میں ریاض صاحب لکھتے ہیں:۔

"گل چیں جب سے لکھنؤ سے گورکھپور منتقل ہوا، اس کا تعلق مجھ سے اور ریاض الاخبار پریس سے ہو گیا۔ میں نے یہ التزام کیا کہ مصرع طرح ہر مرتبہ کسی استاد سے یا ایسے ممتاز شاعر سے لیا جائے جو وقیع ہو۔ اس التزام سے کئی نمبر گل چیں کے بہت کامیاب نکل چکے تھے۔ اسی سلسلے میں استاد مرحوم کو تکلیف دی گئی اور جناب امیر مینائی نے یہ مصرع لطف فرمایا۔ ع کنی ہیرے کی نیلم میں جڑی ہے۔ جب یہ مصرع شائع کیا گیا تو گلچیں میں مصرع طرح پر مصرع بہم پہنچانے کی فرمائش کی گئی۔ اسی طرح میں ناتمام دو تین نمبر نکلے تھے کہ اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں مرحوم کی توجہ اس طرف ہوئی۔ اعلیٰ حضرت کی غزل کا یہ مصرع اس قدر مقبول و شہرت پذیر ہوا کہ تمام ہندوستان پر چھا گیا اور گویا وہی مصرع طرح قرار پایا گیا۔ ع یہ چوٹی کس لئے پیچھے پڑی ہے۔ متعدد شعرار نامی نے اس پر مصرع لگائے۔ شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہو جس نے اس زمین پر پوری قوت سے فکر نہ کی ہوگی۔ گل چیں کے نمبر ایک سال تک اسی طرح میں نکلتے رہے۔"[1]

معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ ۱۹۱۶ء یا اوائل ۱۹۱۷ء میں بند ہو گیا تھا۔ دوبارہ لکھنؤ سے غالباً جون ۱۹۱۷ء کو جاری ہوا۔ چنانچہ دل گداز جولائی ۱۹۱۷ء میں اس گلدستہ کے دوبارہ جاری ہونے پر مولانا عبدالحلیم شرر نے ان الفاظوں کے ساتھ خوشی کا اظہار کیا ہے۔

---

[1] نثر ریاض خیرآبادی ص

"گل چیں حضرت ریاض و وسیم کی سخندانی و طباعی نے بھی پھر اس رسالہ کو زندہ کر دیا۔ اب کے یہ نہایت ہی خوبی و قابلیت اور معمولی ترقی و خوش اسلوبی سے نکالا گیا ہے۔ ملک میں کسی اچھے گلدستہ کے نہ ہونے کا عام افسوس ہے اور بازار شعر و سخن کے سرد پڑ جانے کا سب کو صدمہ تھا۔ ہمارے دونوں دوستوں کی حوصلہ مندی و توجہ نے اس سلسلہ کو جاری کیا ہے تو امید ہے کہ یہ برابر قائم رہے گا۔ اس میں اولاً قابل و مشہور احباب کی قلم سے چند عالمانہ مضامین ہیں اور ان کے بعد طرح میں مقبول زمانہ شعراء کی غزلیں ہیں۔ دو جز کا ماہانہ رسالہ ہے۔ چھپائی اور کاغذ بلحاظ حالتِ موجودہ اچھے ہیں۔"

اپریل ۱۸۹۲ء کے شمارے کے شعراء کی غزلوں کا انتخاب درج کیا جاتا ہے۔

جناب منشی محمد نواز صاحب ثاقب گورکھ پوری۔ ؎

ہم رشک سے جلتے ہیں تری بزم میں آکر
دشمن ہے کہ واصل بجہنم نہیں ہوتا
اک ذکر ہمارا ہے کہ جس سے ہے تنفر
اک تذکرۂ غیر ہے جو کم نہیں ہوتا

جناب منشی حافظ منت اللہ صاحب حافظ گورکھ پوری شاگرد جناب نجیب۔ از مقام گاگنارہ ضلع بارہ ساٹھ ؎

اک تو ہے کہ عالم ہے ترا بندۂ بے زر
اک میں ہوں کہ دل بھی مرا ہمدم نہیں ہوتا

مے خواروں کی توبہ کی طرح حضرت حافظ
اقرار حسینوں کا کبھی محکم نہیں ہوتا

جناب محمد مقصود علی خاں صاحب ساحرؔ شاگرد جناب شمشادؔ لکھنوی از کوا تھہ سے
وحشت میں سمجھتا ہوں میں کانٹوں کو بھی ہمدم
یہ چھیڑتے ہیں لاکھ مجھے غم نہیں ہوتا
فرقت میں جو بہلائے کبھی جی کو کوئی ۔ تو کس سے
ہمدم نہیں ہوتا ۔ کوئی محرم نہیں ہوتا

جناب سید عباس حسن صاحب فصاحتؔ خلف جناب سید آغا حسن صاحب امانتؔ مرحوم ۔ سے
ہو حسن حضور آپ کا، یا غیر کا ہو رشک
میری ہوس دل کی طرح کم نہیں ہوتا
یہ کون سی حسرت ہوئی مردہ ، شب فرقت
ارمان بہت دل میں ، پہ ماتم نہیں ہوتا

جناب سید امیر حسن صاحب فروغؔ لکھنوی خلف وزیر میر اجد علی صاحب شاگرد جناب بقاؔ لکھنوی ۔
معشوقوں کو مرنے کا مرے غم نہیں ہوتا
غم بھی مرا منت کش ماتم نہیں ہوتا
ہے صبح کو بکھری ہوئی زلفوں کا عجب رنگ
کچھ رات کو چہرے کا یہ عالم نہیں ہوتا

جناب مولوی محمد فصیح صاحب رئیس گورکھپور ۔ سے
کہتے ہیں کہ کیونکر مجھے مرنے کا یقین آئے
تم پر تو کبھی نزع کا عالم نہیں ہوتا

تم دیکھو تو آکر کبھی تربت کو ہماری
ہر قبر پہ حسرت کا یہ عالم نہیں ہوتا
فانی جو سمجھتے ہیں جہان گذراں کو
دنیا کے مصائب کا انہیں غم نہیں ہوتا

رہیل کھنڈ گزٹ بریلی سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۹۱ء کو جلوہ افروز ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک منشی محمد عبدالعزیز مرادآبادی تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے چار آنہ تھا۔

پنجاب سماچار یہ ہفتہ وار اخبار لاہور سے ۱۸۹۱ء کو جاری ہوا۔ ہر یک شنبہ کو نکلتا تھا۔ لالہ ہیرا لال کپور، مالک، منشی بوٹل مہتمم، پنڈت روپ لال منیجر تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ مطبع کھتری سماچار میں چھپتا تھا۔

اردو اخبار مرادآباد سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۹۱ء کو جاری ہوا۔ دس صفحات پر مشتمل تھا۔ منشی محمد عبدالعزیز ایڈیٹر و مالک تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ مطبع اردو میں طباعت ہوتی تھی۔

۸ نومبر ۱۸۹۳ء کے پرچے میں خبر ہے: "مہاراجہ دلیپ سنگھ جس وقت مرے کمرہ ہوٹل میں کوئی پاس نہ تھا۔"

مشیر دکن حیدرآباد دکن سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۹۱ء میں شائع ہوا بارہ صفحات پر مشتمل تھا۔ کشن راؤ مالک تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا۔ مطبع دکن پنچ میں چھپائی ہوتی تھی۔

خیر خواہ زمینداران لوڑیہ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۹۱ء کو نکلا۔ مولوی عبدالرحمن منشی فاضل ایڈیٹر تھے۔

گلیڈسٹون پریس میں طبع ہوتا تھا۔

لائل خالصہ گزٹ یہ سکھوں کا ترجمان ہفتہ وار سیالکوٹ سے ۱۸۹۱ء میں وجود میں آیا۔ اردو گورمکھی میں نکلتا تھا۔ بابو راج اندر سنگھ ایڈیٹر و مالک تھے۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ دو روپے چار آنے تھا۔ مطبع گورو گوبند میں چھپتا تھا۔

قمر یہ ماہنامہ ۱۸۹۱ء میں سندیلہ ضلع ہردوئی محلہ اشراف سے شائع ہوا۔ ۲۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر سید قمرالدین صاحب قمر سندیلوی تھے۔ سالانہ قیمت دو روپے تھی۔ نمونہ کے پرچہ کی قیمت ساڑھے چار آنے تھی۔ قومی پریس میں طبع ہوتا تھا۔

قمر صاحب اس رسالہ کی غرض و غایت یہ بیان کرتے ہیں۔

"قمر ہمیشہ مشاہیر کے کارناموں اور ان کے ناموں کو زندہ کرے گا اور خاص اللہ کے یہاں سے اترے ہوئے الہامات اور دل کھینچنے والے جذبات نئے پیرائے اور نرالے ڈھنگ سے ظاہر کرے گا۔"

۱۸۹۲ء

دامنِ بہار آگرہ کٹرہ حاجی حسن سے یہ ماہنامہ شعر و شاعری کا گلدستہ جون ۱۸۹۲ء کو شائع ہوا۔ اس کے مہتمم مرزا فدا حسین تھے ۲۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ مطبع حیدری آگرہ میں چھپتا تھا۔ کاغذ معمولی، کتابت اور طباعت اوسط درجہ کی تھی۔

آگرہ کے شعراء کے علاوہ یو۔پی کے شعراء کا کلام کم چھپتا تھا۔ انتخاب برائے نام ہوتا تھا۔ البتہ فرمائشی کلام بلا انتخاب کی شرح اور گلدستوں سے زیادہ فی شعر دو آنے لی جاتی تھی اور غیر طرحی غزل پر فی شعر تین آنے وصول کیا جاتا تھا۔ دسمبر ۱۸۹۲ء کے گلدستہ کے شعراء کی غزلوں کا انتخاب درج ہے۔

جناب قاضی محمد علی صاحب اعلیٰ آمنگوری سہارنپور؎

کوئی ہمدم نہ ملا خلق میں ناصح کے سوا
مل گیا ایک یہ نادان بڑی مشکل سے
کیا ہی مرمر کے شب ہجر سحر کی میں نے
ہوئی مشکل مری آسان بڑی مشکل سے

جناب نادر بادشاہ متوطن وانمباڑی وارد گنتور۔ ؎

دیکھ کر اس بت کافر کو یہ زاہد نے کہا
اب بچے گا مرا ایمان بڑی مشکل سے

کبھی تدبیر معاش، اور کبھی فکر معاد
زندگی کرتا ہے انسان بڑی مشکل سے

جناب سید محسن حسین صاحب سخیؔ شاگرد و برادر جناب صفیؔ۔ ؎

کل سے بہکانے کو بیٹھا تھا رقیبِ بدخو
آج اٹھا ہے وہ شیطان بڑی مشکل سے

بیٹھے ہیں وہ ملک الموت کو وقت ہو گی
تن سے نکلے گی مری جان بڑی مشکل سے

اس شہِ حسن نے مدت میں کیا یاد مجھے
مرے نام آیا ہے فرمان بڑی مشکل سے

یہ سخیؔ ہے کہ یوں ہی مال تمہیں دیتا ہے
سیم و زر پاتے ہیں انسان بڑی مشکل سے

جناب عنایت اللہ خاں صاحب سفلیؔ عرف کالے خاں اکبر آبادی۔ ؎

یہ زمانہ وہ ہے معشوق تو مل جاتے ہیں
ملتی ہے ہم کو مگر نان بڑی مشکل سے

گھر ہے خالا کا جو مل جائے ریا سے زاہد
خلد ملتا ہے یہ چچا جان بڑی مشکل سے

جناب محمد حسین صاحب قمرؔ تلمیذ جناب منیرؔ مرحوم۔ ؎

بے خودی عشق کی ہے مجھ کو نہیں تشنۂ مے
ہوش آئے گا مری جان بڑی مشکل سے

فرقت و وصل میں اس طرح یہ دونوں نکلے
جاں آسانی سے، ارمان بڑی مشکل سے

پولس نیوز

میرٹھ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۲۴ر دسمبر ۱۸۹۲ء کو جاری ہوا۔ شیخ حبیب احمد صاحب کی زیر ادارت نکلتا تھا۔ بارہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مطبع دارالعلوم میرٹھ میں چھپتا تھا۔

اس اخبار میں محکمہ پولس کی خبریں شائع ہوتی تھیں اس کو پولس کے ملازمین زیادہ تعداد میں پڑھتے تھے۔ اس اخبار کو مقدمہ بازی کا شکار ہونا پڑا۔ جب اس کے مالک پر ڈگری ہوئی تو نیلامی پر حکیم محمد مقرب حسین صاحب ساکنہ کنوہ دروازہ میرٹھ اور مالک اخبار عالم میرٹھ نے چھڑایا۔ چنانچہ اخبار عالم میرٹھ مؤرخہ ۲۴ر ستمبر ۱۸۹۵ء میں یہ خبر اور اطلاع شائع ہوئی جس سے اخبار کی پالیسی وغیرہ کا بھی پتہ چلتا ہے۔

"تمام ہندوستان کے اردو اخباروں میں صرف پولس نیوز ہی ایک ایسا اخبار ہے جو پولس پر بے جا حملوں کا جواب دینے والا اور عوام میں جو اس کی نسبت بدخیالی پھیلی ہوئی ہے اس کا دور کرنے والا اور پولس کے فرائض و اعلیٰ کارگذاریاں پبلک کو دکھانے والا ہے۔ پولس نیوز نے دو تین برس کی ہی اشاعت میں ایسی عام ہر دلعزیزی حاصل کی ہے۔ اگرچہ دو ایک مرتبہ بند ہونے نے شائقین کے دلوں میں بددلی پیدا کی تھی مگر ۸ر اپریل ۱۸۹۵ء کی اشاعت کے بعد بنک آف اپر انڈیا کی ڈگری میں قرق ہو کر بند ہونے نے دل شکستہ کر دیا اور بند رہنے کی حالت میں ۲۹ر اگست ۱۸۹۵ء کو بحکم عدالت دیوانی نیلام ہوا جو کہ اس اخبار کا

اشتہار و نمونہ کا پہلا پرچہ ہمارے مطبع میں طبع ہوا تھا۔ لہٰذا ہم کو اس کے ساتھ قدرتی تعلق تھا نیز اس سبب سے کہ پولس نیوز اپنی وضع و ترکیب کا ایک خاص اخبار ہے اس کے بند ہونے سے وہ سلسلہ ہی مسدود ہوتا ہے۔ نیلام میں سب سے زیادہ بولی پر کثیر رقم دیکر خریدا گیا اور اس عرصہ میں بصرف کثیر ہر قسم کا عمدہ و مستقل انتظام کیا گیا کہ ہمیشہ وقت پر شائع ہو۔ یکم اکتوبر ۱۸۹۵ء سے بدستور قدیم یکم، ۸، ۱۶، ۲۴ تاریخ کو شائع ہوا کرے گا۔ پولس نیوز کی پالیسی جو تھی وہی رہے گی۔"

سول اینڈ ملٹری نیوز ۷ جون ۱۸۹۳ء میں پولس نیوز پر حسب ذیل تبصرہ کیا ہے

"اخبار پولس نیوز مطبوعہ ۲۴ ماہ حال اس وقت ہماری میز پر موجود ہے۔ الفاظ نہیں ملتے جو اس کی تمام و کمال خوبیوں کا اظہار کر سکیں۔ خط ایسا پاکیزہ کہ آنکھوں میں نور آتا ہے۔ چھپائی ایسی صاف کہ خواہ مخواہ پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔ اول سے آخر تک دلچسپ مضامین سے پُر۔ طرز بیان نہایت متین اور سنجیدہ معلوم ہوتا ہے کہ ایڈیٹر اعلیٰ درجہ کی قابلیت وقائع نگاری رکھتا ہے۔ افسران پولس کے لئے اس اخبار کا مطالعہ لازمی ہونا چاہیے۔ یہ اخبار ان کے لئے ایسا ضروری ہے جیسے سررشتہ کی وردی۔"

الوقت گورکھپور سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۹۲ء کو وجود میں آیا۔ مالک و مہتمم مولوی محمد سعید زار صاحب تھے۔ آٹھ یا بارہ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ تین روپے آٹھ آنہ تھا۔ اسعدی پریس میں چھپائی ہوتی تھی۔ کتابت

عمدہ اور چھپائی تھی۔

یہ اخبار وسیع المشرب ترقی پسند اور حریت پسندی کا علمبردار تھا منافرت پھیلانے کو اچھا نہیں سمجھتا تھا۔ کانگریس کا حامی تھا، چنانچہ ۲۱ فروری ۱۸۹۴ء کے شمارے میں ایک آرٹیکل جس کا عنوان تھا "ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی نفاق" کے تحت لکھتا ہے۔

"ہندوستان جس نے ابتداء آفرینش سے شاید آج تک کبھی اتفاق کا نام بھی نہیں سنا تھا اس کے لئے بھلا یہ تھوڑی بات تھی کہ پنجاب مدراس، بمبئی، بنگال اور ممالک متوسط کے لوگوں نے ایک دل ہو کر قومی کانگریس قائم کی اور پھر وہ بھی اس زور اور مستعدی کے ساتھ کہ سب کو اچنبھے میں ڈال دیا۔ کیا کوئی سمجھدار یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ قومی اتفاق کسی طرح قوم کے لئے مضر تھا، ہرگز نہیں۔ لیکن اس کا علاج کیا، کہ قومی حالت بدلنی نہ تھی اس اتفاق قوم نے نفاق بڑھایا جو بڑھتا ہی جائے گا۔"

اس مضمون میں ایڈیٹر الوقت نے اسباب نفاق پر بحث کی تھی اور غیر جانبدارانہ طور پر رائے زنی کی تھی جس کو تیز طبیعت لوگوں نے پسند نہیں کیا اور ان پر اپنے اخبار میں پھبتیاں کسیں۔ جس کا جواب اپنی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے ۱۴ مارچ ۱۸۹۴ء کے پرچے میں دیا ہے۔

"اس مضمون کے متعلق ہمارے دوست "دارالسلطنت" نے الوقت کو "آدھا تیتر آدھا بٹیر" لکھا ہے۔ یعنی الوقت نہ ہندوؤں کا طرفدار معلوم ہوتا ہے نہ مسلمانوں کا۔ ہمارے ہم عصر کی تحریر سے ضرور نکلا ہے یعنی "الوقت" ایک راست باز اور بلا طرفدار

اخبار ہے ہم نے اپنے اخبار کو مذہبی پرچہ قرار دینا پسند کیا
سچی خبریں شائع کرنی اور بلا طرفداری کے ساتھ رائے دینا ہمارے
اخبار کی پالیسی ہے۔"

اُس دور میں کانگریس کس انداز سے حکومت برطانیہ سے مطالبہ کرتی تھی اور کس قسم کی تجویزیں اپنے اجلاسوں میں پاس کرتی تھی۔ اس کا اندازہ کانگریس کے نویں اجلاس کی تجویزوں سے ہو سکتا ہے جو ۱۰ جنوری اور ۱۷ جنوری ۱۸۹۴ء کے الوقت میں شائع ہوئیں۔ کانگریس کو جہاں ملک کے اور طبقوں کا خیال تھا وہاں بیویوں سے دور رہنے والے فوجیوں کو بھی نہیں بھولی تھی۔ ان کی بھی فکر تھی چنانچہ ان کے بارے میں بھی اجلاس میں تجویز پاس ہوئی تھی۔

(۱) "انڈیا کونسل ایکٹ نافذ کرنے پر وائسرائے کا شکریہ ادا کیا جائے اور چند امور پر مزید توجہ دلائی جائے۔

(۲) پنجاب میں لوکل لیجس لیٹو قائم کی جائے۔

(۳) نمک کا محصول کم ہو۔

(۴) انکم ٹیکس میں ترمیم ہو۔ پولس میں اچھے لوگوں کی بھرتی ہو کچھ اور اصلاح کی جائے۔ ایکٹ اسلحہ میں کچھ سہولت ولیسیوں کو دی جائے ہندوستان میں ملٹری کالج قائم ہو۔ ہندوستان کی جنگجو قوموں کے لئے فوجی ملیشیا قائم ہو۔ ہندوستان کے باشندے بھی والنٹیر فوجی افسر بنائے جائیں۔

۵۔ ہندوستان آف کامنس نے جو ہندوستان میں سول سروس کا امتحان منظور کیا اس کا شکریہ ادا کیا جائے۔

۶۔ فوجی چھاؤنیوں میں کسبیوں کے متعلق کوئی انتظام کیا جائے، رنگان

بڑھانا نامناسب ہے۔

۷۔ لارڈ نارتھ بروک کا شکریہ جنہوں نے ہندوستان کو بار خرچ سے بچانا تجویز کیا چیف کورٹ پنجاب کو بھی ہائی کورٹ ہونا چاہیے۔"

۱۸۹۴ء میں اردو کے کون کون سے اخبار جاری ہوئے یا دوبارہ نکلے ان کے اسمائے گرامی سے واقفیت حاصل کر لیجیے۔

۱۔ "خبر اورنگ آباد اور المسلم راولپنڈی سے دو نئے اخبار شائع ہوئے۔
(۱۷ جنوری ۱۸۹۴ء)

۲۔ بمبئی سے ایک رسالہ "زبان" تو نکلا ہی تھا، ایک دوسرا رسالہ اسی نام کا مطبع دلفریب لکھنؤ سے بھی نکلا۔ دونوں پرچے ماہواری ہیں اور جنوری ۱۸۹۴ء سے دونوں نے اشاعت پائی ہے۔ (۷ فروری ۱۸۹۴ء)

۳۔ گیا پنچ نام جدید اخبار صاحب گنج ضلع گیا سے شائع ہوا ہے۔
(۱۴ فروری ۱۸۹۴ء)

۴۔ تہذیب الاخلاق ماہ شوال سے جاری ہوگا۔ اس کی قیمت بجائے چار روپے کے چھ روپے سالانہ کر دی گئی ہے وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ مثل پہلے کے اب ڈونیشن کے دینے والے بہت کم ہیں قیمت ہی سے اس کا خرچ چلایا جائے گا۔" (۱۴ مارچ ۱۸۹۴ء)

اس اخبار میں اخبارات پر کم لیکن کتابوں پر ریویو کافی شائع ہوتے تھے چنانچہ ۱۴ اپریل ۱۸۹۴ء کے شمارے میں کارنامہ ہور مترجم منشی محمد حامد علی صدیقی سہارن پوری۔ امام غزالی کے رسالہ منقذ من الضلال مترجم حافظ محمد انور علی وغیرہ پر ریویو چھپے ہیں۔

اخبار "شحنہ ہند" میرٹھ پر ۲۵ اپریل ۱۸۹۴ء کے شمارے میں تبصرہ

شائع ہوا ہے۔

"شحنہ ہند میں کچھ دنوں سے استادوں کے کلام یا ماہواری پرچوں میں اشاعت پائے ہوئے اشعار پر نکتہ چینی ہوتی ہے۔ گو ہم اس کو جے میں نہیں لیکن اچھی شئے خود اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے زبان، بندش، محاورے کے متعلق جو اصلاحیں اس میں نظر آتی ہیں واقعی قابل قدر ہوتی ہیں اور ایک خاص دلچسپی سے ان پر نظر دوڑتی ہے۔ اس جدت نے پرچے میں ایک مزے کا رنگ پیدا کر رکھا ہے۔"

تبلیغ جبلپور مورخہ یکم دسمبر ۱۸۹۲ء میں الوقت پر حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا ہے جس کی عبارت یہ ہے

"الوقت گورکھپور بہت شائستہ اور متین اخبار ہے۔ تعصب و نفسانیت سے کوسوں دور ہے۔ انصاف و راست بازی سے معمور ہے دو سال کے عرصہ میں اس بیش بہا پرچے نے بہت ترقی و رونق حاصل کی ہے امید ہے آئندہ اس سے زائد حاصل کرے گا۔"

مولانا شوکت میرٹھی ۲۴ جولائی ۱۸۹۲ء کے شحنۂ ہند میں اس اخبار پر تبصرہ فرماتے ہیں۔

"یہ اخبار حیدر روزہ باہتمام مولوی محمد سعید زار خاص گورکھپور سے شائع ہوتا ہے۔ اردو اخباروں میں ایک ممتاز اخبار ہے۔ اس کا ایڈیٹر انیسویں صدی کی ضرورتوں سے واقف اور تعلیم یافتہ ہے۔ طرز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے قومی اور ملکی اغراض کو اپنی ذاتی اغراض پر ترجیح دی ہے۔ چکنے کاغذ پر نہایت

عمدہ ترتیب اور اسلوب سے شائع ہوتا ہے۔ موجودہ معاملات پر بحث کرتا ہے۔ ایڈیٹوریل نوٹ۔ ایڈنگ آرٹیکل، مراسلات منقولات، واقعات، قانونی امور، انتخاب گورنمنٹ گزٹ ٹھیک اپنے اپنے محل اور موقع پر ہیں۔ بیشک ہندوستان کو ایسے ہی اخباروں کی ضرورت ہے۔ طرز تحریر نہایت شستہ اور مہذب ہے۔ مرنج و مرنجان پر عمل ہے۔ ہم عصرانہ نفاق، تعلی اور حسد سے پاک ہے۔ اس وقت تک بیسواں نمبر شائع ہوا ہے۔ تاہم وہ ملکی ناقدردانی کا شاکی ہے۔ بیشک ملک میں اخباروں سے متمتع ہونے کی صلاحیت کم ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا ہم عنصر کامیاب ہو۔

مشیر دکن یہ روزانہ اخبار ۱۸۹۲ء کو حیدرآباد دکن سے شائع ہوا اس کے مالک کشن راؤ صاحب تھے۔ یہ پہلے دکن پنچ کے نام سے شائع ہوتا تھا۔ حیدرآباد دکن کا یہ مشہور اخبار تھا جو زمانہ دراز تک چلتا رہا۔ اس میں حیدرآباد کی عدالتی اور ملکی خبریں چھپتی تھیں۔ [1]

انتخاب عالم بدایوں سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۹۲ء کو جلوہ نما ہوا۔ اس کے بانی مولوی سدید الدین صاحب شائق عباسی بدایونی تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ مقامی و غیر مقامی اور غیر ممالک کی خبریں شائع ہوتی تھیں۔

مولوی سدید الدین شائق: مولوی شائق صاحب انتہائی ذہین فہیم اور

---

[1] دکن میں اردو صفحہ ۵۰۹

عالمانہ قابلیت کے مالک تھے۔ بدایوں کے قابل وکلاء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ وکالت کی سند ضبط ہونے کے بعد مختلف قانونی کتابیں مرتب کیں شعروشاعری کا بھی شوق تھا۔ جناب افضل لکھنوی کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ ۶۴/۶۵ برس کی عمر میں فوت ہوئے۔ کلام میں لطافت اور صفائی ہے۔ [۱]

دستِ سفاک جو دم بھر ٹھیرے
دیدہ بازی تہہِ خنجر ٹھیرے
جب کبھی وادئ وحشت میں گئے
دو قدم قیس سے بڑھ کر ٹھیرے
رند مشرب ہوئے شائقؔ مشہور
واہ کیا آپ کے جوہر ٹھیرے

تحفۂ محمدیہ کان پور سے یہ ماہانہ مذہبی رسالہ ۱۸۹۲ء کو جاری ہوا۔ مہتمم محمد سعید صاحب تاجر کتب کلکتہ خلاصی ٹولہ نمبر ۸۸ تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ مطبع نامی میں طباعت ہوتی تھی۔

"تبلیغ" جبل پور نے اس رسالہ پر یکم دسمبر ۱۸۹۲ء کے شمارے میں ریویو کیا ہے۔

"یہ ماہواری رسالہ محض اسلام کی تائید اور مسلمانوں کی ہمدردی کے لئے شائع ہوتا ہے۔ عیسائیت کی تردید بہت زور سے کرتا ہے اسلام کی حقانیت و صداقت پر زور دلائل سے ثابت کرتا ہے۔"

---

[۱] خمخانۂ جاوید جلد چہارم ص ۶۴

کپور تھلہ اخبار کپورتھلہ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۹۲ء کو شائع ہوا۔ دوشنبہ کو نکلتا تھا۔ بارہ صفحات پر مشتمل تھا۔ منشی حامد حسین مالک وایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ چار روپے تیرہ آنے تھا۔ نخل کشور پریس کپورتھلہ میں چھپتا تھا۔

ہمالہ راولپنڈی سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۹۲ء کو وجود میں آیا۔ ہر جمعہ کو نکلتا تھا۔ کرپا رام مالک وایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ دس آنے تھا۔ ہمالہ پریس میں چھپائی ہوتی تھی۔

انڈیا گزٹ بمبئی سے یہ ہفتہ وار اخبار اکتوبر ۱۸۹۲ء کو نکلا۔ ہر جمعہ کو شائع ہوتا تھا۔ مالک وایڈیٹر حکیم شیخ غلام محی الدین بندہ مالک وایڈیٹر گلدستہ ابر سخن تھے۔ بڑے سائز میں چار صفحوں پر نکلتا تھا۔ قادریہ پریس میں طبع ہوتا تھا۔

سرورق پر مولوی عبدالرزاق صاحب بیتاب کا ایک قطعہ درج ہوتا تھا۔ ے

ہے مخزن فیوض انام انڈیا گزٹ
ہووے پسند خاص وعام انڈیا گزٹ
بیتاب قلب شاد سے لکھ سال عیسوی
مشہور خلق کا ہو مدام انڈیا گزٹ

دھیلا اخبار مرادآباد سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۹۲ء میں رونق افروز ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ بیرون مرادآباد والوں سے ایک روپیہ دو آنہ تھا اور اہل شہر کے لئے یہ رعایت تھی کہ ان سے چندہ صرف دو آنے لیا جاتا تھا۔

اس اخبار میں علاوہ ملکی و علمی مضامین کے پتنگ بازی، گیند کا کھیل، شعبدہ، شطرنج، چوپڑ، کشتی، تیر اندازی اور تیراکی وغیرہ کے متعلق مضامین چھپتے تھے۔ اول درجے کے نامہ نگار کو ایک انگوٹھی ہیرے کی دوسرے درجے والے کو نیلم کی دی جاتی تھی۔

۱۸۹۳ء

تبلیغ جبل پور سے پندرہ روزہ اخبار انجمن اسلامیہ جبل پور کا آرگن ۱۵؍ مئی ۱۸۹۳ء کو جاری ہوا جس کے ایڈیٹر مولانا محمد عبد الجبار عمر پوری اور مہتمم حاجی عبد الغفور صاحب تھے۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ یہ پرچہ اردو ٹائپ میں چھپتا تھا۔ جنوری ۱۸۹۴ء سے یہ اخبار ہفتہ وار ہو گیا تھا۔

رسالہ کے اغراض و مقاصد ایڈیٹر صاحب یہ لکھتے ہیں:

"موجودہ زمانہ میں آزادی کی بہار ہے اخبارات کی چاروں
طرف سے بھرمار ہے نباتات کی طرح خود رو پیدا ہو رہے ہیں
لیکن ہم جس انداز کے کشتہ ہیں وہ انداز کہاں؟ بہر حال ہر گلے
را رنگ و بوئے دیگر ست لہذا ہم نے بھی معتصماً بحبل اللہ المتین
ارادہ کیا کہ ایک اخبار جو کہ اہل اسلام کے لئے مفید اور ان
کے ایمان و عقائد کو تازہ اور مضبوط کرنے والا اور اقوام مخالفین
کا رہبر اور آگاہ کرنے والا جاری ہوگا۔"

اس اخبار میں زیادہ تر تبلیغی مذہبی مضامین شائع ہوتے تھے۔ ایک آدھ صفحہ میں مختصر سی غیر معقول خبریں شائع کر دی جاتی تھیں۔ ہمارے سامنے ۱۸۹۲ء اور ۱۸۹۳ء کے فائل ہیں باوجود تلاش و جستجو اور دو تین مرتبہ ورق گردانی کے کوئی مفید مطلب خبر یا اقتباس حاصل نہیں ہو سکا۔

انجمن اسلامیہ ہائی سکول جبل پور کی ابتدائی حالت و کیفیت کیا تھی وہ یکم ستمبر ۱۸۹۳ء کے شمارے سے نقل کی جاتی ہے جو جبل پور کے ڈپٹی کمشنر نے ۱۹ اگست ۱۸۹۳ء کو اسکول کا معائنہ کرنے کے بعد تحریر کی تھی۔

"میں نے اس اسکول کا آج صبح کو اسکول کمیٹی کے ساتھ ملاحظہ کیا۔ یہ سر رشتہ مولوی سید علی احمد صاحب وکیل کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔۔۔ اخراجات مدرسہ کے مبلغ ۲۲۵ روپے ماہواری ہیں اور یہ معقول رقم ہے۔ دو ماسٹر بی اے ہیں اور ایک ایف اے اور چار انٹرنس پاس ہیں۔ انگریزی سر رشتہ میں تعداد طلبا قریب سو کے ہے اور سر رشتہ اردو میں ایک سو چودہ۔ اکیس طالب علم انٹرنس اور پریپریٹری کلاس میں پڑھتے ہیں۔۔۔ جو یتیم انجمن سے پرورش پاتے ہیں وہ میرے ملاحظہ کے لیے پیش ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ انجمن سے ان کی نگرانی خوب اچھی طرح کی جاتی ہے۔"

سید محمود الحسن صاحب نیرنگ خواہر زادہ جناب خان بہادر سید اولاد حسین سی۔ آئی۔ ای کی یکم اکتوبر ۱۸۹۳ء میں ایک نظم چھپی ہے اس کے چند شعر یہ ہیں

ہمیں تھے وجہ عظمت، اب ہمیں وجہ حقارت ہیں

ہمیں سے اس کی عظمت تھی، ہمیں سے اس کی ذلت ہے

فقط اسلام کا وہ جوہر ذاتی نہیں ورنہ
وہی ہم ہیں، وہی تم ہو، وہی یہ دین وطن ہے
نہ ہم جویائے بہبودی، نہ ہم خواہانِ آزادی
نہ ہم کو شوقِ صنعت ہے نہ ہم کو ذوقِ حرفت ہے
وہی اسلام تھا جو تختِ سلطانی کی زینت تھا
اب اس کی رہ گئی مسجد کے حجروں میں سکونت ہے
مسلمانو نہ یوں اسلام کو برباد ہونے دو
پسینے کی کمائی ہے بزرگوں کی ریاضت ہے
پتے ترغیب کافی ہے، ترقی اور قوموں کی
اگر گوش سماعت ہے اگر چشمِ بصیرت ہے
مدد کا وقت ہے اے بادشاہِ یثرب دیکھا
پراگندہ بہت اب امتِ عاصی کی حالت ہے
خدا ہی ناخدا ہے، امتِ عاصی کے بیڑے کا
مخالف ہے ہوا اور جوش میں بحرِ مصیبت ہے

مولانا عبدالجبار عمر پوری: مولانا صاحب عمر پور ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے وہیں پیدا ہوئے۔ والد کا نام منشی بدرالدین صاحب تھا جو صاحب تقویٰ اور مشہور علماء میں سے تھے۔ مولانا عبدالجبار صاحب قرآن حافظ بھی تھے۔ انہوں نے مولوی فیض الحسن سہارنپوری اور حدیث میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلوی سے پڑھی تھی۔ انتہائی ذہین اور ذکی الحس تھے۔ آخر عمر میں قوت بصارت زائل ہو گئی تھی لیکن بہت عمدہ طریقے سے درس دیتے تھے۔ وعظ موثر اور فاضلانہ ہوتا تھا نماز فجر کے بعد بلاناغہ آخر عمر میں قرآن شریف

پڑھاتے تھے۔ شعر و سخن میں بھی کمال حاصل تھا۔ آپ ضیاء السنۃ کے بھی ایڈیٹر رہے آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں۔

معالم التوحید فی رد التقلید، ارشاد السائلین فی مسائل الثلاثین، تذکیر الاخوان فی خطبۃ الجمعہ فی کل لسان، ارشاد الانام فی فریضۃ الفاتحہ خلف الامام، تبصرۃ الانام فی فریضۃ الجمعہ والفاتحہ خلف الامام۔

مولانا عبدالجبار صاحب ۷۵ برس کی عمر میں ۱۳۴۴ھ کو فوت ہوئے۔ مولانا عبدالرحمن صاحب مئوی نے حسب ذیل تاریخ وفات کہی۔ ؎

مجبی آں چوں رحلت نمودہ بجستم سالِ تاریخ وفاتش
بحسن سعی اش مشکور باد ندا زد ہاتفے مغفور باد

۱۳۴۴ھ

مولانا عبدالجبار صاحب شاعر بھی تھے۔ ان کا تخلص عاجز تھا۔ ان کی ایک نظم پرچہ اخبار میرٹھ اکتوبر ۱۹۰۰ء میں شراب خانہ خراب کی مذمت میں چھپی ہے۔ ؎

زیبا نہیں مگر کہ بدی کو سدا کرے نیکی کو اپنی ذات سے ہر دم جدا کرے
جو فرض منصبی ہے نہ اس کو ادا کرے ہے سخت ظلم یہ کہ نہ خوف خدا کرے

ہو جس کا حال یہ، نہیں انسان وہ زینہار
مثل وحوش ہے وہ سراسر سیہ روزگار

ہیں جس قدر برائیاں سب ہیں وبال جاں دنیا میں جن سے آتی ہے آفات ناگہاں
قحط و وبا کی چلتی ہے چاروں طرف خزاں ہر قوم کو بناتی ہے محتاج آب و ناں

احسان حق کا شکر کیا جب نہ کچھ ادا
حق کی طرف سے ملتی ہے آخر کو یہ سزا

لیکن شرابِ ام خباثت ہے بیخ شر ساری برائیوں سے کئی لوجہ ہے ابتر
انسان میں اس کے پینے سے ہوتا ہے یہ اثر دیوانہ وار کھاہے جیکھ اِدھر اُدھر
نعمت خدا نے دی تو نہ کچھ اس کی قدر کی
شکل ہلال آئی نظر شکل بدر کی

یارب تو کر کرم، ہمارا ہے حال زار کرتے ہیں التجا بتضرع ہزار بار
مت کر ہماری قوم کو غیروں میں بے وقار بخش اس کو فضل سے تمیز صاقدار
امت تیرے نبیؐ کی ہوئی ہے شکستہ حال
آیا ہے اس پہ شامتِ اعمال سے زوال

طوفان معصیت کا اٹھا ہے چہار سو شر و فساد و فتنہ کی سوزش ہے کو بکو
جام و سبو ہیں پر ز شراب سیاہ رو سب مست ہیں بسی ہے دماغوں میں تند بو
یارب مٹا دے باعثِ شر و فساد کو
امت کے کر درست، معاش و معاد کو

عاجز پہ رحم کر بطفیل امام دیں شاہِ امم محمدؐ سردارِ مرسلیں
دے اس کو اپنے لطف سے سرمایۂ یقیں رشد و فلاح و خیر سے کر اس کو ہم قریں
روشن ہو سینہ، علم نبی کے فروغ سے
رکھ دور اس کو جہل و نفاق و دروغ سے

آپ کے ایک صاحبزادے مولوی عبدالستار صاحب عمر پوری تھے جو ۱۳۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے مولوی عبدالرحمٰن، معین الدین، حکیم مولوی عبیدالرحمٰن، جناب علامہ محمد بشیر سہسوانی اور اپنے والد ماجد سے درس نظامی کی تکمیل مدرسہ احمدیہ آرہ میں کی اور تین ماہ میں کلام پاک حفظ کیا۔ تعلیم و تدریس کے مشغلہ کے ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ رسالہ اثبات الخیر

فی ردمنکری الاثر" اور ایک رسالہ مرزئے قادیان کی تردید میں تحریر فرمایا تھا عالم جوانی میں زہد و پارسائی کا مرقع تھے۔ یکم جمادی الاول ۱۳۳۴ھ مطابق ۶ مارچ ۱۹۱۶ء کو فوت ہوئے۔ اسی سال آپ کے والد کا انتقال ہوا تھا۔ [1]

رسالہ جلسۂ احباب شملہ

یہ گلدستہ مظفر نگر سے پندرہ روزہ ۱۸۹۳ء کو جاری ہوا۔ ہر انگریزی مہینہ کی پندرہ اور ۳۰ کو نکلتا تھا۔ مہتمم ظہور الاسلام گوہر اور مالیجنٹ محمد باقر تھے، یہ گلدستہ جلسہ احباب شملہ کا آرگن تھا۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ مطبع فیض عام مظفر نگر میں طبع ہوتا تھا۔ اس گلدستہ نے شعر چھاپنے کی اجرت بہت گھٹا دی تھی۔ گیارہ شعر سے زیادہ شعر چھپوانے پر پاؤ آنہ فی شعر لیا جاتا تھا۔ یہ گلدستہ اوسط درجہ کا تھا۔ اس میں نعتیہ کلام بھی شائع ہوتا تھا۔ اس کے سرورق پر یہ دو شعر درج ہوتے تھے۔ سے

حسینوں کا لڑکپن ہوں، بتوں کا چلبلا پن ہوں
نہ سمجھو مجھ کو گلدستہ، پریوں کا جوبن ہوں
آنکھیں روشن نہ ہوں تو میں جھوٹا
دیکھ تو تو ذرا جھلک میری

۳ اپریل ۱۸۹۴ء کے شمارے میں ایک گلدستہ کا حسب ذیل اشتہار درج ہے۔

"لطف سخن: یہ گلدستہ باہتمام دوست محمد خاں صاحب عتیق ہر ماہ انگریزی میں طبع ہو کر حسن پور ضلع مراد آباد سے شائع ہوتا

---

[1] تراجم علماء حدیث ہند ص ۱۶۷۔

ہے جن میں عشقیہ نعتیہ غزلیات درج ہوتی ہیں"
۲۰ اپریل ۱۸۹۲ء کے گلدستہ کی غزلوں کے منتخب اشعار نقل کیے جاتے ہیں۔
جناب منشی ولی محمد صاحب نشتر کمپاز بیٹر شاگرد جناب منشی عبداللہ صاحب تمنا گنگوہی سے

گیا چمن میں جو صبا دگل کترنے کو
قفس میں رہ گئی بلبل تڑپ کے مرنے کو
قضا جو لے چلی کوئے صنم میں مرنے کو
تو اپنی آنکھیں بچھا دوں میں پاؤں دھرنے کو
بڑا مزا ہو جو مجھ سے کہیں وہ اے نشتر
عدم سے آئے ہیں ہستی میں ہم پہ مرنے کو

جناب حکیم محمد راحت علی خاں حاذق خلف جناب حکیم محمد نیاز علی خاں رئیس و آنریری مجسٹریٹ امروہہ سے

وعدہ خلوت نکالا منہ سے اور غصہ ہوا
باتوں باتوں میں وہ رشک ماہ کیا سے کیا ہوا
کیا نہیں دیکھا ہے سینہ سے مرے لپٹا ہوا
غیر دروازہ ہی سے آیا ہے کیوں کھٹکا ہوا
بال بکھرائے وہ اس حالت سے آئے نعش پر
دشمنوں میں بھی ہماری موت کا رونا ہوا

جناب سید محمد لیسین صاحب شاعر سید پوری حال مدرس سوئم مدرسہ تحصیلی بسولی ضلع بدایوں۔ سے

یا نبیؐ میری طرف اب تو خدارا دیکھو
جاں بلب ہے یہ مریض آؤ مسیحا دیکھو

مان لو ہم جو کہیں اے دلِ شیدا دیکھو
اک دفعہ چل کے محمدؐ کا تو روضہ دیکھو

مست بیخود ہیں مئے حبِ نبی میں اس دم
الجھو مت ہم سے کریں، تم اچھا دیکھو[۵]

جناب مولوی محمد یوسف صاحب یوسف حنفی مظفر پوری تلمیذ جناب وسیم گورکھپوری۔

اے سوزِ غم نہ پھونک اسے، ان کا پاس کر
کم بخت دل مکان ہے انہیں کے خیال کا

سامنا ہوگا آج دل بر کا   کیا مبارک ہے روز محشر کا

آ کے تم دیکھ جاؤ یوسفؔ کو
ہے وہ مہماں جہاں میں دم بھر کا

ظہورالاسلام صاحب گوہرؔ: گوہر صاحب جسولی ضلع مظفر نگر کے باشندے تھے۔ شعر و شاعری کا شوق تھا جناب اخگر مراد آبادی کے شاگرد تھے۔[۱] کلام میں اثر اور روانی ہے۔[۵]

غم نے مارا نہ مجھے رنج و بلا نے مارا
شکر ہے عشقِ شہِ ہر دوسرا نے مارا

نہ ہوئی تیرے مریضوں کو شفا پر نہ ہوئی
زور کیا کیا نہیں عیسی کی دوا نے مارا

---

[۱] رسالہ جلسہ احباب شملہ ۳۰ اپریل ۱۸۹۴ء۔

چھٹ گیا رنج و مصیبت سے بلائے غم سے
بہت اچھا کیا مجھ کو جو قضا نے مارا

مر گیا کٹ گیا ایک دم میں جہنم کو گیا
تول کر تیغ جسے شیر خدا نے مارا

بیاں کس سے کروں قصۂ غم فرقت
کہ مونس اپنا نہیں کوئی نام کرنے کو

لگائے رہتے ہیں سینے سے عشق احمدؐ کو
بچائے جاتے ہیں دل سے گناہ کرنے کو

سجا کے طشت میں نیلم کے آسماں لایا
نبیؐ کے دانتوں پہ گوہر نثار کرنے کو

محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین

یہ ماہانہ علمی و تعلیمی رسالہ جنوری ۱۸۹۳ء کو علی گڈھ سے جلوہ افروز ہوا۔ اردو انگریزی زبانوں میں شائع ہوتا تھا۔ اردو کا حصہ پہلے ٹائپ میں چھپتا تھا بعد میں لیتھو میں چھپنے لگا۔ اردو حصے کے ایڈیٹر مولانا شبلی نعمانی صاحب اور انگریزی حصہ کے تھیوڈور بیک تھے۔ چندہ سالانہ تین روپیہ تھا۔ فیض عام پریس علی گڈھ میں چھپائی ہوتی تھی۔

مارچ ۱۸۹۹ء کے شمارے میں ایک اشتہار شائع ہوا تھا جس میں اس رسالہ کی ابتدائی حالت اور اس میں کیا کیا تبدیلی ہوئی اس کا ذکر ہے اور اس کے مضمون نگار کون کون تھے ان کے اسمار گرامی بھی گنوائے ہیں، ملاحظہ ہو۔

"قریباً پانچ برس ہوئے کہ اس نام کا ایک علمی رسالہ انگریزی

اردسا رہ و ملا ہوا علی گڈھ کالج سے نکلنا شروع ہوا. اول اول وہ علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کا ضمیمہ بن کر نکلتا رہا. لیکن ۱۸۹۴ء میں اس نے ایک مستقل رسالہ کی صورت اختیار کی. اس کے مضامین زیادہ تر کالج کی خبروں اور اس کے متعلقات پر محدود تھے اور اس وجہ سے عام پبلک کو اس کے ساتھ چنداں دلچسپی نہ تھی. اس خیال سے اس کے منتظموں نے اس کو زیادہ وسعت دینی چاہی تاکہ وہ بالکل ایک علمی میگزین بن جائے جس میں کالج کی خبروں کے علاوہ مسلمانوں کے علوم و فنون، تاریخ اور لٹریچر کے متعلق مفید اور پرزور مضامین لکھے جائیں. اس غرض سے اس کے ۴۲ صفحے بالکل اردو کے لئے مخصوص کر دیئے گئے. ملک کے مشہور اہل قلم یعنی مولانا حالی، نواب محسن الملک، مولوی نذیر احمد اور منشی ذکار اللہ وغیرہ بزرگوں نے اس میں مضامین لکھنے کا وعدہ کیا ہے، اور اہل قلم بھی اگر اس کی اعانت فرمائیں گے تو ہم نہایت فخر کے ساتھ قبول کریں گے. اپریل ۱۸۹۸ء سے اب انسٹی ٹیوٹ گزٹ بھی معہ پروگرس کے اس میں شامل کر دیا گیا ہے. میگزین اور انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے کل صفحات ۴۸ اور ۵۰ کے درمیان ہوا کریں گے"

لکھنے والوں کا علم ہو گیا، مضامین کس قسم کے ہوتے تھے اس کا اندازہ حسب ذیل عنوانات سے لگا لیجئے.

(۱) مسلمانوں میں خیرات کے طریقے (۲) ہندوستان میں عربی و فارسی کی تعلیم (۳) علوم شرقی و غربی (۴) دنیا کے مختلف ممالک میں مسلمانوں کی خستہ حالت. اس

کے اسباب اور ان کا علاج۔

دنیا کے مختلف ممالک میں مسلمانوں کی خستہ حالت والا مضمون مارچ ۱۸۹۹ء میں شائع ہوا ہے۔ اس میں آج سے ۶۲ سال قبل مصر کے مدبروں نے مسلمانوں کی حالت کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔

"ہر شخص محدود حالت میں سرگرداں ہے اس کی خواہشوں کا محیط اطراف بدن سے متجاوز نہیں ہوتا۔ اس کے سامنے کوئی ایسا افق نہیں ہے جس پر وہ ملت یا قوم کے حقوق کو درخشاں دیکھ سکے۔ اسی وجہ سے ہر شخص پر ایک خواب گراں طاری ہے اور وہ اپنے آپ کو بیدار خیال کرتا ہے اور طبیعتوں میں نہایت درجہ کی مردہ دلی نفوذ کئے ہوئے ہے اور وہ اپنے اندر شگفتگی اور فرخندگی کا احساس کرتا ہے۔ مایوسیوں نے طبیعتوں میں افسردگی پیدا کر دی ہے اس لئے دم بدم ان کی قوتوں سے زندگی کے آثار محو ہوتے جاتے ہیں۔ اس مایوسی سے ان میں ذلیل سے ذلیل حالت پر قناعت کرنے کا مادہ حلول کرتا جاتا ہے۔ اگر کسی دل میں ولولہ ترقی کا خیال ڈالا جاتا ہے یا گذشتہ برتری کے واپس ہونے کا تخیل پیش کیا جاتا ہے تو اس کو وہ وسوسہ اور ہذیان خیال کرتا ہے۔"

مسٹر بک پرنسپل مسلم کالج علی گڈھ نے ۱۸۹۹ء میں انتقال کیا۔ جس پر مولوی صفدر حسین ناظر امین عدالت دیوانی جون پور نے حسب ذیل تاریخی قطعہ کہا جو یکم مئی ۱۸۹۹ء کے کالج میگزین میں شائع ہوا تھا۔

مسٹر بک مرد و شد آہ   کالج بے دست و سر و پا

کیست خواہد کردبیعی یونیورسٹی کالج را
وائے مسلمانانِ ہند بہر شما شد حشر بپا
بودم در فکر سالش گفت سروش غیب بما
ناظر بہر سالش گو
قد بلغ السیل الزبی

۱۳۱۷ھ

مولانا شبلی نعمانی: مولانا شبلی ۱۸۵۷ء کو موضع بندول ضلع اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے اور اپنے والد شیخ حبیب اللہ کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی، اٹھارہ سال کی عمر میں منطق، فلسفہ، ادب، فقہ، تفسیر اور حدیث حاصل کی، تعلیم پانے کے بعد کچھ دن عدالت دیوانی کے امین رہے۔ اس کے بعد سمیع اللہ خاں صاحب کی سفارش پر سر سید مرحوم نے ان کو کالج میں پروفیسر مقرر کیا۔ سولہ سال تک نہایت خوبی کے ساتھ کالج میں تعلیم دی اور علمی دنیا میں شہرت حاصل کی پروفیسری کے درمیان آپ بلاد اسلامیہ، قسطنطنیہ، مصر وغیرہ میں الفاروق کا مواد حاصل کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ ۱۸۹۲ء میں سلطان ترکی نے تمغہ مجیدی عطا کیا اور ۱۸۹۴ء میں آپ کو شمس العلماء کا خطاب حکومت برطانیہ کی طرف سے ملا۔

سر سید کی رحلت کے بعد آپ کالج سے ۱۸۹۸ء میں سبکدوش ہونے کے بعد حیدر آباد دکن میں سلسلہ آصفیہ میں مصنفین کے شعبہ میں لگائے گئے۔ ایک عرصہ کے بعد لکھنؤ گئے۔ ندوۃ العلماء کی دینی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ ۱۹۱۲ء میں علیحدگی اختیار کی اور اعظم گڈھ میں دار المصنفین کی بنیاد ڈالی۔ آخر عمر میں تمام سلسلوں سے علیحدہ ہو کر سیرۃ النبی کی تالیف میں مصروف ہو گئے تھے۔ افسوس ہے زندگی نے وفا نہیں کی۔ سیرت النبی ناتمام رہ گئی، اور

۱۸ر ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۱۴ء کو آپ اپنے وطن میں فوت ہوئے۔[1]
مولانا شبلی اپنے زمانے کے مستند و مسلمہ مورخ مانے جاتے تھے اگر کوئی ایک فرد تمام صفتوں سے متصف ہو سکتا ہے تو وہ مولانا شبلی کی ذات تھی۔ آپ بیک وقت شاعر، فلسفی، مورخ، ناقد، ماہر تعلیم، معلم، ریفارمر، فقیہ اور محدث تھے اور ادب، تاریخ و تحقیق میں آپ کا رتبہ انتہائی بلند تھا۔

زبان

دہلی سے ۱۸۹۳ء میں یہ ماہنامہ گلدستہ جاری ہوا جس کے بانی و ایڈیٹر مولانا راسخ دہلوی تھے۔ کبھی ۱۶ کبھی ۲۴ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ سالانہ چندہ سوا روپیہ تھا۔ مطبع مظہر العجائب دہلی میں چھپتا تھا۔
اس گلدستہ میں ہندوستان کے نامی شاعروں کی قابل دید اور ہم طرح غزلیں چھپتی تھیں۔ جس کے لوح پر جناب داغ کا مندرجہ ذیل شعر زیب عنوان ہے۔ ؎

ہے بلندی پہ، ترقی پہ، وہ شانِ دہلی
کہ زمانے میں ہے مشہور زبانِ دہلی

سخن گوئی اتنی مشکل نہیں جتنی سخن فہمی، چنانچہ جناب راسخ دہلوی کو یہ دونوں کمال حاصل تھے اور یقیناً ان کے اشعار کا انتخاب قابل تعریف اور لائق داد ہے۔
ستمبر ۱۸۹۳ء کے گلدستہ کی غزلوں کے اشعار کا انتخاب پیش نظر ہے۔

---

[1] مصنفین اردو ص

احسانؔ رامپوری شاگرد جناب داغؔ دہلوی۔ ؎

تجھ کو کیوں کر رحم آئے ہیں جفا سے کیوں ڈروں
دل ترا پتھر کا ہے میرا جگر فولاد کا

جناب اقبالؔ تلمیذ جناب داغؔ دہلوی۔ ؎

کیا مزا بلبل کو آیا شیوۂ بیداد کا
ڈھونڈھتی پھرتی ہے اڑ اڑ کر جو گھر صیاد کا

استاد السلطان دبیرالدولہ نواب مرزا خان صاحب داغؔ دہلوی۔ ؎

بس ٹھہر اے بیقراری دم نہیں فریاد کا
درد بھی آرام کرتا ہے دل ناشاد کا
شاہ آصف جاہ نے کی داغؔ اک عالم کی قدر
حیدرآباد اب نمونہ ہے جہاں آباد کا

خواجہ قمرالدین صاحب راقمؔ دہلوی خلف خواجہ بدرالدین خاں صاحب مترجم بوستان خیال۔ ؎

اشک ٹپکا چاہتے ہیں چشم دریا باد سے
صبر کر مرغِ چمن اب گھر گرا صیاد کا
غیر ہیں اور آپ ہیں خبریں یہ سنتے ہیں ہم
یہ اگر سچ ہے تو مژدہ ہو مبارکباد کا

جناب مولانا حافظ محمد اسحاق صاحب ستمؔ برادر و شاگرد جناب راسخؔ دہلوی۔ ؎

میری خونریزی کے فتوے لے لئے اس شوخ نے
سیف سنت ہے لقب گویا مرے جلاد کا

بعد مردن یہ تعلی ہے ہماری خاک میں
آسماں پر ہے دماغ اس خانماں برباد کا

جناب میر محمد علی صاحب رنج شاگرد جناب داغ دہلوی ؎

جب مکان غیر کی تعریف وہ کرنے لگے
پھر گیا آنکھوں میں نقشہ گلشن شداد کا

میں اگر چاہوں ابھی طوق و سلاسل توڑ دوں
کیا کروں دل توڑنا آتا نہیں جلاد کا

مولانا عبدالرحمٰن راسخ: مولانا راسخ اس علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جس نے علم دین اور اردو ادب کی کافی اشاعت کی۔ مولانا محمد حسین فقیر آپ کے والد ماجد تھے جو علمائے متاخرین میں بے مثل عالم تھے اور اپنے وقت کے شاہ ولی اللہ تھے۔ شاہ موصوف کی طرح آپ کے چار فرزند عالم باعمل مولانا حبیب الرحمٰن، مولانا عبدالرحمٰن راسخ، مولانا محمد ابراہیم اور مولانا محمد اسحاق تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت حبان المقری الیمنی سے ملتا ہے۔ آپ کے خاندان کے بزرگ محمد حیدر صاحب سرہند تشریف لائے اور سرہند میں آپ کے جد امجد نبت ضلع مظفر نگر میں منتقل ہوئے۔ حضرت فقیر کے والد ماجد جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے قبل دہلی میں آئے۔ ان کے والد کا نام نامی مولوی منشی محمد اسماعیل تھا جو ریاست پٹودی میں میر منشی تھے اور آپ کے دادا مولوی منشی میر بخش صوفی قادری باغپت ضلع میرٹھ کے تحصیلدار تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حسب ذیل ہے[1]

---

[1] کتاب المرقوم صـ۲۷

مولوی میر بخش، ابن منشی انور صاحب تہیر ساما نوی ابن منشی محمد احمد صاحب سامانوی ابن محمد حیدر رضا سرہندی، ابن محمد معظم سرہندی، ابن محمد علی اکرم سرہندی، ابن محمد طاہر، ابن باقر، ابن محمد ناظر، ابن محمد قاسم، ابن محمد ہاشم، ابن محمد حسن المعروف بہ ابو العلائی ابن زاہد، ابن مہدی ابوالحسن، ابن ابی الطیب ابن عبد الملک، ابن ابو القاسم، ابن عبد الرحمٰن المعروف بہ ابو سعید، ابن احمد ابوالحسین، ابن یونس، ابن عبد الاعلیٰ، ابن موسیٰ، ابن میسرہ، ابن حفص، ابن حبان المصری الیمنی۔

مولوی محمد اسماعیل صاحب قوم و ملت کی فلاح اور اصلاح کے کاموں میں اور اخلاق درست کرانے میں مصروف رہتے تھے۔ برائیوں سے بچانے اور اچھائیوں کو پھیلانے کی سعی فرماتے تھے۔ چنانچہ مولانا فقیر در منع حقہ شقہ میں اپنے والد کے بارے میں فرماتے ہیں۔[1]

یا الٰہی رحمت اس مرحوم پر — جس پدر کا ذکر کرتا ہے پسر
نفرت ایسی آپ کو حقہ سے تھی — سینکڑوں کو سن کے نفرت ہوگئی
ان کی محفل میں پرانے حقہ نوش — دیکھتے تھے یوں نیا نفرت کا جوش
چھوڑتے تھے وہ پرانی عادتیں — سیکھتے تھے خوش بیانی عادتیں

مولانا فقیر ۱۲۴۲ھ میں نبت ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔[1] آپ نے مولوی مملوک علی صاحب، مولوی محبوب علی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری سے علوم دینی حاصل کئے اور مولانا غافر مدنی کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔[2] فارغ التحصیل ہونے کے بعد

---

[1] تاج التواریخ ص۱۵۱۔ [2] رسالہ الجمیل ص۱۲۱۔

عین عالم جوانی میں جب کہ شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ کا طوطی بول رہا تھا، غالبؔ و مومنؔ اپنی علیحدہ شان دکھا رہے تھے اور بہادر شاہ ظفرؔ حضرت ذوقؔ کی شاگردی کا دم بھر رہے تھے، ذوقؔ اکثر قلعہ معلی کے مشاعروں کی صدارت فرمایا کرتے تھے، فصیح الملک مرزا داغؔ دہلوی، حافظ غلام رسول ویرانؔ دہلوی اور مولانا محمد حسین فقیرؔ ذوقؔ کے تلامذہ میں شمار کئے جاتے تھے اس وقت مولانا فقیرؔ کا تخلص جانباز تھا جس کا اظہار خود مولانا فقیرؔ نے اپنے اشعار میں کیا ہے۔ سلہ

تو بھی تھا ذوق کا شاگرد یہ میں جانتا ہوں
تھا بہت ذوق سخن اور سخن کی لذت
عاشقانہ ترے اشعار ہوا کرتے تھے
اور تخلص ترا جانباز رہا ایک مدت

اس زمانہ کے عاشقانہ کلام میں ایک واسوخت بھی تھی جس کا ذکر مولانا راسخؔ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ وہ واسوخت مولانا رشید احمد گنگوہی کی صحبت کی وجہ سے نذر آتش فرمادی تھی اور اپنے آپ کو حمد و ثنا اور نعتیہ اشعار کے لئے وقف کر دیا تھا۔ چنانچہ اپنے اشعار میں انہوں نے عشقیہ کلام سے تائب ہونے پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ سہ

ایک دن میں نے کہا دل سے کہ تائب ہو کر
شکر ہے اب نہ رہی شعر و سخن کی عادت
میں نے مانا کہ تجھے توبہ کی توفیق ہوئی
اور یہ راس آئی بہت کچھ علمار کی قربت

سلہ دیوان فقیر صہ ۱۳۱-۱۳۳

تجھ کو ہر شعر قبیحہ سے مبارک توبہ

پر جو ہو شعر حسن اس سے نہ ہو بے رغبت

سن حدیث نبوی مجھ سے کہ ہے شعر کلام

ہے قبیح اس کا قبیح، اور حسن ہے حکمت

آج تو گلشن اوصاف میں اہل حق کے

دست گل چیں قلم اپنی کو بنا بے منت

رندانہ زندگی چھوڑنے کے بعد آپ نے رشد و ہدایت کا سلسلہ اور وعظ کی شکل میں تبلیغ اسلام شروع کر دی تھی۔ اس وقت آپ کو عشقیہ شاعری سے یہاں تک نفرت ہو گئی تھی کہ ایسے شاعروں کی صورت سے نفرت کرنے لگے تھے۔[1]

"تیغ فقیر برگردن شریر" مولانا کی ایک معرکۃ الآرا منظوم تصنیف ہے جس پر چند تنگ نظر لوگوں نے آپ کے خلاف دعویٰ کر دیا تھا اور وارنٹ گرفتاری بھی جاری ہو گیا تھا۔ اس کے بعد جب آپ مولانا گنگوہی کی کملی میں جاکے چھپے تو کسی کو تلاش و جستجو میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی اور جب قانونی گرفت کے تمام مواقع ختم ہو گئے تو بدر کامل بنکر نمودار ہوئے۔

اسی زمانہ میں مولانا فقیر کے ہم مکتب منشی جمال الدین صاحب ریاست بھوپال کے مدارالمہام تھے۔ جب روم روس کی لڑائی ہو رہی تھی اور تمام دنیائے اسلام کے ممالک سلطان روم کی خدمت میں چندہ روانہ کر رہے تھے، اس وقت والئ بھوپال شاہجہاں بیگم دو لاکھ روپیہ کا چندہ یتیموں اور

---

[1] کمال راسخ ص۱۔

فوجیوں کے لئے بھیجنا چاہتی تھیں۔ اس کے لئے ان کو ایک معتبر امانتدار آدمی کی ضرورت تھی۔ منشی جمال الدین صاحب نے مولانا فقیر کا نام تجویز کیا۔ منظوری کے بعد آپ کو دعوت دی گئی کہ آپ یہ رقم سلطان روم کو پہنچا دیں آپ اس خدمت کے لئے تیار ہو گئے، اور روانگی ہوئی۔ جب سلطان کی خدمت میں پہنچے تو وہ رقم ان کو پیش کی جس سے وہ بہت مسرور شاداں ہوئے۔ اور انہوں نے تین تمغے درجہ اول نواب شاہ جہاں بیگم، دوئم نواب صدیق حسن خاں اور تیسرا تمغہ مدارالمہام منشی جمال الدین صاحب کے لئے مرحمت فرمایا اور وزیر اعظم سید خیرالدین پاشا نے اپنی تصنیف اقوم المسالک فی احوال الممالک بھی عنایت کی۔ [1]

ان تمغوں کو لیکر مولانا بھوپال پہنچے تو ایک عظیم الشان دربار منعقد ہوا، اور مولانا فقیر کو نواب شاہ جہاں بیگم نے خلعت فاخرہ اور جواہر عنایت کئے۔ اس دربار کا ذکر روز روشن کے مصنف نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

"روزیکہ ایں فرامین و تمغہ ہا بکمال عز و احتشام در بھوپال رسیدند در جشن ایں عطیہ عظمیٰ و موہبت کبریٰ درباری بکمال و عظمت شوکت انعقاد یافت و مولوی محمد حسین فقیر بنوازش ملکہ دوران چنداں خلاع فاخرہ و جواہر وافرہ و نقود متکاثرہ اندوختن کہ خرمن فقر و احتیاج یک بارہ سوخت موزوں طبعاں ملازم آستانہ فیض کاشانہ قطعات تہنیت و تاریخ بانظار

---

[1] روز روشن ص۳۲۲۔

قبض ! گزمانید ندو فراخور رتبات خود ہا از خوان احسان
عام نوالہ ہائی انعام چیدند"

مولانا فقیر کی طبیعت فقیرانہ تھی، شہنشاہیت وامیری سے طبیعت کو ذرہ برابر بھی لگاؤ نہیں تھا۔ چنانچہ اس نوابی ماحول میں مولانا فقیر کی طبیعت نہیں لگی۔ یہ ماحول ان کے مزاج کے خلاف تھا وہاں سے جلد ہی چھٹکارا پایا اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کی صحبت کا جو اثر انہوں نے قبول کیا، اس کا اظہار انہوں نے اپنے اشعار میں کیا ہے۔ ؎

باکرامات مجرب ہے یہ ان کی اکسیر
جس کی تاثیر سے اب دل کا غنی ہے یہ فقیر
یعنی طالب ہوا میرا جو وزیر بھوپال
سفر مصر کی دکھلائی یم و دشت وجبال
روم کی شام کی بھی دیکھی غدو و آصال
اس سفر کا ہوا بالخیر جب انجام و مآل
کر کے اظہار خوش اخلاقی و الفت مجھ سے
ہوا بھوپال میں خواہان اقامت مجھ سے
گو کہ دنیا کا وہاں عیش تھا پر دین نہ تھا
علماء دیکھے وہاں مثل عبید امرار
دل وہاں جس کے اثر سے متنفر ہی رہا
شکر ہے ان کی دعا نے مجھے یہاں کھینچ لیا
چھوڑا بھوپال کو انعام ہوا باری کا
کیونکہ بھوپال میں کھونچال ہے دینداری کا۔

بھوپال سے آنے کے بعد آپ نے مدرسہ حسین بخش میں وعظ کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ پندرہ سال تک اس مدرسہ میں آپ وعظ فرماتے رہے۔ ایک روز حسین بخش کے نواسے محمد شفیع نے آپ کی وعظ میں مخالفت کی۔ آپ اسی وقت ممبر سے اتر آئے اور اسی وقت پاپوش فروشوں کی برادری کے ملاجی اور حاجی کریم بخش نے کہا آپ وعظ فرمائیں دیکھیں یہ کیسے بند کرتے ہیں لیکن مولانا فقیر آمادہ نہیں ہوئے۔ چنانچہ حاجی کریم بخش عرف حاجی نتھو ٹھیکہ دار اور حاجی نور محمد عرف ننواں تیلی آپ کو ترکمان گیٹ کی مسجد میں لے گئے جہاں ڈھائی سال تک آپ نے اس میں وعظ کہا۔ اس کے بعد شیخ برکت اور حاجی فضل نان بائی (یہ دونوں بھائی تھے) نے بازار ٹٹیا محل محلہ گڑھیا اور کٹرہ گوکل شاہ کے درمیان دو کھنڈر تھے وہ مولانا فقیر کو مسجد کی تعمیر کے لئے دیئے۔ چنانچہ ۱۳۲۲ھ میں یہ مسجد و مدرسہ قائم ہوا۔ حجرے کے درمیان صحن میں بیضوی حوض بنوایا۔ مدرسہ کا نام حسینیہ رکھا۔[1] ایک کتبہ مسجد کے طاق پر ہے اور دوسرا مدرسہ کے دروازہ پر ہے۔

این مدرسہ از شانِ عطائے تو خدایا
مرفوع شد این قصہ ہدایت فلک الحمد
در شکرِ غنی قولِ فقیر آمدہ تاریخ
این جا شدہ محرابِ عبادت فلک الحمد

۱۳۱۵ھ

---

[1] واقعات دار الحکومت دہلی جلد دوم ص

آئیں اہلِ دینِ حق و دیں و نماز و وعظ میں
یہ عبادت گاہِ خاص و عام مسجد بن گئی
لکھ جنابِ مصطفےٰ کا سالِ ہجرت اے فقیر
خوب زیبا زینتِ اسلام مسجد بن گئی

۱۳۱۵ھ

مولانا فقیر نے اس مسجد میں تعمیر کے بعد چھ سال تک وعظ فرمایا اور ۲۷ رمضان ۱۳۲۴ھ کو ۸۱ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ اس کے بعد مولانا ابراہیم علیہ الرحمۃ اس منبر پر بیٹھے اور پورے بارہ سال تک وعظ فرماتے رہے اس کے بعد مولانا اسحاق صاحب نے تادمِ آخر اس مسجد میں وعظ فرمایا۔ اب مولانا اسحاق کے صاحبزادگان مولانا زبیر قریشی اور مولانا عرفان وعظ فرماتے ہیں اور اس مدرسہ و مسجد کے نگراں و متولی و مہتمم ہیں۔

مولانا محمد حسین فقیر کی کافی تصانیف ہیں لیکن زیادہ شہرت دو ہی کتابوں کو حاصل ہوئی۔ ایک "تیغ فقیر برگردن شریر" دوسری آپ کا نعتیہ دیوان ہے لالہ اندرمن مرادآبادی نے ایک کتاب منظوم اصول دین احمد اسلام اور بانئ اسلام جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف شائع کی تھی جس میں مذموم و ناشائستہ حملے کئے تھے۔ اس کے جواب میں مولانا محمد حسین فقیر نے تیغ فقیر برگردن شریر ۱۲۸۷ھ کو پایۂ تکمیل کو پہنچائی۔ اور مطبع فاروقی دہلی میں ۱۲۹۰ھ کو طبع ہوئی۔ یہ کتاب ۸۴۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ مولانا فقیر نے اس کی حسب ذیل تاریخ کہی تھی۔ ؎

جو رد کفر کی اس نظم سے فراغ ہوا
قبول ہوگئی صد شکر حق دعا میری

سنائی رہائے صریرِ قلم نے یہ تاریخ
بجھی ہے زہر میں تلوار، واہ کیا میری

۱۲۸۷ھ

دیوان فقیرؔ کے دو ایڈیشن شائع ہوئے ایک ایڈیشن سفینۂ عشق مدینہ یعنی دیوان فقیر کے نام سے ۱۲۹۱ھ کو مولوی عبدالحق صاحب ساکن نبتہ کی فرمائش پر مطبع فاروقی دہلی میں طبع ہوا جو ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ مولانا فقیرؔ نے اس کی تاریخ یہ تحریر کی ہے

دیوان مدح ختم ہوا آج اے فقیرؔ	اب ہاں کہئے کیا ارادہ ہے قول اخیر کا
یہ ہی کہ تجھ کو تیرے نبی کو جہان کو	یارب قبول ہوئے یہ تحفہ فقیرؔ کا

۹۱ ۱۲ھ

دوسرا ایڈیشن دیوان فقیرؔ در مدح بشیر و نذیر مطبع قدوسی میں باہتمام محمد عبدالقدوس دہلوی ۱۳۰۶ھ کو مولانا محمد ابراہیم دہلوی فرزند مولانا فقیرؔ کی کوششوں سے شائع ہوا۔ ۴۸۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ چنانچہ مولانا ابراہیم صاحب اس دوسرے ایڈیشن کے بارے میں فرماتے ہیں :

"دیوان فقیرؔ در مدح بشیر و نذیر ملقب بسفینۂ عشق مدینہ جو اول بار چھپ کر غذائے روح عاشقین خیر المرسلین ہو چکا ہے ۔۔۔ اب طبع اول سے دوچند یعنی غزلیات مدحیہ خیر البریہ زیادہ ہو کر مطبوع ہو گیا ہے"

اس دوسرے ایڈیشن میں کلام کے اضافہ کے علاوہ مولانا فقیرؔ نے اشعار میں بھی تغیر و تبدل کیا ہے۔ پہلے ایڈیشن کا پہلا شعر یہ ہے۔ ؎

ملا میرے قلم کو حسن بسم اللہ کے مد کا
ہوا جب عزم حمد کبریا و نعت احمد کا

دوسرے ایڈیشن میں دوسرے مصرعہ میں تبدیلی کی ہے سے

ملا میرے قلم کو حسن بسم اللہ کے مد کا
ہوا جب عزم تمجید حق و نعت محمد کا

نعتیہ کلام کے علاوہ مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی، شاہ ولی اللہ، مولانا اسماعیل شہید، مولانا قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے منقبت میں قصیدے درج ہیں جو پہلے ایڈیشن میں نہیں تھے۔ مولانا فقیر کے سب سے چھوٹے صاحبزادے مولانا محمد اسحاق صاحب نے اس دیوان کا تاریخی قطعہ کہا ہے۔ سے

مژدہ اے عشاق ختم المرسلیں ... چھپکے پھر آتا ہے دیوان نعت کا
کوئی پوچھے سینوں کے دل سے بات ... کیا ہے اور کیسا ہے دیوان نعت کا
لکھ دے اے اسحاق تاریخ تمام
خوب ہی لکھا ہے دیوان نعت کا

۱۳۰۶ھ

ان تصانیف کے علاوہ حسب ذیل کتب آپ کی تالیف و تصنیف ہیں جو مولانا مرحوم کے پوتے مولانا زبیر قریشی کے پاس موجود ہیں (۴) تعلیم الحیار لجماعتہ النسار (۵) مواعظ فقیر حقیر منادی شریعت، دیوان نصیحت (۶) نکاح برمیوہ، ترغیب نکاح بیوہ (۷) بیوہ کی مناجات (۸) ازالۂ غشی از دفاع راشی و مرتشی (۹) درمنع حقہ شقہ (۱۰) تعلیم شریعت، بچوں کی نصیحت (۱۱) شرح الصدر تفسیر سورۃ القدر (۱۲) نافع الانسان و دافع الخسران تفسیر العصر

(۱۳) عطائے رب اکبر تفسیر سورہ کوثر (۱۴) رحمت خاص تفسیر سورۂ اخلاص (۱۵) تکذیب البہتان عن المقلدین لابحنیفۃ النعمان (۱۶) نجوم السنۃ لرجوم البدعۃ (۱۷) قہر سپہر در کسوف مہر۔ بیان اہل سنت در رد اہل بدعت (۱۸) رد بدعت (۱۹) شکر الٰہی بارہ نصیحتیں (۲۰) خدا کی رحمت خدا کی نعمت (۲۱) رسالہ بیس تراویح (۲۲) زینۃ الجنان شہر رمضان (۲۳) چہل حدیث (۲۴) آمین ختم قرآن مجید (۲۵) ناصر دین مصطفیٰ ذکر فضائل الخلفاء (۲۶) دعاء فقیر در حق پیران بے پیر (۲۷) حربۂ فقیر بر اہل تزویر۔

جناب فقیرؔ ذوقؔ کے شاگرد تھے۔ ان کو کلام پر قدرت حاصل ہے اور اپنے زمانے کے مانے ہوئے شاعر تھے۔ زبان میں تاثیر، درد اور روانی ہے۔ سلہ

ایک ہم بھی بے نصیب ہیں اور ایک وہ بھی ہیں
جن کے لئے وطن ہے مدینہ رسولؐ کا
جب تو کہتا تھا اگر جاؤں تو مر جاؤں وہیں
پھر فقیر اب تو مدینہ سے جدا کیوں کر ہوا
کیوں کے دل سیر ہو حضرت کی زیارت سے فقیر
عمر بھر دیکھا تو گویا نہیں دم بھر دیکھا

بے مدینہ ہو کس طرح دل خوش — ہر خوشی میں ہے یہاں غم کا مزا
مثل جنت سکون دل ہے وہاں — کیا کہوں مسکن نبی کا مزا
نے جائیں مرا کاش فرشتے وہاں کلام — جائیں اگر بخلوت پیغمبر خدا
ہم بخانہ حرم میں مرنہ گئے — ہم سے سجدہ ہی کچھ ادا نہ ہوا
محشر میں نہ تھا ادب — بحر دم و مال محمدؐ

روضۂ انور میں ہو یہ اے صبا عرض فقیر
اب اس بے دست و پا کو پھر بھی بلوائیں گے کیا

اغنیائے مردہ دل گویا ہوئے مدفون ہند
سوئے مکہ اٹھ کے مردے بھی چلے جائیں گے کیا

جب سے حسن احسن الکونین کا مداح ہوں
اے فقیر اپنا سخن شایان تحسین ہو گیا

مولانا محمد حسین فقیر کی پہلی بیوی سے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اور مولانا مولانا عبدالرحمٰن صاحب راسخ اور دوسری اہلیہ سے مولانا ابراہیم اور مولانا اسحاق صاحب تھے۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب ۱۸۵۵ء کو پیدا ہوئے اپنے والد ماجد اور مولانا رشید احمد گنگوہی سے علوم دینی حاصل کئے۔ آپ مولانا رشید احمد گنگوہی مرحوم سے بیعت بھی تھے۔ ایک عرصہ تک مدرسہ حسینیہ کٹرہ گوکل شاہ میں درس دیتے رہے۔ آخر عمر میں مسجد جفت فروشاں محلہ چوڑیوالان میں بعد نماز فجر وعظ کہنا شروع کر دیا تھا۔ گلی بدلیاں محلہ چوڑیوالان میں مقیم تھے ہر دوشنبہ کو اپنے مکان میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ شرک و بدعت کا رد فرماتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بریلیوں اور دیو بندیوں کے عقائد پر بحث و مباحثے ہوتے تھے۔ مولانا ایک باوضع ملنسار سنجیدہ اور انتہائی متین انسان تھے۔ اختلافی مسائل بہت کم بیان کرتے تھے اور نزعی مسائل پر کبھی بولتے بھی تھے تو کسی کی ذات پر حملہ نہیں کرتے تھے۔ دلائل و براہان سے سمجھاتے تھے۔ رمضان کے آخری عشرہ میں وعظ سے فارغ ہونے کے بعد آپ پر فالج کا حملہ ہوا۔ مختلف اطبائے کے زیر علاج رہے۔ درمیان میں تخفیف کے آثار ظاہر ہونے لگے لیکن ۴ مارچ ۱۹۲۰ء کو مرض دفعتہً بڑھ گیا اور

۶ اور ۷ مارچ ۱۹۳۰ء کی درمیانی شب میں ۵۷ برس کی عمر میں فوت ہوئے[51]۔
ان کے دو صاحبزادے خلیل الرحمٰن اور جمیل الرحمٰن تھے۔ آپ کو شاعری سے زیادہ لگاؤ نہیں تھا مگر شعر کہہ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے "تیغ فقیر برگردن شریر" پر تقریظ لکھی ہے اور دیوان فقیر در مدح بشیر و نذیر کے دو تاریخی قطعے کہے ہیں۔ تقریظ کے اشعار ملاحظہ ہوں:[52]

جب کھینچی میاں سے یہ تیغ فقیر — کھنچ گئی دشمنوں کے دل پہ لکیر
ہوئے مقبولِ دو عالم یہ کتاب — یہ دعا میری ہے یا ربِ قدیر
ایسی شمشیر کے جوہر میں رہے — دیدۂ شیر کے یا رب تاثیر
اثر زہر دکھائے اس کو — اس سے زخمی ہو جو دشمن و بے پیر
اس کی تاریخ حبیب الرحمٰن — یہی موزوں ہوئی وقتِ تحریر

کہ یہ کہتے ہوئے دشمن بھاگے
آگیا کھینچ کے شمشیر فقیر

دو تاریخی قطعے ایک فارسی دوسرا اردو کا حسب ذیل ہیں:[53]

مدح شاہِ عرب زکس در ہند — ہمچو ایں نیست نظمی و نثری
تا عرب باشتہر بجز انمود — کہ حجازی و ش ست این ہندی

سال طبعش زروئے اسم اللہ
جنذا مدح مرسل ربی

۱۳۰۶ھ

---

[51] اخبار الجمعیۃ دہلی ۱۲ مارچ ۱۹۳۰ء۔ [52] تیغ فقیر برگردن شریر صفحہ ۲۲۶
[53] دیوان فقیر در مدح بشیر و نذیر صفحہ ۹۸۔

الٰہی شکر ہے پھر بعد مدت — چھپا دیوان نعت مصطفےٰ خوب
طفیل مدح سلطان عرب ہاں — سب اس کو کہتے ہیں واللہ کیا خوب
میرے دل میں حبیب آئی یہ تاریخ
یہ دیوان فقیر اردو چھپا خوب
۱۳۰۶ھ

مولانا عبدالرحمٰن صاحب راسخ ۱۸۶۳ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ دہلی میں ہی عمر کا بیشتر حصہ گذارا۔ یہیں تعلیم و تربیت پاکر بڑے ہوئے۔ آپ شروع عمر ہی سے ذہین، ذکی اور فہیم تھے۔ نو سال کی عمر میں کلام مجید کی محراب سنادی تھی۔ تعلیم کی طرف توجہ دینی شروع کی تھی کہ ذوق شاعری دامنگیر ہوا، اور کیوں نہ ہوتا علم و ادب اور شاعری اپنے والد اور اپنے بزرگوں سے ورثہ میں ملی تھی۔ ایک دن اپنے والد کے پاس غزل کی اصلاح لینے کے لئے گئے۔ انہوں نے اصلاح دینے سے انکار کیا اور نصیحتوں کا دفتر کھول دیا۔ اس دن سے انہوں نے ان کو ہی نہیں بلکہ کسی اور شاعر کو بھی کلام نہیں دکھایا۔ ہندوستان بھر میں ان کو کوئی استاد پسند نہیں آیا۔ خود ہی اپنے کلام کی اصلاح کر لیتے تھے جیسے کہ جناب راسخ کے متعلق کہا جاتا ہے۔ مولانا راسخ دینی مکتب سے عشق کے مکتب میں کس طرح پہنچے وہ ان کی زبان سے سنئے:

”زمانہ طالب علمی میں جہاں معمولی کتابوں کے سبق ہوتے تھے وہاں بعض رسائل تصوف کے بھی ایک دو ورق ہوتے تھے گو وہ زمانہ ناسمجھی کا تھا تاہم صوفیائے کرام کی باتوں میں بہت دل لگتا تھا۔ رفتہ رفتہ عمر بڑھی، شوق بڑھا، کمبختی کے دن آگئے یعنی سر پر شاعری کا جنون آچڑھا۔ ہنوز تعلیم ہی کا سلسلہ

ناتمام تھا کہ شعر گوئی کا شوق مدرسہ عقل و نقل سے اٹھا کر مکتب عشق میں لے گیا۔ پیر مغاں سے دوستی ہوئی اللہ کی رحمت ہوئی دستِ سبو دعا کے لئے اٹھا، ساقی عنبریں سے زلفوں کا سلسلہ سند ملا، عشق ابرو نے تلوار کے گھاٹ اتارا اور کبھی کافر کی ترچھی نگاہ اور بانکی چتون نے ایک سیدھے سادے مسلمان کا کام تمام کر دیا۔ خاکسار کو شوق کیوں نہ ہوتا" لہ

اس کے بعد مولانا راسخ کے والد ماجد کی دعاؤں کا یہ اثر ہوا کہ تھوڑے دنوں کے بعد ان کو تعلیم کی تکمیل کی فکر ہوئی۔ مدرسہ حسین بخش دہلی میں داخلہ لیا اور مولانا حافظ مولوی محمد عبدالغنی صاحب قاسمی کی خدمت میں پہنچے۔ انہی سے دستارِ فضیلت حاصل کی اور واعظ بے بدل بننے کے بعد نظم و نثر کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ ؎

طبیعت کی بلند پروازی نے رنگ دکھایا، ایک ظریف اخبار "بے مثال پنچ" جاری کیا جس میں آپ کو ظریف و شوخ نظموں کی اشاعت کے لئے میدان مل گیا۔ لیاقت و فراست کے جوہر دکھائے، مشہور و معروف ظریف ایڈیٹروں سے مقابلہ اور معرکہ رہا۔ شاعروں سے بھی چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی جس کی وجہ سے اہل علم اور اہل قلم طبقہ میں شہرت حاصل کی۔ بے مثال پنچ ناقدری کا شکار ہوا تو اخبار خیر خواہ عالم، چلتا پرزا ہفتہ وار اخباروں کی ایڈیٹری کے فرائض انجام دیئے۔ ان سے قلیل آمدنی ہوتی تھی۔ اخراجات

لہ کمال راسخ ؎ یادگار دہلی ص ۱۶۴

نے مجبور کیا تو فضل الاخبار اور دہلی پنچ کی ادارت سنبھالی اور ماہانہ رسالہ "زبان" بھی نکالا۔ آپ کی ظریف نظمیں اور نثر کے مضامین دیکھ کر اہل الرائے یہ کہا کرتے تھے کہ منشی سجاد حسین ایڈیٹر اودھ پنچ جس مضمون کو ایک صفحہ میں لکھتے ہیں مولانا راسخ اس کا مطلب پانچ سات سطروں میں نکال لیتے ہیں۔ بلکہ ایک صاحب نے تو اخبار میں شائع بھی کر دیا تھا کہ منشی سجاد حسین صاحب کا ایک صفحہ اور مولانا راسخ کی سات آٹھ سطریں ایک ہی وقعت رکھتی ہیں۔ ؎۱

مولانا راسخ اوائل عمر سے مشق سخن میں مرزا ارشد گورگانوی، مولانا سیف الحق ادیب دہلوی اور پنڈت جواہر ناتھ ساقی وغیرہ کے ہم مشق اور ہم صحبت رہے اور اپنی میانہ روی، خوش مذاقی اور صلح کل پالیسی سے علمی صحبتوں میں امتیازی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ۱۸۸۵ء سے ۱۹۰۷ء کی بیس برس کی مدت تک دہلی میں استاد مانے جاتے رہے۔ دہلی کے مشاعروں کی جان تھے۔ داغ مرحوم ان کی قادر الکلامی کے قائل تھے اور اکثر اشعار پر داد دی اور متعدد موقعوں پر دہلی کے نوآموز شعراء کو ہدایت کی تھی کہ راسخ کو اپنی غزلیں دکھاؤ۔ ان کے ساٹھ ستر کے قریب شاگرد تھے جن میں بابو وناتک پرشاد طالب بنارسی مقیم بمبئی، چندی پرشاد شیدا، پیارے لال رونق دہلوی قابل ذکر نام ہیں۔ آپ کا لقب خلاقِ معانی تھا جس کا ذکر آپ نے اپنے اشعار میں کیا ہے۔ ؎۲

جسے کہتے ہیں خلاقِ معانی میں ہوں وہ راسخ

زمانہ رشک کرتا ہے مری معجز بیانی پر

ہے نظم دلہن، تو نوجوانی میں ہوں

قالب ہے سخن، تو زندگانی میں ہوں

؎۱ کمال راسخ ص۲

مشہور ہوں خلاقِ معانی راسخ
شاعر ہیں دہن، تو خوش بیانی میں ہوں

شاگردوں کو اصلاح دینے میں ان کو ایک خاص ملکہ حاصل تھا۔ چندی پرشاد شیدا لکھتے ہیں:

"میرا چشم دید واقعہ ہے کہ عین مشاعرے کے دن ہم سب چودہ پندرہ شاگرد مولانا سے غزلیں لینے ان کے دولت خانہ پر حاضر ہوا کرتے تھے۔ آپ نے غزلوں کی ٹوکری منگائی، قلم دوات لے کر بیٹھے اور کوئی آدھ گھنٹہ کے اندر سب غزلوں کو درست کر کے ہر ایک کے حوالے کر دیں۔ اب جو غزلیں دیکھتے ہیں تو ایک ایک لفظ جو انہوں نے بنایا ہے جواہرات میں تولنے کے قابل ہے۔ گویا غزل کے حسن میں چار چاند لگا دیئے۔ اتنی جلدی اور ایسی نفیس اصلاح فرماتے تھے کہ شاگرد دیکھ کر پھڑک جاتے تھے۔ گویا الفاظ کا ایک لامحدود خزانہ تھا جو مولانا راسخ کی گردش قلم میں بند رہتا تھا۔ ذرا قلم کی جنبش ہوئی اور بے بہا جواہرات نکلنے شروع ہو گئے۔"

مولانا راسخ کو فقہ، معقول، منقول اور کتب حدیث پر کافی عبور تھا۔ کئی بار مولانا شوکت میرٹھی سے آپ کے مباحثے ہوئے۔

مولانا راسخ گلی قاسم جان بلیماران اور مچھلی والی مسجدوں میں روزانہ قرآن مجید کا ترجمہ فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا وعظ نہایت موثر اور دل کش ہوتا تھا سننے والے ضبط نہیں کر سکتے تھے، بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے تھے اور بعض بے اختیار ہو کر زار و قطار رونے لگتے تھے۔ خاص طور پر

لوگوں کو جمعہ کے وعظ کا انتظار رہتا تھا۔ وعظ کے درمیان آپ واقعہ اور موقع کی مناسبت سے اشعار کہا کرتے تھے جو اکثر آپ ہی کے ہوتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ نے شعبان کی پندرھویں شب کا ذکر کیا جس میں جاگنے والے قبرستان جایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے یہ واقعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کیا۔ [1]

حضور اقدس رات کو قبرستان روانہ ہوئے، حضرت عائشہ صدیقہ بھی اس خیال سے کہ آپ کسی دوسری بیوی کے یہاں تشریف لے جارہے ہیں پیچھے پیچھے ہولیں۔ آپ قبرستان میں ایک قبر پر کھڑے ہو کر ایصال ثواب فرمانے لگے۔ اس موقع پر مولانا راسخ نے یہ اشعار پڑھے۔ ؎

تم چلے آؤ کسی دن گیسوئیں کھولے ہوئے
کاش تربت پر کسی دن سائبانِ ابر ہو
آرزو یہ ہے کہ پھٹ جائے زمیں ہم دفن ہوں
فاتحہ جس پر پڑھو، وہ ہماری قبر ہو

راسخ مرحوم کے وعظ میں بڑی خلقت ہوتی تھی اور دہلی کے مشہور علماء وفضلاء اس میں شامل ہوتے تھے۔ چنانچہ جب آپ قرآن مجید ختم فرماتے تو اس مبارک مجلس میں حضرت شاہ ابوالخیر اور مولانا کرامت اللہ صاحب رونق افروز ہوتے تھے۔

راسخ مرحوم جس بات کا ذکر فرماتے تھے اس کا سماں اور نقشہ ایسا کھینچ دیتے تھے کہ آنکھوں کے سامنے آجاتا تھا۔ ایک مرتبہ وعظ میں جزا و سزا

---

[1] واقعات دارالحکومت دہلی ص ۱۸۹

کا بیان آیا اور میدانِ حشر کا نقشہ کھینچا، سامعین دہاڑے مار مار کر رونے لگے۔ ایک شخص کی چیخ نکلی اور اسی وقت جاں بحق ہو گیا۔[1]

اسی زمانے میں جب مولانا راسخ مقبول و محبوب عام واعظ بنے ہوئے تھے، دہلی کے علاوہ دور دراز کے لوگ آپ کے وعظ کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ نواب مالیر کوٹلہ کو ان دنوں شاعری کا نیا نیا شوق ہوا تھا۔ ان کے مشاعرے میں مختلف مقامات کے شعراء شرکت کرتے تھے۔ مولانا راسخ کو بھی انہوں نے یاد فرمایا۔ لیکن مولانا تشریف نہ لے گئے۔ جب کئی خطوط اور تار آئے تو منشی رونق صاحب کے مکان پر ایک دن تشریف لے گئے اور چندی پرشاد شیدا کو بلوایا، اور ان سے کہا نواب صاحب کئی بار یاد فرما چکے ہیں خطوط اور تار بھی آئے ہیں، اگر تمہاری رائے ہو اور میرے ساتھ چلنا پسند کرو تو چلو ایک دن کے لئے مالیر کوٹلہ ہو آئیں۔ ان لوگوں نے آمادگی ظاہر کی تو دوسرے روز رات کی گاڑی سے یہ لوگ روانہ ہو گئے۔ مشاعرہ میں شرکت کی مولانا کو دیکھ کر اور ان کا کلام سنکر نواب صاحب نے فرمایا۔ سبحان اللہ راسخ صاحب آپ کو جیسا سنا تھا اس سے بھی کئی حصے زیادہ پایا۔ کئی روز تک یہ لوگ ریاست کے مہمان رہے۔ وعظ سنا تو اور بھی زیادہ خوش ہوئے۔ خلعت اور زر نقد دیا اور خواہش ظاہر کی کہ اگر آپ یہاں تشریف رکھیں تو علاوہ رہائشی مکان اور خرچ خوراک کے دو سو روپیہ ماہانہ آپ کو زندگی بھر یہاں سے ملتا رہے گا۔

یہ حقیقت ہے کہ دہلی والوں کو دہلی چھوڑنا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے

---

[1] ۱۸۵۷ء کے بعد کی دلی۔

اور مولانا راسخ کو تو دہلی سے خاص لگاؤ اور محبت تھی۔ چنانچہ فرماتے ہیں، سہ

پھرتی رہیں گی دلی کی گلیاں نگاہ میں
راسخ بہشت میں بھی رہوں گا وطن کے پاس
بنایا ہے ہمیں پامال ہونے کے لئے راسخ
نہ کھائیں ٹھوکریں کیوں کہ ہم دلی کے روڑے ہیں

راسخ مرحوم سے دلی کیوں کر چھوٹتی، نواب صاحب کا شکریہ ادا کیا اور کہا، پندرہ روز یہاں رہوں گا اور پندرہ روز دہلی میں سکونت رکھوں گا۔ نواب صاحب کو آپ سے ایک خاص انس ہو گیا تھا، انہوں نے یہ شرط منظور فرمائی۔

مولانا راسخ کو تصنع اور کر و فر سے نفرت تھی وہ سادہ زندگی کو پسند کرتے تھے اور معمولی لباس میں رہتے تھے۔ دیکھنے والے یہ سمجھ نہیں سکتے تھے کہ یہی وہ مولانا راسخ ہیں جو علوم و فنون کے ایک قلزم ذخار ہیں۔ مولانا راسخ کے معتقد و شاگرد حاجی منیر الدین صاحب مرحوم نے اپنا چشم دید واقعہ مجھ سے بیان کیا تھا:

مولانا راسخ مدرسہ حسینیہ کی تعمیر سے قبل ایک کمرہ کی چھت پر بیٹھے ہوئے تھے بالکل وحشیانہ وضع تھی، نہایت میلے اور بوسیدہ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ چنانچہ مولانا راسخ نے اپنی اس حالت کا ذکر اس انداز میں کیا ہے، سہ

دستار فضیلت کا طرہ ہے وہی وحشت
اچھی کسی دیوانے کی راسخ کو دعا ہے

صاحبِ علم و فنون کا زمانہ ہمیشہ دشمن رہا ہے۔ مولانا راسخ کی بھی مالی حالت کبھی اچھی نہیں رہی معقول آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے اکثر تکلیف

سلہ کمال راسخ صہ

اٹھاتے اور پریشانیوں کا شکار رہتے تھے۔ لیکن سوائے صبر و شکر کے کسی نے ان کی زبان سے کبھی کوئی لفظ نہیں سنا۔

مولانا راسخ نے وفات سے چار پانچ سال قبل عاشقانہ شعر و شاعری سے توبہ کرلی تھی۔ توبہ کے بعد تادم مرگ عشقیہ شعر نہیں کہا۔ صاحب خم خانہ جاوید لکھتے ہیں: "توبہ کے بعد تلامذہ کی اصلاح کا سلسلہ جاری تھا" لیکن جنڈی پرشاد شیدا التحریر کرتے ہیں کہ "واعظ ہونے کی حالت میں انہوں نے شاگردوں کی غزلوں پر اصلاح دینی بالکل چھوڑ دی تھی"۔ چونکہ شیدا صاحب مولانا راسخ کے شاگرد تھے اور کلام کی اصلاح لیتے تھے ان کا قریبی تعلق تھا۔ صاحب خم خانہ جاوید مولانا کے اتنے قریب نہیں تھے اس لئے شیدا صاحب کی تحریر مستند اور قابلِ قبول ہونی چاہیئے۔

مولانا راسخ کے عاشقانہ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت بڑے رندمشرب شرابی و خراباتی ہوں گے۔ لیکن یہ حقیقت نہیں ہے۔ اس کو شاعر کی تخلیات کی دنیا سمجھنا چاہیئے۔ مولانا انتہائی متشرع تھے اور تمام خرافات وخرابات سے دور تھے۔ شراب و ساقی، خم و پیمانہ اور میخانوں سے ان کا دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔

انتقال سے دو تین سال قبل مولانا راسخ نے چتلی قبر کے نزدیک ایک مکان خریدا تھا۔ ایک طرف زنان خانہ تھا اور دوسری طرف مولانا صاحب کا کتب خانہ تھا جس میں مصر، عرب، اسکندریہ تک کی بڑی بڑی ضخیم کتابیں جمع تھیں۔ عربی زبان کی شاید ہی کوئی مشہور کتاب ایسی ہوگی جو مولانا کے مطالعہ سے نہ گذری ہوگی۔ وہیں آپ کی نشست رہتی تھی۔ مکان کے پہنچنے کا راستہ بہت تنگ و تاریک تھا۔ مولانا سے لوگ شکایت کرتے تھے

لوگوں کو آپ کے مکان پر پہنچنے میں بہت دقت اٹھانی پڑتی تھی تو آپ فرماتے تھے کہ "آب چشمۂ حیواں دروں تاریکی است" اور ہنس پڑتے تھے۔

آپ کے والد ماجد مولانا فقیر کا انتقال ۱۳۲۴ھ کو ہوا۔ جس کا مولانا راسخ کو بہت صدمہ ہوا غش کھا کر گر پڑے۔ صدمہ نے آپ کو گھلا دیا تھا اسی مکان میں کھانسی کا موذی مرض لگا جس سے بے انتہا بلغم نکلتا تھا۔ مشہور و نامور ڈاکٹروں اور حکیموں کے علاج کئے لیکن آرام نہ ہوا۔ آخر مکان تبدیل کیا اور چابک سواروں کی گلی میں مکان کرایہ پر لیا جہاں چند روز بیمار رہ کر ۱۰ر شعبان ۱۳۲۵ھ مطابق ۲۹ر ستمبر ۱۹۰۷ء کو ۴۴ سال کی عمر میں فوت ہوئے اور اپنے والد ماجد کے قریب ترکمان دروازے کے باہر مہندیوں کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ آغا شاعر دہلوی نے یہ مصرع تاریخ وفات کہا۔ ؎

ہائے راسخ فردِ کامل کم ہوا

منشی قمرالدین قمر دہلوی نے بھی یہ قطعہ تاریخ کہا۔ ؎

کہنے کو تو ہیں کیا تھا مرنے کے تو دن کیا تھے
قسمت نے دکھایا ہے ناگاہ غمِ راسخ
تاریخ قمر کس کی، مجھ کو تو ہے رٹ اس کی
دلدوز غمِ راسخ، جانکاہ غمِ راسخ
خوش ہوتے تھے جو سنکر اشعار کو راسخ کے
ان سب کا وظیفہ ہے اب آہ غمِ راسخ

۱۹۰۷ء

مولانا راسخ صاحبِ تصنیف تھے۔ حسب ذیل تصانیف ان کی تھیں۔

۱۔ سب سے پہلے مولانا راسخ کا دیوان مراۃ الخیال ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۶ء کو چھپا جس کے متعلق مولانا مرحوم نے مثنوی مولانا روم کی شرح کتاب المرقوم دفتر اول کے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے:

"خاکسار کو شوق شاعری کیوں نہ ہوتا حضرات مراۃ الخیال دیوان اول اور آئینۂ کمال دیوان دویم لکھنا تھا۔ نیز مثنوی مولانا روم کا اردو میں ترجمہ کرنا اس شاعری کا ازلی نتیجہ تھا۔ الحمد اللہ یہ منصوبہ پورا ہوگیا۔"

اس دیوان میں ۱۳۱ غزلیں، رباعیاں تخمیس برغزل ذوق، تخمیس برسلام داغ دہلوی، ترجیع بند انعقاد دربار ریاست پٹیالہ، ترکیب بند مرثیہ وفات نواب محمد صدیق حسن خاں والیٔ بھوپال، قطعہ حالت موجودہ اسلام اور اہل اسلام، قطعہ تہنیت تشریف آوری گورنر جنرل در ریاست پٹیالہ، قصیدہ نواب محمد ممتاز علی خاں والیٔ ریاست دوجانہ اور تاریخی قطعہ بر دیوان وغیرہ درج ہیں۔ یہ دیوان ۲۵۰ صفحات پر مشتمل ہے جو شوخی زبان، بلند خیالی اور تازگی مضمون کا ایک قابل قدر آئینہ ہے۔

اس دیوان پر کافی تاریخی قطعے شعرا نے کہے ہیں، جن میں سے دو قطعے نقل کئے جاتے ہیں۔

نواب احمد سعید خاں صاحب طالب رئیس اعظم دہلی وجاگیردار ریاست لوہارو۔

بہت دیکھے باغِ سخن ہم نے طالب
مگر پر فضا ہے گلستانِ راسخ
گل طبع میں نے عنادل سے پوچھا
کہا، شاہد نو ہے دیوانِ راسخ
۱۳۱۳ھ

جناب منشی ونائک پرشاد صاحب طالب بنارسی مقیم بمبئی۔ ۵

نکالا کیا نیا دیوان، گویا — نئی اک شاخ حضرت نے نکالی
نئے مضموں، نئے ہیں استعارے — نئی ترکیب ہے، بندش نرالی
ہے اس کی عیسوی تاریخ طالب
متاعِ خانۂ نازک خیالی

۱۸۹۶ء

۲۔ دوسرے دیوان آئینہ کمال کے بارے میں لالہ سری رام مؤلف خم خانہ جاوید تحریر فرماتے ہیں۔

"مرحوم کے دو دیوان تھے جس میں سے دوسرا ہنوز غیر مطبوعہ ان کی بیوی کے پاس موجود ہے۔ دیوان اول مراۃ الخیال جو ۱۳۱۲ھ میں چھپا۔"

اس بات کی تائید چندی پرشاد شیدا کی عبارت سے بھی ہوتی ہے شیدا صاحب نے دوسرا دیوان آئینہ کمال کو کمال راسخ کے نام سے مرتب کیا ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مولانا صاحب کا پہلا دیوان تو ان کی حیات میں طبع ہو چکا تھا اس دوسرے دیوان کی نسبت ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے پورا کر لیا ہے اور اب چھپوانے کا انتظام کروں گا۔ لیکن جب ان کے انتقال کے بعد میں نے اور منشی رونق نے اس دیوان کو دیکھا تو بہت کم غزلیں نظر آئیں اور بہت سی غزلیں جو معرکے کی تھیں وہ اس میں نہیں ملیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت سا کلام ضرور کہیں ضائع ہو گیا ہے ورنہ

اتنا سا دیوان مولانا مرحوم کے بیان کے مطابق ہرگز نہیں ہو سکتا خیر ایں ہم غنیمت است۔"

"کمالِ راسخ" ۱۹۱۶ء کو رحمانی پریس دہلی میں چھپا ہے جس کے ۱۱۷ صفحات ہیں اور تقریباً ۱۲۲ غزلیں ہیں۔ سترہ کے قریب شعراء نے اس دیوان کی تاریخیں کہی ہیں جن میں سے ایک تاریخی قطعہ استاذی جناب نواب سراج الدین احمد خاں سائل دہلوی کا درج کیا جاتا ہے۔ ؎

ترتیب پا چکا ہے دیوان دوسرا بھی
مطبع میں آگیا ہے گنج سعید راسخ
قربان فدائے راسخ، راسخ پہ والا شیدا
بسمل لقب قمر ہے، رونق شہید راسخ
راسخ کے دوست جتنے سب غم گسار مونس
راسخ کے یار سائل تھے سب مرید راسخ
ہر شعر اس کا جب تھا بلبل کا اک ترانہ
کیوں، مادہ نہ ہوتا، موزوں نشید راسخ

۱۳۳۴ھ

۳۔ مثنوی مولانا روم کے دفتر اول کا نام مولانا راسخ نے کتاب المرقوم رکھا تھا جو دو حصوں میں طبع ہوا ہے۔ پہلا حصہ ۵۱۲ صفحات پر مشتمل ہے اور دوسرا حصہ ۵۱۲ سے ۹۲۰ تک کے صفحات پر مشتمل ہے۔ دفتر اول کے دونوں حصے ۷ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ مطابق ۲۵ اپریل ۱۸۹۸ء جمعہ کو طبع ہو چکے تھے۔ یہ دونوں حصے منشی عبد الغفار مفتوں اور حافظ محمد احسان الحق گوہر مالکان اخبار فیض عام دہلی و مالک احسن المطابع کوچہ میر عاشق نے چھاپے تھے اور مولانا راسخ نے ان

دونوں حضرات کو ان دونوں حصوں کی طباعت کے حقوق دیدیئے تھے۔

کتاب المرقوم کا پہلا حصہ دوبارہ ۱۳۴۴ھ کو حافظ احسان الحق صاحب اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی اجازت سے ہندوستان پرنٹنگ ورکس دہلی میں طبع ہوا تھا۔ اس کے صفحات ۵۰۰ ہیں۔ مولانا آسی نے شرح کرنے میں کن اصولوں کو پیش نظر رکھا انہوں نے اس کی وضاحت کی ہے:

"تصوف کی منظوم کتابوں میں مثنوی مولانا روم نہایت دقیق اور مشکل ہے کیونکہ بھر بسر تذکرہ اسرار اور حالات اہل دل ہے ایک دن میں نے اپنے ایک متصوف دوست کو مثنوی مذکور کے دو چار شعر کا ترجمہ مع شرح لکھ کر سنایا انہوں نے نہایت پسند فرمایا اور تمام مثنوی کی بابت تحریک کی۔ للہ المنۃ کہ ان کی دعا سے کئی دفتروں کی شرح اردو میں ہو گئی چنانچہ پہلے دفتر کی شرح ہدیۂ ناظرین ہے۔ ہر مشکل شعر کو نہایت وضاحت سے حل کیا گیا ہے۔ گویا یہ شرح، شرح در شرح اور ہندی کی چندی ہے۔ بعض اشعار کے معنی کئی کئی صورت میں بیان ہوئے ہیں چونکہ لفظی سے زیادہ فائدہ متصور نہ تھا اس لئے ہر شعر کا مرادی ترجمہ کیا گیا ہے۔ ہاں مثنوی کے بعض اشعار متعلقہ حکایات ظاہری کی شرح اس لئے چھوڑ دی گئی ہے کہ وہ مشرح تھے ....

حتی الامکان مثنوی کے تمام اشعار کے مطالب کو نہایت آسان طریقے سے سمجھایا گیا ہے۔ اول حل ترکیب اور حل لغات سے شعر کے نفس مطالب کو اور پھر نکات اور نسخوں کے اختلاف کو مع اختلاف معنی اچھی طرح واضح کیا گیا، اور اس کا ہر جگہ

لحاظ رہا ہے کہ شعر کا مطلب حد شرع سے باہر نہ ہو۔ جا بجا قرآن مجید کی آیتیں اور صحیح حدیثیں سنداً لکھی گئی ہیں تاکہ کسی عالم یا صوفی کو محلِ گفتگو نہ رہے۔"

مثنوی مولانا روم کے دوسرے دفتر کا نام "مسک مختوم" اور تیسرے دفتر کا نام "رزق مقسوم" تھا۔ یہ دونوں دفتر دشمنوں کے ہتے چڑھے، چھپنے کے بجائے چھُپا گئے۔

مولانا راسخ نے مثنوی مولانا روم کے اشعار کا منظوم ترجمہ کیا ہے اور شرح نثر میں کی ہے۔ منظوم ترجمہ کس شان کا ہے اس کا اندازہ حسب ذیل چند اشعار سے لگائیے۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائی ہا شکایت می کند

نے سے سن لیجے حکایت ہجر کی
کر رہی ہے یاں شکایت ہجر کی

کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند
از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

جب سے ہوں میں نیستاں بے وطن
ہیں مرے شیون سے نالاں مرد و زن

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
تا بگویم شرح دردِ اشتیاق

چاہیے سینہ ہو صد ریشِ فراق
تا سناؤں شرح دردِ اشتیاق

۴۔ مجموعۂ "انتخاب کلام راسخ" عشقیہ کلام کا مجموعہ تھا جو ۱۹۲۸ء کو محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں وزیر حسین کے اہتمام میں چھپا۔

۵۔ دیوان اسعد کے نام سے ایک نعتیہ دیوان ۱۳۱۲ھ کو شائع ہوا جو ۱۵۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس دیوان میں راسخ کی جگہ اسعد تخلص استعمال ہوا ہے مگر مولانا راسخ کے انتقال کے بعد یہ دیوان جب دوبارہ شائع ہوا تو دیوان راسخ کے نام سے شائع ہوا۔ کیونکہ مولانا اسی تخلص سے مشہور رہتے۔ یہ دیوان ۶۴ صفحہ کا ہے۔

۶۔ یادگار کلام راسخ، یہ بھی مولانا راسخ کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے جو ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں وزیر حسین کے اہتمام میں اس کی طباعت ہوئی۔

مولانا مرحوم کا کلام انتہائی موثر و دل کش ہے۔ بیان، زبان، مضمون تینوں سہل ممتنع کے رنگ میں ہے۔ ؎

کلیم اللہ سے کہدو کہوں گا طور پر جا کر
الٰہی تجھ سے تجھ کو مانگنے آیا ہوں سائل ہوں

مجھ سے گناہ گار کو دوزخ میں ڈال کر
دوزخ کو ڈال رکھا ہے عذاب میں

راسخ کی فاقہ مستی سے اللہ کی پناہ
کھاتا ہے سوکھے ٹکڑے بھگو کر شراب میں

راسخ امید عفو یہ کہتی ہے بار بار
دھوئے گئے گناہ ہمارے شراب میں

شیخ محراب عبادت سمجھا اُف رے عالم تری انگڑائی کا

موحد ہوں، اگر میں سر وحدت کان میں کہدوں!
موذن بت کدے میں ہوں برہمن خانقاہوں میں
نکالے سے کبھی یوں نکلا ہے راسخ ان کے کوچے سے
چلا، چل کر گرا، گر کر اٹھا، اٹھ کر ذرا سرکا
یہی جنوں ہے تو دیکھ لینا رہیں گے مر کر بھی دشت پیما
نکال پھینکے گی قبر ہم کو، ہماری وحشت سے تنگ ہو کر
ساقیا وہ بلانوش ہوں توبہ توبہ
خم کے خم اوک میں رہ جاتے ہیں چلو ہو کر
زاہد یہ اپنی اپنی پسند، اپنی اپنی آنکھ
ظرف وضو تجھے، مجھے جام و سبو پسند
وہ رند ہوں ہوتی ہیں نمازیں مرے پیچھے
بچھتا ہے شب و روز مصلا مرے آگے
داور محشر الگ ہو میرا حشر داستاں لمبی، شکایت ہے بہت
چولی مسکی ہے گریبان پھٹا پڑتا ہے
ہوش تو تم نے سنبھالا، نہ سنبھالا جوبن
ہوں وہ میخوار مرا نام رہے گا پس مرگ
میری مٹی سے ملے گا لب جام شراب
جنت میں وہی مے، وہی شاہد وہی ساقی
جو میں نے کیا تھا وہی آیا مرے آگے
وہ تر دامن ہوں واعظ پاک دامن جس کو کہتے ہیں
نمازیں پڑھتے رہتے ہیں فرشتے میرے دامن پر

نکتہ گیری کے سبب، نکتہ نوازی کے طفیل
خلد سے شیخ ہے دوزخ سے ہے کافر باہر

واعظ سے سن چکے ہیں قیامت کی پیاس ہم
بوتل بغل میں لیں گے کفن میں گلاس، ہم

خم کے خم پی کے بھی ہم نے تو نہ دیکھا زاہد
کس طرح جاتا ہے ایمان کہا جاتا ہے

"خدا چاہے تو آئیں گے"، عبث کہتے ہو وعدوں پر
ہمیں معلوم ہے صاحب خدا چاہے نہ تم چاہو

ٹکڑے ہو جائیں گے گر آئے گی میخواروں میں
کام توبہ کا نہیں ایسے گنہ گاروں میں

الٰہی ہم گنہگاروں کا محشر ہو الگ سب سے
قیامت ہے یہ رسوائی سر بازار کیسی ہے

مجھے کیا خوف طول دفتر عصیاں سے اے واعظ
کہ میں نے داورِ محشر کو رکھا ہے گواہوں میں

راسخ سے مل کے دیکھ لو یاروں کا یار ہے
عیار بھی نہیں ہے، وہ حماقت بھی نہیں

راسخ العشق کا ہے یہ مدفن
کیوں مٹاتے ہو، غضب کرتے ہو

مولانا ابراہیم صاحب ۱۸۶۸ء کو پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی کتب فارسی و عربی اپنے والد ماجد سے پڑھیں اور دورہ حدیث مولانا رشید احمد گنگوہی سے ختم کیا۔ اس دورہ میں آپ میرے والد ماجد مولوی شرف الحق مرحوم

کے ہم سبق تھے۔

آپ بھی بہترین واعظ اور مقرر تھے۔ مدرسہ حسینیہ بازار ٹیا محل میں وعظ فرماتے تھے۔ آپ کی واعظانہ کتابوں سے ہزاروں لوگ واعظ بن گئے مولانا ابراہیم کی حسب ذیل کتب ہیں:

(۱) احسن المواعظ، (۲) افضل المواعظ، (۳) اکرم المواعظ، (۴) اجمع المواعظ۔ ان کے علاوہ (۵) "علاماتِ قیامت" ہے اس میں قرب قیامت کے حالات و آثار بڑی شرح و بسط سے بیان کئے ہیں۔ ۱۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۶) طب روحانی: اس میں آیات قرآنی اور صورتوں کی خاصیت بتاکر بیماریوں کے علاج تجویز کئے ہیں۔ یہ کتاب آرجی پریس دہلی میں طبع ہوئی تھی اس کے صفحات ۱۲۰ ہیں۔

(۷) کشف مغالطات در مسئلہ سماع اموات: مسئلہ سماع اموات کے رد میں شائع کی گئی ہے۔ ۱۳۲۰ھ میں ہلالی پریس چھتہ شیخ منگو میں طبع ہوئی تھی۔ اس کے صفحات ۱۷۶ ہیں۔

(۸) اقوال الصادقین دفع کید الخائنین: سولہ صفحات مطبع مفید عام آگرہ میں ۱۳۰۲ھ میں چھپی تھی۔

مولانا ابراہیم صاحب کی چھ صاحبزادیاں تھیں جن میں دو فوت ہو گئیں اور چار حیات ہیں۔ آپ ۵۱ برس کی عمر میں ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ کو فوت ہوئے۔

مولانا اسحاق ۱۸۷۲ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ چھوٹی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ آپ نے بھی مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب سے تکمیل علم کی ابتدائی عمر سے شاعری کا شوق تھا۔ مولانا راسخ سے اصلاح لیتے تھے۔ پہلے

آپنے اپنا تخلص ستم، اس کے بعد شیدا، آخر میں اسحاق تبدیل کرلیا تھا۔ آپ شاعر ہی نہیں بلکہ ادیب انشاپرداز افسانہ نویس اور واعظ بھی تھے۔ ۱۹۰۹ء مطابق ۱۳۲۷ھ سے آپ نے ایک مذہبی رسالہ الوعظ جاری کیا تھا جو تین سال تک شائع ہوا۔ آپ کا انداز تحریر دل کش ہے، مذہبی کتابوں کا طرز تحریر عام طور پر بہت خشک ہوتا ہے مگر آپ نے اس میں شگفتگی اور دلچسپی پیدا کی۔ قرآن مجید میں جس قدر انبیاء علیہم السلام کے حالات درج ہیں، ان کو آیات قرآنی اور احادیث کے حوالوں سے تحریر کیا ہے۔ آپ نے اپنی عمر میں تقریباً ساٹھ ہزار اشعار کہے ہیں نثر میں بیس ہزار صفحات لکھے ہیں اور تقریباً ۵۰ کتابوں کے مصنف ہیں جن میں: داستان یوسف، بستان اولیا، معراجِ رسول، ملتِ ابراہیم، جلوۂ طور، فسانہ آدم، معجزات مسیح، تاج سلیمانی بہت مشہور و مقبول ہیں۔

نظم میں آپ کی دو کتابیں آئینۂ عبرت اور پیام عبرت چھپ چکی ہیں۔ ان کے علاوہ ایک غیر مطبوعہ ضخیم دیوان "مرقعہ عبرت" ہے۔ مولانا صاحب نے ۱۳۳۸ھ سے مدرسہ حسینیہ کے ممبر پر مولانا ابراہیم صاحب کی وفات کے بعد سے بیٹھنا شروع کیا، ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ سے عصر تک وعظ فرماتے تھے۔ یہ سلسلہ ۳۳ سال تک جاری رہا۔ مولانا کا انداز تقریر محققانہ تھا اور صاف گوئی میں جواب نہیں رکھتے تھے لگی لپٹی نہیں رکھتے تھے انتہائی بے باکی کے ساتھ خدا اور اس کے رسول کے احکام اس کے بندوں کو سناتے تھے۔ آپ کے وعظ میں ایک خاص خوبی یہ تھی کہ ہر بات قرآن مجید اور احادیث کے حوالوں سے سمجھاتے تھے، لوگ دور دور سے آپ کا وعظ سننے کے لئے آ تے تھے۔ انتہائی عبادت گذار تھے۔ ۱۱ اپریل ۱۹۵۲ء مطابق ۱۵ رجب ۱۳۷۳ھ کو جمعہ

کے روز بیاسی سال کی عمر میں دہلی میں فوت ہوئے۔

آپ کے بارے میں صاحب خم خانہ جاوید لکھتے ہیں: "چند روز ترک سخن کر کے شاعری سے دستبردار ہو گئے"، یہ صحیح نہیں ہے، انہوں نے عشقیہ شاعری کو یقیناً ترک کر دیا تھا لیکن نعتیہ کلام کافی عرصہ تک کہتے رہے۔[۹]

دل لیا جس کا اسی کی جان کے دشمن ہوئے
ساری دنیا سے نرالا آپ کا دستور ہے

یاں تو اپنے حوصلے سے بھی کیا تھا بڑھ کے کام
جان و دل لیکر وہ بولے بس یہی مقدور ہے

شیخ کی شان میں گستاخ بتوں میں توبہ
لوگ کہتے ہیں نکالے گئے بت خانے سے

ہائے دلی ترے صدقے تری باتوں کے نثار
یہ زباں ڈھونڈے نہ پائیں گے نکل کر باہر

خدا حافظ مسافر کوچۂ جاناں کی منزل کے
اسی رستے میں لٹتے ہیں ہزاروں قافلے دل کے

سنا ہے ہم نے اس گل کے کمر ہے کہاں ہے کس طرف ہے اور کدھر ہے

اے رحمت اللعالمین، او رائے شفیع مذنبیں
اے لخت جانِ آمنہ، عالم ہو تم پہ فدا
احمد محمد مصطفےٰ، صلی علیٰ صلی علیٰ

اسحاق کہہ بیساختہ، یکتا احد بعد از خدا
دیکھی پڑی ہیں محفلیں اسحاق سب کی سب
اونچا ذرا جو تھا وہی آنکھوں میں خار تھا

بلبلا ہے، حباب ہے دنیا　　اک خیال اور خواب ہے دنیا
بہ گیا، وہ چلا، وہ ہے تیار　　ہائے کیا پا رکاب ہے دنیا
الفت اسحاقؔ اس کی کھو دے گی　　وہ نشے کی شراب ہے دنیا

بہت تم نے اچھے برے دیکھے ہوں گے
نہ اسحاقؔ جیسا خطا کار ہوگا

مولانا اسحاق صاحب کے دو صاحبزادے ہیں مولانا محمد زبیر قریشی اور دوسرے مولوی حافظ محمد عرفان صاحب۔

مولانا زبیر صاحب بازار مٹیا محل محلہ گڑھیا میں ۲۹ر فروری ۱۹۰۴ء کو بقرعید کے روز پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ حسینیہ میں حاصل کی، اس کے بعد عربک سکول میں ماسٹر فضل الدین، ماسٹر محمد رضا (انگریزی) مولوی شیخ محمد علی (عربی و فارسی) سے تعلیم حاصل کی اور ۱۹۲۳ء میں میٹرک کیا۔ مشن کالج دہلی میں ایس، این مکرجی پرنسپل (انگریزی، انجیل) ڈاکٹر اطہر علی (فارسی) مسٹر منک۔ مسٹر کرن، مسٹر شاپ اور مسٹر بڈ سے تاریخ و انگریزی کی کتب پڑھیں۔ ۱۹۲۹ء کو بی اے کیا۔ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۵ء تک دہلی کے ریڈیو سے سیاسی تبصرے فرماتے رہے۔ ایک سال عربک سکول میں ماسٹر رہے۔ آپ پانچ زبانیں انگریزی فارسی، عربی، اردو اور جرمنی جانتے ہیں۔ ایک مدرسہ کٹرہ گوکل شاہ والے مکان میں جاری کر رکھا ہے جس میں پانچوں زبانیں پڑھاتے ہیں۔ آپ میونسپل کمشنر بھی رہے ہیں۔ اپنے والد صاحب کے انتقال کے بعد وعظ کا سلسلہ بھی شروع کر دیا ہے۔ اچھے واعظ و مقرر ہیں۔

مولانا عرفان صاحب اپنے والد صاحب کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ انہوں نے مولوی اسحاق صاحب میرٹھی سے علوم دینیہ حاصل کیا۔ بچپن میں ہی

قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ اپنے والد کے ساتھ مدرسہ حسینیہ میں وعظ فرماتے تھے جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ مولانا اسحاق کی کتب کی خرید و فروخت آپ کے ہاتھ میں ہے۔ الوعظ بک ایجنسی کے منیجر بھی آپ ہیں۔ متشرع، خلیق، خوش مزاج اور حلیم الطبع ہیں۔

ادیب لکھنؤ امین آباد سے ۱۸۹۳ء کو یہ پندرہ روزہ اخبار شائع ہوا ۱۲ صفحات پر مشتمل تھا پہلی اور پندرہ کو نکلتا تھا۔ مہتمم و مالک روشن لال تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ مصور تھا، کتابت طباعت عمدہ اور کاغذ بھی صاف ستھرا تھا۔ اس میں خبروں کے علاوہ علمی مضامین، سررشتہ تعلیم سے متعلق سوال و جواب حساب و کتاب وغیرہ ہوتے تھے۔

نور علی نور لدھیانہ سے ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۳ء کو جاری ہوا۔ ہفتہ وار آٹھ صفحات پر تھا۔ مہتمم مولوی نور محمد اور شیخ الہ دین تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ مطبع حقانی میں چھپتا تھا۔ اسلام کی تبلیغ اور مخالفت اسلام کے رد کے لئے شائع ہوا تھا۔

اخبار اسلام آگرہ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۹۳ء کو جلوہ افروز ہوا۔ سولہ صفحات پر بڑے سائز میں دوشنبہ کو نکلتا تھا۔ مولوی وارث علی ایڈیٹر و منیجر تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ مطبع اسلام میں طبع ہوتا تھا۔

سول اینڈ ملٹری نیوز لدھیانہ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۰ / مئی ۱۸۹۳ء کو نمودار ہوا۔ ہر چہارشنبہ کو بارہ صفحات پر نکلتا تھا۔ ماسٹر غلام محی الدین ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ سول اینڈ ملٹری نیوز پریس میں چھپائی ہوئی ہوتی۔ مولوی مصباح الدین

صاحب نے بھی اس اخبار کی ایڈیٹری کے فرائض انجام دیئے تھے۔ اس اخبار کے جاری کرنے کی کیا وجہ تھی وہ اس اخبار کے ۱۰ مئی ۱۸۹۳ء کے شمارے میں پڑھیے:

"انگریز افسروں اور عام رعایا ہندو مسلمانوں اور عیسائیوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے علیحدہ علیحدہ اخبار جاری ہیں۔ لیکن نہایت ضروری گروہ جس کی ذات پر ملک کے امن وامان اور جان ومال کی سلامتی کا دارومدار ہے، اب تک بے حمایت ہے وہ بیشمار ہندوستانی فوجی افسر اور سپاہی جنہوں نے ملک کی حفاظت کے لئے سر بیچ دیئے، ان کے حقوق کی حفاظت کے لئے یہ اخبار جاری کیا جاتا ہے۔"

عالم افروز بمبئی بھنڈی بازار سے یہ عشرہ وار اخبار ۱۰ مئی ۱۸۹۳ء مطابق ۲۳ شوال ۱۳۱۰ھ کو جلوہ افروز ہوا۔ سید حسن مالک، محمد صادق ناطق ایڈیٹر تھے۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا یہ اہل تشیعہ کا اخبار تھا۔

واجد علی شاہ کے صاحبزادے مرزا برجیس قدر کی انگریزوں نے جو پنشن مقرر کی تھی، ۱۵ جون ۱۸۹۳ء کے پرچے میں اس کی خبر درج ہے۔

"اودھ کے شہزادے مرزا برجیس قدر بہادر کی پنشن ان کے والد ماجد واجد علی شاہ مرحوم کے وظیفے سے چار سو روپے ماہوار ملے گی اور جائداد شاہ مرحوم سے بھی حصہ ملے گا۔ بمقابلہ عزت اور نام کے وظیفہ بہت کم ہے۔"

بہار روزگار بمبئی سے یہ اخبار نومبر ۱۸۹۳ء کو شائع ہوا۔ بڑے چار صفحوں پر ہفتہ میں دو بار نکلتا تھا۔ منشی تیغ علی مالک،

سلیمان مرزا ایڈیٹر تھے۔ قیمت فی پرچہ ایک پیسہ تھی۔ مطبع احمدی میں طباعت ہوتی تھی۔ سر ورق پر یہ شعر درج تھا۔ ؎

جہاں میں طلسمِ غیبی یہی سب کو پکار آیا　　بہار آئی، بہار آئی، بہار روزگار آیا

معین الہند یہ ہفتہ وار اخبار اجمیر شریف سے ۱۸۹۳ء میں رونق افروز ہوا آٹھ صفحات پر نکلتا تھا۔ سکندر خاں مالک و ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ مطبع معین الہند میں چھپتا تھا۔

دلیل اسلام بمبئی محلہ حاملی سے یہ روزانہ اخبار ۲ ستمبر ۱۸۹۳ء کو وجود میں آیا۔ چار صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک محمد محی الدین اشک تھے۔ چندہ سالانہ بارہ روپے تھا۔ مطبع احمدی تیلی محلہ میں طباعت پاتا تھا۔ بڑے سائز کا اخبار تھا۔ سر ورق پر یہ شعر درج تھا۔ ؎

ہیں جو انصاف کے پابند لیاقت والے　　داد دیتے ہیں انہیں خوب عدالت والے

محمڈن نیشنل میگزین یہ ماہنامہ سیالکوٹ سے یکم اگست ۱۸۹۳ء کو جاری ہوا۔ اس کی کافی ضخامت ہوتی تھی۔ تبلیغ جبلپور اس کا بہت مداح ہے۔ یکم دسمبر ۱۸۹۳ء کے پرچے میں ریویو کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"محمڈن نیشنل میگزین یہ ضخیم پرچہ سرمور گزٹ کا نعم البدل سیالکوٹ سے شائع ہوتا ہے۔ تہذیب و اخلاق و سوشل حالات پر بسیط و طویل آرٹیکل لکھتا ہے۔ تاریخی واقعات دل چسپ بیان کرتا ہے۔ کاغذ چھپائی کی عمدگی و صفائی میں اکثر دیسی اخبارات سے اس کا نمبر بڑھا ہوا ہے۔ یکم اگست سے جاری ہوا ہے۔ اب تک اس کے پانچ نمبر شائع ہوئے ہیں۔"

۱۸۹۴ء

عروج بہار یہ ماہانہ گلدستہ ۱۸۹۴ء کو محلہ کھیت باڑی ڈاک خانہ گرگاؤں بمبئی سے جاری ہوا۔ ایڈیٹر و مالک سید اسحاق حسن صاحب شرر مارہروی سرپرست جناب شیخ وزیر علی صاحب وزیر لکھنوی تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ مطبع دت پرشاد میں چھپتا تھا۔ سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا ؎

مصرع یہ ہے چمن میں، زبان ہزار پر قربان ہے بہار عروج بہار پر

اس گلدستہ میں زیادہ تر یوپی اور لکھنؤ کے شعراء کا کلام شائع ہوتا تھا۔ بمبئی اور اس کے گرد و نواح کے شعراء کا کلام اس میں بہت کم نظر آتا ہے۔ جنوری ۱۸۹۶ء کے شمارے سے چند شعراء کا منتخب کلام نقل کیا جاتا ہے۔

جناب سید افضل علی خاں افضل خلف و شاگرد جناب اسیر لکھنوی۔ ؎

شبِ فراق میں اس ڈر سے رو نہیں سکتا
کہ رازِ دل نہ کسی پر کہیں عیاں ہو جائے

ذرا نقاب الٹئے، دکھائیے چہرہ
کبھی تو یہ دل محزوں بھی شادیاں ہو جائے

جناب حکیم مہدی حسن صاحب احسن لکھنوی شاگرد ازل لکھنوی۔ سہ

سہیں ستم پہ ستم، اور زباں سے اف نہ کریں
وہ دل نہیں ہے جو منت کشِ فغاں ہو جائے
کبھی تو ہو کوئی وعدہ وصال کا سچا
خدا کرے ترے منہ میں مری زباں ہو جائے

جناب مشتاق حسن عرف پیارے میاں آثمؔ تلمیذ و خلف جناب عزیزؔ مارہروی۔ سہ

ذرا ہٹا دے قفس کا غلاف او صیاد
کہ میری آنکھ سے اوجھل نہ آشیاں ہو جائے
ہم اپنا حالِ مصیبت تو سب بیاں کر دیں
مگر یہ ڈر ہے کہ ناصح نہ رازداں ہو جائے

جناب حاجی سید تجمل حسین صاحب تجملؔ جلال پوری شاگرد جناب ثاقبؔ شاہجہاں پوری۔ سہ

سوال مقصدِ دل، غیر کرنے والا ہے
خدا کرے کہ کوئی آج بے زباں ہو جائے
دعائیں کیسے ہیں اوٹھے ہوئے شباب کو دوں
وہ نوجواں نہ کہیں سن کے بدگماں ہو جائے

جناب منشی محمد سرفراز علی خاں صاحب رفعتؔ بریلوی شاگرد جناب رحمتؔ بنارسی۔ سہ

نہ مجھ سے اور نہ غیروں سے آپ ملے صنم
یہی قرار، یہی قول درمیاں ہو جائے
ابھی تو بگڑے ہوئے کام سب بنیں رفعتؔ
جو مہرباں کہیں ہم پہ وہ جانِ جاں ہو جائے

سید اسحاق حسن صاحب شرر: شرر صاحب مارہرے کے رہنے والے تھے رحسن الحسینی تھے اور جناب سید وزیر علی صاحب وزیر لکھنوی کے شاگرد تھے، اچھے مقرر اور صاحبِ تصنیف بھی تھے۔ ایک لیکچروں کا مجموعہ جس میں لیکچر اول مسلمانوں کی قومی حالت، لیکچر دویم اتفاق کی خوبیاں، لیکچر سویم اتفاق کے ارکان کو انہوں نے مرتب کیا تھا جس کو منشی علی محمد صاحب شائق رئیس بمبئی نے طبع کرایا تھا۔ کلام میں روانی ہے، درد و اثر بھی ہے۔ ان کا استادوں میں بھی شمار تھا۔ سلہ

کسی سے دل ایسا لگائے ہوئے ہیں | کہ دین اور دنیا بھلائے ہوئے ہیں
مرے دل کے لینے پہ مچلے ہیں ایسے | قیامت کی آفت مچائے ہوئے ہیں
ستم جو تمہارے ہے کرتا ہے گردوں | بتاؤ کس کے بتائے ہوئے ہیں
میں ان آنکھوں سے دیکھوں حسنوں کو کیونکر | حسینوں کے جلوے سمائے ہوئے ہیں

یہ شوخی بیاں میں تھی کب تیرے قاصد
یہ فقرے کسی کے پڑھائے ہوئے ہیں

آپ کہتے ہیں مدعا سمجھے | اچھا بتلائیے تو کیا سمجھے
کوئے جاناں میں جب قدم رکھا | شوق کو اپنے رہنما سمجھے

یقیں ہے غیر پہ دل آگیا ضرور ان کا
کہ آج اپنا ہمارا سا حال کر بیٹھے
خرابی آئے گی، کرتے ہو کیوں اشارے شرر
اگر کچھ اور وہ دل میں خیال کر بیٹھے

سلہ عروج بہار بمبئی، فروری ۱۸۹۶ء۔

بندھیل کھنڈ پنچ جھانسی سے یہ ماہنامہ ۱۵ اگست ۱۸۹۴ء کو شائع ہوا۔ بارہ صفحات کا تھا۔ مالک و مہتمم منشی نتھو پرشاد، ایڈیٹر ریاض الحسن ریاض تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ بندھیل کھنڈ پریس میں طبع ہوتا تھا۔ اس کے سر ورق پر یہ اشعار درج ہوتے تھے۔ ؎

مردہ دل چونک کے اٹھ بیٹھتے ہیں پہلو میں
طرز تحریر بت حور شمائل دیکھو
آنکھ وہ آنکھ ہے، میں جس میں سمایا ہوں گا
دل وہی دل ہے مری جس میں محبت ہوگی

الحامی رائے پیٹھ، الیس ہوز روڈ مدراس سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۹۴ء کو جاری ہوا۔ یک شنبہ کو نکلتا تھا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ پانچ روپیہ تھا۔ اسلامی پریس میں چھپتا تھا۔ اس کے سر ورق پر یہ دو قطعے درج ہوتے تھے۔ ؎

حاکم کا وفا شعار ہے الحامی | اور قوم کا جاں نثار ہے الحامی
حق گوئی میں باوقار ہے الحامی | آئینۂ روزگار ہے الحامی

سچ بات لکھتے میں ہمیں عار نہیں
اور جھوٹی خوشامد سے سروکار نہیں
فی الواقع جس کا راستی ہو نہ شعار

المسلم راولپنڈی سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۰ جنوری ۱۸۹۴ء مطابق ۲ رجب ۱۳۱۱ھ کو نمودار ہوا۔ بدھ کے روز نکلتا تھا، آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ منشی غلام نقش بند سندھی خاں صفی ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔ چشمۂ فیض میں طباعت ہوتی تھی۔

۱۰؍جنوری ۱۸۹۳ء کے شمارے میں اس کے ایڈیٹر نے دعویٰ کیا ہے کہ "المسلم پہلی دفعہ ایک اسلامی اخبار راولپنڈی سے جاری کیا جا رہا ہے۔"

حی العالم رائے پور سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۹۴ء کو شائع ہوا۔ ہر دوشنبہ کو آٹھ صفحات پر نکلتا تھا۔ مالک شمس الدین ذکی الدین ایڈیٹر محمد عبدالقادر تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ مطبع قیومی میں طباعت ہوتی تھی۔

انصاف پسند لاہور انارکلی سے یہ ہفتہ وار پرچہ ۱۸۹۴ء کو جاری ہوا۔ بارہ صفحات پر ہر دوشنبہ کو شائع ہوتا تھا۔ لالہ تولارام وبخشی تاراچند چھبر بانی تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ بارہ آنہ تھا۔ مطبع سیوک پریس میں طباعت ہوتی تھی۔

دکن گزٹ حیدرآباد سے یہ ہفتہ وار اخبار ۲۸؍اگست ۱۸۹۴ء کو جلوہ افروز ہوا۔ بارہ صفحات پر ہر سہ شنبہ کو نکلتا تھا۔ منشی محمد سجاد حسین طاہر مالک وایڈیٹر، محمود میاں مہتمم، مولوی معصوم علی منیجر تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ اور قیمت فی پرچہ چار آنہ تھی۔ مطبع گلزار حسنی بھنڈی بازار بمبئی میں چھپائی ہوتی تھی۔ یہ اخبار کانگریس کا حامی تھا۔

سرحدی اخبار راولپنڈی سے یہ ہفتہ وار ۱۸۹۴ء کو نکلا۔ سنیچر کے دن آٹھ صفحوں پر شائع ہوتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر منشی غلام نقشبند سندھی صفی تھے۔ سالانہ چندہ پانچ روپیہ تھا۔ مسلم پریس میں طبع ہوتا تھا۔ کاغذ، کتابت وطباعت نہایت عمدہ ہے۔ بقول ایڈیٹر اس میں "سرحد کی خبروں کے علاوہ دنیا بھر کی خبریں درج ہوا کرتی ہیں۔ مسلمانوں کے خیالات کا ترجمان ہے اور ملکی خیراندیشوں کے اعلیٰ درجہ کے خیالات

شائع ہوتے تھے۔

کشاف یہ ہفتہ وار اخبار مظفر نگر سے ۱۸۹۴ء کو وجود میں آیا۔ آٹھ صفحات پر نکلتا تھا۔ مالک و ایڈیٹر شیخ فیاض احمد تھے۔ سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔ وش پریس میں طبع ہوتا تھا۔

کوکبِ ہند بمبئی سے نومبر ۱۸۹۴ء کو یہ پندرہ روزہ اخبار جاری ہوا۔ محمد یوسف کوکبؔ ایڈیٹر و مالک، منشی محمد امیر مہتمم تھے۔ مطبع محمودی میں چھپائی ہوتی تھی۔

آئینۂ ہند بمبئی بھنڈی بازار سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۹۴ء میں نکلا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ مالک و ایڈیٹر نندی رام ولد بیلا رام تھے۔ مطبع علوی میں چھپتا تھا۔

ورنکلر ایڈورٹائزر یہ اشتہاروں کا ہفتہ وار اخبار ۱۸۹۴ء میں لکھنؤ سے جاری ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ رام جی داس بھاگوا مالک و ایڈیٹر تھے۔ مطبع نول کشور میں چھپائی ہوتی تھی۔

انڈین ریفارمر لکھنؤ مولوی گنج سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۹۴ء کو منظر عام پر آیا۔ ہر پنجشنبہ کو بارہ صفحات پر نکلتا تھا۔ بابو رام نرائن مالک تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔ آر۔ این ورما پریس میں طبع ہوتا تھا۔

بشیر الملک یہ ہفتہ وار اخبار موتی سیٹھ کی چال بھنڈی بازار بمبئی سے ۱۸۹۰ء کو شائع ہوا۔ آٹھ صفحات پر

نکلتا تھا۔ مولوی سید محمد بشیر ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ مطبع احمدی میں چھپائی ہوتی تھی۔

روشنی یہ ماہنامہ روشنی چاہ کنکر لکھنؤ سے ۱۸۹۴ء میں ظہور پذیر ہوا۔ مرزا عبدالتقی قزلباش ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ مطبع ریاض الاخبار اشرف آباد میں چھپتا تھا۔ یہ شیعوں کا رسالہ تھا۔

۱۸۹۵ء

دہلی پنچ دہلی کوچہ چیلان سے یہ ہفتہ وار ظریف اخبار ۸ جنوری ۱۸۹۵ء کو وجود میں آیا، مرزا محمد عبدالغفار مالک، مولانا عبدالرحمٰن ماسخ ایڈیٹر تھے، آٹھ صفحات پر مشتمل تھا، مطبع مظہر العجائب میں چھپتا تھا۔

اس کا ٹائیٹل پیج بھاری بھرکم اور دلچسپ ہے اور صرف دو فقرے اس کو زینت دے رہے ہیں، مختلف قوموں کو یک جان و دو قالب کرنے کی کوشش اور ظریفانہ بحث و پیچیدہ معاملات پر روشنی ڈالنا۔

پہلے نمبر ۸ جنوری ۱۸۹۵ء کی ابتدا بڑی شان و شوکت سے کی گئی ہے، ۶۵ شعر کا تمہیدی سال نو کا ساقی نامہ ہے جن کے منتخب اشعار نقل کئے گئے ہیں، ساقی نامہ سے قبل دو شعر بھی درج ہیں، ملاحظہ فرمائیے۔ ؎

کیا فائدہ فکرِ بیش و کم سے ہوگا
ہم کیا ہیں کہ کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ یہ ہوا، ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ ہوگا ترے کرم سے ہوگا

لو جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی

پیارے ساقی تا بہ کہاں تک　　ارے باقی بادہ یہاں تک
تشنہ لبی ہے مٹکا بھر دے　　تاک میں بوتل لٹکا کر دے
ساغر چھلکے، بوتل چھلکے　　دن میں مری جان یہ ہل چل کے
کب تک تو رہ یوں مری جان　　شربت غورہ، گھول مری جان
میری وفا کا پاس ہو کب تک　　تری جفا کا پاس ہو کب تک
ٹھلیا بھر لا کلسے میں لا　　مٹکا دھر لا، جلسے میں لا
رندوں کی معجون دوا ہے　　بنتِ عنب کا خون رواں ہے
حال نیا ہے، دون نئی ہو　　سال نیا ہے، جون نئی ہو
بادہ بہاری چھوٹنے کو ہے　　توبہ ہماری ٹوٹنے کو ہے
ساقی ٹوٹی، ٹوٹی توبہ　　میری سچی، جھوٹی توبہ
کنٹر ہو کر آئی لب تک　　ساغر بن کر، ٹوٹی توبہ
ساتھ سے میرے بھاگی ڈٹ کر　　ہاتھ سے میرے چھوٹی توبہ
کھٹکا ہو کر مجھ سے کھٹکی　　مٹکا بن کر، پھوٹی توبہ
بادل گرجے چھم چھم برسے　　جم جم برسے، دم دم برسے
بتوں پہ یہ مرقوم رقم ہے　　دہلی پنچ کا جھوم جھنم ہے
مہر نشاں ہے پنچ ہمارا　　قہر فشاں ہے پنچ ہمارا
مغز فشاں ہے بہرِ دشمن　　نغز بیاں ہے پنچ ہمارا
فرشِ جہاں ہے پشت عدو کی　　عرش مکاں ہے پنچ ہمارا
مہر منور گال کے صدقے　　فتنہ محشر، جان کے صدقے
ہاتھ میں جس کے کوری سکوری　　ننگی کلائی گوری گوری

پنجوں کو یارب سال مبارک — چوروں کو ہر شب سال مبارک
دہلی پنچ کی دونی شہرت — بدگویوں کو زبونی ذلت
عشق کے کارن ہیں جو بے دم
راسخ ان کو مبارک میڈم

۱۸۹۴ء کی تقریب الوداع میں چاروں طرف سے گریہ وزاری کی صدائیں بلند تھیں یا ابھی ۱۸۹۵ء کے خیر مقدم کے عالم پسند ہو گئے۔ لیجئے ۱۸۹۴ء کے نئے آٹھ آٹھ آنسو رویئے اور اسی شمارے ۸ جنوری ۱۸۹۵ء میں پڑھئے۔

اک برس عمر والوں کا چھن گیا افسوس ہے
لوٹ کر دنیا کو بارے چل بسے جورانوے
جان لی کتنوں کی، کتنوں پر مصیبت ڈال دی
آخرش آفت کے مارے چل بسے جورانوے
کس قدر رانڈیں بٹھائیں کس قدر رنڈوے کئے
کس قدر دولہا سنوارے چل بسے جورانوے
ننھی سی عمر اور کیا کیا کام عالم میں کئے
تھے مری آنکھوں کے تارے چل بسے جورانوے

نظم کا حصہ انتہائی بلند اور معیاری ہے لیکن نثر کا حصہ مذاح ظرافت میں انتہائی بھونڈا، مہمل، بے مزہ اور بے ڈھنگا ہے اور بے حد بے لطف ہے۔ ایک صفحہ مختصر خبروں کا ہے وہ بھی بالکل بے مزہ ہوتا ہے۔ کوئی معقول خبر نہیں ہوتی۔

افضل الاخبار کوچہ چیلان دہلی سے یہ ہفتہ وار اخبار ۸ جنوری ۱۸۹۵ء کو جاری ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک مرزا

GIRLS COLL... SRINAGA... ACC. NO 15241 LIBRARY

محمد عبدالغفار، ایڈیٹر مولانا محمد عبدالرحمٰن راسخ تھے۔ طلباء سے چار روپیہ اور عوام سے پانچ روپیہ سالانہ چندہ تھا۔ افضل المطابع میں طباعت ہوتی تھی۔

اس اخبار میں ملکی و غیر ملکی اور مقامی خبریں دی جاتی تھیں۔ دہلی اور غیر دہلی کے شعراء کے کلام بھی چھاپے جاتے تھے۔ ادبی و علمی معرکے بھی رہتے تھے۔ اس اخبار کا ضمیمہ دہلی پنچ تھا۔

جان ملز عیسائی انسپکٹر متعینہ کشمیری دروازہ دہلی انگریزوں اور میموں کے ہمراہ جامع مسجد دہلی میں داخل ہونے لگے۔ جان ملز جوتے پہنے ہوئے تھے دربانوں نے ان کو اندر جانے سے روک دیا تو انہوں نے جامع مسجد کے دروازے میں پیشاب کر دیا۔ پولس میں رپورٹ ہوئی۔ جیوری کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ اس نے ملزم کو بری کر دیا جس پر ایڈیٹر نے ۱۶ مارچ ۱۸۹۵ء کی اشاعت میں حسب ذیل تبصرہ کیا۔

"اسیسروں کے انصاف اور ایمانداری کا چرچہ گلی گلی ہو گیا ہے افسوس جیوری نے اصل واقعات اور گواہوں کے مراتب کو نہیں سمجھا ورنہ یہ اندھیر ہرگز نہ ہوتا کہ ملزم کے گواہ گیو کی شہادت مقبول ہو اور امام جامع مسجد کی کوئی نہ سنے۔ واہ کیا اچھا انصاف ہے کہ سید بشیر حسین صاحب انسپکٹر کا بیان قابلِ التفات نہ ہو اور یعقوب لہار قاضی کے حوض والے کی شہادت کا لوہا مان لیا جائے۔ سپرنٹنڈنٹ اور صاحب سٹی سپرنٹنڈنٹ اعلیٰ عہدہ داروں کے اظہار غیر معتبر ٹھیریں اور مدح خاں کی گواہی لائق تعریف ثابت ہو ملزم صرف اپنے بیان اور گیو، یعقوب لہار، مدح خاں تین گواہوں کی شہادت پر بری ہوا ہے۔ جہاں تک

ہم کو معلوم ہوا ہے کہ تینوں شخص بازاری، کم رو یت ہیں۔ مدح خاں مجہول الحال، یعقوب علی لہار اور گپو بنسیرہ، ناظرین خود اندازہ کریں۔"

عیسائی مشنری جب ہندوستان کے با اثر لوگوں کو عیسائی بنانے میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے ان کو پھانسنے کے لئے کیسا شرمناک ذریعہ اختیار کیا تھا وہ ۲۴ مارچ ۱۸۹۵ء کے شمارے میں درج ہے۔

"جنوری گذشتہ میں اسکاٹ لینڈ مشن کے پادریوں نے الہ آباد میں ایک بڑا جلسہ اس غرض سے کیا کہ بڑے لوگوں کو کس طرح عیسائی بنایا جاوے۔ چنانچہ ولایت میں بھی پچھلی گرمیوں میں اسی قسم کا جلسہ ہوا تھا کہ ہندوستان میں کمینہ اور رذیل لوگ ہی عیسائی ہوتے ہیں شریف اور بھلے مانس عیسائی نہیں ہوتے اس پر بہت افسوس کر کے الہ آباد میں یہ قرار پایا کہ جہاں تک ہو سکے دیسی عیسائیوں کا خرچ کم کر کے ہر جگہ انگریزی لیڈیاں اور میمیں مقرر کی جاویں، جو نواب زادوں، امیر زادوں، راجوں کو راہ راست پر لاویں۔ چنانچہ پنجاب کی ریاستوں کے واسطے ۲۵ لیڈیاں اور ۲۵ میمیں جو "ہر کام میں پوری اتریں" منظور ہوئیں، اہل ہند ہوشیار رہیں، خصوصاً امراء، رؤساء اور شرفا بہت ہی اختیار کو کام فرمائیں۔ یہ میمیں گرمیوں میں آئیں گی۔"

گل رعنا بھوپال سے یہ ماہنامہ شعر و شاعری کا گلدستہ ۱۸۹۵ء کو کھلا۔ مہتمم و ایڈیٹر نور الحسن صاحب نسیم بھوپالی تھے سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ اس کے سرورق

پر یہ شعر درج تھا۔ ؎

دوست دشمن نے نگاہِ شوق سے دیکھا تجھے
تیری رعنائی مبارک اے گلِ رعنا تجھے

اوسط درجہ کا گلدستہ تھا۔ بھوپال کے شعراء کے علاوہ غیر معروف شعراء کا کلام زیادہ شائع ہوتا تھا جنوری ۱۸۹۵ء کے شعراء کی غزلوں کے اشعار کا انتخاب نقل کیا جاتا ہے۔

جناب امراؤ میر خاں اختر تلمیذ جمیل بھوپالی۔ ؎

کیا خاک اذن کو، یہ تمنا کیا کیا — بھری ہیں حسرتیں اس دل میں کیا کیا
ابھی کم سن ہے کیا جانے وہ لاڈلے دل — جفا کیا چیز ہوتی ہے، وفا کیا

جناب محمد علی افسوس ٹونکی مقیم بھوپال۔ ؎

نکلتا ہی نہیں خلوت سے کافر — عدو بن کر رہا ہے مدعا کیا
کسی ناآشنا کی کیا شکایت — جو اپنا ہی نہ ہو اس کا گلا کیا

جناب نول کشور صاحب افسوس تلمیذ جوہر شاہجہان پوری۔ ؎

ابھی کمسن ہے شوخ فتنہ قامت — وہ کیا جانے جفا کیا ہے وفا کیا
سوال بوسہ تھا، تم وصل سمجھے — کہا کیا ہم نے اور تم نے سنا کیا
کہا میں نے جو بے مہر اس کو بل کر — ہوا خورشید رو وہ گرم کیا کیا

جناب سید باسط علی صاحب باسط منیجر عین الاخبار مراد آباد۔ ؎

مریں یا ہم جئیں ناصح کسی پر — دل اپنا، جان اپنی، آپ کیا کیا
کسی پہلو کسی کروٹ نہیں چین — دل مضطر کو یارب ہو گیا کیا کیا

معشوق علی خاں جوہر شاہجہان پوری مقیم بھوپال۔ ؎

نہیں ٹلتی کسی صورت سے سر سے — بلائے عشق گیسو ہے قضا کیا

یہ دونو گیسو کیوں بکھرے ہوئے ہیں
پریشاں کر گئی بادِ صبا کیا!

مولانا شوکت میرٹھی نے اس شمارہ کی غزلوں پر ۲۴ فروری ۱۸۹۵ء کے "شحنۂ ہند" کے شمارے میں تذکرہ کیا ہے اور اس رسالہ پر بھی تنقید کی ہے تحریر فرماتے ہیں۔

"پہلا نمبر ہے جس پر اعتراض اور اصلاح کے لئے ہمارا قلم اٹھا ہے، کوئی دلچسپی اور خوبی ہوتی تو کسی چشم وقعت سے دیکھنے میں انکار نہ تھا.. .. .. ایڈیٹر گل رعنا کا لکھا دیکھ کر ہم کو ہنسی آئے جاتی ہے نسیم صاحب ناتجربہ کار جن کو باغ علم کی ہوا تک نہیں لگی، لگے گلدستے نکالنے۔ یہ بھی خبر نہیں کہ ایڈیٹر اخباروں کے ہوا کرتے ہیں کہ گلدستوں کے۔"

گلدستہ سخن

یہ ماہنامہ گلدستہ مئی ۱۸۹۵ء کو لدھیانہ سے شائع ہوا۔ مالکان الہ بخش مولا بخش تاجران کتب لدھیانہ مرتب و مہتمم خلیفہ بخت بہادر بخت تھے۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ حقانی پریس لدھیانہ میں چھپتا تھا۔ اس کے سرورق پر یہ شعر لکھا ہوا ہے۔ ؎

سنے ہوں گے چمن میں شوق سے نالے ہزاروں کے
سنبھل بیٹھو ذرا اب دل جلے فریاد کرتے ہیں

اس کا ٹائیٹل پیج سادہ ہے۔ کتابت، طباعت اور کاغذ اچھا ہے۔ پنجاب کے شعراء کا کلام زیادہ ہونا چاہئے تھا لیکن نہ ہونے کے برابر ہے۔ یوپی کے شعراء اس رسالے پر چھائے ہوئے ہیں۔ اوسط درجہ کا گلدستہ ہے

اشعار کے انتخاب کا اس میں کوئی دعویٰ نہیں کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بلا انتخاب بہت سی غزلیں شائع ہو جاتی تھیں۔

گلدستہ سخن کے نومبر ۱۸۹۵ء کے پرچہ کے کلام کا انتخاب درج کیا جاتا ہے۔

جناب منشی ضمیر حسن خاں صاحب دلؔ شاہجہان پوری تلمیذ جناب امیرؔ لکھنوی۔

دختِ رَز سے نڈر ہو کر کردں چار آنکھیں
حضرتِ شیخ خدا نے یہ دیا دل مجھ کو
اس طریقہ سے پہنچ جاؤ گے اے حضرتِ دل
موت کہتی ہے سمجھ لیجئے منزل مجھ کو

جناب منشی ہر گوپال دیوانہؔ شاہجہان پوری تلمیذ جناب ارشادؔ دہلوی۔

وہ نہیں ہیں تو نہیں بادہ کشی میں کچھ لطف
آج سنسان نظر آتی ہے محفل مجھ کو
آج ہوتا ہوں میں زاہد سے دعا کا طالب
آ کے مل جائے مرا حورِ شمائل مجھ کو

جناب سید افضال حسین صاحب راقمؔ شاہجہان پوری تلمیذ جناب احسانؔ شاہجہاں پوری۔

میں تو قائل نہیں اس طرح کی یک رنگی کا
غیر کی یاد میں کر لیتے ہو شامل مجھ کو
جلوہ گہہ سے نہ ٹلوں گا میں کبھی اے راقمؔ
ہوش آئے تو سہی دید کے قابل مجھ کو

جناب بابو رجو لال صاحب شمیمؔ باندوی تلمیذ جناب رشیدؔ فیض آبادی۔

جس کا میں شیدا ہوں وہ رشک پری کہتا ہے
سامنے غیروں کے دیوانۂ عاقل مجھ کو
خاتمہ یار ہی کے نام پہ ہو جائے شمیمؔ
رکھے اللہ اسی شغل کا شاغل مجھ کو

جناب ابوظفر علی صاحب ظفرؔ کا تعلق تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیار پور سے

عشق جاناں سے رہوں باز میں کیوں اے واعظ
تجھ سے دانا ہوں سمجھتا ہے تو جاہل مجھ کو
صدمے فرقت کے سہے میں نے ظفرؔ آج تلک
نہ ہوا وصل پہ اس شوخ کا حاصل مجھ کو

خلیفہ بخت بہادر بخت: بخت بہادر لدھیانہ کے رہنے والے تھے اوسط درجہ کے شاعروں میں ان کا شمار تھا۔ کلام میں خاصی روانی اور سلاست ہے[۱]

کیا چلی بادِ صبا طیبہ سے تو آتی ہے
دل کھلا جاتا ہے اس گل کی جو بُو آتی ہے
تا کرے سجدہ درِ شاہ پہ حورِ جنت
آبِ زمزم پہ ہر اک بہر وضو آتی ہے
عندلیبانِ نبیؐ گلشنِ عالم میں ہیں شاد
جن کے داماں سے گل عشق کی بو آتی ہے
کامل ایمان سے بن جاتا ہے عشقِ احمدؐ
طالبِ حق کو ہی عشاق کی خو آتی ہے

---

[۱] گلدستہ مدح النبی جھجر اپریل ۱۸۹۷ء

ہے یہ اے یادِ نبیؐ تیرے سہارے دل بجتؔ
آپ میں آتا ہے یہ، اس میں جو تو آتی ہے

مخبر دکن

مدراس سے یہ ماہانہ رسالہ ۲۷ر جون ۱۸۹۵ء مطابق ۴ر محرم ۱۳۱۳ھ کو ظہور پذیر ہوا۔ اس کے بانی سید عبدالقادر تھے بارہ صفحات پر پنجشنبہ کو نکلتا تھا۔ سلطانی پریس میں چھپتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد یہ ہفتہ وار ہو گیا تھا۔ ۵۱

اس اخبار کی پالیسی انصاف اور حق گوئی تھی یہ کسی ایسی بات کو پسند نہیں کرتا تھا جو انصاف کے خلاف ہو۔ یہ اپنے اور پرائے کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی ابتدا میں ڈھائی سو کے قریب تعداد تھی، ۱۹۱۲ء میں دو ہزار ہو گئی تھی۔

صاحب تاج التواریخ مخبر دکن کے بارے میں لکھتے ہیں:

"یہ اچھا اخبار ہے حیدرآباد کی خبریں لکھتا ہے اور لٹریچر بہت اچھا ہے۔ بڑے بڑے پرزور آرٹیکل اس کے لائق ایڈیٹر کے دل و دماغ سے نکلتے ہیں۔"

سید عبدالقادر: عبدالقادر صاحب حیدرآباد دکن میں ۱۱ صفر ۱۲۸۴ھ کو پیدا ہوئے، مدرسہ نظامیہ میں تعلیم شروع کی پھر مدرسہ دارالعلوم سرکار عالی میں اکتساب کیا۔ آپ کی تعلیم مشرقی طرز کے مطابق ہوئی۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ملازمت کی طرف طبیعت مائل ہوئی۔ لیکن دل و دماغ نے بغاوت کی اخبار بینی کا شوق پیدا ہوا، تو ملکی و سیاسی حالات کا مطالعہ کیا اور ۱۸۹۰ء کو مدراس چلے گئے

---

۵۱ اخبار نویسوں کے حالات ص۱۹

جہاں آپ کے خاندان کے لوگ پہلے سے رہتے تھے۔ احباب واعزا اور ان کے بھائی کے مشوروں نے اخبار کے اجرار کی تحریک پیدا کی تو ان کے ارادہ کو تقویت پہنچی۔ چونکہ حیدرآباد میں سیاسی میدان وسیع تھا جس پر آپ نے اخبار مخبر دکن اور اس کے ساتھ سلطانی پریس جاری کیا۔ آپ فرماتے ہیں:

"اخبار اور پریس کے تمام معاملات کا میں بذات خود نگراں ہوں اور میرا اصول ہے کہ ہر کام جو شخصی نگرانی میں ادا نہ ہو نامکمل اور نامعتبر ہے۔ میں خود تمام عملہ کا کفیل ہوں اور ہر شخص کے کام کو اپنا کام سمجھتا ہوں۔ انہیں تعلقات کے باعث میں نے تصنیف کا کبھی خیال نہیں کیا۔ دفتر کی دیکھ بھال کے بعد کچھ وقت ہاتھ آتا ہے بمشکل مطالعہ میں صرف ہوتا ہے۔ البتہ گذشتہ دربار دہلی کے موقع پر میں نے ایک مختصر رسالہ "وفاداری" کے نام سے شائع کیا تھا۔"

گلدستہ مداح النبی

یہ نعتیہ کلام کا ماہنامہ گلدستہ جھجر ضلع رہتک سے ۱۸۹۵ء کو شائع ہوا۔ پہلے سولہ صفحات پر بعد میں بیس صفحات پر نکلنے لگا تھا۔ مہتمم مولوی غلام احمد خاں بریاں تھے سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ نمونہ کا پرچہ ڈیڑھ آنہ میں ملتا تھا۔ مسلم پریس جھجر میں طباعت ہوتی تھی۔

اس گلدستہ میں نعتیہ کلام کے ساتھ اپریل ۱۸۹۷ء کے بعد سے ایک ناول بالاقساط چھپنے لگا تھا۔ اس وقت سے بیس صفحات ہو گئے تھے اور اس کی ابتدا مولانا بریاں نے اپنے ناول "الحسنات" سے کی تھی۔ مولانا نے کتب تصوف بھی تالیف فرمائی تھی۔

اپریل ۱۸۹۷ء کے شمارے کے منتخب نعتیہ اشعار ملاحظہ ہوں۔
جناب مولانا حافظ حضور احمد خاں صاحب آثم شاگرد جناب امیر لکھنوی۔

اس لئے سیر چمن کرتا ہوں گا ہے گا ہے
نکہتِ گل سے مجھے شاہ کی بو آتی ہے
خاک ہم کیوں نہ رہِ عشق نبی میں چھانیں
جب وفا کی ہمیں ہر ذرے سے بو آتی ہے
مست ہو جائیں نہ کیوں سونگھ کے خوشبو گل کی
یاد جب ختم رسل کی ہمیں خو آتی ہے

جناب محمد عبدالحئی اختر صاحب طالب علم از امرت سر۔

کیا صبا گلشن یثرب سے تو آتی ہے
تجھ سے اللہ کے محبوب کی بو آتی ہے
وصف گیسوئے محمد کا اثر نطق میں ہے
مشک سے بڑھ کے مرے شعر میں بو آتی ہے

جناب سید مظہر حسین صاحب حامی لائبریرین اسکول جھالرا پاٹن۔

میں مدینہ کو گیا اور نہ کعبہ پہنچا
وجہ کیا ہے ابھی اے موت کہ تو آتی ہے
میں تو حضرت کا فدائی ہوں بتا دے اے حور
کیا سبب ہے کہ مرے سامنے تو آتی ہے

جناب ڈاکٹر محمد اسماعیل خاں صاحب ذبیح دہلوی۔

جتنی بڑھتی ہے ترے لطف و کرم کی امید
اتنی عصیاں میں مرے نشو و نما آتی ہے

جادۂ طیبہ گر اسے شیخ بنے جائے نماز

پھر تو تم سے ابھی بوئے وضو آتی ہے

جناب قمر الدین صاحب قمر دہلوی شاگرد وحید الدین بیخود دہلوی سے

عشقِ احمد میں یہاں حشر کا بھی خوف نہیں

کیا ڈرانے کو شبِ غم مجھے تو آتی ہے

مر مٹا خاک ہوا عشقِ محمد میں قمر

سونگھ تو خاک سے بھی عشق کی بو آتی ہے

جناب حاجی تجمل حسین صاحب تجملؔ جلال پوری مقیم بمبئی سے

تیری کیا بات ہے اے شفقتِ سلطانِ ہدیٰ

کام مظلوم کے ہر حال میں تو آتی ہے

صفِ مستانِ نبی کا جو گذر ہوتا ہے

توڑ کر ساغر و مینا و سبو آتی ہے

گنبدِ روضۂ احمد کو نظر زائر کی

کبھی چوم آتی ہے جا کر کبھی چھو آتی ہے

نزع کا وقت ہے محبوبِ خدا آتے ہیں

اے اجل کس نے بلایا ہے جو تو آتی ہے

میرے اشعار نہ کیوں کر ہوں تجملؔ مقبول

عشقِ احمد کی ہر اک لفظ سے بو آتی ہے

وکیل ۱۸۹۵ء کو یہ ہفتہ وار اخبار امرتسر سے شائع ہوا۔ ہر دو شنبہ کو نکلتا تھا۔ مہتمم شیخ غلام محمد تھے۔ سالانہ چندہ ۲ روپیہ، ششماہی چار روپیہ تھا۔ بارہ صفحات پر مشتمل تھا۔ روز بازار پریس میں طباعت ہوتی تھی۔

اس کے سب سے پہلے ایڈیٹر مرزا حیرت تھے جنہوں نے دو پیچے ایڈٹ کئے تھے۔ مرزا جاگیب، مولوی انشاء اللہ خاں بھی، مولوی عبداللہ مہاجر اور مولوی محمد شجاع اللہ، حکیم فیروزالدین فیروز وغیرہ اس کے ایڈیٹر رہے ہیں۔

اس اخبار میں پانچ صفحات میں واقعات وحالات پر تبصرہ، اس کے بعد تاریخی مضامین اور پھر اسلامی خبروں کا خاص عنوان تھا جس کے تحت مصر، ترکی، ایران وغیرہ کی خبریں شائع ہوتی تھیں۔ ”تاریخ کی خبریں“ کے عنوان کے تحت یورپ وغیرہ کی خبریں دی جاتی تھیں۔

یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ گاندھی جی نے ہی سودیشی مال کا پرچار اور بدیشی مال کے بائیکاٹ کی تحریک شروع کی تھی اور اس کے بانی وہ ہی تھے۔ ۱۸۹۶ء سے قبل یہ تحریک شروع ہو گئی تھی۔ وکیل امرتسر بھی اس کا حامی تھا چنانچہ اس نے بھی اس تحریک کو لبیک کہا اور ۲۰ مئی ۱۸۹۶ء کے شمارے میں تبصرہ کیا۔

”ہمیں اس خبر سے نہایت خوشی ہوئی کہ ملک کے سچے خیر خواہ اور ہمارے معزز دوست لالہ کنہیا لال بلیڈر چیف کورٹ نے اپنے لڑکوں کو دیسی ساخت کے کپڑے کی فروخت کی دکان کھلوانے کا ارادہ کیا ہے۔ ہمارے دوست اس سے ہندوستانیوں کے لئے دو نظیریں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ تعلیم یافتہ ہندوستانی اپنے دیس کا بنا ہوا کپڑا پہنیں وہ خالی پند ونصائح اور لمبی چوڑی تقریروں سے گذر کر عملی طور پر خود ایسا کر کے دکھائیں۔ اگر ہمارے ملک کے لوگ دیسی کپڑا پہننے اور دیسی ساخت کی چیزوں کا استعمال کرنے کا عہد کر لیں اور ہر شہر میں مقتدر اشخاص مل کر مشترکہ سرمایہ سے دیسی ساخت کی اشیاء کے

بہم پہنچانے اور ان کے شدہ بنانے کا انتظام کریں تو ملک کی بہت سی دولت ملک میں ہی رہ سکتی ہے اور ملک کی خوشحالی میں بہت کچھ ترقی ہو سکتی ہے۔ شوق تو جرایا ہوا ہے انگریزی ساخت کی چیزوں کے استعمال کا اور خواہش کریں اس بات کی کہ ملک سے افلاس دور ہو۔ ع "ایں خیال است و محال است و جنوں"۔ اس معاملہ کے متعلق پونا کا انگریزی اخبار مرہٹہ حسب ذیل الفاظ میں ہندوستانیوں کو نصیحت کرتا ہے: "تمہیں ہندوستانی محبت کی قسم ہے کہ جب تک انگلستان ولایتی جولاہوں کی بے جا طرف داری سے دستبردار نہیں ہوگا، جب تک ہندوستان کے ساتھ انگلستان پولیٹیکل چالیں چلنا موقوف نہ کرے، جب تک ہندوستانیوں کو ملکہ معظمہ کے زیر حکومت انگریزوں کے برابر حقوق نہ ملیں تب تک ولایتی کپڑے کو جس پر خود غرضی کے چھینٹے اور دھبے پڑے ہوئے ہیں ہاتھ نہ لگاؤ۔ یہ بیہودہ درمیان میں نہ لاؤ کہ دیسی کپڑا مہنگا آتا ہے۔ اگر مقدور نہیں تو ننگے پھرو، بدن سے پتے لپیٹ لو، اس میں تمہاری زیادہ عزت ہے۔ لیکن مانچسٹر اور لنکاشائر کا کپڑا بدن سے لگا کر اپنے نام اور عزت کو بٹہ نہ لگاؤ اور جو شخص ایک گز بھی انگریزی کپڑا خریدے اسے ذلیل بے حیا، ملک کا دشمن سمجھو۔"

چترال کی مہم میں جے پور اور گوالیار کی فوجوں نے انگریزوں کی بڑی مدد کی تھی جس پر گورنمنٹ برطانیہ کے صرف شکریہ ادا کرنے پر مہاراجہ جے پور نے انگریزی فوج یعنی "امپیریل سروس ٹرانسپورٹ ٹرین" میں ایک سو گاڑیاں اور دو سو بالو بڑھانے کا ارادہ کیا تھا۔ اس پر بھی اخبار وکیل نے ۲۵ مئی ۱۸۹۵ء

کے شمارے میں ناراضگی کو ان الفاظ میں اظہار کیا ہے۔

"انگریزی گورنمنٹ کی خوش نصیبی اور ہم ہندوستانیوں کی وفاداری دیکھیے کہ خالی خطاب اور شکریہ ادا کرنے کے لئے لاکھوں روپیہ صرف کئے دیئے ہیں۔ قوم تباہ ہوجائے، خویش و اقارب بھوکے مریں، رعایا جان سے تنگ ہو بلا سے۔ یہاں تو جس طرح بنے تن من دھن صرف کر کے گورنمنٹ کی طرف سے خطاب اور شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ کیا ملک اس قدر خوشحال اور رعایا اتنی بڑی مالدار ہے کہ ہمارے ہاں کے امراء و رؤساء دل خوش کن خطابات و شکریوں کے لئے یوں روپیہ خرچ کریں۔ ذمہ تو اٹھایا ہے شہنشاہی طاقت نے دیسی ریاستوں کی حفاظت کا اور عملی کارروائی یہ ہے کہ الٹا دیسی ریاستوں کو شہنشاہی طاقت کی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔"

مصر پر انگریزوں کا بہت عرصہ تک قبضہ رہا۔ مصر کے دور غلامی میں آزادی کی کافی تحریکیں چلیں۔ آج سے ۸۰ سال قبل ۱۸۹۶ء میں آزادی کے ایک جانباز رہبر مصطفٰے کامل نے تحریک آزادی کے سلسلے میں یورپ کے ممالک کا دورہ کیا تھا چنانچہ یہ برلن بھی پہنچے۔ وہاں کے وی پوسٹ کے اخباری نمائندے نے ان سے انٹرویو کیا اور مصر پر انگریزوں کے تسلط ہونے کے بعد کے حالات و کیفیت اور مصری عوام کے انگریزوں کے بارے میں خیالات معلوم کرنے کے لئے سوالات کئے گئے تھے۔ جوابات سے مصطفٰے کامل کے جذبات و خیالات کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یہ انٹرویو وی پوسٹ برلن میں ۱۲، ۱۶ اکتوبر ۱۸۹۶ء کو چھپا اور اس کا ترجمہ وکیل امرتسر ۲ ستمبر ۱۸۹۶ء میں شائع ہوا ہے۔ اس کے اقتباسات

یہ ہیں:

سوال: کس پولیٹیکل جماعت نے تمہیں برمن آنے پر مامور کیا ہے؟

جواب: میرے ملک کے فرائض اور میرے نفس نے، کیوں کہ جب میں نے اپنے ملک کے دردناک حالات کو دیکھا اور میرے نفس نے مجھ کو ہوشیار کیا کہ میرے آباؤ اجداد کے وطن کے مجھ پر حقوق ہیں تو اپنے دوستوں کے صلاح ومشورہ کے بعد میں نے یورپ کو آنا ضروری سمجھا۔ مجھے یہ کام اختیار کئے تقریباً دو برس ہوگئے ہیں۔ میں انگریزوں کے قبضہ کے برخلاف جو صریح وقطعی معاہدوں اور بالصراحت وعلانیہ حلفی اقراروں کے باوجود ہمارے ملک پر قابض ہیں، فریاد کرنے میں مصروف ہوں میری فریاد خواہ موثر ہو یا نہ ہو یا بعد، یا اس کا اثر میرے مرنے کے بعد ہو میں جب تک زندہ ہوں اپنے وطن کے حقوق ادا کرتا رہوں گا اور ہر ایک قوم کے آزادی پسند، صاحب ضمیر کے پاس معرکہ آزادی دلانے کے لئے کارروائی کرنے کے واسطے یاد کئے جاؤں گا۔

سوال: کیا انگریزوں پر مصریوں کو اعتبار نہیں رہ گیا اور تم کو نا امیدی ہوگئی ہے کہ وہ ایفاء وعدہ نہیں کریں گے؟

جواب: بے شک مصریوں کو انگریزوں پر اعتبار نہیں رہ گیا ہے اور ہم سب کو یقین ہوگیا ہے کہ انگریز بمرضی خود کسی دن بھی اپنے وعدوں کو پورا نہیں کریں گے۔۔ ۔۔ یہ

یہ لوگ جو مصر میں امن قائم کرنے اور مدت قلیل کے بعد واپس چلے جانے کے داخل ہوئے تھے، اب اپنے تئیں نیل کے محافظ پکارتے ہیں، انگریزوں کے ہماری نسبت جو کچھ برے ارادے ہیں وہ صاف ظاہر ہیں حتیٰ کہ لبرل لوگ بھی جو بظاہر کہتے ہیں تخلیہ کے ممد ہیں خبیث نیت رکھتے ہیں۔ (۲۱ دسمبر ۱۸۹۶ء)

سوال: کیا انگریز اس وقت خدیو مصر کی حکومت کی تقویت کے لئے مصر پر قابض ہیں؟

جواب: ہرگز نہیں، مصر کے امراء میں رعایا میں کوئی امیر عباس پاشا جیسا محبوب نہیں ہوا، بلکہ انگریز ہی وہ لوگ ہیں جو آج اس کی حکومت کے برخلاف مصر پر عمل کر رہے ہیں وہ کوئی شاہی اختیار نہیں برت سکتا۔ کل اختیار وزراء کو حاصل ہے جو انگریزوں کے مامور کردہ ہوتے ہیں۔ قصہ مختصر خدیو انگریزوں کے خلاف منشا کوئی امر نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کی اس قدر بے عزتی کرائی جاتی ہے کہ مصر میں چند اخبار انگریزوں نے جاری کر رکھے ہیں جن کو رشوتیں دے کر خدیو کو برا بھلا لکھوایا جاتا ہے تاکہ اس کا احترام رعایا کی نظر میں کم ہو۔

سوال: کیا انگریز مصریوں کی تعلیم و تربیت کے لئے قابض ہیں تاکہ وہ اپنے ملک کا کاروبار چلانے کے قابل ہو جاویں۔

جواب: ہرگز نہیں، ان کے کل اعمال اس کے برعکس ثابت کرتے ہیں، وہ تو مدرسوں کو طالب علموں کے لئے بند کرتے جاتے ہیں طبی مدرسہ اس امر کی بین مثال ہے۔ پہلے سے پہلے اس کے منتظمین

کی تعداد دو سو سے زائد تھی، آج نو سے زیادہ نہیں۔ وہ طالب علموں کے اخلاق فاسد کر رہے ہیں۔ ان کو ایسے انگریزی اخبار پڑھنے کے لئے دیئے جاتے ہیں جن میں امیر اور وطن ملک مصری پر طعن و تشنیع ہو، اور تاریخ کی ایسی کتابیں پڑھوائی جاتی ہیں جن میں رسول کریم کو سب و شتم اور اسلامی عقیدوں پر ہنسی اڑائی گئی ہو۔ الغرض وہ لڑکوں کی اس طرح سے تربیت کر رہے ہیں کہ قومیت اور وطنیت کا نشان نہ رہ جائے اور وہ انگریزوں کے غلام اور خادم بن جائیں۔ وزارتوں اور انتظامی خدمات کے اعلیٰ عہدوں پر انگریز مامور کر کے وطنیوں کو دور ہٹا دیا گیا ہے۔ اجنبیوں اور ممالک غیر کے آئے ہوئے لوگوں کو سرکاری عہدوں پر مقرر کیا جاتا ہے اور کبھی کبھی کسی خائن اور نا قابل وطنی کو بھی مامور کر دیا جاتا ہے تاکہ دنیا پر ثابت کیا جاوے کہ مصر اس قابل نہیں کہ خود حکومت کر سکے۔

سوال: کیا انگریز مزائین کی بہتری اور رفاہ کے لئے مصر پر قابض ہیں؟

جواب: حاشا وکلا، انگریز معاہدوں کو بھی تو ایسا حقیر نہیں سمجھتے جیسا کہ مصریوں کو۔ میں تم کو اس کی مثال کو ایک واقعہ سناتا ہوں۔ ایک دن تار گھر کا چپراسی ایک انگریز انجینئر کے پاس تار لیکر گیا اور جب تار حوالہ کر دی تو رسید پر دستخط کر دینے کے لئے کہا۔ انجینئر نے دستخط کرنے سے انکار کیا

چپراسی نے فرض منصبی سے لاچار ہو کر مکرر عرض کیا۔ اس کے جواب میں انگریز بہادر نے بندوق اٹھا کر غریب مصری پر پھونک دی جو خون میں لت پت ہو کر بیہوش زمین پر گر پڑا۔ انگریز افسروں نے اس انجینئر کو یہ سزا دی کہ اسے ہندوستان تبدیل کر دیا۔ محکمہ (عدالت) مخصوصہ کی کارروائیاں جس میں مصریوں اور انگریز سپاہیوں اور عربوں کے تنازعات فیصل ہوتے ہیں، اس سے بھی عجیب ہیں۔ وہ پھانسی تک کا حکم بلا قانون صادر کر دیتا ہے اور تعمیل حکم کی فوراً لگنے جانے کا حکم دیتا ہے جو فوراً کر دی جاتی ہے۔" (۸ نومبر ۱۸۹۶ء)

انگریزی سرکار ڈاک خانہ کے افسروں کو اخبارات کے متعلق اس قسم کے حقوق دینے پر غور کر رہی تھی کہ جس اخبار میں با غیانہ مضمون و عبارت ہو اس کو ڈاک خانہ میں ہی روک دیں اور مقررہ مقامات پر نہ جانے دیں۔ اس قانون کے خلاف ۱۴ جنوری ۱۸۹۸ء کے وکیل میں ایک تبصرہ شائع ہوا تھا۔

"سرکار چاہتی ہے کہ ڈاک خانہ کے ذریعہ مفسدانہ مضامین کی اشاعت نہ ہو، اس وجہ سے ڈاک خانہ کے افسران کو اختیار دیجئے کہ جس تحریر کو باغیانہ سمجھیں بذریعہ ڈاک خانہ جانے سے روک دیں۔ سوال یہ ہے کہ فیصلہ کون کرے گا کہ کوئی تحریر باغیانہ ہے یا نہیں؟ ڈاک خانہ میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو اپنے اہل ملک کے حقوق پامالی کیونکہ اس کے خواہاں نہ ہوتے ہوں کہ سرکاران کے ساتھ رعایت کرے۔ کیا ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ملک کی آزادی

چھوڑ دی جائے گی، جدید قانون ڈاک خانہ میں جو اس وقت کونسل وائسرائے میں پیش ہے، علاوہ متذکرہ بالا دفعہ کے یہ بھی ایک دفعہ جدید بڑھائی جائے گی کہ جس وقت ملک میں کوئی عام سورش دیکھی جائے اس وقت افسران ڈاک خانہ کو اختیارات حاصل ہوں گے کہ وہ جس تحریر یا مطبوعہ کاغذ کو چاہیں گے روک دیں گے۔ اس امر کے فیصلے کے لئے کہ آیا اس کا وقت آگیا ہے یا نہیں کہ کاغذات کی اشاعت روکی جائے۔ صرف ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ سکریٹری آف اسٹیٹ اکانومیز نے انڈیا آفس کی خواہش سے حکم دیا ہے کہ کوئی کاغذ کنیڈا سے ہندوستان کو ایسا نہ بھیجا جاوے جس سے بغاوت پیدا ہو جاوے۔ سرکار کو معلوم ہوا ہے کہ کنیڈا کی آزاد سوسائٹی جو اس غرض سے قائم ہوئی ہے کہ بجائے انگلستان کے تعلق رکھنے کے امریکہ سے بھی تعلق پیدا کرے، ہندوستانیوں سے خط و کتابت شروع کی ہے۔ شاید آزادی حاصل کرنے کے لئے خط و کتابت کی ہے۔ اس خط و کتابت کو روکنا چاہیئے۔ مگر بجائے اس کے کہ گورنمنٹ اشارہ اور کنایہ سے مطلب ظاہر کرے، بہتر ہوگا اگر وہ ظاہر کرے کہ کون ہندوستانی ہیں جو چاہتے ہیں کہ کنیڈا کے مفسدین سے شرکت کریں۔ ملک اور گورنمنٹ کے لئے بہتر ہے کہ ایسے لوگوں کے نام ظاہر کئے جائیں تاکہ ایسی حرکات کا بآسانی تدارک ہوسکے۔"

انگریز اپنے دورِ حکومت میں ہندوستانیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا

اوران سے انتقامی امتیاز برتتا تھا اوران کو بزدل اور کم ہمت بنانے کی کوشش کرتا تھا۔ اس کا ہمنوا اینگلو انڈین طبقہ تھا۔ اس کے جذبات وخیالات انگریزی جیسے تھے بلکہ یہ طبقہ انگریزوں سے بھی ایک قدم آگے تھا جو انگریزی اخبارات پر قابض تھا۔ جب بھی حکومت برطانیہ حالات سے مجبور ہوکر ہندوستانیوں کی بھلائی کے لئے کوئی معمولی سا بھی قدم اٹھاتی تھی تو یہ اینگلو انڈین انگریزی اخبارات اس کی سخت مخالفت کرتے تھے۔ ۱۱ر جون ۱۸۹۰ء کو پارلیمنٹ میں باغیانہ اور فتنہ انگیز تحریروں اور تقریروں کو دبانے کے لئے دفعہ ۱۲۴ الف میں ترمیم کرنے کے لئے قانونی وزیر نے تجویز رکھی۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے وائسرائے نے حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا۔

"میں ذاتی طور پر بھی ایسے قانون کا جس سے دیسی پریس کی آزادی میں فرق آئے سخت مخالف ہوں۔ موجودہ قانون میں بھی یہ ترمیمیں گورنمنٹ کی حفاظت کے لئے نہیں بلکہ ناواقفوں اور جہال کو چند مفسدہ انگیز طبیعتوں کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے تجویز کی گئی ہے۔"

اس تقریر سے اینگلو انڈین پریس برانگیختہ ہوگیا اور اخبار پائنیر الہ آباد نے وائسرائے کی تقریر پر نکتہ چینی کرتے ہوئے ہندوستانی اخباروں سے انگریزی اخباروں کا مقابلہ اس انداز سے کیا تھا جس کا ترجمہ ۲۷ر دسمبر ۱۸۹۷ء کے وکیل اخبار میں درج ہے۔

"اینگلو انڈین اخبار نویس پہلے انگریز ہے اور پھر دوسرے درجہ پر اخبار نویس۔ برخلاف اس کے دیسی اخبار نویس سو میں سے نوے صورتوں میں محض ایک اجیر منشی (کرایہ کا ٹٹو) ہوتا ہے جب تک

اسے یہ خیال ہو کہ ایسا کرنے سے مجھے کوئی خطرہ نہیں اور ساتھ ہی اس سے مجھے کچھ مالی منفعت بھی ہو جائے گی تو وہ ہر ایک امر بیباکی سے لکھ دیتا ہے۔ اینگلو انڈین اخبارات نے پہلے اینگلو انڈین پرچہ فرینڈ آف انڈیا کے وقت سے لیکر تا ایں دم اپنی سود مندی ملک اور گورنمنٹ دونوں کے حق میں ثابت کر دی ہے۔ برخلاف اس کے دیسی اخبارات نے سوائے معدود چند معزز مستثنیات کے ثابت کر دیا ہے کہ جب کبھی اس کو آزادی ملی ہے وہ غلط بیانیوں کذب، افترا اور جھوٹی تہمتوں کے پھیلانے اور لگانے کا آلہ رہا ہو اگر کوئی اینگلو انڈین اخبار بفرض محال کبھی نقصان رساں بیانوں کو شائع کرنے لگ جائے تو اس کے خریدار اس کو فوراً چھوڑ دیں اس کے برخلاف دیسی اخبارات کے خریدار عموماً جاہل اور سادہ لوح ہوتے ہیں جو محض گورنمنٹ کی شکوہ شکایت اور انگریز حکام ضلع کی بدگوئی سننے سے خوش ہو سکتے ہیں۔ قصہ مختصر دیسی اور اینگلو انڈین اخبارات میں وہی فرق ہے جو آوارہ گرد ٹڈوں یا چوری پیشہ سنانیوں اور رعایا کے دیانت دار اور معزز افراد میں ہے۔"

وائسرائے کی تقریر کس قدر اصلیت پر مبنی تھی اور دیسی اخبارات سے ان کو کسی قسم کا بغض و عناد نہیں تھا اور کوئی امتیازی طریقہ ان کے ساتھ روا نہیں رکھتے تھے۔ وکیل اخبار نے مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۹ء میں دلائل کے ساتھ ان کی غیر جانبداری کا پردہ چاک کیا ہے۔

• ایک مٹھی بھر اہل یورپ ہمارے ملک میں بود و باش رکھتے

ہیں. لیکن ان کے اخبارات کی حالت ایسی اعلیٰ ہے کہ جیسے یورپ کے اچھے اچھے اخبارات کی۔ ان کے ہم قوم ان سے بڑی بڑی رعائیتیں کرتے ہیں. گورنمنٹ پنجاب نے سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور کو تمام سرکاری کاغذات اور کتابوں کے چھاپنے کا ٹھیکہ دس پندرہ سال کے لئے دے رکھا ہے اور ہر سال میں لاکھوں روپے کا بل ہوتا ہے. جس نرخ پر یہ سرکاری ٹھیکہ اس اخبار کے کارخانہ کو دیا گیا ہے، بہت لوگ اس سے نصف سے بھی کم نرخ پر اس ٹھیکہ کو لینے کی آرزو رکھتے ہوں گے مگر انہیں نہیں دیا۔ اخبار پائنیر الہ آباد کے ساتھ چالیس صفحے اشتہارات کے اکثر چھپا کرتے ہیں ان میں تمام بڑے بڑے انگریزی سوداگروں کے اشتہارات ہوتے اور سرکاری اشتہارات بھی ہوتے ہیں۔ یہ اخبار سرکاری اشتہارات کی پرائیویٹ اشتہارات سے دگنی اجرت لیتا ہے اور وہ ہمیشہ سرکار اس کو دیتی رہتی ہے، امید نہیں کہ کسی ہندوستانی اخبار کو کبھی یہ رعایت حاصل ہو سکے اخبار ٹائمز آف انڈیا کمپنی کو راجپوتانہ مالوہ ریلوے وغیرہ لائنوں کی چھپائی کا لاکھوں روپیہ سال کا ٹھیکہ ملا ہوا ہے. غرض انگریزوں کے اخبارات کی حالت بہت اچھی ہے۔"

عورتوں نے جہاں ترقی کے اور میدان میں قدم رکھنے شروع کئے تھے وہاں وہ میدان جنگ میں بھی مردانہ بھیس میں بہادری کے جوہر دکھلانے لگی تھیں۔ اور بادشاہوں سے انعامات پانے لگی تھیں اسی قسم کی ایک خبر ۲۴ر جنوری ۱۸۹۹ء کے اخبار میں چھپی ہے۔

"اعلیٰ حضرت سلطان المعظم (ترکی) کے حکم سے ایک مسلمان عورت مسماۃ فاطمہ خانم کو تین سو پیاسٹر ماہوار کی پنشن عطا کی گئی ہے اس صلہ میں کہ وہ بھیس بدل کر فوج میں داخل ہو کر جنگ روم و یونان میں شریک کارزار رہی"۔

سر سید مرحوم کے انتقال کے بعد کافی اخباروں اور رسائل نے ان کے حالات زندگی چھاپے اور کئی کتابیں بھی مرتب ہو چکی ہیں۔ چنانچہ اخبار وکیل نے اپنی ۱۴ اپریل ۱۸۹۸ء کی اشاعت میں تین صفحوں پر ان کے حالات درج کئے ہیں۔ لیکن وقت انتقال اور بعد انتقال ان کی قبر کی تعمیر کے حالات بہت کم نظر پڑتے ہیں۔ اس مضمون میں سے صرف اتنا ہی حصہ نقل کیا جاتا ہے۔

"۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء بروز اتوار بوقت شب دس بجکر پانچ منٹ پر راہی ملک بقا ہوئے۔ چند روز سے سید صاحب اپنی کوٹھی چھوڑ کر حاجی اسماعیل صاحب کی کوٹھی پر تشریف فرما تھے۔ چار مہینہ کا عرصہ ہوا تب بھی سید صاحب مرحوم و مغفور کالج میں آ گئے اور مولوی حالی صاحب کے بنگلے میں مقیم ہوئے تھے حاجی اسماعیل صاحب کی کوٹھی میں تشریف لائے ہوئے آپ کو دو تین روز ہی ہوئے تھے کہ پیشاب کے رک جانے کی وجہ سے بیمار ہو گئے۔ سول سرجن نے سلائی کے ذریعہ پیشاب کھولنے کے لئے آپریشن کیا جس سے پیشاب کی جگہ بہت سا خون آیا۔ غرضکہ دن میں تین چار مرتبہ آپریشن کیا جاتا جس سے پیشاب کی جگہ خون ہی خون نکلتا تھا۔ آخرکار میرٹھ سے سول سرجن کو مشورے کے لئے بلوایا۔ جس نے کہا خون مثانہ اور

گردوں میں جم گیا ہے ـــــ سرجری آلات سے اسے ٹکڑے ٹکڑے کرکے نہ نکالا جائے گا، پیشاب نہیں ہوگا۔ بہ ظاہر تو اس نے سید صاحب کو بہت تسلی دی لیکن باہر آکر اس نے تیمارداروں سے کہا: "غم کی وجہ سے سید صاحب کو یہ برا دن دیکھنا نصیب ہوا ہے۔ اگر خانگی تعلقات انہیں اس رنج میں مبتلا نہ کرتے تو اس بڈھے کی عمر سو سال سے کم نہ ہوتی۔" خیر اتوار کے دن صبح کے وقت آلات کے ذریعہ سے جما ہوا خون نکالا گیا اور سید صاحب کو خوب کھل کر پیشاب ہوا، لیکن اسی وقت سر میں درد شروع ہو گیا اور سخت سردی معلوم ہونے لگی جس سے سید صاحب کو سخت بخار ہو گیا۔ چار یا پانچ روز پیشاب بند رہنے کی وجہ سے اس کے زہریلے اجزا بخارات کی صورت ـــــ ہو کر دماغ میں چڑھ گئے۔ اسی حالت میں غشی ان پر طاری ہو گئی جو رات کے دس بجے تک وفات کی حالت میں تبدیل ہوئی اور سید صاحب مرحوم و مغفور ہو گئے۔ رات بھر ان کا بے جان جسم وہیں کوٹھی میں پڑا رہا۔ پیر کے دن صبح کے وقت دس بجے دفن کرنے کی تجویز تھی لیکن چونکہ بہت سے آدمی دہلی سے آنے والے تھے اور نیز علی گڑھ سول سٹیشن کے کل انگریز حکام جنازے کے ساتھ جانے والے تھے، اس لئے قرار پایا کہ شام کے وقت پانچ بجے جنازہ اٹھایا جائے۔ تجہیز و تکفین کے لئے بچاس روپیہ محسن الملک نے اپنی گرہ سے دیئے اور پانچ بجے تک تمام غسل و تجہیز و تکفین کی رسومات ادا ہو گئیں۔ تمام کالج کے

لڑکے اور اسٹاف کے کل انگریز اور طلبا چیخیں مار مار کر رو رہے تھے جن کی آہ وزاری سے پتھر کا دل بھی موم ہوا جاتا تھا۔ شہر کے بہت سے جنٹل مین ہندو بھی جنازہ کے ہمراہ تھے جنازہ چھ بجے کے قریب کالج پہنچا آدمیوں کے ہجوم اور کثرت کی وجہ سے باہر کرکٹ فیلڈ میں مولوی عبداللہ صاحب انصاری مہتمم امور دینیات کالج نے نماز جنازہ پڑھائی۔ چار ہزار سے کم آدمی نہ تھے، دو سو گز لمبی قطار میں آٹھ صفیں کھڑی تھیں اور ساڑھے چھ بجے کے قریب کالج کی مسجد کے دائیں بازو میں اس بزرگ مصلح قوم، مخلص خادم اسلام اور مشیر گورنمنٹ کا پاک جسم خاک وطن کے رحم پر چھوڑا گیا۔ جنازہ میں نواب محسن الملک، شمس العلماء مولوی نذیر احمد اور منشی ذکاء اللہ صاحب وغیرہ ٹرسٹیان کے علاوہ جو بیرونجات سے تشریف لائے تھے، مولوی سمیع اللہ صاحب اور ان کی جماعت بھی شریک تھی۔ ۳۰ مارچ کو سید صاحب کا سوم ہوا تمام طلباء کالج مسجد میں جمع ہوئے، سید صاحب کے چند احباب بھی شریک تھے، خواجہ محمد یوسف صاحب رئیس علی گڑھ ممبر پر کھڑے ہوئے اور چند جاں گداز کلمات کے بعد آپ نے فرمایا کہ سید صاحب کی قبر کی تعمیر کے لئے پچاس روپیہ نذر کرتا ہوں اور نیز طلباء سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ آپس میں چندہ جمع کر کے سید صاحب کی عالی شان قبر بنوائیں۔ سوم کا تمام خرچ کالج نے دیا اور قبر بھی طلبا کے چندے سے تیار ہوگی۔"

بیاہ شادی کی ہندوستان میں انتہائی تکلیف دہ رسمیں جاری تھیں اور جاری ہیں جن کے خاتمہ کے لئے مصلحین برابر قدم اٹھا رہے ہیں۔ یہی شادی اور غمی کی رسمیں سعودی عرب میں بھی تھیں۔ وہاں کی حکومت نے ان کو ختم کرنے کے لئے اہمیت قدم اٹھایا تھا جس کو مولوی محمد سعید صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ نے مضمون کی شکل میں قلم بند فرمایا کے ہندوستان کے اخبارات میں بھیجا تھا جو ۷ار فروری ۱۸۹۹ء کے وکیل میں شائع ہوا ہے۔

"ان تمام حالات پر غور کرنے کے بعد آخر سلطنت اسلامیہ نے احکامات صادر کر دیئے جن کی پابندی اور مطابقت امرا و غربا و اعلیٰ ادنیٰ طبقہ کے لوگوں پر ضرور ہوگی اور جو خیالات بیہودہ پہلے لوگوں کو ہوا کرتے تھے ان سب کا خاتمہ گورنمنٹ نے خود کر دیا ہے۔ اب میں بہت اختصار کے ساتھ ان احکامات کو ذیل میں درج کرتا ہوں۔

۱۔ نکاح کے موقعہ پر جو زیور کپڑا وغیرہ فرش فروش وغیرہ دلہن والے مستعار مانگ کر دلہن کو دوچار دن پہنایا کرتے ہیں یہ بالکل نہ ہو اپنی حیثیت کے موافق جیسا کچھ ہو پہنا دیں۔ بڑے محلوں اور عالی شان گھرانوں سے زیور اور کپڑے جو آئندہ اس طرح ان موقعوں پر لئے جائیں گے وہ ضبط اور سزا۔

۲۔ مہر میں بھی حد اعتدال سے تجاوز نہ کیا جائے۔ کنواری لڑکی کا مہر سو ریال سے (ڈیڑھ سو روپیہ) زیادہ نہ ہو۔

۳۔ قرآن مجید کے ختم ہونے پر بچوں کے والدین اکثر دل کھول کر خوشی کیا کرتے ہیں جس لڑکے کا قرآن مجید ختم ہوتا ہے اس کو

عمدہ کپڑے پہنا کر اکثر گھوڑے پر سوار کرتے ہیں اور اس کے تمام ہم مکتب بچے زرق برق جوڑے پہنے ہوئے اس کے ساتھ ہوتے ہیں اور شہر کے گلی کوچوں میں بعض دعائیہ کلمات کہتے ہوئے گشت کیا کرتے ہیں۔ یہ رسم بھی موقوف کر دی گئی۔ اس رسم کا نام یہاں صرافہ اور ہندوستان میں شاید آمین ہے۔ یہاں خدا جانے کب سے یہ قاعدہ مقررہ ہو گیا تھا کہ جمعرات کے روز عورتیں قبرستان میں اپنے عزیزوں کی قبروں پر فاتحہ پڑھنے جایا کرتی تھیں، عورتوں کو قبروں پر نہ جانے کے لئے علماء نے بہت کوشش کی مگر کچھ اثر اور نتیجہ سالہا سال کی کوشش کے بعد بھی ظاہر نہیں ہوا، اور یہ بدعت بدستور جاری رہی اب مجبور ہو کر علماء نے لوکل گورنمنٹ کو اس طرف توجہ دلائی اور ایسا خاطر خواہ انتظام ہو گیا ہے جیسا کہ چاہیے تھا۔ اب کوئی عورت قبروں پر جانا تو درکنار اس راستے سے ہو کر چلنا بھی نہیں چاہتی کیونکہ پولس کے سپاہی انتظام کے لئے لگائے گئے ہیں۔ ان خرابیوں کو محسوس کرانے اور انتظام کرانے میں مکہ مکرمہ کے امیر شریف "سیار تلو عون الرفیق" بہت شکر کے مستحق ہیں۔"

مدرسہ صولتیہ جو اس وقت مکہ معظمہ کی ایک بے مثال درسگاہ ہے، اس کی بنیاد کس نے رکھی اور ابتداء میں اس کی کیا حالت تھی۔ اس کی کہانی ۲۴ اپریل ۱۸۹۹ء کے وکیل میں پڑھیے۔ اس کی یہ روئیداد اور مدرسہ کو کامیاب کرنے کے لئے چندہ کی اپیل مولانا محمد سعید صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ نے شائع کرائی تھی۔

" اس اسلامی اور قومی مدرسہ کا بنیادی پتھر اس پاک اور مقدس

زمین پر بہت سی امیدوں اور قومی بہبودی کے متبرک خیال کے ساتھ رکھا گیا ہے۔ اس دن سے دو چار برس اوپر تک کبھی اس مدرسہ نے اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کو عام مسلمانوں پر ظاہر نہیں کیا اور یہی وجہ ہے کہ اس وقت ہم مدرسہ کے معاونوں اور سرپرستوں کی فہرست میں ہندوستان کے کسی والی ملک یا امیر و متمول شخص کا نام سوائے دو تین کے نہیں پاتے اور حقیقت یہ ہے کہ مدرسہ کے بانی جناب مولانا رحمت اللہ صاحب نے نہ صرف اپنی عمر کا اکثر حصہ مدرسہ کی خدمات میں صرف کر دیا بلکہ اپنا مال بھی وہ بہت خوشی کے ساتھ آخر وقت تک اس نیک کام میں لگاتے رہے۔ مجھے شاید اس موقع پر اس امر کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ اعلیٰ حضرت سلطان المعظم کی پیشگاہ سے جو عطیہ یا وظیفہ خاص جناب ممدوح کی ذات کے واسطے مقرر تھا اس میں سے کبھی انہوں نے اپنی ذاتی ضرورتوں کے واسطے ایک حبہ نہیں لیا اور یہ کئی ہزار روپیہ سال کی رقم مدرسہ کو دیتے رہے حسن اتفاق اور زمانہ کی مساعدت سے ایسے ہی اسباب جمع رہے کہ مدرسہ کی طرف سے نہ کوئی وفد کہیں گیا اور نہ چندہ کے لئے اعلان شائع کئے گئے، مدرسہ سترہ اٹھارہ برس تک قوم کی خدمت علم کی اشاعت اپنی اغراض کی تکمیل کرتا رہا مگر گمنامی اور نہایت استغنٰی کے ساتھ۔۔۔ مدرسہ صولتیہ کے قائم کرنے کے دو سال بعد ایک صنعت و حرفت کے مدرسہ کی بھی بنیاد رکھی گئی تھی کہ ہماری اولاد اور آئندہ نسلیں تعلیم دینیات کے ساتھ

کسب معاش اور رزق حلال کے ذریعہ بھی سیکھ لیا کریں کہ وہ مدرسہ سے جب فارغ التحصیل و عالم ہو کر نکلیں تو اپنی مدد آپ کر لینے کا مادہ اور استعداد ان میں موجود ہو، مولانا نے صنعت و حرفت کے مدرسہ کا بنیادی پتھر بھی رکھ دیا مگر مدرسہ کی عمارت ابھی پوری نہ ہوئی تھی کہ غیر متوقع موانعات پیش آجانے اور روپیہ کی کمی نے صنعت و دستکاری کے مدرسہ کا کام پورا نہ ہونے دیا۔ ابھی مولانا کو بہت سے ادھورے کام پورے کرنے تھے کہ قضائے الٰہی نے ان کو ہمیشہ کے لئے ہم سے علیحدہ کر دیا۔ ...... اس وقت تعلیمی مدرسہ ہی کا اجرار مسلمانوں کی بے اعتنائی سے مشکل نظر آرہا ہے۔ عربی کے تین مدرس تھے مجبوراً دو رکھنے پڑے۔ مہتمم کتب خانہ کو دس روپیہ اور نہ دیا جا سکا اور علیحدہ کر دیا۔ ایک خوشنویس جو طالب علموں کو مشق کراتا تھا، الگ کر دیا گیا۔ دو تین اور ملازم جن کے نہ ہونے سے مدرسہ کا کام بہت ابتر ہو رہا ہے موقوف کر دیئے گئے۔ مدرسہ کی مالی حالت کا اندازہ اس امر سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ جو طالب علم جس کی عمر بیس برس سے زیادہ نہ ہو اور داخلہ کا امتحان کافیہ میں دے اور بظاہر شوقین اور ہونہار ہو وہ قانون مدرسہ کے موافق پانچ سال تک وظیفہ کا مستحق ہے۔ اب مدرسہ ایسے مستعد طالب علموں کو بھی وظیفہ دینے سے لاچار ہے۔ مدرسہ میں کتب خانہ کے لئے جو کمرہ ہے وہ بہت تنگ ہے اور صبح کے وقت روشنی پورے طرح اس میں نہیں ہوتی۔ دو سال سے کتب خانہ کی تعمیر کے لئے ایک

تجویز ہو چکی ہے اور تخمینہ صرف ڈیڑھ ہزار روپیہ اور زیادہ سے زیادہ دو ہزار روپیہ ہے۔ اس وقت تک باوجود کوشش اور انتہائی درجہ کی جاں فشانی کے اس قدر روپیہ جمع نہیں ہو سکا کہ سال بھر کا پورا خرچ نکال کر کتب خانہ کی تعمیر شروع کر دی جاتی۔ عربی کے دو مدرس پورے سبق نہیں پڑھا سکتے اس وجہ سے دو اور مدرس جن میں سے ایک کے ذمے صرف و نحو اور فقہ میں قدوری اور منطق میں قطبی تک سبق ہوں اور ایک ادب کی کتابیں پڑھائیں ابتدائے سال ۱۳۱۷ء سے مقرر کرنے کا ارادہ ہے۔ ...... سب سے پہلے اس قومی خدمت کو مولوی حاجی ریاض الدین صاحب بریلوی نے بطیب خاطر خوشی کے ساتھ قبول کیا ہے۔ مغربی شمالی ہند میں حاجی ریاض الدین احمد صاحب ایک وسیع المتعارف شخص ہیں، اس ہفتہ حاجی ریاض الدین احمد صاحب کی خدمت میں مدرسہ کی طرف سے ایک وکالت نامہ روانہ کیا جاتا ہے جس میں ان کو تمام ہندوستان میں مدرسہ کے واسطے دورہ کرنے اور چندہ جمع کر کے مکہ معظمہ پہنچنے کی اجازت مدرسہ کی طرف سے دی گئی ہے۔"

اخبار "وکیل" میں نظمیں تو شائع ہوتی تھیں لیکن زیادہ تر فارسی میں اردو میں کم۔ ایک نظم مسلمانوں کے ترقی و تنزل کے عنوان کے تحت منشی احمد حسین صاحب محمود کلکتوی کی ۲ فروری ۱۸۹۹ء کے اخبار میں شائع ہوئی تھی جس کے تقریباً ۳۲ اشعار تھے ان میں سے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔ ؎

گدڑیاں پوشش تھیں اپنی، تھی غذا نانِ جویں

ایک صورت تھے گدا اور صاحبِ تاج و نگیں

باز آتی تھی نہ جب بھی راست گوئی سے زباں
گرچہ آجاتا تھا حلق اپنا تہِ شمشیر کہیں!
جان جائے، ملک دیں، مال لٹ جائے مگر
منہ سے جو کہہ بیٹھتے تھے وہ نہ ٹلتا تھا کہیں
ہم میں تھا ہر شخص کو، یہ درد اپنی قوم کا
خوں سب روئے، چبھا کانٹا کسی کو گر کہیں
دوڑ کر ایک ایک فوراً ایک ہو جاتے تھے ہم
جب کسی کے سامنے تپا کوئی کھٹکا نہیں
جب پہنچتا تھا کسی جا ایک مسلم کو گزند
بس الٹ دیتے تھے جا کر ہم وہاں کی سرزمیں
سر کٹا کر خوں وہاں اپنا بہا دیتے تھے ہم
جب پسینا ایک مومن کا ٹپکتا تھا کہیں
نعرۂ جرأت ہماری سن کے وقتِ کارزار
کانپ اٹھتی ہیبت سے اکثر سیستاں کی سرزمیں
دور کی تاریکیٔ کفر و ضلالت ہند سے
شام کو روشن کیا ہم نے جلا کر شمعِ دیں
علم و فن کا ذائقہ ہم نے چکھایا مصر کو
ہم نے کی سرسبز جا کر اندلس کی سرزمیں
حسرتوں سے دیکھتا پھرتا ہے آج ان کے نشاں
دور بینِ مہر سے چاروں طرف چرخِ بریں

محمل دکم خواب میں ہیں سنگ ریزے جابجا
گدڑیوں میں لعل اب ہم کو نظر آتے نہیں
اب وہ اپنی شان و شوکت جاہ و حشمت کیا ہوئی
جس سے تھراتے تھے ہر دم بادشاہانِ زمیں
رزم گاہوں میں وہ تکبیر کے نعرے کیا ہوئے
کانپ اٹھتے تھے جنہیں سنکر دلِ اعدائے دیں
کب تلک روئے گا دکھڑا، قوم کے ادبار کا
تھام لے دل، ضبط کر، خاموش، محمود حزیں

مولانا حسرت موہانی کو دنیا جانتی ہے کہ وہ کیسے انقلابی انسان اور کس پایہ کے تنقید نگار و ادیب تھے۔ انہوں نے اپنے رسالے اردوئے معلیٰ علی گڑھ مورخہ مئی ۱۹۱۱ء میں اخبار وکیل پر ایک مختصر مگر جامع تبصرہ کیا ہے، فرماتے ہیں:

"زبان کی صحت اور لٹریچر کی خوبی کے لحاظ سے زمیندار کی طرح وکیل بھی ایک خاص امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کے ایڈیٹوریل مضامین کی آزادی کا مقابلہ نسبتاً کوئی دوسرا اسلامی اخبار نہیں کر سکتا۔ مثلاً ۲۹ راپریل کے پرچے میں مسلم یونیورسٹی اور عام رائے کے مطالبے پر ایک قابل قدر مضمون نکلا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ قائم ہونے والی مسلم یونیورسٹی کو بہر حیثیت حکومت کی ماتحتی سے آزاد رہنا چاہئے اس کا چانسلر مسلمان ہو اور اس کی عنان مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں رہے اور سب سے زیادہ یہ کہ اس کی تعلیمی زبان اردو رکھی جائے۔"

زبدۃ الاخبار لاہور سے یہ ہفتہ وار اخبار فروری ۱۸۹۵ء میں جاری ہوا ڈاکٹر غلام نبی ایڈیٹر رسالہ حافظ صحت اس اخبار کے بھی بانی وایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ زبدۃ المطابع اعوان منزل لاہور میں طباعت ہوتی تھی۔

اس اخبار کے مقاصد کیا تھے، یکم مارچ ۱۸۹۵ء کے شمارے میں پڑھیے۔

"جوڈیشنل عدالتوں کے فیصلوں پر آزادی سے نکتہ چینی کرکے ہر ایک محکمہ اور دفتر کے ملازموں کی تکلیفوں کو گورنمنٹ کی خدمت میں پیش کرنا اور مختلف محکمہ جات کے مستحق ملازموں کے حقوق کو ان کے افسران کے کانوں تک پہنچانا تاکہ وہ مستحقین کے حق کو ضائع نہ ہونے دیں۔ دیسی ریاستوں کے معاملات پر خاص توجہ رکھنا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر ایک معاملہ میں اپنے ہم وطنوں کا یہ اخبار ایک آزاد اور دیانتدار اور وفادار وکیل ہو۔"

فریادِ ہند محلہ محشر گنج الہ آباد سے یہ اخبار مارچ ۱۸۹۵ء کو ظہور پذیر ہوا۔ مہینے میں دو مرتبہ نکلتا تھا۔ مہتمم لالہ کنور بہادر سنگھ ایڈیٹر رائے بجرنگ بلی پرشاد تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ بارہ آنے تھا۔ مطبع زینت ہند میں چھپتا تھا۔

شہرۂ آفاق محلہ بھری ٹولہ شہر گیا سے یہ ہفتہ وار پرچہ ۱۸۹۵ء کو شائع ہوا۔ آٹھ صفحات پر ہر شنبہ کو نکلتا تھا۔ مولوی سید محمد طاہر ایڈیٹر و مالک تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ مطبع اخبار شہرۂ آفاق

میں طبع ہوتا تھا۔

لبرل اعظم گڈھ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۹۵ء میں نکلا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ قدرت علی خاں ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا مطبع آفتاب میں چھپائی ہوتی تھی

جہاں نما امرت سر سے یہ ہفتہ وار پرچہ ۱۸۹۵ء کو وجود میں آیا۔ بارہ صفحات پر ہر دوشنبہ کو نکلتا تھا۔ نرائن سنگھ اہلوالیہ اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ جگجیت پریس میں چھپائی ہوتی تھی۔ اس کے سرورق پر یہ شعر درج تھا۔ ؎

از خط ساغر و آئینہ گپ چہ میرانی بہیں بہ نظر تعمق جہاں نما اینست

چودھویں صدی راولپنڈی سے یکم مارچ ۱۸۹۵ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا۔ ہر جمعہ کو بارہ صفحات پر نکلتا تھا۔ منشی امیر علی مالک تھے سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ چودھویں پریس میں چھپائی ہوتی تھی۔

کشف الحقائق بمبئی سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۸۹۵ء کو شائع ہوا سولہ صفحات پر نکلتا تھا۔ حسام الدین مالک و ایڈیٹر تھے قیمت سالانہ بارہ آنے تھی۔ یونیورسل پریس میں طبع ہوتا تھا۔ اس میں علمی مسائل اور رد نصاریٰ سے متعلق مضامین چھپتے تھے۔ کتابت طباعت اور کاغذ عمدہ تھا۔

مراۃ الاخبار بمبئی چرچ گیٹ سے ۲۲ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ م ۱۲ ستمبر ۱۸۹۵ء میں نمودار ہوا۔ ہفتہ وار ہر جمعہ کو بارہ صفحات پر نکلتا تھا۔ منشی خورشید حسن امین منیجر تھے یہ علمی پرچہ

پنجاب آرگن وزیر آباد سے ۱۸۹۵ء کو یہ ہفتہ وار اخبار نمودار ہوا بارہ صفحات پر نکلتا تھا۔ دیوان آتما مالک

تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔ مطبع آتم پرکاش میں چھپائی ہوتی تھی۔ سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا۔ ؎

یارب مرے خامہ کو وہ زباں دے منقار ہزار داستاں دے

انتخاب لاجواب ۱۸۹۵ء کو لاہور سے یہ ماہنامہ جاری ہوا جس کے مالک مولوی محبوب عالم صاحب تھے۔ مطبع خادم التعلیم میں چھپتا تھا۔ اس میں لطائف، دلچسپ اقتباسات، سائنسی معلومات شائع ہوتی تھیں۔

اس رسالے کے متعلق منشی محمد دین فوق اپنی تالیف "اخبار نویسوں کے حالات" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"ایک ایسا عجیب وغریب رسالہ بنام "انتخاب لاجواب" جاری کیا جو نہ صرف ہندوستان بھر میں اپنی قسم کا واحد رسالہ ہی شمار ہوتا ہے بلکہ نہایت کامیابی سے چل رہا ہے اس کی اشاعت دو ہزار کے قریب ہے۔"

آریہ پتر بریلی سے یتیم خانہ آریہ سماج کا یہ ماہنامہ ۱۸۹۵ء کو شائع ہوا۔ ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے پہلے ایڈیٹر حکیم گھیر سہائے بریاں تھے۔ جنہوں نے ۱۹ دسمبر ۱۹۰۵ء میں اس ذمہ داری سے استعفیٰ دیدیا تھا۔ اس کے بعد پورن مل ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ چار آنہ تھا۔ آریہ اناتھ آیہ پریس میں طبع ہوتا تھا۔

۱۸۹۶ء

خدنگِ نظر ستمبر۱۸۹۶ء کو یہ علمی وادبی ـــــــ ماہانہ گلدستہ لکھنؤ سے شائع ہوا جس کے مالک و ایڈیٹر نوبت رائے نظر تھے۔ آصفی پریس نوازگنج میں طبع ہوتا تھا۔ پہلے ہر انگریزی مہینے کی شروع تاریخوں میں نکلتا تھا اور صرف شعروں کا گلدستہ تھا اس وقت اس کی ضخامت بھی کم تھی اور سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ جو پانچ روپے دیتا تھا اس کا نام مربیوں میں لکھا جاتا تھا اور جو صاحب دس روپے دیتے تھے ان کا اسم گرامی خاص جدول میں مع شکریہ شائع کیا جاتا تھا ۱۹۰۰ء سے رسالہ کی یہ پوزیشن ہوگئی تھی۔

ہر انگریزی مہینے کی آخری تاریخ کو شائع ہوتا تھا۔ اس کے تین حصے تھے حصہ اول میں مضامین علمی، تاریخی، اخلاقی اور نیچرل نظمیں، حصہ دوئم میں غزلیات ہم طرح اور نامور شعرا کا غیر طرح کلام اردو فارسی اور حصہ سوئم میں مسٹر رینالڈ کے ایک نہایت ہی دل چسپ اور حیرت انگیز ناول کا ترجمہ شائع ہوتا تھا۔ ہر حصے کی ضخامت سولہ صفحات تھی مکمل رسالہ

۴۸ صفحات پر علاوہ ایک رنگین طلائی کام کے ٹائیٹل پیج کے شائع ہوتا تھا۔ چندہ ہر سہ حصہ کا تین روپے سالانہ، دو حصے کا دو روپیہ اور ایک حصہ کا ایک روپیہ چار آنہ مع محصول ڈاک مقرر تھا۔ اس رسالہ کا مقصد اردو لٹریچر کو مفید بنانا تھا۔ مذکورہ عنوانات کے علاوہ اور کسی قسم کے مضامین وغیرہ کی اشاعت نہیں ہوتی تھی۔ نمونہ کا پرچہ ۳/۴ اور ۲/ آنے کے ٹکٹ وصول ہونے پر بھیجا جاتا تھا مفت نہیں۔ [۱]

اس رسالے کے سر ورق پر پہلے یہ شعر درج تھا۔ ؎

مانوس ہیں اگر نگہ فتنہ گر سے آپ
بہلائیں دل کو سیر "خدنگ نظر" سے آپ

اس کے بعد یہ شعر تحریر ہونے لگا۔ [۲]

نکلا ہے بن سنور کے "خدنگ نظر" نظرؔ
یاں دل دھڑک رہا ہے کسی کی نظر نہ ہو

ان دونوں اشعار کے علاوہ اور بھی شعر درج ہوتے تھے۔ چنانچہ مارچ ۱۹۰۲ء کے رسالہ کے نام کے نیچے یہ شعر درج ہے۔ ؎

بصد ادب بحضور نظام گردوں فر
امیدوار نگاہ کرم خدنگِ نظر

نظرؔ مرحوم نے رسالہ خدنگ نظر کے ذریعہ اردو ادب کی آٹھ سال تک خدمات انجام دیں۔ لکھنؤ کے مشہور شاعر صفیؔ، محشرؔ، عزیزؔ، ثاقبؔ چکبستؔ، پنڈت بشن نرائن اور آبرؔ وغیرہ نے اس گلدستہ کے لیے طرحی

---

[۱] خدنگ نظر لکھنؤ مارچ ۱۹۰۲۔ [۲] یادِ رفتگاں ص ۴۹۔

غزلیں شائع کر کے خدنگ نظر کو مشہور کر دیا تھا۔ اکثر نیچرل رنگ کی نظمیں چھپتی تھیں جن کا زیادہ حصہ منشی نادر علی نادرؔ کے زورِ تخیل کا نتیجہ ہوتا تھا۔ عبدالحلیم شررؔ بھی "خدنگ نظر" جب تک نکلتا رہا اس کے لئے مضامین لکھتے رہے۔ جناب آغا مظہر نے بھی اس رسالہ کو کامیاب بنانے میں خاص مدد دی تھی۔ غزلیات کی فراہمی کے لئے انہوں نے مشاعروں کے انعقاد کا کافی بندوبست کیا تھا۔ ۱۹۰۴ء میں یہ رسالہ بند ہو گیا تھا۔

۱۹۰۲ء کے شمارے میں دو مضمون "بدھ کا مہا مندر" از امیر مرزا عرف بڈھن لکھنوی، "امریکہ کے مشہور شاعر لانگ فیلو کے مختصر حالات زندگی" از نوبت رائے نظر اور ناول "شام جوانی" کی ایک قسط شائع ہوئی ہے۔ نادر علی خاں نادرؔ کاکوری کی ایک نظم صبح و شام کے چند شعر نقل کئے جاتے ہیں۔ سہ

کتنا خوش آئند ہے چاکِ گریبانِ سحر
جس میں آتا ہے کسی نوخیز کا جوبن نظر

ابھرے ابھرے سینے سے جوشِ جوانی ہے عیاں
وہ پہاڑوں کی نکیلی اونچی اونچی چوٹیاں

ایک کالے اور لانبے بال والا مہ لقا
باندھتا ہے رات بھر کا صبح کو جوڑا کھلا

تیرگیٔ شب میں تھی جو رات بھر سوتی پڑی
صبح ہوتے از سرِ نو پھر وہ محفل جم گئی

پھر وہی بزمِ تماشا اور وہی سامانِ عیش
پھر وہی حیرت، وہی یاس اور وہی ارمانِ عیش

سہ مضمون دیویندر پرشاد سکسینہ جامعہ دہلی ستمبر ۱۹۶۲ء

دل لئے جاتا ہے چھینے پھر یت ترسا کوئی
پھر طبیعت ڈھونڈھتی ہے صورتِ زیبا کوئی
فکرِ راحت، فکرِ صحت، فکرِ دنیا، فکرِ دیں
ایک دورے میں فلک اور ایک سختی میں زمیں
یوں ہی ہوتے اور گذرتے رہتے ہیں صبح و شام
ایک دن آخر صدی ہوجاتی ہے پوری تمام
جس کو سب انجام کہتے ہیں وہ اک آغاز ہے
موت کہتے ہیں جسے وہ سر بمہر اک راز ہے

منشی نوبت رائے نظرؔ: نظرؔ صاحب لکھنؤ کے قدیم باشندے تھے۔ ایک معزز کایستھ خاندان سے ان کا تعلق تھا۔ آپ کا خاندان شاہان لکھنؤ کے درباروں میں وابستہ چلا آتا تھا۔ آپ کے والد منشی الفت رائے تھے۔

نظرؔ صاحب ۱۸۶۶ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ فارسی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ بچپن سے ذہین و فہیم تھے تھوڑے عرصہ میں کافی استعداد پیدا کرلی تھی کام چلانے کے لئے انگریزی بھی سیکھ لی تھی۔ وہ ایسا دور تھا جب کہ لکھنؤ میں گھر گھر شعر و سخن کا چرچا تھا کوئی دن ایسا نہیں گذرتا تھا جبکہ مشاعرے نہ ہوتے ہوں۔ نظرؔ صاحب کو ذوق شاعری اپنے بزرگوں سے ورثہ میں ملا تھا۔ شعر کہنا شروع کیا ۱۸۸۴ء میں آغا مظہر سے اصلاح لینی شروع کی۔

(دور جدید کے ہندو شعراء)

غم روزگار سے زندگی بھر چھٹکارا نہیں ملا۔ کبھی بے فکری نصیب نہیں ہوئی۔ ۱۸۹۶ء سے ۱۹۰۴ء تک خدنگ نظر شائع کرکے نام پیدا کیا۔ ۱۹۰۵ء میں منشی دیا نرائن نگم ایڈیٹر رسالہ زمانہ نے آپ کو کانپور بلایا۔

ایڈیٹری کی ذمہ داری سونپی۔ ان کی کاوشوں نے "زمانہ" کو مقبول عام بنایا۔ جنوری ۱۹۱۰ء میں انڈین پریس الہ آباد میں مامور ہوئے۔ رسالہ ادیب جاری کیا اگرچہ یہ رسالہ بہت مدت تک نہیں چلا۔ لیکن اپنی مختصر زندگی میں اردو زبان کی ناقابل فراموش خدمت کی۔ زمانہ کے چکر نے پھر رسالہ زمانہ میں پہنچا یا۔ اس مرتبہ آزاد اخبار کے مرتب و نگراں مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۴ء میں لکھنؤ آئے۔ رائے بہادر منشی پراگ نرائن نے اخبار "تفریح" کی ادارت سپرد کی۔ تھوڑے دنوں کے بعد اودھ اخبار کی ایڈیٹری ملی۔ دماغ سوزی زیادہ ہوئی صحت پر برا اثر پڑا۔ علیحدگی اختیار کرلی۔ پنڈت برج ناتھ شرما ایم اے ایل ایل جی کی ایما پر اخبار "خادم ہند" سے متعلق ہوگئے۔ اس پرچہ پر بھی کافی محنت کی اور شہرت دلائی۔ الغرض زندگی کا پورا حصہ صحافت ہی میں گذرا۔

غم روزگار کے ساتھ خانگی زندگی بھی پریشان کن اور اندوہناک رہی۔ پے درپے صدموں نے کہیں کا نہیں رکھا۔ ایک بیٹی اور ایک نواسہ تھا کوئی لڑکا نہیں تھا۔ نواسے سے آپ کو بے پناہ محبت تھی۔ وہی آنکھوں کا نور، دل کا سرور تھا۔ پہلے نواسے کو موت کا شکار بننا پڑا جس سے نظر کی کمر ٹوٹ گئی۔ جس پر ایک دردناک نوحہ لکھا اور اپنی حالت کی تصویر کھینچی۔ [1]

کھٹو کھٹو کہ اس اجڑے مکاں کا تھا یہ چراغ
بہار پر تھا اسی نونہال سے یہ باغ
نہ ہوگا اب مجھے حاصل کبھی جہاں میں فراغ
تمام عمر دل ناتواں ہے اور یہ داغ

---

[1] یادرفتگاں صہ۔

فغانِ بلبل جان و دل سے پار ہوتی ہے
نظر کے باغ سے رخصت بہار ہوتی ہے

یہ حقیقت ہے کہ اس واقعہ کے بعد نظرؔ کو سکون میسر نہیں آیا۔ نظرؔ کے باغ سے بہار ہی ختم ہو گئی اور اس پر بھی قدرت کو نظرؔ پر رحم نہیں آیا کچھ ایام کے بعد ماں بھی دنیا سے سدھار گئیں فرماتے ہیں:۔ ے

ہو گیا آغوشِ مادر بھی جدا آج اے نظرؔ
اب ملے گی ایسی راحت پھر نہ دنیا میں کبھی
اشک خونیں بارہا ٹپکے تھے آنکھوں سے مگر
اس قدر سرخی نہ تھی خونِ تمنا میں کبھی

آپ کے پڑوس میں ایک چار سالہ بچہ رہتا تھا۔ نظرؔ اپنے کھوئے ہوئے نواسے کو اس میں دیکھنے لگے اس کو بڑے پیار و محبت سے کھلاتے اور اپنے پاس سلاتے۔ حرماں نصیب نظرؔ کی زندگی میں راحت و سکون لکھا ہی نہیں تھا۔ کچھ دنوں کے بعد یہ لڑکا دفعتاً ایک روز چھت سے گرا۔ چار دن کے بعد فوت ہو گیا۔

ان غمناک حالات میں بھلا صحت و تندرستی رہ سکتی تھی۔ دمہ کا مرض لگا اور دیمک کی طرح کھا گیا جس نے آخر جان لیکر چھوڑی اور آپ ۱۹۲۳ء کو لکھنؤ میں فوت ہوئے۔ محشرؔ لکھنوی نے تاریخ وفات کہی۔ [1]

کلکِ محشرؔ نے لکھا سالِ وفات   شاعرِ کامل نظرؔ سے چھپ گیا

نظرؔ دبلے پتلے میانہ قد انسان تھے۔ رنگ گندمی تھا لباس میں سادگی

---

[1] ہندوؤں میں اردو صفحہ ۳۷۸۔

تھی تصنع اور بناوٹ چھوئی تک نہ تھی۔ غیور، خود دار اور متین انسان تھے۔ اخلاق بہت اچھا تھا۔ بہت پائے کے خوشنویس تھے مصوری میں بھی کمال حاصل تھا خط نہایت پاکیزہ تھا۔ شطرنج خوب کھیلتے تھے چوسر اور گنجفہ کا بھی شوق تھا۔

ملک کے بلند پایہ ناقد اور ادیبوں نے آپ کی شاعری کی فضیلت کا اعتراف کیا ہے۔ مرزا محمد عسکری بی اے نے رام بابو سکسینہ کی انگریزی کتاب دی ہسٹری آف اردو لٹریچر کا اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ اس تاریخ میں نظرؔ صاحب کا ذکر نہیں تھا۔ عسکری صاحب نے ضمیمہ میں ان کا ذکر کیا ہے اور یہ رائے دی ہے۔

"کچھ اندوہ یاس ہی پر موقوف نہیں، نظرؔ کے کلام میں سلاست زبان، لطف بیان، اعلیٰ تخییل غرض جملہ محاسن شاعری علی الخصوص وہ سب چیزیں جو غزل کی جان ہیں پوری طرح موجود ہیں۔ وہ غزل خوب کہتے تھے اور اسی صنف میں وہ اپنے امثال واقران میں ممتاز تھے وہ لوگ ان کی بڑی قدر ومنزلت کرتے تھے.. .. .. علاوہ شعر وشاعری کے وہ فن تنقید میں اور نثر نگاری میں بہت ممتاز تھے" ؎

طولِ غم سے مختصر غم کی کہانی ہوگئی
جب بھری اک آہ دل کی نوحہ خوانی ہوگئی

ہر قدم پر ایک نالہ ہر نفس پر ایک آہ
زندگی کیا ایک شرح سخت جانی ہوگئی

جب وہ سرمایہ نشاط نہیں پھر ہمارے لئے خوشی کیسی

ہوئی کس کی نگاہ کو جنبش   دل پہ بجلی سی یہ گری کیسی

دلِ اہلِ حقیقت و عرفاں   زندہ زیرِ مزار رہتا ہے
خاکِ مدفن نہ بادِ تند اڑا   کہ یہاں خاکسار رہتا ہے

مایۂ زندگی سخن سے نظیرؔ
شعر ہی یادگار رہتا ہے

ہر نفس شاہدِ دشواریٔ الفت ہے نظیرؔ
سخت مشکل تھا وہی کام جو آساں سمجھا

یاس و ناکامی سے بے حس قلب مضطر ہو گیا
اب ترا ملنا نہ ملنا سب برابر ہو گیا
آج سنتا ہوں وہ آئے ہیں عیادت کے لئے
کیا مریضِ عشق کا وعدہ برابر ہو گیا

یاس سے ویرانیٔ حسرت کبھی ایسی نہ تھی
دل میں سناٹا نہ تھا، وحشت کبھی ایسی نہ تھی

آپ نے بیمار پرسی کی تو جینا ہے وبال
ورنہ مرنے کی مجھے حسرت کبھی ایسی نہ تھی
زندگی کشمکش سے مر کے پائی کچھ نجات
اس سے پہلے اے نظیرؔ فرصت کبھی ایسی نہ تھی

دو آبہ ہوشیار پور سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۹۶ء کو جاری ہوا۔ مالک و ایڈیٹر پنڈت ہری لال شرما تھے۔ اس اخبار کی پالیسی صلح کل تھی مگر ایک سال سے زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکا اور بند ہو گیا۔

پنڈت ہری لال شرما، شرما جی ۸ بھادوں سمت ۱۹۳۰ بکرمی کو بجواڑہ ضلع ہوشیارپور میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ۱۹۱۲ء میں چالیس سال کی عمر تھی آپ کے والد ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ بندوبست کے عہدہ پر تھے بعد میں تحصیلدار ہو گئے تھے آپ کی جہاں تبدیلی ہوتی تھی ہری لال جی کو اپنے والد کے ہمراہ جانا پڑتا تھا اسی بنا پر آپ کی تعلیم متفرق مقامات پر ہوئی لیکن مڈل کا امتحان آپ نے بھوانی ضلع حصار میں دیا تھا۔ طالب علمی کے زمانہ سے اخبار بینی کا شوق ہو گیا دوران تعلیم سب سے پہلے کوہ نور میں اپنا مضمون چھپوایا۔ پھر آفتاب پنجاب، اگرہ پنچ، ایس ہند اور دوسرے متفرق اخباروں میں کچھ نہ کچھ بھیجتے رہے۔

۱۸۹۴ء میں راولپنڈی کے تاج الاخبار میں ایڈیٹری کے فرائض انجام دیئے۔ تاج الاخبار کی پالیسی قوم و ملک کو متحد کرنے کی تھی۔ آپ نے اسی پالیسی پر اخبار کو چلایا۔ ۱۸۹۵ء کو لاہور آ گئے۔ اس زمانہ میں ایک اخبار "بھارت سدھار" آریہ سماجیوں کا آرگن نکل رہا تھا، اس میں ایڈیٹری کی ذمہ داری سونپی گئی۔ ۱۸۹۶ء کو "دوآبہ" نکالا۔ اسی سال کے آخر میں لاہور آ کر "پنجاب سماچار" کی ادارت سنبھالی اس پرچہ کو آپ نے یہاں تک مقبول کیا کہ ہفتہ وار ایڈیشن کے علاوہ سماچار کا ایک روزانہ ایڈیشن بھی نکلتا تھا۔ اس اخبار کی بھی زندگی زیادہ نہ ہوئی اس سے کنارہ کشی کرنے کے بعد سات سال تک اخباری دنیا سے علیحدہ رہے۔ اس عرصہ میں فوٹوگرافی، گھڑی سازی وغیرہ کاموں میں مہارت حاصل کی اور ہوشیارپور و لاہور میں یہ کاروبار کرتے رہے۔ سات سال کے بعد ۱۹۰۴ء میں ہوشیارپور سے دوبارہ "دوآبہ" جاری کیا۔ پبلک نے اس کی قدر نہ کی ایک سال کے بعد پھر بند ہو گیا۔ اس کے بعد دوبارہ ہری لال جی نے تجارتی زندگی اختیار کی اور جالندھر میں فلور مل قائم کیا۔ اسی درمیان میں پنڈت رام بھج دت چودھری نے اخبار

"ہندوستان" کی ایڈیٹری پر مقرر کیا لاہور چلے آئے۔ چھ سات ماہ کام کرنے کے بعد اس سے بھی علیحدگی اختیار کی۔

۱۹۰۹ء کو لاہور سے "صبح" کے نام سے ایک پریس اور ایک روزنامہ اخبار جاری کیا جس کی زندگی دو ماہ سے زیادہ نہ ہو سکی۔ ۱۹۱۰ء ۱۹۱۱ء میں تیسری بار کاروبار کی لائن میں آ گئے اور ایجنسی کا سلسلہ بھی جاری کیا۔ ۱۴ ستمبر ۱۹۱۱ء کو لاہور سے اخبار ہندو جاری کیا پہلا پرچہ دو ہزار چھپا اور ۱۹۱۲ء میں اس کی اشاعت ڈھائی ہزار تھی۔

پنڈت ہری لال بظاہر متحدہ قومیت ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے مگر ان کا مضمون "اسلامی جوش لگام چاہتا ہے" اور اسی قسم کے مضامین جو ہر پرچے میں شائع ہوتے تھے ان کی پالیسی کو ظاہر کرنے کے لئے کافی تھے۔ پنڈت جی۔۔۔ ذاتی طور پر بہت خلیق و ملنسار تھے اور سادگی کو پسند کرتے تھے۔ بقول منشی محمد دین فوق: "جب کبھی ان سے ملاقات ہوتی ہے تو اس اخلاص و محبت اور بے تکلفی سے پیش آتے ہیں کہ شبہ ہوتا ہے کہ اخبار ہندو کے ایڈیٹر پنڈت ہری لال یہی ہیں یا کوئی اور صاحب ہیں[۱]" آپ ہندو پریس ایسوسی ایشن کے سکریٹری بھی منتخب ہوئے تھے۔

پروانہ میرٹھ سے اکتوبر ۱۸۹۶ء کو یہ ماہنامہ شعر و شاعری کا گلدستہ جاری ہوا۔ صفحات ۲۲ سے ۲۶ تک ہوتے تھے۔ مالک مولانا احمد حسن صاحب شوکت میرٹھی تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ شوکت المطابع میں طباعت ہوتی تھی۔

---

[۱] اخبار نویسوں کے حالات صفحہ ۲۴

اس رسالہ کا پہلا مقصد ایشیائی شاعری کی اصلاح کرنا اور اعلیٰ درجہ کی ایشیائی نظم خواہ سوشل ہو یا پولٹیکل ہو چھاپنا تھا بلکہ پروانہ کمیٹی علیٰ قدرمراتب انعام بھی دیتی تھی تاکہ نئی روشنی والے جو ایشیائی شاعری سے ناواقف ہیں اور اس وجہ سے اس کو حقیر سمجھتے ہیں، ان کی راہ میں ایسی مشعل توفیق رکھی جائے کہ آنکھیں کھل جائیں اور ان کو دکھایا جائے کہ انیسویں صدی جس کو اپنی ہر قسم کی ترقی پر ناز ہے وہ ایشیائی شاعری کا نمونہ دکھائے تو سہی۔

شوکت صاحب پروانہ میں عام رسالوں کی طرح ہر کس و ناکس کا رطب و یابس کلام شائع کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ مضبوط اور مربوط ٹھوس کلام چھاپنے کے مدعی تھے اور ایک عجیب و غریب انہوں نے شرط رکھی تھی کہ جو پیشگی چندہ بھیجے گا ان ہی حضرات کی غزلیں شائع ہوں گی۔

اس رسالہ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس میں ۹۹ فی صدی جناب شوکت اپنے شاگردوں کا کلام شائع کرتے تھے جس میں ادبی، تنقیدی مضامین بھی شائع ہوتے تھے اور شوکت صاحب ہندوستان کے مشہور و معروف شاعروں کے کلام پر تنقید و تنقیص بھی کرتے تھے۔

داغ دہلوی کو بھی یہ عزت و توقیر حاصل ہوئی ہے کہ ان کی غزل میں نقائص نکالے گئے ہیں، تنقید کی گئی ہے، اصلاح بھی دی گئی ہے۔ دسمبر ۱۸۹۹ء کے پروانہ میں دیکھئے۔ ؎

جس سے جو کچھ بن پڑا، بے نام اس کا اسکے ساتھ
جام با جمشید نازد با سکندر آئینہ

آغا حضرت داغ فارسی کی ٹانگ بھی توڑ نہ، خاصہ مضمون بے واقعہ ہے مگر۔ ؎

آدھا تیتر آدھا بٹیر   داغ کا یہ دیکھو اندھیر

ایک ہی صورت جو بن جائے یہ اچھی فال ہے
آؤ دیکھیں ہم بھی تم بھی آج مل کر آئینہ

دوسرے مصرعہ میں آج کی جگہ صبح بنا دیجئے کیونکہ اکثر پرانے فیشن کے لوگ اندھیرے منہ بستر سے اٹھتے ہی آئینہ میں سب سے پہلے اپنا منہ دیکھ لیتے ہیں تاکہ دوسرے کا منہ دیکھنے سے بدشگونی نہ ہو اور آج سے بھی خوب ہے

اب تو یہ ٹھیری ہے دیکھیں کون ہو حیرت زدہ
رات بھر ہم ان کا منہ دیکھیں، وہ دن بھر آئینہ

خوب شعر ہے۔ سہ

آج اس کو شکل میری دیکھ کر نفرت ہوئی
آنکھیں پھوٹیں میں نے دیکھا ہو جو دن بھر آئینہ

آپ کو آئینہ دیکھنے کی کیا ضرورت تھی عاشقوں کو تو خوش غلاف سر جھاڑ منہ پھاڑ رہنا چاہئے۔ دوسرا مصرعہ یوں پڑھئے۔ ع

پھوٹیں آنکھیں میں نے دیکھا ہو جو دن بھر آئینہ

وجہ سمجھ جائیے کہ تقطیع میں آنکھیں کی یے اور نون کی کتنی دیتی تھی۔ سہ

ذکر مے سے کس قدر آتی ہے سرخی رنگ میں
حضرتِ واعظ رکھیں بالائے ممبر آئینہ

بے جوڑ، خبط لغو، بیہودہ، بے معنی۔ وعظ کو سرخی رنگ سے اور واعظ کو مے سے کیا علاقہ۔ سہ

لاؤ مجھ کو دو کہ خود سینے سے اپنے میں ملوں
ایسی صیقل ہو گی بن جائے گا خنجر آئینہ

سینے سے مل کر خنجر کو صیقل کرنا طرفہ ایجاد ہے۔ یوں کہئے۔ ع

اُڑ جائے گر دو دکھ دھوؤں اپنا غموں حل کر کے

ع؎ یہ دلِ نازک گدازِ غم سے پانی ہو گیا
گھر ہی گھر میں گھل گیا اندر ہی اندر آئینہ

گھر ہی گھر کے اندر ہی اندر، گھر شاید باہر ہی باہر ہوتا ہے شعر ہے یا کلفی طرہ والوں کی لاونی یا سونٹھ کا پانی اور چمرن بیچنے والوں کی ہانک، دوسرا مصرعہ یوں بدل دیجئے۔ ؎

ہے تماشہ گھل گیا اندر ہی اندر آئینہ

ع؎ داغ یہ بزمِ سخن کیا عالمِ تصویر ہے
ہاتھ میں رکھتا ہے گویا ہر سخنور آئینہ

پہلا مصرعہ یوں فرمائیے۔ ع؎

داغ یہ بزمِ سخن یا عالمِ تصویر ہے
باقی بچے ہمسائے مہرے یہ کشت اور روبات"

منشی ریاض احمد صاحب ریاض خیر آبادی کی غزل پر بھی اکتوبر ۱۹۰۲ء کے شمارے میں اعتراضات کئے گئے ہیں اور اصلاح سے نوازا گیا ہے۔

"ماشاءاللہ آپ شوخ طبیعت رکھتے ہیں مگر مندرجہ ذیل غزل تو کانٹے کی نہیں، یہ تو چشمِ بینا میں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے یا تو ہمارے عزیز ریاض کا دل نہیں لگا یا استاد جی نے قابلِ اصلاح نہیں سمجھا خیر ماحضر لیجئے۔ ع؎

کہیں تو پاؤں دھرنے کا ٹھکانا جوشِ وحشت ہو
کہاں جاؤں جو مجھ پر تنگ میدانِ قیامت ہو

پاؤں دھرنے کا ٹھکانا ہے البتہ پاؤں دھرنے کی جگہ

ٹھکانے کی بات ہے۔ مصرعِ اولیٰ یوں فرما دیجئے۔ ؎

کہیں تو پاؤں دھرنے کی جگہ لے جو غنی وحشت ہو

؎ خداوندا یہی مے اس کو شہد و شیرِ جنت ہو
جو رندِ صاف باطن ہو جو رندِ پاک طینت ہو

اگرچہ مصرعۂ اولیٰ میں "شہد و شیر" صاف پاک کی چاشنی ہے مگر مزہ نہیں اور دوسرے مصرعہ میں رند، رند کا تکرار تھگڑا ہے۔ سارا شعر قابلِ اصلاح ہے۔ ؎

یہی مے شیخ تجھ کو رشکِ شہد و شیرِ جنت ہو
جو تو پیرِ مغاں سے صاف باطن پاک طینت ہو

؎ شبِ غربت میں نکلے چاند یہ قسمت کہاں اپنی
نہیں ممکن کہ تارا بھی چراغِ شامِ غربت ہو

غربت ہو الاول، ہو الآخر، پھر ظرف "شب" کے ساتھ "میں" دم کا چھلا، ہرگز قیاس میں نہیں آتا کہ یہ شعر ریاض جیسے سخنور کا اور پھر امیر کی اصلاح ہو۔ اصلاح ذرا غور سے دیکھئے۔ ؎

سیہ بختی سے نکلے چاند یہ قسمت کہاں اپنی
وہ تارا ڈوب جائے جو چراغِ شامِ غربت ہو

سیہ بختی سے چاند کا نکلنا ذو محل ہے ذرا کاوش سے پرکھئے پھر غربت کا تکرار دور ہو گیا اور خوبی پیدا ہو گئی۔ ؎

نہ وقتِ نزع پھیر آنکھیں چھلکتے جام سے زاہد
ترے ہاتھ میں شاید آبدیدہ حورِ جنت ہو

ریاض کی طبیعت شوخ ضرور ہے اور چل نکلنے کو کہتی ہے مگر طاقت

نہیں۔ بندش الجھی ہوئی ہے نہ وقتِ نزع نفی اور فعل کے مابین مداخلت بے جا ہے۔ افسوس کہ ہمارے شاعران غزل تراکیب کے الٹ پھیر میں قادر نہیں، نہ کوندتی ہوئی طبیعت رکھتے ہیں اور اس مرض میں بڑے مشہور لوگ مبتلا ہیں۔ اصلاح میں شعر کا پایہ دیکھئے بہ

دمِ آخر نہ پھیر آنکھیں، چھلکتے جام سے زاہد
اگر مدنظر ہے آبدیدہ حورِ جنت ہو

کوئی بات اٹھ رہی تھی کوہ کن کا کام بننے میں
اب اس کو کیا کرے کوئی برائی پر جو قسمت ہو

بات کا اٹھانا ظاہر کیجئے چپ نہ بیٹھئے۔ المعنی فی بطن شاعر ٹھیک نہیں۔ دوسرا مصرعہ یوں کہہ دیجئے۔ ع

اب اس کو کیا کریں سر پھوڑنا جب اس کی قسمت ہو

دیکھئے ذرا سے تبدل نے پوری تلمیح کھول دی۔ سہ

وہ شب آئے کہیں تم شرم کے پتلے بنے چپ ہو
سناتے ہو تمہیں ہم کو سنے اہم کو نزاکت ہو

خوب شعر ہے۔ معاملہ خوب کھولا ہے مگر مصرعہ اولیٰ میں شب کی جگہ رات بنا دیجئے ورنہ الف کے شعر کے سر پر ثقل کا کلہاڑا لئے کھڑا ہے۔ سہ

ہمیں کیا بھر دیئے ہوں کوٹ کر موتی جو قدرت نے
ہمارے کام کی وہ آنکھ ہے جس میں مروت ہو

بہت خاصہ شعر ہے۔ باقی اشعار معمولی ہیں جن میں اصلاح دینے کو جی نہیں چاہتا۔ ہم نے اپنے پیارے ریاض کو بارہا سمجھایا کہ

اب تو دنیا پر تجدید کا قبضہ ہے پرانے شعراء کے سروں میں خول ہی خول ہے مغز نہیں۔ مگر معلوم نہیں پتے کی بات کیوں سمجھ میں نہیں آتی۔ یہی غزل اگر اصلاح ہو کر پروانہ میں چھپتی تو تحت الثریٰ سے اٹھ کر فلک الافلاک کی چوٹی پر جا کھلی لگاتی۔ انشاء اللہ، حال کو حجت نہیں جب چاہو آزما لو۔"

جناب شوکتؔ دوسرے کے کلام پر اعتراض کر کے شان مجددی دکھاتے تھے لیکن ان پر کوئی اعتراض کرتا تو اس کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ اپنے ایک معترض پر اکتوبر ۱۸۹۹ء کے پرچے میں اس طرح برسے ہیں، گستاخی کا مزہ کیوں چکھایا ہے:

"نہ صرف اب بلکہ گذشتہ کاملان فن پر بھی حاسدوں نے حشرات الارض کی طرح خروج کیا ہے۔ مگر چند روز میں مٹ گئے ہیں۔ ... سب سے زیادہ کامل وہی ہے جس کے سب سے زیادہ حاسد ہوں۔ عرفی لکھتا ہے۔ ؎

کدام شہوت از آبائے سبعہ شد صادر | کدام نطفہ کہ از امہات اربعہ زاد
کہ روزگار ہمولود، دشمنان توام | دو صد کرشمہ نیفشاند و مبارکباد

یعنی جو شہوت آبا سبعہ (ہفت افلاک) سے صادر ہوئی اور جو نطفہ امہات اربعہ چار عنصر سے پیدا ہوا، زمانہ نے جڑواں دشمنوں کے پیدا ہونے پر مبارکباد کے دو سو کرشمے جھاڑے کہ عرفی کے دشمن پیدا ہوئے۔ ہم چند روز سے دیکھ رہے ہیں کہ اپنے دلی کھنگروں (استادوں) کے خوش کرنے اور ان سے آزرقہ پھٹکارنے کو "پروانہ" کے خلاف رسالے نکال رہے ہیں کچھ تو زمین

کا پیوند ہو گئے اور کچھ سسک رہے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ بعض اساتذہ و خود کئی رسالے نکال بیٹھتے ہیں۔ وہ اپنے پیٹ کا آٹا گاتا گائیں یا ان کا پیٹ بھریں۔ پیر برلش خود ماندہ پس یہ بچارے پیٹ بجاتے اور اپنے مہرپرستوں کو کوستے دنیا سے مفقود ہو جاتے ہیں۔ ایک مبتذل پرچے نے پروانے کے خلاف خروج کیا اور سب سے پہلے پروانہ ہی پر کمہار کے گدھے کی طرح ڈھینچوں ڈھینچوں کر کے دولتیاں پھینکیں۔ یہ خرِ بے دُم ایک صحیح مصرعہ موزوں نہیں کر سکتا۔ ہم نے اس کی خرافات اب تک رسالے میں دیکھیں جگر مجد مدبر منہ آنے کو موجود۔ اساتذہ تو اسی پیچ و تاب میں زندہ درگور ہو گئے۔ یہ جاہل مطلق ان کا وارث و جانشین بنا ہے۔ پھر اس بدبخت کی بڑی شامت یہ ہے کہ ہمارے کلام کا محمل اور بلاغت بلکہ نفس مطلب تک سمجھتے ہیں آنکھیں مانگ رہا ہے اس ناس بوتے پر اعتراض کرنے چلا ہے مجددہ کا کلام سمجھنا خالہ جی کا گھروندا سمجھا ہے۔"

"پروانہ" میں جناب شوکت نے ۹۹ فی صدی اپنے شاگردوں کا کلام چھاپا ہے۔ اعتراض کرنے والے کوئی اعتراض کریں ہمیں یہ فائدہ ہوا ہے کہ ان کے شاگردوں کی ایک فہرست مل گئی۔ ان کو روشناس کرانے کے لئے ان کا منتخب کلام شائع کیا جاتا ہے۔

جناب سید محمد سجاد حسین کیفؔ مدیر پروانہ۔ ؎

ہیں ہم تو نالۂ بلبل کے قائل — کہ پھونکا آپ اپنے آشیاں کو
ہوا دار اس چمن کا ہوں میں اے کیفؔ — گذر جس میں نہیں رنگِ خزاں کو

منشی محمد شفیع صاحب وجدؔ دہلوی۔ ؎

یہ کیا سوجھی غبارِ ناتواں کو ملا بیٹھا زمیں سے آسماں کو
وہ بولے ناز سے سنکر فغاں کو بناؤ اور دشمن آسماں کو

منشی عبدالمجید صاحب حیفؔ میرٹھی۔ ؎

زبانِ حال سے کہتا ہے ہر برگ نہ دیکھو باغ، دیکھو باغباں کو
اگر دیکھے اُدھر تنکے چنے برق بناؤں اس چمن میں آشیاں کو

(اکتوبر ۱۸۹۶ء)

مولانا محمد شفیع صاحب ناصرؔ رامپوری۔ ؎

حسابِ زندگی ہے دفترِ عشق پریریاں
حسابِ دوستاں دردل سمجھ لے بے خبر برسوں
طوافِ کعبۂ دل کیوں نہ حاصل ہو مجھے ناصرؔ
گھسا ہے فرقِ طاعت نے کسی کا سنگِ در برسوں

جناب محمد سلیم صاحب سلیمؔ محرر مویشی خانہ روشنگ پور ضلع اٹاوہ ؎

وہ عالم تھا لڑکپن میں کسی کے روئے تاباں کا
کہ پاتے تھے اسی سے روشنی شمس و قمر برسوں
بھٹکتے ہی رہے ہم مسلکِ عرفان ایزدی میں
ملا اس راہ میں کوئی نہ کامل راہبر برسوں

جناب سید امیر علی صاحب ولاؔ ازپنڈرا ریلا سپور ؎

طبیعت میں ہم اپنی بے کلی لے گل جو پاتے ہیں
گلوں سے دل کو بہلانے سوئے گلزار جاتے ہیں
مقرر وہ بنائیں گے اسے اغیار کا مسکن
جھگڑا کر مجھ سے میرا گھر جو ویرانہ بناتے ہیں

(اپریل ۱۸۹۸ء)

مولوی محمد غوث الاسلام صاحب غوث رامپوری سے

شکایت پر اسی دشمن کی اب ہم سے بگڑتے ہو
یقیں رکھتے تھے جس کی بات پر تم بے گماں پہلے

سمجھنا چاہئے اس کو گدائے کوچۂ جاناں
ثنائے معبر کا اپنے، جو گنج شائیگاں پہلے

چودھری محمد ناہر علی خاں مضطر رئیس گوہانہ ضلع رہتک۔ سے

حیف چھوڑا کوئی کافر نہ مسلماں تو نے
دین رکھا نہ کسی کا، کسی عنواں تو نے

ہوں وہ لاغر کہ ابھی روزنِ در سے جاؤں
کیا ہوا در پہ بٹھائے جو نگہباں تو نے

جناب مستری محمد ابراہیم صاحب جدت از جالندھر۔ سے

تجھ پہ جان دینے کو لاکھوں ہی جھکے پڑتے ہیں
کر لیا کتنا گراں، نفیس کو ارزاں تو نے

دشت وحشت میں قدم بڑھ کے لئے کانٹوں نے
بات رکھ لی مری، اے خار بیاباں تو نے

(مئی ۱۸۹۸ء)

جناب حکیم محمد اکمل صاحب اکمل معالج دربار شاہی و مہتمم بیر دارالشفا یونانی نیپال۔ سے

گل چیں کی کچھ خطا نہ گلہ باغباں سے ہے
بلبل کا خود چمن میں جفائے خزاں سے ہے

بکنے دو واعظوں کو مجھے ان سے کام کیا
قسمت کا میری فیصلہ ان کی زباں سے ہے

منشی عبدالمجید صاحب یاس منصرم قانون گو سلطان پور۔ ؎

اے قبر کوئی لمحہ باز آ فشار سے
کیوں اتنی دشمنی تجھے اس مہماں سے ہے
خواہش نہ حور کی، نہ جنت کی آرزو
الفت اگر ہے دل کو تو کوئے بتاں سے ہے

حاجی محمد امیر حسن صاحب امیر انصاری انبیٹھوی سہارن پوری خادم درگاہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی۔ ؎

یہ حالت ہو مری وقتِ سفر شوقِ مدینہ میں
پھٹے کپڑے ہوں تن پر پاؤں میں چھالے پہ چھالا
بیاں کس سے امیر بے نوا ہو ہجر کا قصہ
جرس کی طرح فریاد و فغاں کرتا ہے ہر نالا

مولانا اسلم صاحب اسلم جیراج پوری از بھوپال۔ ؎

ظالم خفا اگرچہ دلِ نیم جاں سے ہے
مجھ کو مگر لگاؤں اسی دل ستاں سے ہے
اسلم یہ سب ہیں اپنے مقدر کی خوبیاں
شکوہ نہ یار سے، نہ گلہ آسماں سے ہے

جناب مستری قادر بخش صاحب شاد از شملہ۔ ؎

ہیں مہ جبیں تو اور بھی، لیکن یہ ہٹ نہیں
جو بیع نرالا آپ کا سارے جہاں سے ہے
سن لیں خزاں میں تیری بھی ہم آہ و زاریاں
بلبل ہمیں تو کام ہی آہ و فغاں سے ہے

(۱ اکتوبر ۱۸۹۹ء)

منشی گوبند سہائے نغاں فرخ آبادی۔ سہ

ہمارا ضبط الفت محوِ کلفت بے زباں ہو کر
ہماری خامشی فریاد کرتی ہے نغاں ہو کر
غضب ہے ہم نہ پہنچیں، وہ بلائیں مہرباں ہو کر
پڑے سر پہ ہماری ناتوانی آسماں ہو کر

منشی احمد حسین صاحب حمد میرٹھی۔ سہ

میں وہ بیکس ہوں کہ جب عالم فانی سے گیا
ساتھ دیتا مرا، سائے سے بھی اتنا نہ ہوا
مجھ سے اے حمد گلستان سخن ہے شاداب
رنگ محفل کا اسی وجہ سے پھیکا نہ ہوا

جناب مولانا شیخ ارشاد نبی ارشاد قریشی میرٹھی۔ سہ

باغ جہاں میں گرچہ بہت گلعذار ہیں
بوئے وفا نہ ہو تو یہ سب مثلِ خار ہیں
کس بے گناہ کا نالہ ہم آہنگ صور ہے
مردے جو آج زیر زمیں بے قرار ہیں

(اکتوبر ۱۹۰۰ء)

ان شاعروں کے علاوہ مولوی مولابخش واصف گجراتی، کالکا پرشاد کمترین جون پوری، مولوی محمد منیر شوق، منشی تاج، مولوی افتخار علی اختر، مولوی محی الدین عاقل میرٹھی، مولوی سید ستار حسین شوقی، محمد اکرام اللہ خاں بیخود میرٹھی، منشی محمد یعقوب ریاضی مدراسی، پیارے لال شاکر میرٹھی، محمد رفیق داد خاں رفیق میرٹھی، منشی منیر الدین خلش میرٹھی بھی شوکت صاحب کے شاگرد تھے۔

بمبئی پنچ بہادر بمبئی سے ۱۸۹۶ء کو یہ ہفتہ وار اخبار شائع ہوا۔ آٹھ صفحات پر نکلتا تھا۔ مالک حکیم محمد عبدالحمید فرخ دہلوی تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا فی کاپی دو پیسہ قیمت تھی۔ پہلے مطبع حمیدی میں چھپتا تھا، بعد میں مطبع شہابی میں چھپنے لگا۔

خورشید انور مہارن پور بازار بساطیان سے یہ ہفتہ وار اخبار جنوری ۱۸۹۶ء کو جاری ہوا۔ مالک لالہ شنکری پرشاد، ایڈیٹر محمد شریف اللہ شریف تھے چندہ سالانہ چھ روپیہ تھا۔ مطبع بلبل ہند میں طباعت ہوتی تھی۔

تازہ اخبار یہ ہفتہ وار اخبار پنڈدادنخاں سے ۱۸۹۶ء کو جلوہ افروز ہوا ہر چہار شنبہ کو نکلتا تھا۔ آریہ سماجیوں کا ترجمان تھا۔

۷ر فروری کے شمارے میں ایڈیٹر ریاض الاخبار مرزا عبداللہ حسرتی کو ڈھائی سال قید اور دو سو روپے جرمانہ ہوا اس کی خبر شائع ہوئی ہے۔

بمبئی اودھ پنچ بمبئی سے یہ ظریفانہ اخبار ۱۸۹۶ء کو نمودار ہوا۔ ہفتہ وار جمعہ کو آٹھ صفحات پر شائع ہوتا تھا۔ عبداللہ خاں جوہر ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ دو روپیہ تھا مطبع دت پرسا میں چھپتا تھا۔

اس کے ایڈیٹر نے ایک منظوم اشتہار مرتب کیا تھا جو تقریباً ہر ایک پرچے میں شائع ہوتا تھا۔ ملاحظہ ہو: ــ

اودھ پنچ کیا خوب اخبار ہے — توجہ شریفوں کی درکار ہے
کمینوں کو یہ منہ لگاتا نہیں — بخیلوں کے نخرے اٹھاتا نہیں
اسے جانتے ہیں وہی صدرجہاں — مذاقِ سخن کے جو ہیں قدرداں
مخالف کی کیا بات جو یہ چوں کرے — گدھے کی طرح بس وہ ڈھیچوں کرے

ہیں شاہ سخن اس کے نامہ نگار ہیں مالک معانی کے وہ شہریار

حسد سے عدو کے نہیں مجھ کو کام

زباں تیغ ہے اور جوہر کلام

زندہ دل لکھنؤ محلہ گھسیاری منڈی سے یہ ہفتہ وار اخبار ۵ جنوری ۱۸۹۶ء کو جاری ہوا۔ بارہ صفحات پر نکلتا تھا۔ سید محمد رضا متیج مالک وایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا مطبع نگارستان میں طبع ہوتا تھا۔

جوہر ہند ریواڑی سے یہ ہفتہ وار پرچہ ۱۸۹۶ء کو شائع ہوا۔ بارہ صفحات پر نکلتا تھا۔ منشی گنگا پرشاد بہار گوا مالک تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ ریواڑی پریس میں چھپائی ہوتی تھی۔

الرشید یہ ہفتہ وار اخبار ۱۸۹۶ء کو محلہ سبزی منڈی الہ آباد سے وجود میں آیا۔ ہر دوشنبہ کو نکلتا تھا۔ بارہ صفحات پر مشتمل تھا منشی حامد حسین مالک و مہتمم تھے سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ مطبع الرشید میں طباعت ہوتی تھی۔

اخبار ریاض الاخبار کے ایڈیٹر و مالک مضمون نگار کی سزایابی کی خبر الرشید میں ذرا تفصیل کے ساتھ فروری ۱۸۹۰ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔

"مقدمہ ریاض الاخبار میں ملزمین مرزا عبداللہ حسرتی کو ڈھائی سال سزائے قید مبلغ تین سو روپے جرمانہ اور حافظ نظام احمد مالک اخبار پر مبلغ سو روپیہ جرمانہ عبدالرحمن مضمون نگار کو نو ماہ سزا دی گئی۔ یہ بھی سنا جاتا ہے کہ ایڈیٹر اور پروپرائٹر میں نااتفاقی پیدا ہوگئی تھی۔ گورکھپور کی پبلک نے بھی اس مقدمہ میں جو پہلو تہی کی ؤ ضرور اس قابل ہے کہ ان سے ایڈیٹر اور اخبار نویس نوٹس لیں۔"

آئینہ عالم یہ پندرہ روزہ اخبار ۱۸۹۶ء کو جھانسی سے جلوہ افگن ہوا۔ پہلے مالک اجودھیا پرشاد اور بعد میں ہیرالال شنکر لال ہوئے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ اس کے سرورق پر یہ شعر درج تھا۔

کفر ست در طریقت ما کینہ داشتن   آئینہ ماست سینہ چو آئینہ داشتن

سفیر بمبئی سے یہ اخبار فروری ۱۸۹۶ء کو نمودار ہوا۔ ہفتہ میں دو بار نکلتا تھا۔ عبدالرحمٰن مالک تھے چار صفحات پر مشتمل تھا۔ قیمت فی پرچہ ایک پیسہ تھی علوی پریس محلہ حیدری بازار میں چھپتا تھا۔ بعد میں یہ اخبار ہفتہ وار نکلنے لگا تھا۔

جسٹس دی پیس آف بمبئی بمبئی سے یہ ہفتہ وار اخبار اکتوبر ۱۸۹۶ء کو شائع ہوا۔ ہر یک شنبہ کو چار صفحات پر نکلتا تھا۔ بدرالدین غالب ایڈیٹر و مالک تھے، سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ پرشاد پریس میں طبع ہوتا تھا۔

جامع العلوم جنوری ۱۸۹۶ء سے یہ ہفتہ وار اخبار مرادآباد سے جاری ہوا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ انبا پرشاد مالک تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔

اس میں مسمریزم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ہر شخص کے سوالات کے جوابات، روزمرہ کے جدید تجربات اور مشکل امور کی تشریحات درج کی جاتی تھیں۔

ملک و ملت یہ ہفتہ وار اخبار حیدرآباد دکن سے ۱۸۹۶ء کو وجود میں آیا۔ جناب سید احمد ناطق اس کے ایڈیٹر و مالک تھے۔

۱۸۹۷ء

مختصر حلہ نیول جنوری ۱۸۹۷ء کو یہ ہفتہ وار اخبار نیوں سے جاری ہوا۔ مالک و ایڈیٹر ڈاکٹر تھیوڈور لائٹن پینل صاحب تھے۔ اس کے ایڈیٹر جناب پیارے لال شاکر وغیرہ رہے ہیں۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ دس آنے تھا۔ اس میں مسیحی حالات اور مشنریوں کی کارروائیاں اور تازہ و تازہ خبریں درج ہوتی تھیں۔ [1]

ڈاکٹر تھیوڈور لائٹن پینل: ڈاکٹر صاحب ۱۸۶۷ء کو پیدا ہوئے ۱۸۸۶ء کو بی۔ ایس۔ سی کا امتحان پاس کیا ۲۴ر نومبر ۱۸۹۰ء کو آپ نے مشنری سوسائٹی کو بلا معاوضہ اپنی خدمات پیش کیں۔ اس سوسائٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ ڈاکٹر صاحب نصرانیت کی تبلیغ کرنے کے لئے ہندوستان جائیں۔ ہندوستان روانہ ہونے سے پہلے ڈاکٹر صاحب نے اردو سیکھی۔ اکتوبر ۱۸۹۲ء میں ہندوستان روانہ ہوئے۔ کراچی پہنچے، جہاں سے انہیں ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں بھیج دیا گیا۔ پشتو زبان سیکھتے رہے اور

---

[1] تاج التواریخ ص۔

ہندوستان آتے ہی انہوں نے پٹھانی لباس پہننا شروع کر دیا اور زندگی بھر اسی لباس میں رہے۔

ستمبر ۱۸۹۲ء کو ڈاکٹر صاحب نے بنوں جانے کا فیصلہ کیا۔ وہاں پہنچے تو انہوں نے مشن کی طرف سے ہسپتال کھولا اور جنوری ۱۸۹۴ء کو بنوں میں مسیحی جہاں خان کے ساتھ دورہ شروع کیا۔ وہ دونوں پیدل چلتے تھے اور دوائیوں کا صندوق ایک گدھے کی پیٹھ پر لاد لیتے تھے۔ مریضوں کو دوائیاں تقسیم کرتے جاتے تھے، زخمیوں کی مرہم پٹی بھی کرتے اور یسوع مسیح کا کلام سناتے تھے اور لوگوں کو عیسائی بنانے کی تلقین کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو اس سلسلہ میں بہت سی مرتبہ ماریں کھانی پڑیں، ان کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی لیکن ڈاکٹر صاحب تبلیغ مسیحی سے باز نہیں آئے۔

ڈاکٹر صاحب میں بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ مریضوں کے ساتھ یکساں سلوک کرتے تھے اور پیار و محبت سے پیش آتے تھے۔ ان کی ہمیشہ یہی کوشش ہوتی تھی کہ مشن ہسپتال میں چھوٹے بڑے غریب و دولت مند کا امتیاز مٹ جائے۔ اور کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ وہ چونکہ غریب ہے اس کا علاج امیر کی طرح نہیں کیا گیا۔ چنانچہ ڈاکٹر پینل نے اپنی تمام عمر نصرانیت کی تبلیغ کرنے اور غریبوں کا علاج معالجہ کرنے میں گذاری اور آخر علاج کرتے کرتے ایک خطرناک مریض کے مرض کا شکار ہو گئے۔ وہ مریض جس کا زخم سڑا ہوا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے پاس ۱۵ مارچ ۱۹۱۲ء کو آپریشن کے لئے آیا چونکہ مرض متعدی تھا ڈاکٹر صاحب کو لگ گیا اور ڈاکٹر بنوں ہی میں ۲۰ مارچ کو فوت ہو گئے۔ [1]

---

[1] صلیب کے علمبردار ص۲۴۸

منشی پیارے لال شاکر: آپ ۱۲ مارچ ۱۸۸۰ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا جب کہ آپ کے والد کی عمر ۱۰ سال کی تھی عیسائی ہو گئے تھے۔ شاکر صاحب پیدائشی مسیحی ہیں۔ ابتدائی تعلیم گھر میں ہوئی۔ اس کے بعد چرچ مشن ہائی اسکول میرٹھ میں تعلیم پائی۔ بڑے بھائی ۱۸۹۵ء میں فوت ہوئے جس کی وجہ سے گھر کی ذمہ داری ان پر آ پڑی اور تعلیم کو خیرباد کہنا پڑا۔ دس برس کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ ۱۸۹۶ء میں آپ نے اسکول چھوڑا اور پنجاب کی طرف رخ کیا۔ مشن ہسپتال لاہور میں کمپونڈری پر ملازمت کی۔ اس کام میں دل نہیں لگا، چھوڑ کر فیروزپور چلے گئے۔ وہاں آرسنل ورکشاپ میں دس ماہ تک فرٹ کا کام کیا۔ یہ کام بھی پسند نہیں آیا، پٹیالہ چلے گئے۔ اس وقت ان کے والد وہاں موجود تھے۔ انہوں نے ان کو مہندر کالج میں داخل کرا دیا۔ تعلیم میں جی نہیں لگا، وہاں سے مظفر نگر پہنچے۔ یہاں مشن سکول میں ٹیچری کی ملازمت پر مامور ہوئے۔ ساڑھے تین سال تک یہ کام انجام دیتے رہے۔ ٹیچری کے زمانہ میں مضمون نگاری کا شوق پیدا ہوا۔ جلسوں کی رپورٹیں اخبارات میں بھیجنی شروع کیں۔ ۱۹۰۴ء میں جب کہ آپ کی عمر ۲۵ سال کی تھی "تحفہ سرحد بنوں" کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ تین سال تک یعنی جون ۱۹۰۷ء تک بنوں میں رہے۔ اس اخبار میں زیادہ تر مضامین و خبریں عیسائی مشنریوں کی ہوتی تھیں اس لئے انہیں اس اخبار میں ادبی خدمت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ۱۹۰۷ء میں کان پور میں رسالہ زمانہ سے وابستہ ہو گئے۔ ۱۹۰۸ء تک منیجری اور سب ایڈیٹری کے فرائض انجام دیتے رہے۔ الہ آباد میں تخزن مسیحی میں مارچ ۱۹۰۹ء سے مئی ۱۹۱۱ء تک اسسٹنٹ ایڈیٹر رہے۔ رسالہ ادیب کے سب سے پہلے ایڈیٹر منشی نوبت رائے صاحب نظر لکھنوی تھے۔ جب وہ اس سے علیحدہ ہو گئے تو ان کو انڈین پریس کے مالک

نے بلوایا۔ جون ۱۹۱۱ء میں کام کرنا شروع کیا تو اس وقت ۲۵ے کی اشاعت تھی ۱۹۱۲ء میں ۱۲۰۰ کے قریب اشاعت ہو گئی تھی اور اعلیٰ پایہ کے اہل قلم اپنے مضامین بھیجنے لگے تھے۔[1] رسالہ ادیب جب بند ہو گیا تو عصر مصور رسالہ لکھنؤ سے نکالا، جو دو برس سے زیادہ نہیں چلا۔

آپ کی شادی بابو نلو کو موہن ٹیگور کی صاحبزادی سے ہوئی جو مہاراجہ جوتندر موہن ٹیگور کی حقیقی بھتیجی تھی۔ بنگال میں یہ خاندان بہت مشہور ہے۔ آپ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات پر ایک کتاب تصدیق المسیح لکھی ہے۔ کالی داس کی رت سنگھار کا ترجمہ اردو نظم میں کیا ہے۔ سید محمد مرتضیٰ بیان، یزدانی کی کلیات کو آپ نے مرتب کیا ہے۔

پادری رجب علی کے بعد آپ دوسرے شخص ہیں جو ہندوستانی مسیحوں میں اردو کا اعلیٰ مذاق رکھتے تھے اور غیر مسیحی دنیا میں عزت کے ساتھ مشہور تھے۔[2] شاکر صاحب کو شاعری کا شوق ۱۹۰۱ء سے ہوا۔ ۱۹۰۲ء میں جناب شوکت میرٹھی کو کلام دکھانا شروع کیا۔ غزلوں کے ساتھ جدید مذاق کے مطابق نظمیں کہتے تھے رباعیاں کہنے کی خوب مشق تھی۔ کلام میں شوخی اور متانت ہے۔ چند رباعیاں درج کی جاتی ہیں۔[3]

دنیا کی بلا سر سے ہٹی جاتی ہے
میعاد اسیری کی گھٹی جاتی ہے
ہونے کو قطع سلسلۂ ہستی کا
جو پاؤں کی بیڑی ہے کٹی جاتی ہے

دل بجھ گیا ہے دل کے داغ اب تک نہ بجھے
سوزِ الم فراغ اب تک نہ بجھے

---

[1] اخبار نویسوں کے حالات ص ۸۶ [2] ایضاً ص ۸۷ [3] خمخانہ جاوید چہارم ۳۲۴

تھی سینے میں جو ہوس دھواں بن کے اٹھی
محفل کے مگر چراغ اب تک نہ بجھے

منہ مانگے در یگانہ دے گا تجھ کو | سو طرح سے آب و دانہ دے گا تجھ کو
غم رزق کا کھا رہا ہے کیوں اے احمق | سو طرح سے آب و دانہ دے گا تجھ کو

اس دارِ محن میں آہ خورسند ہے تو
او خاک نشیں! زمیں کا پیوند ہے تو
دل دولت فقر سے غنی کر منعم!
کیوں حرصِ زر و مال میں پابند ہے تو

وصل کے وعدے رقیبوں سے وفا ہوتے ہیں
میں ہی بدبخت ہوں محروم رہا جاتا ہوں
پشت خم مجھ کو بڑھاپے میں نہ سمجھے کوئی
بارِ عصیاں سے زمیں پر میں جھکا جاتا ہوں

دنیا کو عجب طرفہ تماشا پایا | اک حال پہ قائم نہیں حاشا پایا!
جب نظروں میں تو لا اسے ہم نے شاکر | تولہ کہیں پایا، کہیں ماشا پایا

الہادی یہ ماہنامہ رسالہ پٹنہ سے مارچ ۱۸۹۷ء کو جاری ہوا۔ انجمن اسلامیہ بانکی پور پٹنہ کے اہتمام میں نکلتا تھا۔ اس کے سکریٹری ولی محمد صاحب تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ انجمن کی روئیداد اور مذہبی مضامین شائع ہوتے تھے۔

الحکم قادیان سے یہ ہفتہ وار اخبار قادیانیوں کا ۱۸۹۷ء کو ظہور میں آیا۔ یعقوب علی صاحب تراب احمدی اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ پانچ روپیہ تھا۔

محمد یعقوب: آپ ۱۸۹۲ء میں انٹرنس پاس کر کے محکمہ ریل میں ایک معقول جگہ پر مامور ہو گئے تھے لیکن مضمون نگاری کے شوق نے گدگدایا ملازمت سے علیحدہ ہو کر ریاض ہند واخبار فیروز والہ دا ہلوالیہ کے یکے بعد دیگرے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ امرتسر میونسپل کمیٹی میں ملازم ہوئے۔ اچھی خدمات انجام دیں۔ ۱۸۹۶ء کو محرم کے دنوں میں امرتسر کے حکام نے مقامی انتظام کے لئے آپ کو اسپیشل پولس افسر بنایا تھا ان ہی دنوں اخبار جہاں نما کی ایڈیٹری اختیار کی۔ مسٹر نکل سابق سکریٹری میونسپل کمیٹی امرتسر نے ان کو میونسپل کمشنروں کی تاریخ لکھنے پر لگایا اسی اثنا میں یہ فوت ہو گئے اور تاریخ مکمل نہ ہو سکی۔ [۱]

بہت سی اسلامی اور دینی کتابوں کے مصنف اور بہت اچھے شاعر تھے۔ پہلے تمنا تخلص کرتے تھے پھر عرفانی لکھنے لگے یورپ کا سفر بھی کیا اور اپنا دلچسپ سفرنامہ مشاہدات عرفانی کے نام سے شائع کیا۔ اپریل ۱۹۲۲ء میں حیدرآباد دکن چلے گئے وہیں ۵، دسمبر ۱۹۵۷ء کو فوت ہوئے۔ ان کی تحریر بہت پر اثر اور دلچسپ ہوتی تھی۔ ان کی بعض کتابوں کے نام یہ ہیں۔

اسمار الحسنیٰ، حقیقت نماز، کتاب الادب، احکام القرآن، رحمت اللعالمین فی کتاب مبین، تاریخ القرآن، اسمار القرآن فی القرآن، قرآنی دعاؤں کے اسرار البیان فی اسلوب القرآن، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الحج، کتاب الصیام وغیرہ [۲]

افسر

حیدرآباد دکن سول ملٹری کلب ملک پیٹھ سے یہ ماہنامہ رسالہ ۱۸۹۷ء کو نمودار ہوا جس کے پہلے ایڈیٹر محب حسین تھے۔ دو سال بعد بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب مرحوم مقرر ہوئے۔ یہ رسالہ

---

[۱] تاج التواریخ ص ۳ [۲] نقوش لاہور نمبر فروری ۱۹۶۲ء

حیدر آباد پریس متصل پل چادر گھاٹ بازار عیسٰی میں چھپتا تھا۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔

یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو شائع ہوتا تھا۔ اس رسالہ میں علمی، اخلاقی، تاریخی فلسفی، تمدنی اور فوجی مضامین درج ہوتے تھے۔ کتابوں پر ریویو بھی کیا جاتا تھا۔ ہر ماہ سب سے بہتر مضمون کے لئے ایک اشرفی مقرر تھی۔ یہ رسالہ نواب میجر افسر الدولہ سی، آئی، اے کمانڈر انچیف نظام حیدر آباد کی سرپرستی میں نکلتا تھا۔ صفحات پچاس کے قریب ہوتے تھے۔

اسمیں یکم جنوری ۱۹۰۱ء میں تین مضامین چھپے ہیں۔ (۱) گیولری افسروں کو چند ہدایتیں" از جناب مولوی محب حسین صاحب ایڈیٹر معلم نسواں (۲) ایک لیکچر قصباتی شرفا کی زندگی پر" از جناب خواجہ غلام الثقلین صاحب بی اے، بی ایل انسپکٹر مدارس صوبہ گلبرگہ شریف۔ (۳) ایک گمنام فرقہ روشنائی اور اس کا بانی" از جناب مولوی اکبر خاں صاحب وکیل۔

اردو چونکہ اس وقت قصہ کہانیوں اور ناولوں کی سرحد سے نکل کر ترقی کے میدان میں قدم رکھ رہی تھی اس لئے اس کی دیکھ بھال ضروری ہوگئی اور رہنمائی کے لئے تنقید و تبصرہ بھی رسالہ کا اہم مقصد قرار پایا۔ چنانچہ اس میں کتابوں پر تنقید شروع ہوئی۔ یہ رسالہ تقریباً پانچ سال تک جاری رہا۔ اس عرصہ میں اس نے اردو کی خدمت کس قدر کی اس کا اندازہ اس کے قلمی معاونوں یعنی مضمون نگاروں سے لگایا جا سکتا ہے۔ یہ حضرات ہندوستان کے ایسے مقبول ادیب اور انشاء پرداز تھے جن کے مضامین بڑے شوق و ذوق سے پڑھے جاتے تھے ان میں مولانا حالیؔ، شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ، مولوی عزیز مرزا، مولوی غلام الثقلین، مولوی چراغ علی، پروفیسر شہباز، نواب عماد الملک اور مولانا

ظفر علی خاں اور شاعروں میں مولانا گرامی اور جلیل وغیرہ تھے۔

مولوی عبدالحق : مولوی صاحب ہاپوڑ ضلع میرٹھ کے باشندے تھے اور وہیں ۱۸۶۹ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ہاپوڑ کے مکتب میں پائی اور ۱۸۹۴ء میں علی گڑھ مسلم کالج سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ آپ کے مضمون فلسفہ اور تاریخ تھے۔ تعلیم کے دوران آپ کا زیادہ وقت سر سید مرحوم کے ساتھ گذرتا تھا۔ چھٹیوں میں عام طور پر سر سید ان کو گھر جانے سے روک دیتے تھے اور مختلف علمی کاموں میں مشغول رکھتے تھے۔ زمانہ طالب علمی میں ان کو مضمون نگاری کا شوق ہوا۔ اس سلسلے میں کالج کی طرف سے بہترین مضمون نگاری کے صلے میں سیڈون ویسرائے میڈل آپ کو ملا تھا۔

فارسی کی تعلیم انہوں نے اپنے گھر پر پائی تھی۔ جب حیدرآباد پہنچے تو ایک عالم سے صرف و نحو اور عربی ادب کی کتابیں پڑھیں ہندی زبان بھی سیکھی اور ایک پنڈت سے تلسی داس کی رامائن اور بعض دوسری کتابیں پڑھیں۔ دکنی اور گجراتی اردو جس کو گجری کہا جاتا ہے جو شمالی ہند کی اردو سے مختلف زبانیں ہیں اور متروک ہو چکی ہیں، ان پر بھی مولوی صاحب نے عبور حاصل کیا۔ یہاں تک کہ ان دونوں زبانوں کو ان سے بہتر جاننے والا کوئی نہ تھا۔

مولوی عبدالحق آزاد خیال اور روشن دماغ انسان تھے اور ان کو اردو سے والہانہ تعلق و محبت تھی۔ جس زمانے میں مولوی صاحب تعلیم پارہے تھے آپ نے تہذیب الاخلاق میں ایک مضمون لکھا تھا جس میں اخبار نویسی کے فرائض کے ساتھ اردو زبان کو ترقی دینے کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اسی زمانے میں انہوں نے علی گڑھ میگزین، رسالہ حسن میں مضامین لکھے اور اورنگ آباد کے پن چکی کے کتب خانہ میں اردو کی نایاب

کتابیں دیکھنے ______ گئے۔ اس وقت یہ کتب خانہ لٹ چکا تھا۔ ان کو صرف چند دکھنی کتابیں دیکھنے کو ملیں۔ تعلیم پانے کے بعد مولوی صاحب حیدرآباد دکن چلے گئے۔ انسپکٹر مدارس کی خدمت انجام دی۔ پھر اورنگ آباد عثمانیہ کالج کے پرنسپل ہوئے۔ دو سال کے بعد ۱۸۹۶ء کو رسالہ افسر نکالنا شروع کیا جو تقریباً پانچ سال تک چلا۔

نواب عماد الملک کی ایما پر مولوی صاحب نے اردو خطوط نویسی پر دو رسالے تالیف کیے تھے جس کی وجہ سے حیدرآباد میں مادری زبان میں تعلیم پانے کا جذبہ پیدا ہوا اور ایک ذہنی و تعلیمی انقلاب رونما ہوا۔

مولوی عبدالحق صاحب کا خیال تھا کہ جب تک ہر علم و فن کی ادنیٰ اور اعلیٰ تعلیم اپنی ہی زبان میں نہیں دی جائے گی اس وقت تک قوم و ملک ترقی نہیں کر سکے گا۔ اردو چونکہ ہندوستان کی اکثر قوموں کی مشترک زبان ہے اور اس کو ایک عالمگیر حیثیت حاصل ہے۔ اسی زبان کو ملک کی تعلیم کا ذریعہ بنایا جائے۔ اور ایک اردو یونیورسٹی قائم کی جائے۔ چنانچہ جب سر اکبر حیدری کا حیدرآباد میں اثر و رسوخ بڑھ گیا تھا اور وہ نظام حیدرآباد کی گورنمنٹ ہوم ڈیپارٹمنٹ کی معتمد سکریٹریٹ کی خدمت پر مامور ہو گئے تو مولوی صاحب کی تجویز کو انہوں نے پسند کیا اور جامعہ عثمانیہ کا قیام عمل میں آیا اور مولوی صاحب نے اس کا اہم اور بنیادی کام تالیف و ترجمہ کا اپنے ذمہ لیا اور اس کو بہت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ لیکن چند وجوہ کی بنا پر آپ اپنی اصلی خدمت مہتمم تعلیمات اورنگ آباد پر واپس آ گئے۔ مہتمم کی حیثیت سے آپ نے اردو کی بڑی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ آپ کے تحت چار ضلعے تھے ہر ایک مدرسہ کا معائنہ فرماتے تھے۔ اردو کے قابل و لائق استادوں کو ملو کرتے ان کو پڑھانے کا ڈھنگ بتاتے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ کو قصبہ قصبہ اور

قریہ قریہ بارہ سال تک پھرتا پڑا اور مدرسوں میں معیاری تعلیم دلانے کی کوشش کی۔

مولوی صاحب اورنگ آباد کالج کے پرنسپل بھی مقرر ہوئے تھے آپ خود کالج میں پڑھاتے تھے اور طلبا میں انشار پردازی کا شوق پیدا کرتے تھے۔ انجمن ترقی اردو ۱۹۰۱ء میں قائم ہوئی جس کے پہلے سکریٹری علامہ شبلی منتخب ہوئے۔ انہوں نے اپنی مصروفیات کے باعث اس میں خاص دل چسپی نہیں لی، اسی بنا پر انجمن کے ارکان نے ۱۹۱۱ء میں مولوی عبدالحق کو انجمن کا سکریٹری منتخب کیا جس کی وجہ سے انجمن میں جان پڑی انجمن باعمل بنی۔ اس نے نایاب کتابیں اور شعراء کے تذکرے شائع کئے۔ اسی کے ساتھ ۱۹۲۱ء میں رسالہ اردو نکالا اور رسالہ سائنس اور رسالہ نورس بھی جاری کیا مولوی صاحب نے جو کتابیں تقسیم ہند سے پہلے چھاپیں اور ان تینوں رسالوں میں جو لٹریچر شائع کیا، اس کے مقابلہ میں تقسیم ہند کے بعد ان کے جانشینوں نے عشر عشیر بھی کام نہیں کیا۔ بلکہ ہزاروں روپیہ سالانہ سرکاری چندہ لینے کے بعد بھی سترہ سال میں اردو کالج وغیرہ قائم کرنے کے بجائے چند کتابوں کو چھوڑ کر کوئی معقول کتاب نہیں چھاپی بلکہ اردو کو ختم کرنے اور اس کو دفن کرنے کے منصوبے بنائے اور کوئی موثر قدم اس کی ترقی کے لئے نہیں اٹھایا۔

مولوی عبدالحق صاحب نے پاکستان جانے کے بعد اپنے بل پر حکومت سے بھیک مانگ کر مصلحت کے بندے بن کر یا ضمیر بیچکر نہیں بلکہ خودداری کے ساتھ انجمن ترقی اردو پاکستان قائم کی۔ اخبار قومی زبان نکالا اور ایک اردو کالج قائم کیا جس میں ایم اے تک کے جملہ مضامین کی کتابوں کے تمام بااعلی معیار کی اردو کی کتابیں تصنیف و تالیف کرا کر طبع کرائیں۔

مولوی صاحب کا اخلاق انتہائی اچھا تھا جو شخص ایک بار ان سے مل لیتا، ہمیشہ کیلئے ان کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ ان کی مجلس بھی نہایت بے تکلفی کی ہوتی تھی

انداز گفتگو بھی ایسا تھا جو کسی کو ناگوار نہیں ہوتا تھا۔

مخالفت سے کوئی انسان نہیں بچا اور حقیقت یہ ہے کہ مخالفت سے ایک ولولہ اور جوش پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب کی بھی لوگوں نے مخالفت کی۔ انہوں نے بچاؤ کی تدبیر کرنے کے علاوہ اس کی جانب مطلق توجہ نہیں کی مخالفت کو برداشت کیا اور ان کے ساتھ ہمیشہ رواداری برتی۔ اگر کوئی مخالف بھی ان کے پاس اپنا کام لیکر آتا تو اس کو پورا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

سخاوت و ایثار مولوی صاحب میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ان کی آمدنی کا بیشتر حصہ اپنے عزیزوں اور غیر عزیزوں کی امداد اور نادار و غریب طلبار کے وظائف میں صرف ہوتا تھا۔ ایسے طلبا کی تعداد شاید سینکڑوں ہوگی جن کی انہوں نے امداد کی اور تعلیم دلوائی۔

مولوی صاحب سیاست میں دلچسپی نہیں لیتے تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ "جب ہمارے سامنے علم کا دریائے ناپیدا کنار موجود ہے جس میں تمام عمر ہم شناوری کر سکتے ہیں اور غوطہ لگا سکتے ہیں اور جس سے غیر محدود حد تک ہم سیراب ہو سکتے ہیں تو ہمیں اسے چھوڑ کر "پولیٹکس" کی ناپاک دلدل میں پھنس کر ہلاک ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"

ادبی دنیا میں مولوی عبدالحق صاحب کی زیادہ مقبولیت ان کی "مقدمہ نگاری" سے ہوئی۔ ان کے مقدموں میں قصیدہ گوئی یا مناقبت ہی نہیں کی جاتی تھی بلکہ ان کے مقدمات کی علمی و ادبی حیثیت بعض اوقات اصل کتاب سے بڑھ جاتی تھی اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے تحقیقی و تنقیدی سرمائے میں ان کے مقدمے ایک مستقل اضافہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے دو مقدمے بڑے معرکے کے ہیں ایک ایک قواعد اردو کا اور دوسرا جدید اردو لغات کا۔ پہلے مقدمہ میں انہوں نے

بڑی تفصیل سے یہ بات بتائی ہے کہ اردو زبان کے قواعد کی کتابیں کس زمانے سے لکھی جاتی رہی ہیں اور پھر ہر کتاب اور اس کے مصنف کے بارے میں بیش بہا معلومات فراہم کی ہیں۔ اسی طرح "جدید اردو لغات" کے مقدمہ میں تمام لغات کا تاریخی جائزہ لیا ہے اور ان کی خوبیوں اور خامیوں سے بحث کی ہے۔ یہ دونوں مقدمے بجائے خود مستقل تصانیف کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مقدمات کے بعد مولوی صاحب کے خطبات بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان میں عام لسانی مسائل اور اردو زبان سے متعلق مباحث کو چھیڑا گیا ہے اور بہت سے متنازعہ فیہ مسائل کو نہایت خوش اسلوبی سے سلجھایا گیا ہے۔ زبان کیا ہے، قومی زبان کسے کہتے ہیں، لفظ کیا ہے، اردو مخلوط زبان کیوں ہے، اردو کا خمیر کن عناصر کا مرکب ہے، اردو میں ہندی، عربی، فارسی عناصر کس حد تک ہیں، اردو میں نظم و نثر کا رواج کب ہوا، اردو نے ہندوستان کے کن کن مقامات پر پرورش پائی، کن کن لوگوں اور اداروں نے اس کی ترویج و اشاعت میں حصہ لیا، مختلف ادوار میں اس زبان کی کیا صورت تھی، مقامی تعاصب زبان کی ترقی کی راہ میں کس حد تک حارج ہوا، زبان کی صحت کا معیار کیا ہے اردو میں علمی اصلاحات کا مسئلہ کس طرح حل کرنا چاہیئے، یہ اور اس قسم کے بہت سے سوالوں کے تسلی بخش جوابات ان خطبوں میں ملتے ہیں۔

مولوی صاحب تحریر میں مولانا حالی کا اتباع کرتے تھے۔ لیکن مولوی صاحب کی تحریر زیادہ شگفتہ اور عبارت رنگین ہوتی ہے۔ ان کی حسب ذیل تصانیف ہیں:

(۱) اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام: اردو زبان کی اشاعت میں صوفیائے کرام نے کیا کام کیا، ابتدائی درویشوں سے لیکر گیارھویں صدی ہجری

تک کے مشاہیر صوفیا اور اولیاء کا تذکرہ اور کلام ہے۔
(۲) مرہٹی زبان پر فارسی کا اثر: فارسی زبان کے جو اثرات مرہٹی کے قواعد اسالیب اور مختلف نوعیتوں کی تحریروں پر پڑے ہیں، ان کو اس کتاب میں واضح کیا گیا ہے۔
(۳) مرحوم دہلی کالج: دہلی کالج کی تاریخ، نصاب تعلیم، تدریجی ترقی اور اس کے اساتذہ اور ممتاز طلبا کے حالات اس میں درج ہیں۔
(۴) چند ہم عصر: آپ کے وہ مضامین جو آپ نے ہم عصروں کی وفات پر تحریر فرمائے۔
(۵) قواعد اردو (۶) مقدمات عبدالحق (۷) تنقیدات عبدالحق (۸) اردو صرف و نحو (۹) اردو زبان میں علمی اصلاحات کا مسئلہ (۱۰) اردو بحیثیت ذریعہ تعلیم سائنس (۱۱) انگلش اردو ڈکشنری۔
مولوی عبدالحق صاحب کا ۹۲ سال کی عمر میں ۱۶ اگست ۱۹۶۱ء کو کراچی میں انتقال ہوا۔

مقبول عالم بمبئی سے ۱۶ اکتوبر ۱۸۹۷ء مطابق ۲۰ شعبان ۱۳۱۵ھ کو یہ اخبار جاری ہوا۔ یہ ہفتہ وار یک شنبہ کو نکلتا تھا۔ منشی علی محمد شائق مالک و ایڈیٹر تھے۔ چار صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ ڈھائی روپیہ تھا۔ مطبع شہابی میں چھپتا تھا۔
۱۸۹۸ء میں بمبئی میں اردو کے روزنامہ اخبار کتنے نکلتے تھے، اس کے بارے میں ۲ مارچ ۱۸۹۸ء کے شمارے میں معلومات ملتی ہے:
"الحمدللہ والمنۃ ہمارے شہر میں اس وقت تین اردو اخبار روزانہ شائع ہوتے ہیں: مسلم ہرلڈ، انڈیا گزٹ، سلطان الاخبار

دوسرا ایک اور اخبار ہے جس کا نام "سفیر" ہے۔ یہ ہفتہ میں
ایک مرتبہ اشاعت پاتا ہے۔ سلطان الاخبار کے دفتر سے ہر ہفتے
دو پرچے بیچارہ رنگ میں نکلتے ہیں۔ بمبئی پنچ بہادر اور آزاد
پنچ، بمبئی والوں کا مذاق بہ نسبت زمانہ سابق اس وقت بڑھا
ہوا ہے۔ ان بیچاروں کی معلومات جن کو گجراتی اور انگریزی
نہیں آتی ان اخباروں سے بڑھتی ہے۔"

مقبول عالم خوشامدی اخبار معلوم ہوتا ہے۔ اپنے ہم عصر مظلوم دکن
کی جلاوطنی پر ہمدردی کے بجائے اس کی مذمت اور تذلیل کرتا ہے۔
چنانچہ ۱۷؍اپریل ۱۸۹۸ء کے پرچے میں اس خبر کو اسی انداز سے اس
نے شائع کیا ہے:

"تنظیم الدین امیر الدین ایڈیٹر مظلوم دکن کو ایکٹ سوم ۱۸۶۴ء
دفعہ ۲ کے مطابق برٹش قلمرو سے نکال دیا گیا۔ آخر ستمبر
میں اس کی گرفتاری کے لئے وارنٹ جاری ہوا۔ اور
پولیس کی نگرانی میں کھانہ جیل بھیج دیا گیا۔ اس نے اپنے
اخبار میں حضور نظام و دیگر سلمداروں کی شان میں گستاخیاں
ہی نہیں کیں بلکہ بمبئی کے معززین اور اکابرین عہدہ داروں کو
بہت برے الفاظوں سے یاد کیا۔"

سلطان الاخبار | بمبئی بھنڈی بازار سے ۱۸۹۷ء کو یہ روزنامہ اخبار جلوہ نما ہوا۔ مالک و ایڈیٹر حکیم محمد
عبدالحمید صاحب فرخ دہلوی تھے۔ چار صفحات پر نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ
مع محصول ڈاک بارہ روپیہ تھا۔ مطبع حمیدی میں چھپتا تھا۔ شروع میں

ہفتے میں دو روز پنجشنبہ، دوشنبہ کو تعطیل رہتی تھی لیکن ۱۸۹۸ء سے
ایک روز پنجشنبہ کی تعطیل ختم ہو گئی تھی۔ اس کے سرورق پر یہ رباعی درج
تھی۔ ۵

سلطان المعظم کہ فلک چاکر اوست
روئے عرب و عجم ہمہ بادر اوست
چوں حلقہ بگوش او بناشیم ہمہ
او یاور اسلام و خدا یاور اوست

۱۸۹۸ء

دبدبۂ آصفی حیدرآباد دکن سے یہ ماہنامہ رسالہ ۱۸۹۸ء کو شائع ہوا۔ مالک مہاراجہ سرکشن پرشاد اور ایڈیٹر پنڈت رتن ناتھ سرشار تھے۔ ہر ماہ قمری کی چھٹی تاریخ کو نکلتا تھا۔

اس رسالہ میں علمی، ادبی، اخلاقی اور تاریخی مضامین شائع ہوتے تھے۔ مضامین کا معیار بہت بلند تھا۔ شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد، منشی ذکاء اللہ، مولوی سید احمد صاحب مؤلف فرہنگ آصفیہ جیسے ملک کے مشہور اہل قلم کے شاہکاروں سے یہ رسالہ مزین تھا۔

پنڈت برج نرائن چکبست اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔

"ابتدا میں اس میں اچھے اچھے مضامین شائع ہوتے رہے۔ سرشار خود بھی اکثر لکھتے تھے مگر طرز تحریر میں اگلی سی آب و تاب نہیں رہی تھی۔ دبدبۂ آصفی میں ایک ناول موسومہ بہ "چنچل نار" سلسلہ وار شائع ہوتا تھا، وہ بھی ناتمام رہا اور اچھا ہوا ناتمام رہا۔" [1]

---

[1] مضامین چکبست ص۹۵۔

یہ رسالہ محبوب علی خاں نظام دکن کی حیات تک جاری رہا۔ ان کی زندگی کا چراغ گل ہونے کے بعد یہ بھی بند ہو گیا تھا۔

مہاراجہ سر کشن پرشاد شاد : مہاراجہ شاد کھتری قوم سے تھے ۲۸ جنوری ۱۸۶۴ء کو پیدا ہوئے نظام کالج میں تعلیم پائی۔ آپ کا سلسلہ نسب راجہ ٹوڈر مل سے ملتا ہے آپ کے جدامجد رائے مول چند تھے جو آصف جاہ اول کے ہمراہ دکن تشریف لائے تھے وہاں مکھنٹر کروڑ گیر کے عہدہ پر فائز ہوئے تھے۔ آپ کے نانا چندو لال تھے۔ ان ہی کے عہد میں دکن کا پیشکاری کا عہدہ ان کے خاندان کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ ۱۸۶۲ء کو مہاراجہ شاد کی ملازمت کا سلسلہ شروع ہوا، اور درجہ بدرجہ ترقی پر پہنچے۔ ۱۹۰۱ء کو مستقل طور پر مدار المہام قرار پائے اور یمین السلطنت کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔

مہاراجہ شاد خود شاعر، ادیب، صوفی اور فقیر تھے۔ شاعروں، ادیبوں، عالموں کی محفل ہو یا صوفیوں اور فقیروں کی ہر ایک میں بلا امتیاز شرکت کرتے تھے وہ صحیح معنوں میں عوامی وزیر تھے۔ ان کے دربار میں ہر طبقہ کا انسان بلا روک ٹوک کے چلا جاتا تھا عوام کی مدد کرنے میں خوش ہوتے تھے۔

وہ صرف اردو فارسی کے اعلیٰ درجہ کے شاعر ہی نہ تھے بلکہ اچھے ادیب اور انشا پرداز بھی تھے۔ مختلف موضوعوں پر دلچسپ مقالے اور کتابیں انہوں نے لکھیں اور چند ناول بھی تحریر کئے تھے۔ ان کی پہلی تصنیف ۱۲۰۲ھ کو چھپی تقریباً پچیس سال کے عرصہ تک تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہا۔ ساٹھ کے قریب ان کی تالیفات ہیں۔

کتابوں کے علاوہ انہوں نے کئی رسالے جاری کئے تھے دبدبہ آصفی کے علاوہ تذکرۂ عثمانی اور مجموعۃ الکلام ان کی سرپرستی میں نکلے۔ مہاراجہ شاد

کو صادق حسین عبارآ اور رتن ناتھ سرشار کی وجہ سے اردو انشاپردازی اور صحافت کا
شوق پیدا ہوا اور خاص کران کے ناول تو سرشار ہی کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں اور
ان میں انہوں نے حیدرآبادی زندگی کے بڑے عمدہ مرقع پیش کئے ہیں[1]۔ آپ اردو فارسی
عربی، گورمکھی، سنسکرت میں لکھ پڑھ سکتے تھے۔ مرہٹی اور تلنگو سے اتنی واقفیت تھی کہ
بات چیت کا مفہوم سمجھ لیتے تھے۔ ۱۲۵۰ھ کو فوت ہوئے۔

شاد کی شاعری کی ابتدا فیض کے شاگرد ونجو لال تمکین سے ہوئی۔ محبوب علی خاں
نظام دکن نے ان کو اپنا شاگرد بنالیا تھا۔ چنانچہ مہاراجہ شاد اس پر بہت مسرور ہیں۔ ؎

خانہ زاد اور وزیر اور ہو شاگرد نظام
شاد سچ پوچھو تو تم ہو بڑی قسمت والے

میں شہ آصف کا ہوں شاگرد شاد　　　شاعری کیا ہے سلطانی مری

مہاراجہ شاد نے منظفر الدین معلی اور داغ دہلوی سے بھی استفادہ کیا تھا۔ فارسی
اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ متانت اور شوخی کلام کی جان ہے فصاحت
اور پاکیزگی بھی پائی جاتی ہے۔ مسائل تصوف بھی بیان کرتے تھے۔ ؎

کوئی گریاں ہے، کوئی ہے خندہ　　　ہیں یہی روزگار کی باتیں

ہائے وہ غنچہ ہوا باد خزاں سے پامال
جو نسیم سحری سے بھی خبردار نہ تھا
مجھے اس گلشن عالم میں ملا کب آرام
پھول اس باغ کا کب حق میں مرے خار نہ تھا

دادخواہاں ستم کا دہلی جی چھوٹ گیا　　　جب طرفدار ترا داور محشر نکلا

---

[1] داستان ادب حیدرآباد صفحہ ۱۶۶

باغ فردوس تو میراث ہے ہم رندوں کی
شیخ جی بن کے بڑے آئے ہیں جنت والے

اخبار بھرت پور ریاست بھرت پور سے ۱۸۹۸ء کو نکلا اور ۱۹۰۲ء تک یہ اخبار جاری رہا۔ مولوی سید عبداللہ رضوی سابق پروفیسر آگرہ کالج اس کے ایڈیٹر تھے۔ اس میں لوگوں کی موت و پیدائش کی خبریں شائع ہوا کرتی تھیں۔ ملازمین کے تبادلے، رخصت اور دوسری ضروری اطلاعات بھی درج کی جاتی تھیں۔ بعض لوگوں کے مضامین سے بھی اخبار مزین ہوتا تھا۔ [1]

پیام محبوب حیدرآباد دکن سے یہ ماہنامہ ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۸ء کو جلوہ افگن ہوا۔ مولوی غلام حسین — مالک و ایڈیٹر تھے۔ کاغذ، چھپائی اور خط اس کی تینوں چیزیں دل کش تھیں۔

شمس الکلام یہ اخبار بھی زیر ادارت و ملکیت مولوی غلام حسین داد اور "میڈیکل جنرل" زیر ادارت و ملکیت لقمان الدولہ افلاطون جنگ نواب محمد حیدر خاں دل ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۸ء کو حیدرآباد دکن سے ماہانہ جاری ہوئے تھے۔

لقمان الدولہ محمد حیدر خاں دل: لقمان الدولہ ۱۲۷۷ھ میں پیدا ہوئے حیدرآباد میں ڈاکٹری کی تعلیم پائی۔ ۱۲۹۹ھ کو امتحان میں کامیاب ہوئے۔ اعلیٰ حضرت محبوب علی خاں کے طبیب خاص تھے۔ داغ دہلوی کے شاگرد تھے اسسٹنٹ سرجن بھی رہ چکے تھے۔ ان کے والد حکیم محمد اشرف صاحب حیدرآباد کے مشہور طبیبوں میں سے تھے۔

---

[1] جائزہ زبان اردو ص۱۷۷

نقمان الدولہ مثنوی مولانا روم کی شرح بہت شرح وبسط کے ساتھ بیان کرتے تھے۔ صوفی مشرب اور نہایت زندہ دل، خوش گو اور شیریں کلام شاعر تھے۔ ۱۹۴۰ء میں ان کا انتقال ہوا۔ ؎۵۱

تڑپتے ہوئے چھوڑ کر غمزدوں کو — کس آرام سے ہو گئے سونے والے
غم وحسرت ورنج، یاس وتمنا — مری لاش پر رہ گئے رونے والے

دل سے وصل جاناں کی آرزو نہیں جاتی
خاک ہو گئے لیکن جستجو نہیں جاتی

افسانۂ گل، قصۂ بلبل نہ سنا اور — اٹھکھیلیاں کچھ اپنی دکھا بادِ صبا اور
اے شعلۂ سوزانِ دروں جی نہ جلا اور — اے رنج وغمِ دردِ نہاں بس نہ ستا اور
اے خضر نہ ہادی ہو مرے، راہ لو اپنی — اس منزلِ عشاق کا ہے راہ نما اور
مجروح ہوا، خستہ ہوا، پس گیا آخر — دل اس سے زیادہ تھا سزاوارِ سزا اور

مثل نقش پا، برباد کیوں نشاں ہوتا
ہم نہ خاک میں ملتے، تو جو مہرباں ہوتا

تذکرۃ القرآن نارنول ضلع پٹیالہ سے دسمبر ۱۸۹۸ء کو یہ مذہبی ماہنامہ شائع ہوا۔ اس کے مالک وایڈیٹر منیجر مولوی فتیح محمد خاں صاحب تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ تیس صفحات پر مشتمل تھا۔ شروع کے پرچے مطبع حسینی آگرہ میں سید محمد علی کے اہتمام میں چھپے بعد میں مطبع عزیزی تراوڑی ضلع کرنال میں چھپنے لگا تھا۔

اس رسالہ کا مقصد قرآن مجید کی کاملیت اور فضیلت کو تمام اقوام پر

؎۵۱ سخنوران دکن ص۱۵۳۔

ظاہر کرنا اور مخالفین کے اعتراضات کا جواب دینا تھا نیز مسلمانوں کے فرقوں میں اتحاد کرنا تھا۔

تہذیب نسواں یہ ہفتہ وار اخبار یکم جولائی ۱۸۹۸ء کو شائع ہوا جس کے ایڈیٹر و مالک شمس العلماء مولوی سید ممتاز علی صاحب تھے۔ اس اخبار نے ۵۱ سال ۱۹۴۹ء تک عورتوں کی بہبودگی و اصلاح کے لئے کوشش کی۔

مولوی سید ممتاز علی: آپ دیوبند ضلع سہارن پور میں پیدا ہوئے۔ قرآن اور حدیث فقہ کی تعلیم مولانا قاسم نانوتوی، مولانا یعقوب نانوتوی سے پائی۔ انگریزی تعلیم پرائیویٹ طور پر اسکول میں حاصل کی۔ ۱۸۷۶ء میں لاہور چلے آئے اور ایسا آنا ہوا کہ یہیں کے ہو گئے۔ ۱۸۸۴ء میں پنجاب ہائی کورٹ کے مترجم مقرر ہوئے۔ ۱۸۹۱ء تک اسی عہدے پر مامور رہے اس کے بعد یہیں رفاہ عام پریس قائم کیا جس میں بلند پایہ مستند کتابیں شائع ہوتی تھیں۔ تہذیب نسواں کے بعد آپ نے ۱۹۰۹ء میں بچوں کے لئے اخبار پھول جاری کیا جو تقسیم ہند کے بعد تک نکلتا رہا۔ سرکار نے ان کی علمی و ادبی خدمات کے صلہ میں ان کو شمس العلماء کا خطاب دیا۔ سید مرحوم سے ان کے قریبی تعلقات تھے۔ اخلاق و مروت کے لحاظ سے ایک بہترین انسان اور نہایت منکسر المزاج اور با اصول بزرگ تھے۔ ۷۵ سال کی عمر میں ۱۵ جولائی ۱۹۳۵ء کو لاہور میں فوت ہوئے۔ ان کے لائق فرزند سید امتیاز علی تاج ہیں۔[۵]

انوار الاسلام یہ پندرہ روزہ اخبار ۱۸۹۸ء میں سیالکوٹ سے جاری ہوا۔ ۲۶ صفحات پر نکلتا تھا۔ منشی کریم بخش

---

[۵] نقوش لاہور نمبر فروری ۱۹۶۲ء

ایڈیٹر و مالک تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا، مفید عام پریس میں چھپتا تھا۔

اس رسالہ کا مقصد اسلام کی باریکیوں کو بیان کرنا، عورتوں مردوں کے تعلقات اور ان کے متعلق خدا اور رسول کے احکام بتانا، غیر مذاہب عیسائی وغیرہ کے واہی تباہی خیالات کے مدلل جواب دینا تھا۔

معارف علی گڈھ سے یہ ماہنامہ جولائی ۱۸۹۸ء کو جلوہ افروز ہوا، انگریزی مہینے کی آخری تاریخ کو شائع ہوتا تھا۔ ۴۲ صفحات پر نکلتا تھا۔ شروع میں اس کے کرتا دھرتا حاجی محمد اسمٰعیل صاحب تھے۔ یکم جون ۱۹۰۰ء سے ان کا تعلق رسالہ سے منقطع ہو گیا تھا۔ اس کے بانی و ایڈیٹر مولوی وحید الدین صاحب سلیم تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا نمونے کے پرچے کی قیمت ساڑھے پانچ آنے تھی۔

اس رسالہ میں علمی، فلسفی، اخلاقی، مذہبی، ملکی، تاریخی اور ادبی مضامین شائع ہوتے تھے اور مشرقی و مغربی طرز کی عمدہ نظمیں اور ایک پاکیزہ ناول قسط وار درج کیا جاتا تھا۔ سالانہ چندہ میں انجمن یا طالب علموں کے لئے کوئی رعایت نہیں کی جاتی تھی۔

اس رسالہ نے چار سال کی زندگی پائی ۱۹۰۲ء میں بند ہو گیا تھا۔ اس کے بند ہونے پر علمی طبقے میں بہت افسوس کیا گیا اور مسلمانوں کی غفلت اور لاپرواہی کا ماتم کیا گیا۔ اس میں نواب مہدی حسن خاں صاحب بھی شامل تھے۔ انہوں نے اپنے خیالات کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

"افسوس کہ ہم جواں مرگ "معارف" کو جو تہذیب الاخلاق کا خلفِ صالح تھا زندہ نہ رکھ سکے۔ معارف کی چار سالہ جلدوں کو دیکھئے، صرف یہی نہیں کہ یورپ کے اچھے سے اچھے علمی پرچوں سے برا نہیں، اصحاب المعارف نے جس طرح دادِ تحقیق دی ہے اور عربی و ترکی لٹریچر اجزا، جس شائستگی اور قابلیت کے ساتھ اردو میں لئے گئے ہیں لکھنے والوں

کا خاص حصہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ موجودہ رفتار دماغی کے ساتھ ہم۔ تو نا اس قابل نہیں ہوں گے کہ اس قسم کے مضامین کی وقعت کا کوئی صحیح اندازہ کر سکیں۔ لائق لکھنے والوں نے علی گڈھ کی نئی پیداوار کی طرح کوئی زبان پیدا نہیں لکھی جس سے وسیع تمدن کا خاکہ کھینچا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصلی زبان معارف کی زبان تھی۔ ان مخصوص اوصاف کے ساتھ نتیجہ کیا ہوا، دو سال تک یہ پرچہ ایک رئیس کی سرپرستی میں رئیسانہ حیثیت سے نکلا۔ نفس مضامین، کاغذ، تقطیع، غرض پرچے کے تمام اجزائے ترکیبی کلاسیکل تھے۔ دو سال کے بعد اس نے صورت بدلی، اقامت بدلی، آخر اس کی ہیئت ظاہری لکھنؤ کے بازاری پرچوں سے کچھ ہی اچھی تھی۔ محلوں کا رہنے والا جھونپڑے میں کتنا پنپتا، پانی پت کی مٹی بھی ٹھکانے لگی، مولوی وحیدالدین سلیم کو اپنے طبع زاد نونہال کا سسک سسک کر جان دینا آج تک یاد ہوگا۔ بہرحال اس المیہ کا حادثہ کا ذمہ دار کون ہے، یقینی مسلمان"۔ سلہ

مولوی وحیدالدین سلیم : آپ ۱۸۶۵ء کو پانی پت میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم گھر پر پائی۔ آپ کے والد مولوی فریدالدین صاحب مرحوم شاہ شرف بوعلی شاہ قلندر کے مزار کے سجادہ نشین تھے۔ مولانا سلیم نے ۱۸۸۲ء میں بورڈ اسکول پانی پت سے مڈل پاس کیا اور تمام پنجاب میں اول رہے۔ کتب معقول منقول مولانا عبداللہ ٹونکی سے پڑھیں ۱۸۸۲ء میں اورنٹیل کالج لاہور میں داخل ہوئے اور منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ ابتدا میں قانون کی طرف رجحان تھا مگر اس خیال کو ترک کرکے ریاست بھاولپور میں صیغۂ

سلہ افادات مہدی صہ ۹۲ ۔

تعلیم میں کوئی جگہ حاصل کی۔ کچھ عرصہ تک یہاں قیام کر کے رامپور ہائی سکول کے ہیڈ مولوی ہوئے۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد آپ کے قدر دان و مربی جنرل عظیم الدین خاں کے قتل کا واقعہ پیش آیا۔ اس وقت ملازمت سے علیحدہ ہو کر کچھ دنوں پانی پت میں مطب کھولا اور ایک دواخانہ بھی قائم کیا۔

۱۸۹۴ء میں مولانا حالی اپنے ساتھ آپ کو علی گڈھ لے گئے اور سر سید سے ان کی سفارش کی۔ سر سید نے ان کو اپنا لٹریری سکریٹری مقرر کیا۔ سر سید کی تصانیف میں انہوں نے بہت مدد دی۔ عربی کتابوں سے حوالہ جات اور اقتباسات چھانٹنا ان کا خاص کام تھا۔ سر سید کے انتقال کے بعد معارف نکالا، ۱۹۰۲ء میں حالی پریس کے نام سے ایک چھاپہ خانہ جاری کیا اور بطور تبرک سب سے پہلے مضامین حالی شائع کئے انیسویں صدی، کے مشہور اخبار علی گڈھ انسٹی گزٹ کے نائب مدیر کے فرائض بھی عرصہ تک انجام دیئے۔

سر اکبر حیدری اور مولوی عبدالحق صاحب کی تحریک سے ۱۹۱۷ء میں حیدر آباد گئے۔ آپ عثمانیہ یونیورسٹی میں ادب اردو کے پروفیسر مقرر ہوئے بقیہ عمر درس و تدریس میں گذاری۔ جولائی ۱۹۲۸ء میں ملیح آباد میں فوت ہوئے۔

۱۸۹۹ء

جلوۂ محبوب ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۹ء کو بقول صاحب مؤلفِ "دکن میں اردو" یہ ماہنامہ حیدرآباد دکن سے جلوہ افروز ہوا۔ مالک و ایڈیٹر غلام ہمدانی گوہر تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپیہ تھا۔

یہ رسالہ بعد میں ہفتہ وار ہو گیا تھا۔ تزک محبوبیہ مطبوعہ ۱۹۰۲ء میں گوہر صاحب لکھتے ہیں کہ یہ رسالہ عنقریب روزانہ ہو جائے گا۔ یہ عمدہ کاغذ پر چھپتا تھا اور شعراء دکن کی غزلیں خوش خطی کے ساتھ درج کی جاتی تھیں۔

رسالہ ادیب آگرہ اپریل ۱۸۹۹ء نے جلوۂ محبوب پر ریویو کیا ہے:

"یہ ایک ماہوار گلدستہ ہے جو بیادگار جشن سالگرہ اعلیٰ حضرت شاہ دکن جاری ہوا ہے۔ اس کے دو نمبر دفتر ادب میں موصول ہوئے ہیں ایک حصہ میں دکنی اور ہندوستانی شاعروں کی غزلیں، دوسرے حصہ میں لطیفے اور تیسرے حصے میں ایک چھوٹا ناول ہیں جن میں سے ایک تاریخی ناولسا آبین کا ہے۔ لیکن سب سے عمدہ حصہ اس رسالہ کا وہ ہے جس میں سریرآرایان سلطنت آصفیہ کا تاریخی سلسلہ شروع

کیا گیا ہے۔ ہم نے اس تاریخی حصے کو اول سے آخر تک دیکھا اور اس کو نہایت مفید و دلچسپ پایا۔ جن صاحبوں کو دکن کی تاریخ دانی کا شوق ہو وہ اس میں از حد دلچسپی کا سامان پائیں گے۔ یہ گلدستہ دیگر مضامین کے اعتبار سے بھی من حیث المجموعی قابل قدر ہے۔ ولایتی کاغذ کے دو جز پر چھپا ہے چھپائی غنیمت ہے۔"

غلام ہمدانی گوہر : گوہر صاحب کے خاندان کے تمام بزرگ ہندوستان کے باشندے تھے۔ ان کے جد امجد غلام امام خاں تھے۔ ڈیڑھ سو سال سے زیادہ ہوئے جب آپ کے جد اعلیٰ محمد منور خاں جوانی میں بارھویں صدی کے اختتام پر میر نظام علی خاں کے عہد میں اپنے والد سے ناراض و رنجیدہ ہوکر ہندوستان کے مضافات میں سے حیدرآباد دکن تشریف لے آئے اور شہر کے مشرقی جانب چار میل کے فاصلہ پر موضع سرور نگر میں مقیم ہوئے اور ریاست میں ملازم ہوئے۔ بقیہ عمر یہیں گذاری۔ ان کے صاحبزادے غلام امام خاں نے بھی اپنے والد کی طرح عزت و نیک نامی کے ساتھ زندگی بتائی۔ ان کے پانچ فرزند ہوئے، محمد شہباز خاں والد کی زندگی میں ہی خلل دماغ کے عارضہ میں انتقال کر گئے، محمد گوہر خاں غلام ہمدانی کے والد تھے، محمد خیر اللہ خاں سرور نگر میں رہتے تھے اور نواب سلطان الملک کے ہاں ملازم تھے، محمد منور خاں اپنے والد کی زندگی میں فوت ہوئے، محمد انور خاں فوج میں ملازمت کرتے تھے۔

محمد گوہر خاں کی تعلیم و تربیت اعلیٰ پیمانہ پر ہوئی۔ ذہین و لائق و طباع ہونے کی وجہ سے آپ کا ابتدا میں نواب روشن الدولہ برادر نواب افضل الدولہ کی سرکار سے تعلق ہوا۔ روشن الدولہ کے انتقال کے بعد ان کی صاحبزادی کے ہاں ملازم ہوئے اور ان کے تمام ملکی، مالی، انتظامی کام کے معتمد علیہ اور جاگیر وغیرہ کے افسر اعلیٰ مقرر ہوئے جس کی وجہ سے حیدرآباد دکن کے امرا وغیرہ سے تعلقات بڑھے۔ چنانچہ

ایک موقع پر نواب مختار الملک اعظم نے ان کو اپنی سرکار میں تعلقداری عطا کرنی چاہی تھی مگر آپ نے منظور نہیں کی، اس بنا پر کہ اپنی قدیم سرکار سے قطع تعلق کرنا نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ قدیم لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب بھی کسی سے تعلق ہو جاتا اس کو تا زیست نہیں چھوڑتے تھے۔ آپ نے اسی سرکار میں اپنی عمر گذاری، اس زمانہ میں اکثر زمینوں، دیہاتوں وغیرہ کا اجارہ لیا، دولت اچھی کمائی۔ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی گیارھویں بڑے اہتمام سے کیا کرتے تھے۔ آپ کو نواب شمس الدین خاں مرحوم خواہر زادہ سکندر یار خاں کی صاحبزادی قمر النساء بیگم منسوب تھیں۔ ان کے بطن سے جناب مولانا غلام ہمدانی گوہرؔ اور ایک دختر امین النساء پیدا ہوئیں۔

گوہرؔ صاحب ۱۱ ربیع الثانی ۱۲۸۵ھ کو پیدا ہوئے اور والد کی توجہ و نگہبانی میں فارسی و عربی کی تعلیم حاصل کی۔ ضرورت کے مطابق انگریزی و تلنگی سے واقفیت تھی۔ آپ کی پہلی شادی ۱۳۰۵ھ کو میر جعفر علی خاں کی دختر احمدی بیگم سے ہوئی۔ دوسری شادی ۱۳۱۲ھ کو میر غوث الدین کی صاحبزادی شمس النساء بیگم سے عمل میں آئی جن کے بطن سے ۹ ربیع الاول ۱۳۱۷ھ کو غلام دستگیر عرف دستگیر بادشاہ پیدا ہوئے۔

آپ محکمہ معتمد مالگذاری میں ملازم تھے[۱]۔ شعر و شاعری سے خاص لگاؤ تھا، علم و ادب کے ذوق سے بہرہ ور تھے۔ ان لوگوں میں آپ کا شمار تھا جنہوں نے اپنے زمانے میں حیدرآباد دکن کی سیاسی، سماجی، علمی اور ادبی تاریخ کو اپنی تالیفات میں محفوظ کر دیا تھا[۲]۔

---

[۱] تزک محبوبیہ جلد دوم دفتر اول ز، ل۔ [۲] داستان حیدرآباد صد ۱۷۵۔

گوہر صاحب کا دیوان "نظم گوہر" ۱۲۰۹ھ کو طبع ہوا تھا۔ تاریخ آصف اور ناول صادق و رحیم النسار کے علاوہ ۱۳۲۱ھ کو حیدر آباد کی مبسوط تاریخ تزک محبوبیہ دو جلدوں میں شائع ہوئی۔ اس کی دوسری جلد کو سات حصوں میں امرار، اعلیٰ عہدیدار، مشائخین، علمار، وکلا، حکمار اور شعرار میں تقسیم کیا ہے۔

اس دور میں حیدرآباد دکن میں کافی شعرار تھے اور کافی مشاعرے ہوتے تھے۔ شعرار کے طبقہ میں بمشکل تمام پانچ فی صدی اچھے شعر کہنے والے شاعر ہوں گے۔ چنانچہ اسی حالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے گوہر صاحب نے ننانوے شعرار کو منتخب کر کے ان کا ذکر کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"اس دفتر میں اکثر انہی شعرار کے حالات اور اشعار قلم بند کئے ہیں جو ملک نظم کے شہریار ہیں مضمون آفرینی، نازک خیالی، قادرالکلامی، فی البدیہہ گوئی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے، اور فن شاعری میں شہرۂ آفاق ہیں اور اپنے وقت کے آتش، مصحفی، فردوسی و انوری تھے ...... اس قدر احتیاط کے انتخاب پر بھی ان نامی شعرار کی تعداد ننانوے ہو گئی ہے اور اگر ہر ایک شخص کو صرف شعر کہنے اور مضمون کو موزوں کر لینے پر شاعر مان لیا جاتا اور ان تمام کے حالات لکھنا چاہتے تو ایک ضخیم دفتر ہو جاتا...... حیدرآباد دکن کے ہر کوچہ و بازار میں جدھر دیکھئے اُدھر شاعری کا چرچا ہے، کثرت کے ساتھ مشاعرے ہوتے ہیں، متعدد گلدستے چھپتے ہیں نو دس سال کے لڑکے تک شعر موزوں کرتے ہیں۔ طرہ یہ کہ شاعری کا دم بھرتے ہیں۔ پس ایسی صورت میں ترتیب

تکمیل کتابت میں سخت دقت پڑ جاتی، اس لئے ایسے غیر ممکن امر سے عمداً احتراز کیا گیا، جہاں تک ہو سکا انتخاب سے کام لیا گیا"[1]

تزک محبوبیہ کی اشاعت کے بعد غلام ہمدانی گوہر نے دو ہزار صفحات کی ایک ضخیم تاریخ دربار آصف لکھی جس کو سات حصوں میں تقسیم کر کے مکمل قدیم سلاطین اسلام، سلاطین دکن اور انگریزی عہد کے ہندوستان اور ریاستوں کی مکمل تاریخ قلم بند کی لیکن مقدمہ وغیرہ لکھ کر شائع نہ کرنے پائے تھے کہ انتقال کر گئے بعد میں سلطان عثمان علی خاں کے عہد میں ملا مراد نے اس کو اپنے مقدمہ کے ساتھ شائع کرایا۔

گوہر صاحب اپنے دور کے اچھے شاعر تھے، سخن گو ہی نہیں بلکہ سخن فہم بھی تھے۔ کلام میں تاثیر اور روانی ہے۔ ؎

دیتے ہیں اپنی جان وہ غیروں کی چاہ میں
بالکل نہیں سماتے ہم ان کی نگاہ میں

کھوٹا نہیں کھرا ہے بتو نقد دل مرا
دیکھو، پرکھ لو، جانچ لو، اپنی نگاہ میں

وصلت کی شب ہے، صبح بہت ہی قریب ہے
اٹھو حضور آؤ، چلو خواب گاہ میں

بوسہ لیا جو ان کا جھنجلا کے یوں کہا
چھوڑو، ہٹو، چلو، کوئی دیکھے نہ راہ میں

گوہر بتوں کی جور سے بالکل ہوا ہے تنگ
شیر خدا اسے رکھو، اپنی پناہ میں

---

[1] تزک محبوبیہ جلد دوئم دفتر ہفتم ص۲۶۔

دیکھ آ، وہ بتِ حور شمائل تو نہیں ہے
اے نامہ رساں غیر کی محفل تو نہیں ہے

دل ایک تھا کیا نذر میں اب لاؤں کہاں سے
ہاں جان و جگر لیجئے پر دل تو نہیں ہے

گوہرؔ کہو کیا فائدہ ہے عشق بتاں سے
جز خواری و ذلت تمہیں حاصل تو نہیں ہے

ان گورے گورے ہاتھوں سے مرقد پہ اے صنم
دو پھول تو گلاب کے آکر چڑھائیے

جو حال پوچھے گوہرؔ خانہ خراب کا کہہ دو اب مقیم ہے وہ راہگور میں
ملے گا آپ سے گوہرؔ پھر آکر
خدا صحت سے لائے گر سفر سے

محبوب الکلام حیدر آباد دکن سے یہ ماہنامہ گلدستہ ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۹ء کو جاری ہوا۔ اس کے مالک و سرپرست جناب مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ اور ایڈیٹر و مہتمم حافظ جلیل حسن صاحب جلیلؔ مانک پوری تھے۔ ہر ماہ قمری کی چھٹی تاریخ کو نکلتا تھا۔

اس رسالہ میں مشہور شعرا ظہیرؔ دہلوی، ظاہرؔ فرخ آبادی، جلیلؔ مانک پوری، وغیرہ کے کلام شائع ہوتے تھے۔ اس میں نواب محبوب علی خاں کا کلام شروع میں چھپتا تھا۔ لکھائی چھپائی بہت اچھی ہے اور رسالہ انتہائی دل کش ہے۔[1]

المعلومات یہ علمی ماہنامہ، ۲۰ جنوری ۱۸۹۹ء کو دفتر انجمن تعلیمی کی جانب سے گھاٹ دروازہ جے پور سے شائع ہوا تھا۔ اس کے منیجر

---

[1] تاج التواریخ صفحہ ۱۳۱۔

عاشق صاحب اور ایڈیٹر مولوی ولایت احمد صاحب تھے۔ ہر انگریزی مہینے کی بیسویں تاریخ کو نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا مطبع مفید عام آگرہ میں چھپتا تھا۔

یہ رسالہ علمی لیاقت اور تاریخی واقفیت بڑھانے کی غرض سے جاری کیا گیا تھا۔ اس میں اور رسالوں کی طرح شعر و شاعری یا عشقیہ مضامین شائع نہیں کئے جاتے تھے۔ ایک حصہ تاریخ گبن وغیرہ کا ترجمہ اور دوسرے حصے میں انگریزی ناول کا ترجمہ شائع ہوتا تھا۔ ناول اور تاریخ کے لئے سولہ سولہ صفحے مقرر تھے۔ رسالہ ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا۔

جے پور سے اور انجمنوں کی طرح انجمن تعلیمی اپریل ۱۸۹۷ء اور انجمن احباب اگست ۱۸۹۷ء کو قائم ہوئی تھیں۔ ان دونوں انجمنوں نے ۱۸۹۹ء میں اپنے اپنے رسالے شائع کئے تھے۔ "المعلومات" نے اپنے پہلے پرچے ۲۰ جنوری ۱۸۹۹ء میں انجمن احباب کے رسالہ "نیرنگ جہاں" کے جاری کرنے پر طنز کیا تھا۔

"یہ انجمن جس کا علمی ثبوت باہر والوں کو آج اس رسالہ کی اشاعت سے معلوم ہوگا، ۷ اپریل ۱۸۹۷ء کو قائم ہوئی اور چند دنوں میں ہی تمام ملک میں علم کا شوق پھیلا کر کئی انجمنوں کے قیام کا باعث ہوئی جن میں سے ایک انجمن نے اس رسالے کے اجراء کی خبر سنکر ایک پرچہ نکالنا شروع کیا۔"

اس طنز کا جواب "نیرنگ جہاں" نے مارچ ۱۸۹۹ء کے شمارے میں المعلومات پر ریویو کرتے ہوئے دیا ہے۔

"انجمن تعلیمی جے پور کے رسالہ "المعلومات" کا پہلا نمبر آج ہمارے سامنے ہے اور اپنی آب و تاب سے چشم و دل میں سرور کی کیفیت پیدا کر رہا ہے۔ یہ رسالہ "نیرنگ جہاں" سے بڑی تقطیع

اور اچھے کاغذ پر بہت خوش خطی اور صفائی کے ساتھ آگرہ کے مشہور مطبع مفید عام میں چھپا ہے۔ دو جز کی ضخامت ہے پہلے جز میں جارج ڈبلیو رینالڈز کے ایک ناول میری پرائس کا ترجمہ شیریں اور سلیس زبان میں ہوا ہے۔ اس ناول کا ترجمہ ہمارے لائق دوست مولوی سید محمد عباس مترجم نے نکالنا شروع کیا تھا جو پانچ جز شائع ہو کر منتخب اور روزگار کے ساتھ ہی بند ہو گیا۔ ہماری انجمن کے لائق و فائق سکریٹری جناب مولوی سید سراج الدین احمد صاحب نے اپنے ایک آرٹیکل میں مترجم صاحب کو یہ مشورہ دیا تھا کہ لفظی ترجمہ کی قید اٹھا کر مصنف کا مطلب اپنی زبان میں ادا کریں۔ بڑی خوشی کا مقام ہے کہ مترجم صاحب حال اس مشورہ پر کاربند ہوئے ہیں دوسرے جز میں معروف تاریخ گبن زوال سلطنت رومۃ الکبریٰ کا ترجمہ ہے جو بہت ہی خوبی اور اہتمام کے ساتھ شروع ہوا ہے۔۔

۔۔ ۔ اس موقع پر ان الفاظ کے لیے مشتہر منیجر "المعلومات" کا خاص شکریہ ادا کرنا بھی ہمارا فرض ہے جو در پردہ ہماری انجمن اور رسالے سے تعلق رکھتے ہیں، اگرچہ انہوں نے خدا جانے کس وجہ سے انجمن احباب اور نیرنگ جہاں کا نام اپنی زبان مبارک پر لانا گوارا نہیں فرمایا تاہم جے پور کی پبلک بہ آسانی سمجھ سکتی ہے کہ انجمن تعلیمی جن کئی انجمنوں کے قیام کا باعث ہوئی، ان میں سے ایک اور صرف ایک انجمن احباب ہی ہے کیونکہ یہ اس سے عمر میں تین چار مہینے کم ہے۔ انجمن تعلیمی بقول مشتہر اپریل ۱۸۹۰ء میں قائم ہوئی تھی اور انجمن احباب اگست ۱۸۹۰ء میں، اس لئے تقدم کا شرف تو

انجمن تعلیمی کے ذمے مسلم ہیں مگر انہیں ہی چار مہینے کے نتیجہ نشو نما کا اتنا بڑا دعویٰ چھوٹا منہ بڑی بات ہے اور یہ فقرہ اشتہار کا "جن میں ایک انجمن نے اس رسالہ کے اجرا کی خبر سنکر ایسا پرچہ نکالنا شروع کیا" کاغذ کی سرخی اور حرفوں کی سیاہی سے جھوٹ کی سفیدی کو چھپانے میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا کیونکہ انجمن اخبار" میں اجرا رسالہ کی تجویز اپریل ۱۸۹۸ء میں در پیش اور زیر بحث تھی جب کہ "المعلومات" کا وجود ذہنی ہی موہوم بلکہ معدوم تھا۔"

یہ رسالہ ہر ماہ پابندی کے ساتھ نکلتا تھا۔ اہل علم اس کو بڑی وقیع نظر سے دیکھتے تھے۔ تقریباً یہ تین چار سال چلا، لمبی زندگی نہیں پائی۔

ادیب — فیروزآباد ضلع آگرہ سے جنوری ۱۸۹۹ء کو یہ ادبی ماہنامہ جاری ہوا۔ ایڈیٹر سید اکبر علی اکبرآبادی سندیافتہ کلکتہ یونیورسٹی تھے۔ رسالانہ چندہ مع محصول ڈاک چار روپے چھ آنہ تھا۔ پچاس صفحات کی ضخامت تھی مطبع مفید عام آگرہ میں چھپتا تھا۔

اس رسالہ کا مقصد ملک میں اعلیٰ لٹریچر کا مذاق پیدا کرنا، مغربی فلسفے و نیچرل سائنس کے ذریعہ جو حملے آج مذہب پر ہو رہے ہیں، اس کی تردید یورپ کے مستند عالموں اور مشہور فلاسفروں کی تصانیف و اقوال سے کرنا اور ناظرین کے لئے علوم و فنون تاریخی واقعات اور کارآمد معلومات کا ایک مفید و دلچسپ ذخیرہ فلسفہ، اخلاق، تاریخ طب، طبیعات، تمدن، معاشرت، صنعت و حرفت اور تجارت کے متعلق مضامین فراہم کرنا تھا۔ اس کے مضمون نگار مولوی ذکاء اللہ، مولانا سید امجد علی اشہری،

مولوی محمد منور خاں سکنڈ ماسٹر مشن اسکول کاس گنج، مولوی بہاں احمد علوی حمیدی، مولوی حکیم مرزا باقر حسین صاحب سابق ایڈیٹر اخبار روح الامین وہیڈ مولوی سکنڈرہ از فینیج اسکول آگرہ وغیرہ تھے۔

ادیب یکم جنوری ۱۹۱۱ء میں فن اخبار نویسی پر ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ اس کا اقتباس ملاحظہ ہو۔ یہ مضمون سید اکبر علی اکبر آبادی کا ہے۔

"ملک چین کے باشندے کہتے ہیں کہ ہم ہی اخبارات کے موجد ہیں قدیم دنیا میں سب سے پہلا اخبار ہم نے ہی نکالا تھا مگر چینیوں کا یہ دعویٰ ہنوز تحقیقی طور پر پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا ہے۔ سب سے پہلا اخبار ایکٹا ڈیما ملک روما کے قدیم باشندوں نے حضرت عیسیٰؑ سے کئی صدی پیشتر جاری کیا تھا۔ اس کے بعد ملک جرمن میں پندرھویں صدی عیسوی میں شائع ہوا۔ روس میں پہلا اخبار ۱۷۰۲ء میں اور فرانس میں پہلا اخبار گزٹ دی فرانس ۱۶۳۱ء میں۔ انگلستان میں پہلا اخبار ویکلی نیوز ۱۶۲۲ء میں جاری ہوا۔ کہتے ہیں کہ یہی اخبار ویکلی نیوز ۱۷۸۵ء میں "ڈیلی یونیورسل رجسٹر" کے نام سے ہو کر ۱۷۸۸ء میں ٹائمز شائع ہوا۔ امریکہ میں جہاں اخبارات نے حیرت انگیز ترقی کی ہے، ۱۷۰۴ء سے پہلے اخبار کا نام تک نہ جانتے تھے۔ مذکورہ سنہ میں "بوسٹن نیوز لیٹر" پہلا اخبار شمالی امریکہ میں شائع ہوا۔ اخبار نویسی وہ شریف اور معزز فن ہے جس سے کسی نہ کسی نوع کا تعلق رکھنا بڑے بڑے سلاطین اور مدبرین سلطنت نے ہمیشہ اپنا فخر سمجھا ہے۔ ملک روس میں جو پہلا اخبار ۱۷۰۳ء میں جاری ہوا تھا پیٹر اعظم شاہنشاہ روس نہ صرف اس کے ایڈیٹوریل مضامین ہی بذاتِ خود تحریر کیا کرتا تھا بلکہ اس کے

پروف ریک کی کاپیاں خود صحیح کرتا تھا جیسا کہ ان اخبار کے رسالوں کی کاپیوں سے ظاہر ہے۔ یہ کاپیاں سینٹ ہیلینا، شاہنشاہی کتب خانہ میں اس وقت تک محفوظ ہیں۔ فرانس کا مشہور شاہنشاہ نپولین اخبارات کی مدد سے عام رعایائے فرانس کو اپنا ہم خیال بنا کر تمام مہتم بالشان معاملات اپنی مرضی کے مطابق کیا کرتا تھا۔ اس کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی اہم کام کرنا چاہتا تھا تو اول ملک کے زبردست اور باوقعت اخباروں میں اپنی رائے کی تائید میں مضامین علی التواتر لکھواتا تھا۔"

مئی و جون ۱۸۹۹ء کے رسالہ میں ملک کے بعض مشہور ادیبوں کے انتقال کی خبر شائع ہوئی ہے اور نواب محمد علی خاں تسکیں کی تاریخ وفات کا قطعہ بھی درج ہے۔

"تاریخ ۲۰ مئی کو آنریبل نواب محمد علی خاں تسکیں خلف اکبر نواب مصطفیٰ خاں صاحب شیفتہ وحسرتی رئیس جہاں گیرآباد نے دہلی میں انتقال فرمایا۔ مرحوم کے ہاتھ میں ایک سفید دانہ نکلا تھا جو پیام اجل تھا۔ آپ کی عمر ۵۰ سال تھی اور اپنی سادہ مزاجی، اولوالعزمی اور قومی ہمدردی کی وجہ سے سرکار اور رعایا دونوں کی نظروں میں نہایت ہردلعزیز اور نیک نام تھے۔ مرحوم کے برادر اصغر نواب اسحاق خاں صاحب ریاست رامپور کے مدارالمہام ہیں جو آپ کی حیات میں دہلی تشریف لے آئے تھے۔ اسی مہینے میں غرہ محرم ۱۳۱۷ھ کو ہندوستان کے مشہور شاعر و فارسی قصیدہ گو مولانا سید فضل رب عرشی نے حیدرآباد میں رحلت فرمائی۔ مرحوم خانزی پور کے باشندے اور ریاست میں تین سو روپیہ ماہوار کے

منصب دار تھے۔ اپنے فن میں وحید العصر تھے چند ہی ساعت میں فی البدیہہ قصیدہ کہہ دیا کرتے تھے۔ کلام ایرانی طرز سے سناتے تھے اگر پس پردہ پڑھتے تو ہرگز یہ تمیز نہیں ہو سکتی تھی کہ یہ لہجہ ہندوستانی کا ہے یا ایرانی کا۔ قصیدہ گوئی میں بالکل خاقانی اور عرفی کے ہم پلہ تھے۔ اس خداداد لیاقت و قابلیت کو مرحوم کی منکسر المزاجی اور سادگی نے اور بھی چمکا دیا تھا۔"

یکم جنوری ۱۸۹۹ء کے شمارے میں رسالہ بصائر پر ریویو اور دارالاسلام کا اشتہار شائع ہوا ہے۔ یہ دونوں کب جاری ہوئے یہ معلوم نہیں ہو سکا۔

"رسالہ بصائر ایک ماہواری اسلامی رسالہ ہے جو دفتر فلکی اینڈ سن چاول منڈی چوک کان پور سے باہتمام مولوی بقا حسین خاں فلکی منجم عالی جاہی شائع ہوتا ہے۔ اس کے مقاصد یہ ہیں: اسلامی فرقوں کے باہمی نزاعات کو شائستہ عنوان سے دور کرنا، ان کو ترقی کی شاہراہ پر لگانا، صنعت و حرفت کی ضرورت پر بحث کرنا اور ان کے لئے مفید تدابیر بتلانا، کیمیا، خضاب، تریاق، عرق وغیرہ کی نادر ترکیبیں بتلانا، عملیات و تعبیرات و فلکیات یعنی تاثیر کواکب وغیرہ کے مفید ہونے پر بحث کرنا اور اس امر کا اظہار کہ شریعت اس کی کہاں تک اجازت دیتی ہے اور جھوٹے شعبدہ باز فقیروں نے اس میں کس درجہ خلط مبحث کیا ہے، قطعات و نام تاریخی، ولادت و تعمیرات و تصنیفات و وفات و مقابر و مساجد بھی فرمائش کرنے پر درج ہوتے ہیں۔ رسالہ کی قیمت ایک روپیہ سالانہ ہے۔"

"الاسلام مرادآباد سے ہر انگریزی مہینے کی ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے اس میں اسلامی خبروں کے علاوہ مشہور مورخ علامہ ابن خلدون کی معتبر تاریخ کا ترجمہ اور مشاہیر عالم کی سوانح بھی بصیغہ بندی جداگانہ شائع ہوتے ہیں مسلمانوں کی ترقی اور تنزل کے اسباب ظاہر کرکے قوم کو اسباب ترقی کی طرف متوجہ کرنا اور مخالفین اسلام کے اعتراضات کا جواب دینا بھی اس کے مقاصد میں داخل ہے قیمت مع محصولڈاک صرف ایک روپیہ آٹھ آنے سالانہ مقرر ہے۔ منشی حامد حسین مالک رسالہ سے درخواست کرنے پر خریداروں کے نام جاری ہو سکتا ہے"

دبدبۂ قیصری بریلی نے ۲۲ مئی ۱۸۹۹ء کے اخبار میں ادیب پر ریویو کیا ہے۔

"اس نام کا ایک بالکل نئے طرز کا علمی میگزین زیر ایڈیٹری جناب سید اکبر علی صاحب اکبرآبادی سند یافتہ کلکتہ یونیورسٹی مقام فیروزآباد ضلع آگرہ سے پچاس صفحہ کے حجم میں شروع سال ۱۸۹۹ء سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ زبان اردو میں اگرچہ بہت کچھ اصلاحیں ہو چکی ہیں تاہم وہ پھر بھی فلسفہ، سائنس، ہیئت اور دیگر ضروری علوم کے اعتبار سے بہت ہی غریب ہے اور ہم خوشی سے اعتراف کرتے ہیں کہ جس ڈھنگ سے اس کی تالیف و ترتیب ہوئی ہے۔ اس سے امید ہے کہ یہ ان ضرورتوں کو پورا کرکے اردو لٹریچر میں میں ایک نئی روح پھونک دے گا۔ اس کی لکھائی چھپائی کی عمدگی یہ وہ خوبیاں ہیں جو اس کو بہت ہر دلعزیز بنا دیں گی"

مولانا شبلی نعمانی اس رسالہ کے بارے میں یہ رائے رکھتے تھے،

"میں موجودہ رسالوں میں ادیب کو مدت سے افضل سمجھتا ہوں۔ جنوری ۱۸۹۹ء سے دسمبر تک بارہ پرچوں میں جن کی مجموعی ضخامت پانچ سو صفحے سے زائد ہے، تقریباً ایک سو بیس مضامین طبع ہوئے ہیں جو علمی معلومات کا خزانہ اور سحر طرازی انشاپردازوں کے زور قلم اور اردوئے معلیٰ کا اعلیٰ نمونہ ہیں اور علوم مختلفہ تاریخ فلسفہ، ہیئت، علم الارض، طبیعات، حیوانات، نباتات، مفید و دلچسپ نکات سے پر ہیں۔" [1]

زبان دہلی فروری ۱۹۱۰ء کے مضمون نگار جناب دبیر کلی مولانا شبلی کی رائے سے اتفاق کرتے ہیں:

"یادش بخیر ادیب مرحوم جو فیروزآباد ضلع آگرہ سے جناب میر اکبر علی صاحب اکبرآبادی نے نکالا تھا اور جسے کل اردو رسائل کا باوا آدم کہنا حق بجانب ہوگا۔ کیونکہ اس سے قبل کوئی اردو رسالہ اس مذاق و پایہ کا تھا ہی نہیں۔"

شرارہ مرادآباد سے یہ علمی رسالہ جنوری ۱۸۹۹ء کو وجود میں آیا۔ مہتمم منشی ایم فضل محمد صاحب تھے۔ مہینہ میں دو مرتبہ شائع ہوتا تھا، ۲۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ دو روپے چھ آنے تھا شمس المطابع مرادآباد میں چھپتا تھا۔

اس رسالہ میں باستثنار پولٹیکل مباحث کے معلومات عامہ کے متعلق

---

[1] آگرہ اخبار ۲۱ جنوری ۱۹۰۰ء

تازہ تازہ خبریں، پند ونصائح، لطائف، تاریخی وجغرافی معلومات، سوانح عمریاں عجائبات عالم، شعر وسخن، اسلامی معلومات، صنعت وحرفت، سیر وسیاحت اور طالب علموں کے لئے مخصوص مضامین درج ہوتے تھے۔

آریہ مسافر جالندھر سے یہ ماہانہ رسالہ اکتوبر ۱۸۹۹ء سے جاری ہوا مہاشے وزیر چند اس کے مہتمم تھے، ۹۰ صفحات پر مشتمل تھا سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ ویدک دھرم پرچارک پریس میں طبع ہوتا تھا۔

یہ رسالہ آریہ سبھا پنجاب کا آرگن تھا پنڈت لیکھرام جی آریہ مسافر کی یادگار کے طور پر شائع ہوا تھا۔ اس میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے مذہبی عقائد پر نکتہ چینی کی جاتی تھی

مہاشہ ملتی رام شرما کا مضمون عیسائیوں کی نئی چالیں اپریل ۱۹۰۹ء میں شائع ہوا ہے جو معلوماتی اور تاریخی مضمون ہے اور سات صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے ضروری اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں۔

> "مشنری ہسپتال بھی کچھ اسی قسم کا کام دیتے ہیں۔ یہ ہسپتال دو قسم کے ہوتے ہیں ایک مقامی اور دوسرے گشتی مگر کام ان میں یکساں ہی ہوتا ہے۔ یہ تو منادی کرا ہی دی جاتی ہے کہ دوائی مفت ملے گی۔ غریب لوگ فوراً ٹوٹ پڑتے ہیں جس کے پیٹ میں درد ہوا وہ بھی مشنری ہسپتال تک دوڑا، جس کا کان کھجلایا وہ بھی اسی شفاخانہ تک بھاگا۔ اس طرح لوگوں کی بہت سی بھیڑ ہوگئی جلد دوائی تو کیا ملتی تھی بیچاروں کو گھنٹوں بٹھائے رکھا۔ پادری نے انجیل سنانی شروع کی اور ادھر ادھر کی چند باتیں ملا کر کہنے لگے مسیح پر ایمان لائے بغیر نجات ممکن نہیں۔ دیکھو دنیا میں اس قدر مخلوق

اس نجات دلانے والے پر ایمان لائے ہوئے ہے تمام یورپ اور امریکہ وغیرہ، سادہ لوح اشخاص جن کو اپنے دھرم کی کچھ بھی خبر نہیں ہوتی اسی وقت بپتسمہ لینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں مگر عقلمند اور ہوشیار جان لیتے ہیں کہ خدا کا کوئی بیٹا نہیں اور نہ پوتا ... ... اپدیش کے بعد پادری صاحب معمولی دوائیاں دیکر رخصت کر دیتے ہیں اور دوسرے روز پھر آنے کے لئے تاکید، اس طرح روزانہ اپدیش سے سادہ لوح اشخاص کی کافی تعداد مشنریوں کے دام میں پھنس جاتی ہے ... ... شروع میں جب پادری صاحبان ہندوستان میں آئے تو انہوں نے دیکھا کہ یہاں نیچ ذاتوں سے چھوت چھات کا بڑا زور ہے اور اونچ ذاتوں تک رسائی صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ظاہرا طور پر اس قسم کی چھوت چھات روا رکھی جائے جس کا اونچ ذاتوں میں رواج ہے۔ چنانچہ عیسائیوں کی ایک مجلس ملایلم میں منعقد ہوئی جس کے پریسیڈنٹ آرک بشپ میتریس تھے۔ اس مجلس میں یہ فتویٰ دیا گیا تھا کہ نیچ ذات کے آدمیوں کے ساتھ عیسائیوں کو اس وقت تک نہ چھوڑنا چاہیے جبکہ بڑی ذات والے ہندوؤں کے ساتھ ہوا، لیکن جب عیسائیوں کے سوا کوئی نہ ہو۔ (دیکھو ریورنڈ ایچ پادر صاحب مضمون ہندوؤں کی ذات صفحہ ۵۲ مطبوعہ کرسچین ٹریکٹ اینڈ بک سوسائٹی بپٹسٹ مشن پریس کلکتہ ۱۸۵۱ء) رابرٹ دی نوبلی صاحب ۱۶۰۶ء میں ہندوستان آیا۔ اس نے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ پادریوں نے یہ بات مشہور کر رکھی تھی کہ ہم یورپ کے برہمن ہیں اور جمبو دیپ کے مغربی حصہ میں

پانچ ہزار فرسنگ کے فاصلے سے آئے ہیں کہ اپنے بھائی ہندوستانی برہمنوں سے علم سیکھیں اور اپنا علم ان کو سکھائیں جب ان پادریوں نے اپنے آپ کو برہمن مشہور کیا تب انہوں نے اس قوم کی تقلید بھی شروع کی، وہ پتیامبر دھوتی پہننے لگے جیسا کہ ہندوستان کے مذہبی پیشوا اور فقیر پہنتے ہیں اور جل دینے لگے جب کہ وہ عام آدمیوں کے ساتھ جاتے تھے چندن بھی ملتے یہ لگاتے تھے جیسا کہ برہمن لگاتے ہیں۔ (خطوط اے. بی ڈیوبائس صاحب صفحہ ۵، ۶ اور پادری صاحب کی کتاب صفحہ ۴۵) صرف یہاں تک ہی صبر نہیں کیا بلکہ براہمنوں کو اپنے میں شامل کرنے کی غرض سے انہوں نے انجیل کی سچائیوں اور غریب معتقدوں کی آزادی کو گڑبڑ کرتے وقت ذرا بھی نہ سوچا۔ اپنے آپ کو بڑے درجے کے برہمن مشہور کیا۔ ان پادریوں نے ہندوؤں کے اصلی نام بھی اختیار کر لئے تھے۔ .. پادری رابرٹ دی نوبی لی بس نے اپنا نام تو بودھ گیہ سوامی رکھا اور پادری آر، سی، جی بس چی صاحب نے ویرام منی رکھا۔ ہندو لوگ ان کو اور ان کے بھائیوں کو ہمیشہ ان کے ہندو ناموں سے جانتے تھے۔ نیچ ذاتوں کے گرجے بھی الگ تھے، اگر وہ بڑی ذات والوں کے گرجے میں جانا چاہتے تھے تو وہاں سے نکال دیئے جاتے تھے اور کوڑوں سے پیٹے جاتے تھے اور جب کوئی نیچ ذات کا آدمی مر جاتا تھا تو عیسائی سنیاسی اس وقت تک آخری مذہبی رسم ادا کرنے کے لئے گھر میں نہیں آتا تھا جب تک کہ

یح

اسے گھسیٹ کر میدان میں نہیں نکال دیا جاتا تھا یا کسی دوسرے گرجے میں نہیں لایا جاتا تھا۔ اس پر بھی وہ مردہ کو نہیں چھو سکتا تھا۔ (کلکتہ ریویو صفحہ ۹۴ پادری صاحب کی کتاب صفحہ ۷۵)۔

البشیر ۱۸۹۹ء میں اٹاوہ سے یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا۔ یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا۔ جس کے ایڈیٹر و مالک محمد بشیر الدین صاحب تھے۔ بڑے صفحات پر بارہ صفحوں پر شائع ہوتا تھا۔ البشیر پریس میں طباعت ہوتی تھی۔

15241

GOVT GIRLS COLLEGE
ACC. No 15241
LIBRARY

۱۹۰۰ء

خادم الاسلام

کلکتہ مچھوا بازار سے یہ ماہنامہ انجمن خادم الاسلام کلکتہ نے یکم ستمبر ۱۹۰۰ء مطابق جمادی الاول ۱۳۱۸ھ کو جاری کیا۔ یہ ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو نکلتا تھا۔ اس کے مہتمم حافظ محمد موسیٰ صاحب تھے۔ ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ نظامی پریس کلکتہ میں طبع ہوتا تھا۔ یہ رسالہ سلطان عبدالحمید خاں کی یادگار میں شائع ہوا تھا۔ اس رسالے کے مقاصد یہ تھے۔

۱۔ اسلام کے برکات اور خوبیوں کے ساتھ اخلاقِ محمدی کا ظاہر کرنا اور اسلام کے منور چہرے سے الزامات کی گرد و غبار کا دور کرنا۔

۲۔ عام مسلمانوں کی صلاح و فلاح پر غور و فکر کرنا اور اس کی تدابیر بحث کرنی۔

۳۔ مخالفین اسلام کے بیجا اور لغو اعتراضات کے دلائل عقلی و نقلی سے تردید کرنی۔

۴۔ مشاہیر اسلام و ناموران امت خیر انام کی سوانح عمری کا کچھ نہ کچھ حصہ ہر پرچہ میں درج ہوگا۔

اس رسالے کے پانچ سو پرچے بغرض تبلیغ مفت دیئے جاتے تھے رفعت

کن لوگوں کو کس شرط کے ساتھ دیئے جاتے وہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ جو صاحب لکھنا پڑھنا جانتے ہوں اور اس بات کا حلفاً وعدہ کریں کہ میں اس رسالے کو از اول تا آخر پڑھوں گا اور اپنے دوست واحباب کو سناؤں گا یا گھر کی مستورات کو سبقاً یاد کراؤں گا۔ ان لوگوں کو ایک پرچہ بلا قیمت ملے گا۔

۲۔ علمار مشاہیر کی خدمت بابرکت میں یہ رسالہ ہمیشہ شرف حضور حاصل کرتا رہے گا، خواہ وہ اپنے فرائض سے سبکدوش ہونے کی فکر کریں یا نہ کریں۔

کرزن گزٹ

کلاں محل دہلی سے فروری ۱۹۰۰ء میں یہ ہفتہ وار اخبار جلوہ نما ہوا۔ جو بیس صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے مالک و ایڈیٹر مرزا حیرت تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ کرزن پریس میں چھپتا تھا۔ اس کا ایل ۲۳؍۱۲ تھا۔

ہمارے سامنے کرزن اخبار کا ۱۹۱۲ء کا فائل ہے اس کی ترتیب مضامین اس طرح ہے۔ پہلے صفحہ کی پیشانی پر دونوں طرف چاند ہے۔ اس کے نیچے انگریزی اور عربی خط میں کرزن گزٹ لکھا ہوا ہے، بقایا آدھے صفحے سے زیادہ پر کرزن گزٹ" کی کتابوں کے اشتہارات ہیں دوسرا صفحہ بھی اشتہارات سے بھر پور رہے تیسرے صفحہ پر لیڈنگ آرٹیکل ہوتا ہے، چوتھے صفحہ پر یادرفتگاں کے عنوان کے تحت بہادر شاہ ظفر کے سراج الاخبار کے اقتباسات ہوتے ہیں۔ ۱۴ صفحوں تک علمی و تاریخی تنقیدی مقالات اور بندرہ پر لوکل اور غیر ملکی خبریں ہر شمارے میں درج ہوتی تھیں۔ کسی نہ کسی کتاب کا بھی مضمون قسط وار دیا جاتا تھا، مراسلات کا بھی عنوان تھا۔ بقایا صفحے اشتہارات سے مزین کئے جاتے تھے۔

اس اخبار کی پالیسی بیباکانہ اور بے لاگ تھی، حکومت کے وفاداروں کی دل کھول کر خبر لیتا تھا اور حکومت کے غلط اعمال کی بیخ کنی کرنے سے بھی نہیں

جو کتنا تھا، مذہبی ٹھیکیداروں اور ملت کے غمگساروں کے بخیے ادھیڑنے میں اس کو کمال حاصل تھا۔ اس کے ایڈیٹر مرزا حیرت حق گوئی کی خاطر مصیبتیں برداشت کرتے تھے لیکن قلم میں کبھی تذبذب، ڈھیل و کمزوری نہیں آنے دیتے تھے۔

کرزن گزٹ میں غیر ملکی خبریں بہت زیادہ ہوتی تھیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اگر اس اخبار میں کوئی خبر ہوتی تھی تو غیر ملکی ہی اور وہ بھی جنگ سے متعلق۔ اس سے کم مقامی یعنی دہلی کے حالات واقعات، اس زمانہ کی دہلی کا حال، دہلی کے علماء، فن کار اور اہل صنعت سے متعلق مضامین شائع ہوتے تھے۔ دہلی کی بڑی سے بڑی اور معزز سے معزز ہستیاں اور شخصیتیں بھی تنقید کی زد میں آتی تھیں، اور ان پر بھی نکتہ چینی کی جاتی تھی، اور ان کا جو تاریک پہلو دنیا کی نظروں سے اوجھل ہوتا تھا اس کو بھی منظر عام پر لانے سے نہیں جھجکتا تھا۔ عیسائی مشنریوں کی خطرناک حرکتوں سے عوام کو آگاہ کرنا ضروری سمجھتا تھا۔

ہندوستان میں عیسائی مشنریوں نے اپنے مذہب میں پھنسانے کے لئے سکول، کالج، یتیم خانے، ہسپتال، دوا خانے اور سوسائٹیوں کے علاوہ مکتی فوج کا بھی جال پھیلا رکھا تھا جس کی تفصیل ۸ راپریل ۱۹۱۲ء کے شمارے میں دی ہے۔

"مکتی فوج کی بنیاد جنرل بوتھ نے ۴۴ سال گذرے جب ڈالی تھی اس کے کرنیل اور جرنیل تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، وہ نہ صرف امریکہ، انگلستان اور اس کی بستیوں ہی میں بلکہ افریقہ کی وحشی قوموں اور بھارت ورش میں نہایت سرگرمی سے کام کر رہے ہیں۔ ہندوستان اور سیلون کے لئے سب سے بڑا افسر کمشنر منقیر سنگھ ورنتی (دیوتھ) ہے جس کا صدر مقام شملہ ہے۔ ان کے علاوہ بھارت ورش میں ان کے سات مرکز ہیں اور ان مرکزوں کے لئے

علیحدہ علیحدہ افسر مقرر ہیں۔

۱۔ بمبئی، گجرات اور مغربی ہندوستان کے لئے کرنیل سکھا سنگھ اور متھوری (بلورس) مقرر ہیں۔ ان کا صدر مقام بمبئی میں ہے۔

۲۔ ٹرانکور اور جنوبی ہند کے لئے کرنیل نورانی (کیس) صدر مقام ٹرانکور

۳۔ مدراس اور تلیگو کے لئے لفٹننٹ کرنیل یسو رتنا رام اور بوڈامائی (ڈیٹونس) صدر مقام مدراس۔

۴۔ مہاراشٹر برگیڈیر دیالی (دان ڈیر ورکس) صدر مقام پونہ۔

۵۔ پنجاب لفٹننٹ کرنل ایمان سنگھ اور ایمانی مائی۔ صدر مقام فیروز پور لاہور۔

۶۔ اضلاع متحدہ برگیڈیر دلیری سنگھ اور ستیہ بائی۔ صدر مقام بریلی۔

ہندوستان میں مکتی فوج کا کام شروع کئے ۲۸½ سال گذر گئے ہیں بکتی فوج کے چار پرچارک ۱۶ ستمبر ۱۸۸۲ء کو بمبئی میں پہنچے تھے۔ بکتی فوج کے پرچارک مختلف طرح سے اپنا کام کرتے ہیں خاص پرچارکوں کے افادہ جوکہ گاؤں گاؤں، شہر شہر میں پھر کر انجیل کی منادی کرتے ہیں، دیہات میں ان اسکولوں میں جہاں کے بچوں کو علاوہ دنیاوی تعلیم کے عیسائی مذہب کی تعلیم دی جاتی ہے، ان کے اپنے بنک ہیں، صنعت وحرفت کے کارخانے ہیں۔ ذیل کے ہندسوں سے آپ کو ہندوستان میں مکتی فوج کے کارناموں کا پتہ لگ سکے گا۔

یورپین اور امریکن مشنری ۱۹۰ ، ہندوستانی اور سیلونی افسر ۲۰۳۷

کل یورپین اور ہندوستانی کام کرنے والے ۲۲۶۳ ، مقام وچھاونیاں

جہاں کام ہوتا ہے ۴۰۲۵، صوبجاتی مرکز ۱۰، صوبوں کی تعداد جہاں کام ہو رہا ہے ۱۳، کتنی زبانوں میں کام ہو رہا ہے ۱۲۱، دیہات میں ان کے مدرسے ۴۰۰۹، ان مدرسوں میں لڑکوں کی تعداد ۹۴۱۲ بچوں کے لئے صنعت وحرفت کے اسکول ۲۰، صنعت وحرفت کے اسکولوں میں رہنے والوں کی تعداد ۱۰۰۰، جرائم پیشہ اقوام کے لئے زراعتی اور صنعتی ہسپتال ۸، ان بستیوں میں کل افراد ۲۳۰۰ کاشت کی بستیاں ۵، لڑکیوں کے آچار سدھارنے کے آشرم ۴ ان آشرموں میں لڑکیوں کی تعداد ۱۰۰، جلاہوں کے واسطے اسکول اور کارخانے ۷، ہسپتال ۱۶، ڈسپنسریاں ۴۸، دیہاتی بنک ۳۰، ریشم کے کارخانے ۴، کل سوشل انسٹی ٹیوشن ۸۱، ان انسٹی ٹیوشنوں میں آدمیوں کی تعداد ۳۹۸۰۔

رپورٹ کہتی ہے کہ گاؤں کے گاؤں عیسائی ہو گئے ہیں مکتی فوج کے تعلیمی سکریٹری نے اپنے صرف ۸ ہفتے کے دورے میں سو آدمیوں کو عیسائی بنایا۔ تھوڑے عرصے کے دورے میں سو سے ہزار تک آدمی عیسائی مذہب اختیار کرتے ہیں۔"

آج سے ۵۲ سال قبل دہلی والے گرمی سے بچنے اور پیاس کو بجھانے کے لئے کن چیزوں کو استعمال کرتے تھے، اس کا ۱۵ رمئی ۱۹۱۲ء کے شمارے میں ذکر ہے۔

"گرمی کی گرم بازاری شروع ہو گئی ہے۔ کئی روز سے یکایک سخت گرمی پڑنے لگی ہے، رات کو پچھلے پہر تک لو چلتی رہتی ہے دھوپ کی تیزی بڑھتی جاتی ہے شربت والوں کی دکان پر

غول کے غول تیسرے پہر نظر آنے لگتے ہیں۔ انگریزی، کھاری میٹھا پانی بھی پیا جاتا ہے۔ لیکن جتنا قند کے شربت کا رواج ہے اور کسی کچے پکے شربت کا نہیں ہے۔ تخم ریحان اور فالودہ شربت کی جان ہے۔ دو پیسے کا نصف گلاس اور ایک آنہ کا پورا گلاس دیا جاتا ہے یہ دکانیں گویا دہلی کے مسلمانوں کے لئے ریفرشمنٹ روم یا ہوٹل ہیں۔ دس دس، پندرہ پندرہ آدمیوں کے غول ہر دکان پر بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کے قہقہے اور چہچہے دہلی کی زندہ دلی کا پورا نمونہ ہیں شربت قند کا نہیں بنتا بلکہ اولوں کا بنتا ہے۔ اولے قند کو پکا کے بناتے ہیں۔ نارنگی یا لیمو وغیرہ کے ست سے کام لیا جاتا ہے گرمیوں میں اولوں کے شربت پینے کی قدیمی رسم ہے یہ بھی دستور ہے، کہ اگر کسی کی فصد کھلتی ہے تو اولے اور پان بٹتے ہیں اور اگر کسی کا جلاب ہوتا ہے تو بھی یہی دونوں چیزیں تقسیم کی جاتی ہیں۔ حصہ وغیرہ میں بھی اولے ہی کام آتے ہیں۔

مگر گرمی میں زیادہ تر شربت اس طرح بنایا جاتا ہے کہ پہلے ایک اولا گلاس میں ڈال دیا جاتا ہے اور اسے نل کے پانی میں گھول لیا جاتا ہے۔ پھر ایک کپڑے میں برف کا ایک ٹکڑا لپیٹ کے برف والا موگری سے باریک کوٹتا ہے۔ جب برف باریک ہو جاتی ہے تو اس گلاس میں ڈال دیتا ہے اور پھر کچھ پھولی ہوئی تخم ریحان اور کسی قدر فالودہ ڈال کے اور کیوڑہ کے عرق کا ایک آدھ قطرہ خوشبو کے لئے چھڑک کے گاہک کے آگے پیش کر دیتا ہے۔ فی الواقع اس وقت شدید گرمی لوؤں کے موسم میں سخت تپش اور انتہائے پیاس میں

یہ خنک اور ٹھنڈا گلاس ایسا اچھا معلوم ہوتا ہے کہ چند منٹ کے لئے تو کلیجہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور جان میں جان آجاتی ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنت کی خنک شراب پی رہے ہیں۔ سہ پہر سے شربت پینے والوں کا ہجوم شروع ہوتا ہے اور نو بجے جاکے زور کم ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں نے بھی جا بجا شربت کی دکانیں کر رکھی ہیں شربت بھی ادنے کا ان کے ہاں بھی پلایا جاتا ہے۔ بجائے شیشے کے گلاسوں کے ان کے مٹی کے مٹکنے ہوتے ہیں۔ کھٹیلوں پر جو کپڑا پڑا رہتا ہے وہ زیادہ سفید نہیں ہوتا، نہ کوئی میز ہوتی ہے۔ گاہک آسانی سے اس پر گلاس رکھ کے شربت پیتے ہیں۔ بعض دکانوں پر تو بیٹھنے کی بھی جگہ نہیں ہوتی لوگ کھڑے کھڑے پی کے اور مٹکیا توڑ کے چلتے بنتے ہیں۔ غرض یہ ہے دہلی کے بازاروں کی گہما گہمی گرمیوں میں بہت ہوتی ہے۔ برسات میں باغات، قطب اور نظام الدین میں آدمیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ دکھائی دیتے ہیں اور جاڑوں میں گھر آباد رہتے ہیں آج کل سہ پہر کو دہلی کے بازار دیکھنے کے قابل ہیں۔ سقے کی کٹوروں کی آواز، ساقیوں کے حقہ کی بہار، ساقیوں کی دکانوں کی رونق، رنگین مزاج نوجوانوں کے لئے "راجہ اندر کا اکھاڑہ" معلوم ہوتی ہے۔"

۱۹۱۲ء میں دہلی میں نئی دہلی کے بنانے کے لئے سکیمیں بنائی جارہی تھیں، دہلی والوں پر کیا گذر رہی تھی اور ان کے خیالات کس قسم کے تھے، اس کی ترجمانی ۲۳ جنوری ۱۹۱۲ء کا کرزن گزٹ کرتا ہے۔ اور ۱۹۱۲ء میں بازار دریا گنج کس حالت میں تھا، اس کی کیفیت بھی اسی شمارے میں درج ہے۔

۱۔ " ابھی تک یہ نہیں معلوم ہوا کہ نئی دہلی کے حدود اربعہ کیا ہوں گے

اور گاؤں کا کون سا حصہ اس میں شریک کیا جائے گا۔ یہ بات تو طے شدہ ہے کہ جدید شہر بلب گڈھ تک نہیں جائے گا مگر جیسا کہ افواہ ہے شاہدرہ وغیرہ بھی جدید شہر میں ملا لئے جائیں گے، اس کی کوئی تصدیق نہیں ہوئی۔ عدالتوں یا ہائی کورٹ اور چیف کورٹ کے متعلق ابھی کچھ سننے میں نہیں آیا۔ اس پر مختلف خیالات ظاہر کئے جاتے ہیں۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ یہ شہنشاہی جدید شہر کسی ادنیٰ صوبہ کا کسی پہلو سے بھی دست نگر نہ رہے۔ غدر کے بعد سے دہلی پنجاب میں شامل کر دی گئی اور قضا و قدر نے اسے یہ سزا دی کہ وہ ایک کور دہ کے ماتحت بنا دی گئی جس سے اس کی خود داری عظمت اور بزرگی کا خاتمہ ہو گیا۔ اگر لاہور کے ماتحت نہ ہوتی تو اب تک موجودہ حالت سے کہیں زیادہ ترقی کر جاتی۔ خدا نہ کرے کہ ہندوستان کا پایۂ تخت بننے کے بعد بھی یہ لاہور کی کسی معاملہ میں دست نگر رہے۔"

۲۔ مدت سے غل مچ رہا تھا کہ دریا گنج خالی ہوگا اور جو پلٹن یہاں رہتی ہے وہ بڑی چھاؤنی میں چلی جائے گی۔ اس نظریے سے یہ مقام صحت کے لحاظ سے بہت ہی خراب ہے۔ دریا گنج ایک تاریخی مقام ہے۔ یہی خاص بازار تھا، یہیں امرائے سلطنت رہا کرتے تھے، یہیں تین سو پالکی نشین امرا کی حویلیاں بنی ہوتی تھیں۔ اس کا ایک زمانہ میں بڑا عروج تھا۔ یہ قلعہ کے پائیں میں واقع ہے۔ آج یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ فوجوں کی بارکیں ہیں یا جنگی افسروں کی چند کوٹھیاں اور چمن ہیں۔ ہاں یہ قطع زمین اگر

نیلام ہو جائے گا تو ہزاروں مکانات بچ جائیں گے اور نئے
سرے سے آباد ہو جائے گی۔"

نسیم کٹرہ گوگل شاہ بازار ٹیا محل دہلی سے یہ ماہانہ گلدستہ ۱۹۰۰ء کو وجود میں آیا۔ ہر انگریزی مہینے کی تیسری کو ۲۸ صفحات پر شائع ہوتا تھا۔ سرپرست محمد عبدالستار اختر، مہتمم منشی قربان علی بسمل تھے۔ سالانہ چندہ ۱۲ روپیہ تھا۔ جانی پریس دہلی میں طبع ہوتا تھا۔ اس کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا۔ ؎

دہ تازگی ہو غنچۂ دل منہ سے بول اٹھے — جھونکا جدھر سے آئے نسیم بہار کا

اس گلدستہ میں غزلوں کے علاوہ مضامین اور دو ورقہ بالاقساط ناول بھی شائع ہوتا تھا۔

۲ جولائی ۱۹۰۱ء نمبر ۷ جلد ۲ سے منتخب اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔

جناب محمد عبدالستار صاحب، اختر مرچنٹ دہلی مربی گلدستہ ہذا۔ ؎

غیر دل پہ یوں عنایتیں یوں مہرباں رہے
اور ہم پہ ٹوٹتے ستم ناگہاں رہے
تھامے ہوئے جگر وہ چلے آئیں میرے پاس
یوں پر اثر الٰہی ہماری فغاں رہے
ٹھکرا کے میری قبر وہ کہتے ہیں ناز سے
اچھا ہے تیرے حق میں جو تو بے نشاں رہے
کیا جانئے کیا رقیب نے پھونکا ہے کان میں
اختر وہ رات ہم سے بہت بدگماں رہے

جناب منشی حامد مرزا صاحب آزاد خوشنویس دہلوی۔ ؎

کیا پوچھتے ہو ہم سے کہ شب ہم کہاں رہے
لب پر خموشی سینہ میں دردِ نہاں رہے
دنیا میں جب سے آئے ہیں بے خانماں رہے
بے چین و بے نصیب رہے ہم جہاں رہے
گل جب آئے نالہ و فریاد کا مزہ
بلبل کے منہ میں کاش ہماری زباں رہے
دیر و حرم مساوی ہیں آزاد کے لئے
دن کو اگر یہاں ہیں تو شب کو وہاں رہے

جناب منشی قربان علی صاحب بسمل مہتمم گلدستہ نسیم دہلی۔ ۵

یارب شبِ وصال بھی وہ بد گماں رہے
ہم موسم بہار میں فصلِ خزاں رہے
سینہ میں درد آنکھ سے آنسو رواں رہے
اس وضع سے رہے ترے عاشق جہاں رہے
اس وقت آئے لطف سوال و جواب کا
قاصد کے منہ میں کاش ہماری زباں رہے
آنکھوں میں کتنے ابھی تو ابھی دل میں آ گئے
ہرجائیوں کا ایسے ٹھکانا کہاں رہے
بسمل خدا کی یاد بھی کچھ چاہیے ضرور
دیر و کنشت میں تو بہت مہرباں رہے

جناب داروغہ مرزا سرفراز حسین صاحب ظرار دہلوی۔ ۵

کل بزم میں میں کیا کہوں کیا ان کا حال تھا
جب تک وہاں رہے وہ عدو کی زباں رہے

تا بات ہم سے حضرت ناصح نہ کر سکیں
منہ سے لگائے جام مے ارغواں رہے
سرار کر وہ کام کہ عقبیٰ بھی پاک ہو
نیکی سے اس جہاں میں بھی نام و نشاں رہے

آفتاب دکن — ۱۹۰۰ء میں سید جلال الدین گھائی نے مدراس سے یہ اخبار نکالا تھا۔

ضمیمہ

سہواً نظام الملک کا ذکر ۱۸۸۴ء کے اخباروں میں نہیں آ سکا، اس لئے ضمیمہ میں دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے اخباروں کا علم بعد میں ہوا، وہ بھی ضمیمہ کے تحت درج کئے گئے۔

نظام الملک مراد آباد محلہ قاضی ٹولہ سے ۱۵ فروری ۱۸۸۴ء کو یہ ہفتہ وار اخبار نظام الملک کی مسند نشینی کی یادگار میں جاری ہوا تھا۔ بارہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک قاضی فہیم الدین صاحب، ایڈیٹر و مہتمم قاضی احتشام الدین صاحب تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپئے تیرہ آنے تھا۔ مطبع احتشامیہ میں چھپتا تھا۔

اس اخبار میں قومی حقوق کے حاصل کرنے کے بارے میں مضامین شائع ہوتے تھے ملکی معاملات میں عوام کے خیالات کی ترجمانی کرتا تھا۔ خبریں بھی دلچسپ دی جاتی تھیں۔

مولوی قاضی محمد احتشام الدین صاحب: قاضی صاحب مرادآباد کے قدیم قضیات خاندان کے ایک رکن تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔ قاضی صاحب نے اپنے والد قاضی محمد عظیم الدین صاحب مرحوم اور دیگر علمائے کرام سے کسب علم کیا۔ والدین کے انتقال کے بعد کسی خانگی شکر رنجی کے ماتحت

مدراس چلے گئے تھے۔ یہاں ان کا شناسا کوئی نہ تھا، اس لئے رات کو ایک بڑی مسجد میں آرام کیا۔ یہ مسجد سفرائے ترک کی جائے رہائش کے نزدیک تھی اور وہ لوگ اسی مسجد میں پنجوقتہ نمازیں ادا کرتے تھے۔ دوسرے دن نماز کے بعد سفیر ترکی کا فرزند امام صاحب سے عربی پڑھنے آیا۔ امام صاحب نے دوران تدریس اس بچے کو کسی لفظ یا جملہ کا مفہوم غلط سمجھایا۔ قاضی صاحب سے نہ رہا گیا۔ انہوں نے امام صاحب سے کہا۔ اس کے معنی جو آپ نے سمجھائے ہیں وہ نہیں ہیں بلکہ یہ ہیں مختصر سی گفتگو کے بعد امام صاحب قائل ہو گئے اور انہوں نے قاضی صاحب کی قابلیت کو تسلیم کر لیا۔

سفیر کے صاحبزادے نے اس بات کا تذکرہ گھر جا کر اپنے والد سے کیا۔ وہ اسی وقت مسجد میں تشریف لائے اور قاضی صاحب کو اپنے گھر لے گئے اور بچوں کو ان کے سپرد کیا۔ اسی وجہ سے قاضی صاحب ایک بڑی مدت تک مدراس میں رہے۔ پھر اپنے برادر خورد مولانا قاضی محمد فہیم الدین صاحب مرحوم کے اصرار پر مراد آباد واپس آ گئے۔

قاضی صاحب کا تصنیف و تالیف کا شوق اور سلسلہ مدراس ہی سے جاری تھا، مراد آباد پہنچکر انہوں نے مطبع احتشامیہ کے نام سے ۱۸۸۴ء میں ایک پریس قائم کیا اور ایک مذہبی اخبار مظہر الاسلام اور دوسرا نظام الملک جاری کیا۔ اسی پریس سے قرآن شریف کی عام فہم تفسیر "تفسیر اکسیر اعظم" شائع کرنا شروع کر دی۔ اس تفسیر کا ایک جز ماہوار شائع ہوتا تھا۔ اس طرح ایک سال میں ایک جلد مرتب ہوتی تھی۔ اس تفسیر کی اشاعت کا سلسلہ ان کے انتقال کے بعد بھی جاری رکھا گیا مگر یہ ۲۵ پارے تک چھپ کر رہ گئی۔

مولانا موصوف کی دیگر مشہور تصانیف میں مناظرہ میں "نصیحۃ الشیعہ" بہت مشہور و معروف کتاب ہے جو اپنی مقبولیت کی وجہ سے مطبع احتشامیہ کے علاوہ

پاکستان میں کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔ اسی طرح مسائل الصلوٰۃ اور عقائد احتشامیہ طلباء کے کورس میں شامل رہی۔

ان کے کوئی اولاد نہ تھی اس لئے انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی کے دو فرزند قاضی محمد شہاب الدین صاحب اثر اور قاضی مظہر قیوم صاحب کو اپنی اولاد کی طرح پرورش کیا۔ مولانا کا قائم کردہ شعبۂ تصنیف و تالیف اور پریس ۱۹۴۷ء تک قائم رہا جس کا اہتمام و انتظام قاضی محمد شہاب الدین صاحب اثر کرتے تھے۔

بھارگو پتر کا

جے پور سے یہ ماہنامہ رسالہ اکتوبر ۱۸۸۸ء کو جاری ہوا ۲۴ یا ۲۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر بابو ہر دیال سنگھ، مہتمم بابو گوری شنکر تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ اور قوم بھارگو کے طلباء کے لئے ڈیڑھ روپیہ تھا۔ مطبع سراج الفیض معروف بہ ہیرالال پریس جے پور میں طبع ہوتا تھا یہ رسالہ بھارگو سبھا کا آرگن تھا۔

اس رسالے کے ہر سرورق پر یہ عبارت درج ہوتی تھی "اس رسالہ کو پولٹیکل مذہبی اور عام خبروں سے قطعی تعلق نہیں ہے۔"

اس رسالہ میں بھارگو برادری کی اصلاح کے لئے زیادہ تر مضامین شائع ہوتے تھے، برادری کی خبریں درج کی جاتی تھیں اور مختلف شہروں کی بھارگو سبھا کی روئیدادیں چھپتی تھیں۔

قنوج پنچ

غالباً یہ اخبار ۱۸۹۰ء میں قنوج ضلع فرخ آباد سے شائع ہوا۔ مہینے میں تین بار پہلی، دسویں، بیسویں کو بارہ صفحات پر نکلتا تھا۔ بھگو خاں رحیم اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ مطبع رحیمی واقع قنوج میں چھپتا تھا۔ یہ ظریف اخبار تھا۔

حرفِ آخر

تاریخ صحافت اردو کی تیسری جلد ختم ہونے کے قریب پہنچ گئی تھی کہ اسی زمانہ میں میں اپنے والد ماجد مولوی شرف الحق صاحب کے کتب خانہ میں ردِ عیسائیت والی کتابیں دیکھ رہا تھا کہ پیسہ اخبار لاہور کے پرچے نظر پڑے اور اس میں سے ۳۰ جنوری ۱۸۹۲ء، ۱۰ جنوری ۱۸۹۶ء، یکم فروری ۱۸۹۶ء، ۸ فروری ۱۸۹۶ء، ۱۵ فروری ۱۸۹۶ء، ۲۲ فروری ۱۸۹۶ء، ۲۹ فروری ۱۸۹۶ء، ۷ مارچ ۱۸۹۶ء، ۲۸ مارچ ۱۸۹۶ء، ۲۵ اپریل ۱۸۹۶ء، ۹ مئی ۱۸۹۶ء، ۱۶ مئی ۱۸۹۶ء، ۲۳ مئی ۱۸۹۶ء، ۳۰ مئی ۱۸۹۶ء، ۶ جون ۱۸۹۶ء، ۱۳ جون ۱۸۹۶ء، ۲۰ جون ۱۸۹۶ء اور ۲۸ جون ۱۸۹۶ء کے شمارے دستیاب ہوئے، میری خوشی کی انتہا نہ رہی لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ آج ۳۰ جنوری ۱۹۷۵ء تک باوجود انتہائی کوششوں کے طوطئ ہند کا ایک بھی پرچہ دیکھنے کو نہیں ملا۔ اس کا ملال اس وقت تک رہے گا جب تک میں اس پرچے کی زیارت نہ کر لوں گا۔

دہلی کے ریڑھی پٹری کھینچنے والوں کی ایک یونین بنی ہوئی ہے جس کا میں صدر ہوں اور پنڈت ہر سروپ شرما اس کے جنرل سکریٹری ہیں۔ اس یونین کے مطالبات کو منوانے کے لئے دستاویزی ثبوت مہیا کرنے کے واسطے میں اور پنڈت ہر سروپ شرما ۱۵ جولائی ۱۹۷۰ء کو بمبئی روانہ ہوئے، وہاں میرا نیاز

وقت بمبئی کے کتب خانوں اور خاص طور پر انجمن اسلامیہ بمبئی کی لائبریری کے اردو کے پرانے اخبارات دیکھنے میں صرف ہوا۔ یہاں اردو کے پرانے اخبارات کا بڑا خزانہ ہے لیکن جتنی اس کی قدر ہونی چاہئے تھی وہ نہیں ہو رہی ہے۔ بری حالت میں اخبارات پڑے ہوئے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اگر جناب نجیب اشرف صاحب ندوی چیئرمین انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی، مولوی حامداللہ ... صاحب ندوی اسسٹنٹ لائبریرین اور ریسرچ ڈیپارٹمنٹ کے اسسٹنٹ عبدالرزاق صاحب اس کی دیکھ بھال نہ کرتے تو ان کا وجود بھی باقی نہ رہتا۔ میں ان حضرات کا بیحد ممنون ہوں کہ انہوں نے اخبارات کے نکلوانے میں میری بڑی اعانت فرمائی اور دفتری اوقات سے زیادہ ان حضرات کو میرے لئے لائبریری میں رہنا پڑا اور انہوں نے دو تین مہینے کا کام آٹھ نو روز میں ختم کرادیا۔

۲۰ جون ۱۹۶۸ء کی بات ہے کہ میں بھنڈی بازار کی پٹری پر سے گذر رہا تھا۔ وہاں ایک صاحب کتابیں کباڑیہ کی طرح پھیلائے ہوئے بیٹھے تھے۔ میں ان کو دیکھنے کے لئے رک گیا۔ اس ردی میں تلاش شروع کی تو اس میں سے افضل الاخبار دہلی کے ۸ جنوری ۱۸۹۵ء تا ۸ اپریل ۱۸۹۵ء کے شمارے اور تاج الاخبار رامپور کے ۹ دسمبر ۱۸۷۵ء جلد ۱ نمبر ۱۵، ۱۶ دسمبر ۱۸۷۵ء، ۶ جنوری ۱۸۷۶ء، ۲۰ جنوری ۱۸۷۶ء، ۱۰ فروری ۱۸۷۶ء، ۱۷ فروری ۱۸۷۶ء کے پرچے ملے اور ڈیڑھ روپیہ میں ان کا سودا بھی ہو گیا۔ اس مرتبہ بمبئی سے کافی فائدہ ہوا اور اچھی خاصی علمی دولت لیکر آیا۔

ابتداء نومبر ۱۹۶۸ء میں مجھ کو اور حافظ علی بہادر خاں ایڈیٹر روزنامہ جدید دہلی اور پنڈت ہر مردپ شرما کو دو مرتبہ دیوبند جانا پڑا۔ وہاں کے میونسپل

بورڈ کے الیکشن اسی مہینے میں ہو رہے تھے، دیوبند کے ایک حلقہ سے کانگریسی امیدوار کے مقابلہ میں علامہ انور صابری کے صاحبزادے اظہر صابری صاحب کھڑے ہوئے تھے، ان کی حمایت کے لئے ہم دیوبند گئے۔ دیوبند پہنچنے کے بعد کچھ گھنٹوں کے لئے میں مدرسہ دارالعلوم دیوبند کی لائبریری میں گیا۔ وہاں مولوی سلطان احمد صاحب جو کہ اس کتب خانہ کے مہتمم یا لائبریرین ہیں، ان سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بتایا اس کتب خانہ میں ۸۴۷۷۳ کتابیں ہیں۔ کتب خانہ کی فہرست دیکھی تو اس میں پرانے اخبارات کافی پائے۔ اس تھوڑی مدت میں جتنے اخبارات دیکھ سکا ان کے نام نوٹ کر لئے، جو یہ ہیں۔

۱۔ علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ ۱۸۷۸ء، بارہ سالوں کی جلدیں۔

۲۔ پیسہ اخبار لاہور ۱۸۹۹ء، ۸ جلدیں۔

۳۔ اودھ اخبار جنوری ۱۸۷۵ء تا دسمبر ۱۸۷۵ء۔

۴۔ مشرق اخبار، گورکھپور، جلد ۴ (۱۹۱۰ء)

۵۔ مشیر قیصر، فروری ۱۸۸۲ء

۶۔ مفید المزارعین، کانپور، دسمبر ۱۹۰۲ء

۷۔ گلدستہ بنارس، ۱۸۸۱ء۔

۸۔ وکٹوریہ پیپر، جنوری ۱۸۸۱ء تا دسمبر ۱۸۸۱ء

۹۔ الناظر لکھنؤ، ۱۹۰۹ء

۱۰۔ اشاعت السنتہ النبویہ، ۱۸۸۷ء تا ۱۸۸۸ء

۱۱۔ رسالہ حسن حیدرآباد مئی ۱۸۹۳ء، نومبر ۱۸۹۳ء، فروری ۱۸۹۴ء، مئی ۱۸۹۵ء

۱۲۔ محمڈن اینگلو میگزین، جنوری ۱۸۹۷ء

۱۳۔ رسالہ انجمن لاہور جلد ۵، ستمبر ۱۸۶۹ء، جنوری ۱۸۷۰ء تا ستمبر ۱۸۷۰ء، جلد ۷، اپریل ۱۸۷۱ء

۱۴۔ اتحاد، جنوری ۱۸۹۲ء

۱۵۔ الاسلام، الہ آباد، نومبر ۱۸۹۷ء

۱۶۔ حسن، اگست ۱۸۹۱ء (۲۴ پرچے)

۱۷۔ پنجاب ریویو نمبر اول، جنوری ۱۸۸۷ء تا اپریل ۱۸۸۷ء

۱۸۔ اودھ پنچ، جلد ۷، جنوری ۱۸۹۳ء تا دسمبر ۱۸۹۳ء

۱۹۔ الحق، سیالکوٹ۔ ۱۳۰۹ء

۲۰۔ نور الآفاق، ۱۸۷۳ء تا ۱۸۷۵ء (جلد ۱-۲-۳-۴-۵)

۲۱۔ تہذیب الاخلاق جلد اول، دوئم، سوئم، چہارم، پنجم، ششم۔

۲۲۔ وکٹوریہ پیپر، سیالکوٹ۔ جنوری ۱۸۸۳ء۔

۲۳۔ مسلم گزٹ، لکھنؤ۔ جنوری ۱۹۱۲ء تا جنوری ۱۹۱۳ء

۲۴۔ دار العلوم دیوبند ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ۔ ایڈیٹر عبدالوحید غازی پوری۔

۲۵۔ رسالہ انجمن حامی الاسلام، اجمیر۔ شوال ۱۳۰۶ء

۲۶۔ تیرھویں صدی، آگرہ۔ محرم ۱۲۹۸ھ تا ربیع الاول ۱۳۰۱ھ

میرا اندازہ تھا کہ تاریخ صحافت اردو کی تیسری جلد پانچ سو صفحات کی ہوگی۔ لیکن جس وقت ۱۸۹۲ء کے اخبارات تک چھ سو صفحات پہنچ گئے تو میں نے اس کے آگے کے اخبارات کے اقتباسات میں کتر بیونت کرنی شروع کر دیا بلکہ اقتباسات کا نقل کرنا بھی نہ ہونے کے برابر کر دیا۔ حالانکہ یہ دور انتہائی تاریخی ہے جس کے تاریخی، تمدنی، معاشی، سیاسی اور ادبی اقتباسات نقل کرنا ضروری تھا۔ لیکن مجبوراً یہ طریقہ اختیار کرنا پڑا۔ لیکن اس کے باوجود فوٹوؤں کے صفحات کے علاوہ آٹھ سو آٹھ صفحات اس جلد کے ہو گئے۔

پانچسو چھ سو صفحات کے اندازے سے اس جلد کی قیمت ساڑھے دس روپے

لکھ دی گئی تھی۔ اب جب کہ آٹھ سو صفحات سے زیادہ ہو گئے ہیں اخراجات کے مطابق اس جلد کی قیمت بارہ روپئے مقرر کی گئی ہے۔ تاریخ صحافت اردو کی اس تیسری جلد کے بعد ۱۹۰۱ء سے سلسلہ شروع ہو گا جو ۱۹۶۵ء تک پہنچے گا۔ اس دور کو تین جلدوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

جلد چوتھی ۱۹۰۱ء سے ۱۹۱۹ء تک، جلد پانچویں ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۷ء تک

جلد چھٹی ۱۹۴۸ء سے ۱۹۶۵ء تک۔

مجھے اپنی کتابوں کی تالیف و تصنیف کے سلسلے میں جتنی مدد میرے والد مولوی شرف الحق صاحب کے کتب خانہ سے ملی ہے، اتنی مدد کسی اور جگہ یا کسی دوسرے کتب خانہ یا لائبریری سے نہیں ملی۔ جس وقت میں کسی کتاب سے ناامید ہو گیا اور وہ کہیں نہیں ملی، اس وقت اس کمی کو میرے والد ماجد کے کتب خانہ نے پورا کیا ہے اور وہ کتاب اس میں دستیاب ہوئی ہے۔ اس لئے میں اس تیسری جلد میں اپنے والد ماجد مولانا شرف الحق صاحب کا فوٹو شائع کر رہا ہوں تاکہ اس زمانے میں جب کہ زبانوں سے نفرت کی جا رہی ہے، اس زمانے کے لوگ سبق حاصل کریں کہ ایک عالم دین کے کتب خانہ میں علمی و دینی کتابوں کے علاوہ تاریخی، سیاسی ادبی کتابیں ایک زبان ہی میں نہیں بلکہ چھ سات زبانوں اردو، عربی، فارسی، سنسکرت عبرانی، ترکی اور پشتو میں ہے، جو ان زبانوں کو خوب اچھی طرح جانتے تھے۔

میں نے کبھی کسی کتاب میں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ سب درست ہے اور غلطیوں سے پاک ہے اور خاص طور پر تحقیقی میدان میں کبھی کوئی محقق یہ دعویٰ کر ہی نہیں سکتا۔ البتہ میں اس بات کی حتی الامکان کوشش کرتا ہوں کہ کوئی بات غلط نہ لکھی جائے۔ اس کے باوجود میں یہ بات پھر دہراتا ہوں کہ کہ مجھ سے اس کتاب میں جو غلطیاں ہوئی ہوں ان سے مجھ کو آگاہ کیا جائے۔

اگر اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا تو اس کی تصحیح لازمی کی جائے گی۔

میرے والد ماجد مولانا اشرف الحق صاحب مرحوم و مغفور کے کتب خانہ میں حسب ذیل اخبار ہیں، یہ اخبار و رسائل ان اخباروں اور رسالوں کے علاوہ ہیں جو تاریخ صحافت اردو جلد اول، دوم اور سوم کی "تالیف کی دقتیں" میں درج ہیں۔

۱۔ اخبار آفتاب پنجاب لاہور۔ ۱۰، اکتوبر ۱۸۹۸ء کا ایک شمارہ۔

۲۔ سول اینڈ ملٹری نیوز لدھیانہ۔ ۱۲، اکتوبر ۱۸۹۸ء، ۱۹، اکتوبر ۱۸۹۸ء، ۲۶، اکتوبر ۱۸۹۸ء

۳۔ مسلم ہیرلڈ بمبئی۔ ۹، ستمبر ۱۸۹۲ء تا ۱۳، ستمبر ۱۸۹۲ء، ۱۶، ستمبر ۱۸۹۲ء، ۱۷، ستمبر ۱۸۹۲ء، ۲۰، ستمبر ۱۸۹۲ء، ۵، ۷، اکتوبر ۱۸۹۲ء، ۱۰، اکتوبر ۱۸۹۲ء، ۱۱، اکتوبر ۱۸۹۲ء، ۱۲، اکتوبر ۱۸۹۲ء، ۱۳، اکتوبر ۱۸۹۲ء، ۱۴، اکتوبر تا ۱۷، اکتوبر ۱۸۹۲ء، ۲۱، اکتوبر تا ۲۶، اکتوبر ۱۸۹۲ء، ۲۸، اکتوبر ۱۸۹۲ء (۲۳ شمارے)

۴۔ اخبار نسیم سحر لکھنؤ۔ ۶، نومبر ۱۸۸۹ء

۵۔ مراۃ الاخبار بمبئی۔ ۱۳، ستمبر ۱۸۹۵ء، ۲۰، ستمبر ۱۸۹۵ء، ۲۷، ستمبر ۱۸۹۵ء۔ (۳ شمارے)

۶۔ سلطان الاخبار بمبئی۔ ۵، جنوری تا ۹، جنوری ۱۸۹۸ء، ۱۱، جنوری تا ۱۵، جنوری ۱۸۹۸ء، ۲۳، جنوری ۱۸۹۸ء، ۲۶، جنوری تا ۲۸، جنوری ۱۸۹۸ء (۲۰ شمارے)

۷۔ بشیر الملک بمبئی۔ ۲۲، اگست ۱۸۹۴ء نمبر ۱ جلد ۱ (ایک شمارہ)

۸۔ بمبئی پنچ، بمبئی۔ ۳، جنوری ۱۸۹۸ء، ۱۰، جنوری ۱۸۹۸ء، ۲۴، جنوری ۱۸۹۸ء، ۳۱، جنوری ۱۸۹۸ء، ۷، فروری ۱۸۹۸ء (۵ شمارے)

۹۔ دکن گزٹ، حیدرآباد دکن۔ ۸، جنوری ۱۸۹۵ء، ۱۲، فروری ۱۸۹۵ء، ۱۹، فروری ۱۸۹۵ء، ۲۰، اکتوبر ۱۸۹۵ء (۴ شمارے)

۱۰۔ پیسہ اخبار لاہور۔ ۳۰، جنوری ۱۸۹۳ء، ۱۸، جنوری ۱۸۹۶ء، یکم فروری تا ۷، مارچ ۱۸۹۶ء، ۲۸، مارچ ۱۸۹۶ء، ۲۵، اپریل ۱۸۹۶ء، ۹، مئی تا ۲۷، جون ۱۸۹۶ء (اٹھارہ شمارے)

۱۱۔ نظم، لکھنؤ۔ ۲۰، اگست ۱۸۸۸ء نمبر ۱ جلد ۱، ۲۰، ستمبر ۱۸۸۹ء، ۵، دسمبر ۱۸۸۹ء، ۵، فروری ۱۸۹۰ء

۲ر مئی ۱۸۹۰ء، ۲۰ر جون ۱۸۹۰ء، ۵ر مارچ ۱۸۹۴ء (۷ شمارے)

۱۲۔ کرنیل مراد آباد۔ ۸ر جولائی ۱۸۹۵ء، یکم اکتوبر ۱۸۹۳ء، ۱۶ر نومبر ۱۸۹۳ء، یکم جنوری ۱۸۹۴ء، ۸ر اپریل ۱۸۹۴ء، ۲۴ر اپریل ۱۸۹۴ء، یکم جنوری ۱۸۹۵ء، ۸ر جنوری ۱۸۹۵ء، یکم جون تا یکم جولائی ۱۸۹۵ء (۱۲ شمارے)

۱۳۔ نسیم دہلی۔ ۲ر جولائی ۱۹۰۱ء

۱۴۔ مفید ہند دہلی۔ یکم اگست ۱۸۸۴ء

۱۵۔ رفیع الاخبار بنارس۔ ۱۶ر اپریل ۱۸۹۴ء، ۷ر مئی ۱۸۹۴ء، ۲۳ر جولائی ۱۸۹۴ء، ۱۶ر جولائی ۱۸۹۴ء، ۳۰ر جولائی ۱۸۹۴ء، ۱۷ر ستمبر ۱۸۹۴ء، ۲۴ر ستمبر ۱۸۹۴ء، یکم اکتوبر ۱۸۹۴ء تا ۵ر نومبر ۱۸۹۴ء، ۱۹ر نومبر ۱۸۹۴ء، ۲ر دسمبر ۱۸۹۴ء (۱۴ شمارے)

۱۶۔ جام جمشید مراد آباد۔ ۳ر فروری ۱۸۹۵ء تا ۱۷ر فروری ۱۸۹۵ء، ۳ر مارچ ۱۸۹۵ء تا ۷ر اپریل ۱۸۹۵ء، ۲۱ر اپریل ۱۸۹۵ء، ۲۸ر اپریل ۱۸۹۵ء، ۱۹ر مئی ۱۸۹۵ء، ۲۶ر مئی ۱۸۹۵ء۔ (۱۳ شمارے)

۱۷۔ خادم ہند، بمبئی۔ ۱۶ر اگست ۱۸۸۳ء تا ۱۸ر اگست ۱۸۸۳ء، ۲۰ر اگست ۱۸۸۳ء تا ۲۵ر اگست ۱۸۸۳ء۔ (دس شمارے)

۱۸۔ قنوج پنچ، قنوج۔ یکم اپریل ۱۸۹۴ء، ۱۰ر اپریل ۱۸۹۴ء، یکم مئی ۱۸۹۴ء، ۲۰ر مئی ۱۸۹۴ء، یکم جون ۱۸۹۴ء، ۲۰ر جولائی ۱۸۹۴ء، یکم اگست ۱۸۹۴ء، ۱۰ر اگست ۱۸۹۴ء، یکم ستمبر ۱۸۹۴ء (۹ شمارے)

۱۹۔ بھارگو پتر کا، جے پور۔ ستمبر ۱۸۹۰ء، فروری لغایت مئی ۱۸۹۱ء، جولائی لغایت دسمبر ۱۸۹۱ء، جنوری، مارچ ۱۸۹۲ء، جنوری ۱۸۹۴ء (۱۶ شمارے)

۲۰۔ انتخاب لاجواب لاہور۔ ۴ر جنوری ۱۹۱۸ء لغایت ۲۸ر جون ۱۹۱۸ء

۲۱۔ تفریح بجنور۔ جنوری ۱۹۲۷ء مطابق جمادی الآخر ۱۳۲۵ھ (نمبر ۱۔ شمارہ ۱)

فیروز آرٹسٹ صاحب میرے پرانے کرم فرما ہیں۔ انہوں نے اس تیسری جلد کے خراب و خستہ فوٹوؤں میں جان ڈالی۔ ان کو درست کیا اور بلاک بنانے کے قابل بنایا۔ انہوں نے ہی اس جلد کے ڈسٹ کور کا ڈیزائن تیار کیا، ان کا میں بے حد ممنون ہوں۔

حسن زماں صاحب کلکتہ کے رہنے والے ہیں، علم دوست انسان ہیں۔ میں جب کبھی کلکتہ جاتا ہوں، میری رہنمائی کرتے ہیں اور تحقیقاتی کام میں کافی مدد فرماتے ہیں۔ دو سال ہوئے کلکتہ کی لائبریریوں میں پرانے اخبارات دیکھنے کے لئے گیا تھا۔ اس وقت بھی انہوں نے میری اعانت فرمائی۔ میں ان کا بھی انتہائی شکر گذار ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ترقی دے اور اپنے مقاصد میں کامیاب کرے۔

امداد صابری

محلہ چوڑی والان، دہلی

۳۰ جنوری ۱۹۶۵ء

فہرست مضامین تاریخ صحافت اردو

جلد سوئم

نمبر شمار	نام اخبار	مقام اخبار	نوعیت اخبار	صفحہ نمبر
۱	معنون			۳
۲	حالات زندگی مولانا حسرت موہانی			۴
۳	تالیف کی دقتیں			۲۵
	۱۸۷۶ء			
۴	ادیب	مراد آباد	ہفتہ وار	۳۹
۵	سفیر بڈھانہ	مظفر نگر	″	۳۹
۶	قاصد	پٹنہ	″	۳۹
۷	البرٹ گزٹ	لاہور	″	۳۹
۸	فرحت الاحباب	بمبئی	″	۴۰
۹	ظہیر الاسلام	مدراس	ہفتہ میں دو بار	۴۰
۱۰	گلدستہ سخن	لکھنؤ	ماہنامہ	۴۱
۱۱	بہار پنج	پٹنہ	ہفتہ وار	۴۱

۱۲	منبع الاحکام	لکھنؤ	پندرہ روزہ	۴۱
۱۳	منشی خیراتی لال طاہر			۴۱
۱۴	مجمع الفوائد	منگیر	ہفتہ وار	۴۲
۱۵	انیس بہار	پٹنہ	روزانہ	۴۲
۱۶	پرنس آف ویلز گزٹ	کیمپ میرٹھ	ہفتہ وار	۴۲
۱۷	تحفۂ کشمیر	سری نگر	〃	۴۲
۱۸	جام جمشید	مرادآباد	〃	۴۲
۱۹	سیف الاسلام	بمبئی	〃	۴۲
۲۰	گنجینۂ لطائف	لاہور	ماہنامہ	۴۳
۲۱	مجمع البحرین	جزیرہ حبشاں	ہفتہ وار	۴۳
۲۲	رہیل کھنڈ	مرادآباد	〃	۴۳
۲۳	مخبر سرور	بمبئی	ہفتہ میں دوبار	۴۳
۲۴	اخباروں کا قبلہ گاہ	لاہور	ہفتہ وار	۴۴
۲۵	مولوی فصیح الدین بسمل			۵۱
۲۶	لٹن گزٹ	دہلی	پندرہ روزہ	۵۱
	۱۸۷۷ء			
۲۷	قیصر الاخبار	الہ آباد	پندرہ روزہ	۵۵
۲۸	عمدۃ الاخبار	فتح گڑھ	〃	۵۵
۲۹	محمدی	کلکتہ	ہفتہ میں دوبار	۵۵
۳۰	معدن الحکمت	آگرہ	ماہنامہ	۵۶
۳۱	حکیم محمد صادق قیصر			۵۶

۳۱	نیرِ اعظم	مراد آباد	ہفتہ وار	۵۶
۳۲	منشی ابن علی نیرؔ			۵۶
۳۴	نسیم سحر	پٹنہ	ہفتہ وار	۵۹
۳۵	شاہ عظیم آبادی			۵۹
۳۶	خورشید عالم	لاہور	ہفتہ وار	۶۱
۳۷	اختر ہند	بمبئی	〃	۶۱
۳۸	مہر نیم ہند	لکھنؤ	〃	۶۱
۳۹	اتالیق زمینداران	ہوشیارپور	پندرہ روزہ	۶۱
۴۰	دھرم پرکاش	گوجرانوالہ	ماہنامہ	۶۲
۴۱	مشیر قیصر	لکھنؤ	ہفتہ وار	۶۲
۴۲	بوستان العاشقین	لکھنؤ	〃	۷۲
۴۳	افضل الاخبار	میرٹھ	〃	۷۲
۴۴	دبدبۂ قیصری	بریلی	〃	۷۲
۴۵	دبیر ہند	الہ آباد	〃	۷۲
۴۶	عمدۃ الاخبار	بھوپال	〃	۷۲
۴۷	کلید امتحان	گوجرانوالہ	ماہانہ	۷۲
۴۸	ضیاء الاسلام	دہلی	عشرہ وار	۷۲
۴۹	مرزا عبدالغنی ارشد			۷۲
۵۰	اودھ پنچ	لکھنؤ	ہفتہ وار	۷۸
۵۱	منشی سجاد حسین صاحب			۱۲۲

۱۸۷۸ء

۷۲۔

۵۲	احسن الاخبار	الہ آباد	ہفتہ وار	۱۲۹
۵۳	آریہ درپن	شاہجہاں پور	ماہنامہ	۱۲۹
۵۴	اشاعت السنۃ	لاہور	〃	۱۲۹
۵۵	انتخاب قوانین و نظائر لالہ شام لال	کان پور	〃	۱۳۴
۵۶	سفیر ہند	امرتسر	ہفتہ وار	۱۳۵
۵۷	پادری رجب علی صاحب			۱۳۵
۵۸	مجلس اخلاقیہ	امرتسر	عشرہ وار	۱۳۵
۵۹	نسیم آگرہ	آگرہ	〃	۱۳۸
۶۰	نسیم سارن	چھپرہ	ہفتہ وار	۱۳۹
۶۱	کاشی پترکا	بنارس	پندرہ روزہ	۱۳۹
۶۲	مجموعہ نظائر ہند	گیا	ماہنامہ	۱۳۹
۶۳	نظائر قانون ہند	الہ آباد	〃	۱۴۰
۶۴	آصف الاخبار	حیدرآباد دکن	ہفتہ وار	۱۴۰
۶۵	حافظ صحت	لاہور	ماہنامہ	۱۴۰
۶۶	حکیم غلام نبی صاحب			۱۴۰
۶۷	ترجمان شوق	قسطنطنیہ	پندرہ روزہ	۱۴۳
۶۸	نیرنگ مضامین	متھرا	〃	۱۴۴

۱۸۷۹ء

۶۹	آئینہ ریاض	شاہجہاں پور	ماہنامہ	۱۴۵
۷۰	خضر ہند	سیالکوٹ	〃	۱۴۵
۷۱	کلکتہ پنچ	کلکتہ	〃	۱۴۵

۷۲	آریہ سماچار	میرٹھ	ماہنامہ	۱۴۵
۷۳	آستانۂ حکمت	آگرہ	″	۱۴۶
۷۴	آئینۂ آئینِ ہند	گوجرانوالہ	″	۱۴۶
۷۵	صبح بنارس	بنارس	ہفتہ وار	۱۴۶
۷۶	تہذیب الآثار	سیتاپور	ماہنامہ	۱۴۶
۷۷	منشی فرزند حسن احسنؔ			۱۴۷
۷۸	خزینۃ العلوم	سیتاپور	ماہنامہ	۱۴۷
۷۹	سبھا کپورتھلہ	کپورتھلہ	ہفتہ وار	۱۴۷
۸۰	مظہر العجائب	مدراس	عشرہ وار	۱۴۷
۸۱	محمد محمود محمد لکھنوی			۱۴۷
۸۲	مہر نیمروز	بجنور	ہفتہ وار	۱۴۹
۸۳	تیرھویں صدی	آگرہ	ماہنامہ	۱۶۹
۸۴	منشی ناصر علی صاحب			۱۸۳
۸۵	جناب رحیم اللہ صاحب صباؔ			۱۸۷
	۱۸۸۰ء			
۸۶	سلطان الاخبار	ترکی	ہفتہ وار	۱۹۲
۸۷	وکٹوریہ پیپر	سیالکوٹ	روزنامہ	۱۹۲
۸۸	نظائر قانون ہند	لاہور	ماہنامہ	۱۹۲
۸۹	مشیر بہار	پٹنہ	ہفتہ وار	۱۹۲
۹۰	لیگل ریفرنسیز	الٰہ آباد	ماہنامہ	۱۹۳
۹۱	تکمیل الحکمت	لاہور	″	۱۹۳

۹۲	انڈین پنچ	لکھنؤ	ہفتہ وار	۱۹۲
۹۳	کرشن چند قیصر			۱۹۳
۹۴	تجارت الاخبار	کلکتہ	ہفتہ وار	۱۹۴
۹۵	بنگال پنچ	کلکتہ	"	۱۹۴
۹۶	فروغ	بنارس	"	۱۹۴
۹۷	محمد سلطان عاقل دہلوی			۱۹۴
۹۸	اخبار ہند	لکھنؤ	ہفتہ وار	۱۹۷
۹۹	احسن الاخبار	امروہہ	"	۱۹۷
۱۰۰	خزینۃ القوانین	لاہور	پندرہ روزہ	۱۹۷
۱۰۱	دہلی پنچ	لاہور	ہفتہ وار	۱۹۷
۱۰۲	مولوی فضل الدین صاحب			۱۹۸
	۱۸۸۱ء			
۱۰۳	آئینہ سکندری	مراد آباد	ہفتہ وار	۲۰۰
۱۰۴	نسیم ہند	فتح پور	"	۲۰۰
۱۰۵	زمانہ	آگرہ	ماہنامہ	۲۰۰
۱۰۶	نیر ہند	الہ آباد	ہفتہ وار	۲۰۱
۱۰۷	انڈین لا رپورٹ	آگرہ	ماہنامہ	۲۰۱
۱۰۸	ریاض الاشعار	لکھنؤ	"	۲۰۱
۱۰۹	نجم الہند	مراد آباد	ہفتہ وار	۲۰۱
۱۱۰	انڈین لا رپورٹ	فتح پور	ماہنامہ	۲۰۱
۱۱۱	وقائع عالم	غازی پور	ہفتہ وار	۲۰۲

۱۱۲	ذخیرہ اشرف	لکھنؤ	ماہنامہ	۲۰۲
۱۱۳	عین الاخبار	مرادآباد	ہفتہ وار	۲۰۲
۱۱۴	دارالسلطنت	کلکتہ	//	۲۰۲
۱۱۵	صبحِ وطن	پٹنہ	//	۲۰۳
۱۱۶	تائیدالاسلام	مرادآباد	ماہنامہ	۲۰۳
۱۱۷	انڈین کرانیکل	پٹنہ	پندرہ روزہ	۲۰۳
۱۱۸	بابا آدم	بنارس	ہفتہ وار	۲۰۵
۱۱۹	آفتاب ہند	جالندھر	//	۲۰۶
۱۲۰	انجمن اسلام	جبل پور	ماہنامہ	۲۰۶
۱۲۱	نبیان الاخبار	لکھنؤ	ہفتہ وار	۲۰۶
۱۲۲	میرٹھ پنچ	میرٹھ	//	۲۰۶
۱۲۳	حیات جاودانی	آگرہ	عشرہ وار	۲۰۶
۱۲۴	راجپوتانہ گزٹ	اجمیر	ہفتہ وار	۲۰۶
۱۲۵	دبیرالملک	بھوپال	//	۲۰۷
۱۲۶	شفیق	حیدرآباد دکن	//	۲۰۷
۱۲۷	طوطئ ہند	میرٹھ	//	۲۰۷
۱۲۸	سید محمد مرتضیٰ بیان			۲۰۷

۱۸۸۲ء

۱۲۹	شمیم	الہ آباد	ہفتہ وار	۲۱۰
۱۳۰	دفارم	لاہور	//	۲۱۰
۱۳۱	روزنامچہ	لکھنؤ	روزانہ	۲۱۰

۱۳۲	گردش گزٹ	بلند شہر	ہفتہ وار	۲۱۱
۱۳۳	مہر انتخاب	کلکتہ	ماہنامہ	۲۱۱
۱۳۴	عبدالحمید حمید			۲۱۱
۱۳۵	اسماعیل خاں شوکت			۲۱۲
۱۳۶	نورالاخبار	مرادآباد	پندرہ روزہ	۲۱۲
۱۳۷	سیارہ اودھ	لکھنؤ	ہفتہ وار	۲۱۳
۱۳۸	گلدستہ نتیجہ سخن	کلکتہ	ماہنامہ	۲۱۴
۱۳۹	فتح محمد نذیر			۲۱۵
۱۴۰	مخبر حقیقی	شیوراج پور	پندرہ روزہ	۲۱۶
۱۴۱	منشی راج بہادر زخمی			۲۱۶
۱۴۲	امیر الاخبار	کلکتہ	مہینہ میں آٹھ مرتبہ	۲۱۷
۱۴۳	حکیم غلام حضرت خستہ			۲۱۷
۱۴۴	اسلام	میرٹھ	ہفتہ وار	۲۱۸
۱۴۵	سوانحمری	لاہور	ماہنامہ	۲۱۸
۱۴۶	بہار انجمن	فیض آباد	//	۲۱۸
۱۴۷	شوخ اودھ	لکھنؤ	ہفتہ وار	۲۱۹
۱۴۸	مظہر الزراعت	میرٹھ	ماہنامہ	۲۱۹
۱۴۹	گلدستہ بنارس	بنارس	ہفتہ وار	۲۱۹
۱۵۰	نور بدایوں	بدایوں	//	۲۱۹
۱۵۱	شوکت اسلام	پونہ	//	۲۱۹
۱۵۲	دھرم پرچارک	فتح گڈھ	پندرہ روزہ	۲۲۰

۱۵۳	انجمن علمی	بدایوں	ماہنامہ	۲۲۰
۱۵۴	نفیس الاخبار	فتح گڑھ	پندرہ روزہ	۲۲۰
۱۵۵	مہر ظرافت	لکھنؤ	ہفتہ وار	۲۲۰
۱۵۶	آئینۂ تہذیب	سید پور	"	۲۲۱
۱۵۷	خیر خواہ اسلام	بمبئی	عشرہ وار	۲۲۱
۱۵۸	گلدستہ سخن	آگرہ	ماہنامہ	۲۲۱
۱۵۹	امامیہ	لکھنؤ	عشرہ وار	۲۲۱
۱۶۰	نظائر ویکلی نوٹس	سید پور	ہفتہ وار	۲۲۱
۱۶۱	عروج محمدی	الہ آباد	"	۲۲۲
۱۶۲	اردو بنس پرکاش	فیض آباد	ماہنامہ	۲۲۲
۱۶۳	ہندوستانی اردو لغات	دہلی	ماہنامہ	۲۲۲
۱۶۴	سرپنچ	سید پور	ہفتہ وار	۲۲۲
۱۶۵	متھرا سماچار	متھرا	ماہنامہ	۲۲۲
۱۶۶	معلم شفیق	حیدرآباد دکن	"	۲۲۳
۱۶۷	محب حسن			۲۲۳
۱۶۸	اخبار الاخیار	لکھنؤ	پندرہ روزہ	۲۲۳
۱۶۹	اردو انسٹرکٹر	بمبئی	ماہنامہ	۲۲۴
۱۷۰	تہذیب	مرادآباد	ہفتہ وار	۲۲۴
۱۷۱	ریختہ	دہلی	پندرہ روزہ	۲۲۴
۱۷۲	شمشاد ہند	بنارس	عشرہ وار	۲۲۴
۱۷۳	مظہر شوکت اسلام	بمبئی	ہفتہ وار	۲۲۴

۱۷۴	ملک الاخبار	کلکتہ	روزانہ	۲۲۵
۱۷۵	نجم الاخبار	اٹاوہ	ہفتہ وار	۲۲۵
۱۷۶	مولوی بشیرالدین صاحب			۲۲۵
۱۷۷	پیام یار	لکھنؤ	ماہنامہ	۲۳۲
۱۷۸	منشی نثار احمد صاحب نثار لکھنوی			۲۳۷

۱۸۸۳ء

۱۷۹	آئینہ ہند	لاہور	ماہنامہ	۲۴۰
۱۸۰	حامیٔ ہند	قصبہ کڑہ ضلع الہ آباد	ہفتہ وار	۲۴۰
۱۸۱	آزاد	غازی پور	ہفتہ وار	۲۴۰
۱۸۲	ست پرکاش	بریلی	ماہنامہ	۲۴۱
۱۸۳	زبدۃ الاخبار	رنگون	ہفتہ وار	۲۴۱
۱۸۴	کلید قوانین	لاہور	ماہنامہ	۲۴۱
۱۸۵	مشاعرہ دہلی	دہلی	ماہنامہ	۲۴۱
۱۸۶	گلشن ریاضی	آگرہ	ماہنامہ	۲۴۱
۱۸۷	مفتاح القوانین	اجمیر	ماہنامہ	۲۴۱
۱۸۸	سلطان النظرنا	لکھنؤ	ہفتہ وار	۲۴۲
۱۸۹	لکھنؤ پنچ	لکھنؤ	ہفتہ وار	۲۴۲
۱۹۰	حدیقہ روزگار	رنگون	روزانہ	۲۴۲
۱۹۱	شرف الاخبار	بہار شریف	ہفتہ وار	۲۴۲
۱۹۲	دھرم جیون	لاہور	پندرہ روزہ	۲۴۲
۱۹۳	شحنہ ہند	میرٹھ	ہفتہ وار	۲۴۵

۱۹۴	مولانا احمد حسن شوکت میرٹھی			۲۸۳
۱۹۵	الطاف	بمبئی	ہفتہ وار	۲۹۲
۱۹۶	سبھکدا ایک سبھا	راولپنڈی	ماہنامہ	۲۹۲
۱۹۷	لائل گزٹ	میرٹھ	ماہنامہ	۲۹۳
۱۹۸	اخبار الامصار	بدایوں	ماہنامہ	۲۹۳
۱۹۹	گل کدہ شفق	سید پور	ماہنامہ	۲۹۳
۲۰۰	خادم ہند	بمبئی	روزانہ	۲۹۳
۲۰۱	پیام عاشق	قنوج	ماہنامہ	۲۹۳
۲۰۲	منشی بھگو خاں رحیم			۲۹۶
۲۰۳	ہزار داستان	حیدرآباد دکن	ہفتہ وار	۲۹۷
۲۰۴	پبلک اوپینین	بنارس	ہفتہ وار	۲۹۷
۲۰۵	سرپنچ	بمبئی	مہینہ میں دوبار	۲۹۷
۲۰۶	فنون	حیدرآباد دکن	ماہنامہ	۲۹۷
۲۰۷	کٹھیر پنچ	بدایوں	عشرہ وار	۳۰۰
۲۰۸	فیض سخن	لکھنؤ	ماہنامہ	۳۰۰
۲۰۹	اندرپرست پرکاش	دہلی	ہفتہ وار	۳۰۰
۲۱۰	ابوالظرفا	بمبئی	ہفتہ وار	۳۰۰
۲۱۱	رونق ہند	کانپور	ماہنامہ	۳۰۰
۲۱۲	حامیٔ اسلام	دہلی	عشرہ وار	۳۰۱
۲۱۳	گل کدہ مشتاق	حیدرآباد	ماہنامہ	۳۰۱
۲۱۴	ہندوستانی	لکھنؤ	ہفتہ وار	۳۰۱

۲۱۵	ست سماچار	فتح گڈھ	پندرہ روزہ	۳۰۲
۲۱۶	فتنہ	گورکھ پور	ہفتہ وار	۳۰۲
۲۱۷	حکیم عبدالکریم برہمؔ			۳۰۵
۲۱۸	اتالیق ہند	لکھنؤ	ہفتہ وار	۳۰۵
۲۱۹	داستان سیاح	حیدرآباد	ماہنامہ	۳۰۶
۲۲۰	جام جہاں نما	لکھنؤ	ہفتہ وار	۳۰۶
۲۲۱	انیس ہند	آگرہ	پندرہ روزہ	۳۰۶
۲۲۲	مرزا محمد عاشق حسین بزمؔ			۳۰۶
۲۲۳	منشی جنگ بہادر جنگؔ			۳۰۷
۲۲۴	گل کدہ زینتِ سخن	آگرہ	ماہنامہ	۳۰۸
۲۲۵	مذاق سخن	حیدرآباد دکن	ماہنامہ	۳۰۸
۲۲۶	حبیب ہند	کان پور	ہفتہ وار	۳۰۸
۲۲۷	الصدیق	فیروزپور	ہفتہ وار	۳۰۹
۲۲۸	رعنا	لکھنؤ	ماہنامہ	۳۰۹
۲۲۹	گلدستۂ انجمن	لاہور	ماہنامہ	۳۰۹
۲۳۰	رفاہ عام	جھجر	پندرہ روزہ	۳۰۹
۲۳۱	شگوفہ	حیدرآباد	ماہنامہ	۳۰۹
۲۳۲	میڈیکل پیپر	میرٹھ	ہفتہ وار	۳۰۹
۲۳۳	زمانہ	آگرہ	ماہنامہ	۳۱۰
۲۳۴	گوہر	کلکتہ	ہفتہ وار	۳۱۳
۲۳۵	مولوی علی بخشؔ رامپوری			۳۱۴

۲۲۶	حکیم ناصر حسین ناظر رامپوری			۳۱۶
۲۲۷	آئینہ نمائش	کلکتہ	روزنامہ	۳۱۶
۲۲۸	جامع مسائل علم طب	کپورتھلہ	ماہنامہ	۳۱۶
۲۲۹	جدیدہ نمائش	کلکتہ	ہفتہ میں دوبار	۳۱۷
۲۴۰	حاکم	مدراس	ہفتہ وار	۳۱۷
۲۴۱	خیر خواہ خلائق	غازی پور	ہفتہ وار	۳۱۷
۲۴۲	دبدبہ اسلام	بمبئی	ہفتہ وار	۳۱۷
۲۴۴	دلیش ایکارک	لاہور	ہفتہ وار	۳۱۷
۲۴۵	فیض سخن	لکھنؤ	ماہنامہ	۳۱۷
۲۴۶	نجم الاخبار	میرٹھ	ہفتہ وار	۳۱۸

۱۸۸۴ء

۲۴۷	جامع العلوم	مرادآباد	ماہنامہ	۳۱۹
۲۴۸	جموں گزٹ	سری نگر	ہفتہ وار	۳۱۹
۲۴۹	آریہ متر		ہفتہ وار	۳۱۹
۲۵۰	آریہ پتر	بریلی	ماہنامہ	۳۱۹
۲۵۱	رفیق ہند	لاہور	ہفتہ وار	۳۲۰
۲۵۲	مولوی محرم علی چشتی			۳۲۱
۲۵۳	اتحاد	مدراس	ہفتہ وار	۳۲۶
۲۵۴	دبیر مدراس	مدراس	ہفتہ وار	۳۲۷
۲۵۵	بے نظیر	لکھنؤ	ہفتہ وار	۳۲۷
۲۵۶	تہذیب	کپورتھلہ	پندرہ روزہ	۳۲۷

۲۵۷	حکیم جعفر علی بیمار			۳۲۷
۲۵۸	جونس گزٹ	لکھنؤ	ہفتہ وار	۳۲۸
۲۵۹	گؤرکھشا	لکھنؤ	ہفتہ وار	۳۲۸
۲۶۰	انجمن رفاہ عام	لدھیانہ	ماہنامہ	۳۲۸
۲۶۱	تکملہ	آگرہ	ماہنامہ	۳۲۸
۲۶۲	پیک آصفی	حیدرآباد دکن	روزانہ	۳۲۹
۲۶۳	سلام	دہلی	ماہنامہ	۳۲۹
۲۶۴	رفیع الاخبار	بنارس	ہفتہ وار	۳۲۹
۲۶۵	آزاد	مرادآباد	ہفتہ وار	۳۲۹
۲۶۶	راویِ بے نظیر	لاہور	ماہنامہ	۳۲۹
۲۶۷	نظام الاخبار	جھجر	ہفتہ وار	۳۳۰
۲۶۸	ہریانہ پنچ	جھجر	ہفتہ وار	۳۳۰
۲۶۹	مرقع نگار	لکھنؤ	ماہنامہ	۳۳۰
۲۷۰	قومی کایستھ نگم اودمایان	لکھنؤ	ماہنامہ	۳۳۲
۲۷۱	نالۂ عشاق	مدراس	ماہنامہ	۳۳۳
۲۷۲	منشی محی الدین حسن خاں تسنیم			۳۳۳
۲۷۳	ترجمان	ناگپور	ہفتہ وار	۳۳۴
۲۷۴	جامع الاخلاق	لکھنؤ	پندرہ روزہ	۳۳۴
۲۷۵	رفیق نسواں	لکھنؤ	پندرہ روزہ	۳۳۴
۲۷۶	کرناٹک پنچ	مدراس	عشرہ وار	۳۳۴
۲۷۷	حدیقۂ شعراء	مدراس	ہفتہ وار	۳۳۵

۲۷۸	شمع سخن	بنگلور	ماہنامہ	۲۳۵
۲۷۹	عبدالحق تحقیق بنگلوری			۲۳۵
۲۸۰	غلام محمد شریف ادب بنگلوری			۲۳۵
۲۸۱	انجمن زراعت	بجنور	ماہنامہ	۲۳۶
۲۸۲	جین پرکاش ہندوستان	قصبہ فرخ نگر	ماہنامہ	۲۳۶
۲۸۳	جارالحق	دہلی	ماہنامہ	۲۳۶
۲۸۴	سرور قیصری	رامپور	ہفتہ وار	۲۳۶
۲۸۵	حکیم حیدر علی حیدر رامپوری			۲۳۶
۲۸۶	ہمائے بنگال	کلکتہ	روزانہ	۲۳۷
۲۸۷	نامۂ یار	رتلام	ماہنامہ	۲۳۸
۲۸۸	موج نربدا	ہوشنگ آباد	ہفتہ وار	۲۳۸
۲۸۹	تحفۂ عشاق	لکھنؤ	ماہنامہ	۲۳۹
۲۹۰	مولوی معصوم علی محشر			۲۴۱
۲۹۱	ہدایت	لاہور	ہفتہ وار	۲۴۳
۲۹۲	نجم ادبایان	لکھنؤ	ماہنامہ	۲۴۳
۲۹۳	ایڈورٹائزر	دہلی	پندرہ روزہ	۲۴۳
۲۹۴	نور بصیرت	کلکتہ	ماہنامہ	۲۴۳
۲۹۵	اتحاد	مدراس	ہفتہ وار	۲۴۴
۲۹۶	مہر منور	مظفر پور	پندرہ روزہ	۲۴۴
۲۹۷	گلدستۂ ناز	بمبئی	ماہنامہ	۲۴۴
۲۹۸	بلقیس جہاں بیگم ناز			۲۴۶

۲۹۹	خالصہ پنجاب	ملتان چھاؤنی	ہفتہ وار	۳۴۷
۳۰۰	چمن سخن	قصبہ آنولہ	ماہنامہ	۳۴۷
۳۰۱	جریدہ وطن	کلکتہ	ہفتہ وار	۳۴۷
۳۰۲	تحفہ	مدراس	پندرہ روزہ	۳۴۹
۳۰۳	نواب میر منور علی خان حالیؔ			۳۵۰
۳۰۴	طب حیوانات	لاہور	ماہنامہ	۳۵۲
۳۰۵	شیخ محمد الدین لاہوری			۳۵۲
۳۰۶	قانون معاہدہ کا رسالہ	دہلی	ماہنامہ	۳۵۳
۳۰۷	ہریانہ اخبار	جھجر	ماہنامہ	۳۵۳
۳۰۸	اشراق	لکھنؤ	پندرہ روزہ	۳۵۳
۳۰۹	اخبار النساء	دہلی	عشرہ وار	۳۵۳
۳۱۰	مولوی سید احمد، احمد دہلوی			۳۵۳
۳۱۱	رفیق دکن	حیدرآباد دکن	ماہنامہ	۳۵۶
۳۱۲	ہندوستان	لنڈن	ماہنامہ	۳۵۶
۳۱۳	محشر	لکھنؤ	ہفتہ وار	۳۵۶
۳۱۴	جھجر پنچ	جھجر	ہفتہ وار	۳۵۶
۳۱۵	کرشمہ دلبر	خیرآباد	ماہنامہ	۳۵۶
۳۱۶	اخبار چنار	چنار	ہفتہ وار	۳۵۷
۳۱۷	خیر خواہ کشمیر	لاہور	ہفتہ وار	۳۵۷
۳۱۸	دبیر ہند	مدراس	ہفتہ وار	۳۵۷
۳۱۹	روزنامچہ عالم	الہ آباد	روزانہ	۳۵۷

۳۲۰	شام وصال	لاہور	روزانہ	۳۵۷
۳۲۱	نسیم صبح	لاہور	روزانہ	۳۵۷
۳۲۲	حدیقۃ الاخبار	ٹونک	ہفتہ وار	۳۵۷
۳۲۳	معلم و دبستان کٹرا	کٹرا ضلع الہ آباد	ہفتہ وار	۳۵۷
۳۲۴	چمنستان سخن	کان پور	ماہنامہ	۳۶۱
۳۲۵	محمد عباس حسین ہوش			۳۶۳
۳۲۶	عبدالحق حقیقی			۳۶۴
۳۲۷	معلم ہند	لاہور	ماہنامہ	۳۶۴
۳۲۸	نالۂ عشاق	اجمیر	ماہنامہ	۳۶۶
۳۲۹	مفید ہند	دہلی	ماہنامہ	۳۶۶
۳۳۰	ذخیرہ تعلیم	حیدرآباد دکن	ماہنامہ	۳۶۶
۳۳۱	انتخاب	راولپنڈی	ہفتہ وار	۳۶۶
۳۳۲	تاج الاخبار	راولپنڈی	ہفتہ وار	۳۶۶
۳۳۳	پنجاب لوکل سلف گزٹ	گوجرانوالہ	ماہنامہ	۳۶۶
۳۳۴	آئینہ اخلاق	لاہور	ہفتہ وار	۳۶۷
۳۳۵	ملتان الاخبار	قصبہ نواب گنج	ہفتہ وار	۳۶۷
۳۳۶	منشی احسان علی فصیح			۳۶۷
۳۳۷	اتفاق	مدراس	ہفتہ میں دوبار	۳۶۸
۳۳۸	احمد محی الدین صاحب			۳۶۸
۳۳۹	محمد عبدالملک ملک			۳۶۹
۳۴۰	شفیق ہند	لاہور	ہفتہ وار	۳۷۰

۲۴۱ گورکالیستھ	الہ آباد	ماہنامہ	۲۷۰
۲۴۲ وزیر ہند	سیالکوٹ	ہفتہ وار	۲۷۰
۲۴۳ رسالہ انجمن حمایت اسلام	لاہور	ماہنامہ	۲۷۱
۲۴۴ فلاسفر	آگرہ	ماہنامہ	۲۷۱
۲۴۵ سفیر پنجاب	ہوشیارپور	ہفتہ وار	۲۷۲

۱۸۸۵ء

۲۴۶ اختر اودھ	لکھنؤ	ہفتہ وار	۲۷۲
۲۴۷ آشوب محشر	فرخ آباد	ماہنامہ	۲۷۳
۲۴۸ یوسف علی خاں ظہیر			۲۷۵
۲۴۹ افسانۂ ایام	دہلی	ماہنامہ	۲۷۵
۲۵۰ آئینہ تجارت	آگرہ	ہفتہ وار	۲۷۵
۲۵۱ بہار سخن	رتلام	ماہنامہ	۲۷۶
۲۵۲ رہنما	لکھنؤ	ہفتہ وار	۲۷۶
۲۵۳ پرین گزٹ	بریلی	مہینہ میں دوبار	۲۷۶
۲۵۴ سراج الاخبار	جہلم	ہفتہ وار	۲۷۶
۲۵۵ مولوی فقیر محمد خاں			۲۷۶
۲۵۶ قیامت	لکھنؤ	ہفتہ وار	۲۷۸
۲۵۷ وظائف خلد	میسور	ماہنامہ	۲۷۸
۲۵۸ جادو	دہلی	ماہنامہ	۲۷۸
۲۵۹ منشی رکن الدین جادو دہلوی			۲۷۸
۲۶۰ ہمایوں	بدایوں	ماہنامہ	۲۸۰

۳۶۱	غم خوار ہند	لاہور	ہفتہ وار	۳۸۰
۳۶۲	آصفی	حیدرآباد دکن	ہفتہ وار	۳۸۰
۳۶۳	ریاض سخن	رامپور	ماہنامہ	۳۸۰
۳۶۴	حافظ احمد علی خاں شوق			۳۸۲
۳۶۵	آفتاب سخن	بنگلور	ماہنامہ	۳۸۳
۳۶۶	سیف گورنمنٹ	لاہور	پندرہ روزہ	۳۸۳
۳۶۷	طبیب لاہور	لاہور	ماہنامہ	۳۸۳
۳۶۸	دامن گل چیں	لکھنؤ	ماہنامہ	۳۸۳
۳۶۹	محمد احمد صاحب قمر			۳۸۵
۳۷۰	منشی واجد علی بسمل			۳۸۶
۳۷۱	دربار اکبری	دہلی	عشرہ وار	۳۸۶
۳۷۲	ایجی سن	فرخ نگر	پندرہ وار	۳۸۶
۳۷۳	خورشید آفاق	پیلی بھیت	ہفتہ وار	۳۸۶
۳۷۴	حکیم مظہر احسن صاحب احسن			۳۸۶
۳۷۵	ایپنچ	پٹنہ	ہفتہ وار	۳۸۸
۳۷۶	گل بن سخن	میرٹھ	پندرہ روزہ	۳۹۱
۳۷۷	کٹرا پنچ	الہ آباد	ہفتہ وار	۳۹۱
۳۷۸	امجد الاخبار	بدایوں	ہفتہ وار	۳۹۱
۳۷۹	سعید الاخبار	بدایوں	ماہنامہ	۳۹۱
۳۸۰	افضل علی صاحب ضو			۳۹۱
۳۸۱	مفتاح القوانین	آگرہ	پندرہ روزہ	۳۹۲

۳۸۲	نیوکرشچن ہیر	ضلع بھنڈار	ہفتہ وار	۳۹۳
۳۸۳	ظریف ہند	دہلی	ہفتہ وار	۳۹۳
۳۸۴	صحیفۂ قدسی	دہلی	ہفتہ وار	۳۹۳
۳۸۵	مولانا عبدالقدوس قدسی دہلوی			۳۹۳
۳۸۶	وائس آف اسلام	کان پور	مہینہ میں دوبار	۳۹۵
۳۸۷	خنجر عشق	لکھنؤ	ماہنامہ	۳۹۵
۳۸۸	آفتاب عالمتاب	لاہور	ہفتہ وار	۳۹۶
۳۸۹	لاہور گزٹ	لاہور	ہفتہ وار	۳۹۶
۳۹۰	میڈیکل ریفارمر	آگرہ	ماہنامہ	۳۹۶
۳۹۱	ہردلعزیز	لاہور	ہفتہ وار	۳۹۶
۳۹۲	ریاض رنگین	پرتاب گڈھ	ماہنامہ	۳۹۶
۳۹۳	آزاد	لکھنؤ	ہفتہ وار	۳۹۶
۳۹۴	منشی احمد علی شوقؔ			۳۹۷
۳۹۵	گلزار جہاں	کلکتہ	ماہنامہ	۳۹۹
۳۹۶	گلزار خلد	قنوج	ماہنامہ	۳۹۹
۳۹۷	بیر بر	دہلی	ہفتہ وار	۴۰۱
۳۹۸	ادیب ہند	رامپور	ہفتہ وار	۴۰۲
۳۹۹	بادِ صبا	بنگلور	ہفتہ وار	۴۰۲
۴۰۰	قادر شریف صابرؔ			۴۰۲
۴۰۱	گلدستہ مضامین	متھرا	ماہنامہ	۴۰۳
۴۰۲	منشی بانکے لال زارؔ بدایونی			۴۰۳

۴۰۳	گل کدہ بہار	مہسوان	ماہنامہ	۱۹۰۳
۴۰۴	لغتِ جگر	کلکتہ	ماہنامہ	۱۹۰۴
۴۰۵	بہر دلعزیز	لکھنؤ	ماہنامہ	۱۹۰۴
۴۰۶	پیکِ صبا	کلکتہ	روزنامہ	۱۹۰۴
۴۰۷	نوبہار	ٹونک	ماہنامہ	۱۹۰۴
۴۰۸	روزنامچہ ملک	کلکتہ	روزنامہ	۱۹۰۴
۴۰۹	بہار ہند	کلکتہ	ہفتہ وار	۱۹۰۵
۴۱۰	جوہر سخن	حیدرآباد دکن	ماہنامہ	۱۹۰۵
۴۱۱	عبداللہ ضیغم			۱۹۰۵
۴۱۲	بہارستان شوق	بلند شہر	ماہنامہ	۱۹۰۷
۴۱۳	دردِ دل	لکھنؤ	ہفتہ وار	۱۹۰۷
۴۱۴	دکن پنچ	مدراس	ہفتہ وار	۱۹۰۸
۴۱۵	کتاب مسائل قانون	آگرہ	پندرہ روزہ	۱۹۰۸
۴۱۶	متھرا اخبار	متھرا	ہفتہ وار	۱۹۰۸
۴۱۷	بہار سخن	کان پور	ماہنامہ	۱۹۰۸
۴۱۸	خیر خواہ عام	گجرات	ہفتہ وار	۱۹۰۸
۴۱۹	علیم الاخبار	کلکتہ	ہفتہ وار	۱۹۰۸
۴۲۰	برق	بمبئی	ماہنامہ	۱۹۰۹
۴۲۱	چراغِ کعبہ	بمبئی	ماہنامہ	۱۹۰۹
۴۲۲	تعویذ	متھرا	ہفتہ وار	۱۹۰۹
۴۲۳	نورالاسلام	پٹنہ	ماہنامہ	۱۹۰۹

۴۲۴	طغرائے اعجاز		سہ روزہ	۱۹۰۹
۴۲۵	آریہ گزٹ	فیروزپور	ہفتہ وار	۱۹۱۰
۴۲۶	صدق	بہار شریف	پندرہ روزہ	۱۹۱۰
۴۲۷	ناظم الہند	لاہور	ہفتہ وار	۱۹۱۰
۴۲۸	منشی رلتا پرشاد			۱۹۱۰
۴۲۹	نامۂ عشاق	بنارس	ماہنامہ	۱۹۱۲
۴۳۰	کاشف الحقیقت	کپورتھلہ	ماہنامہ	۱۹۱۲
۴۳۱	مفید المزارعین	کان پور	ماہنامہ	۱۹۱۲
۴۳۲	اشاعت اسلام	راولپنڈی	ماہنامہ	۱۹۱۳
۴۳۳	فتح گڈھ پنچ	قنوج	پندرہ روزہ	۱۹۱۳
۴۳۴	پرکالۂ آتش	قنوج	پندرہ روزہ	۱۹۱۳
۴۳۵	نامۂ دلسوز	اندور	ماہنامہ	۱۹۱۶
۴۳۶	جگ موہن نالۂ شوق			۱۹۱۶
۴۳۷	فرخ	رام پور	ماہنامہ	۱۹۱۷
۴۳۸	سفیر عام	بھوپال	ہفتہ وار	۱۹۱۷
۴۳۹	نالۂ عشاق	پٹنہ	ہفتہ وار	۱۹۱۷
۴۴۰	نسیم سحر	بدایوں	ہفتہ وار	۱۹۱۸
۴۴۱	سروش بنارس	بنارس	ہفتہ وار	۱۹۱۸
۴۴۲	جلوۂ یار	متھرا	ماہنامہ	۱۹۱۹
۴۴۳	معدن الاکسیر	کپورتھلہ	پندرہ روزہ	۱۹۱۹
۴۴۴	کلید جنت	لاہور	ماہنامہ	۱۹۱۹

۴۴۵	گلدستۂ حکمت	لاہور	ماہنامہ	۴۲۰
۴۴۶	عطارد	قنوج	ماہنامہ	۴۲۰
۴۴۷	انجینئرنگ گائڈ	لاہور	ماہنامہ	۴۲۰
۴۴۸	فیروز نگار	کھولا	ماہنامہ	۴۲۰
۴۴۹	حب الوطن	کلکتہ	ہفتہ وار	۴۲۰
۴۵۰	سٹوڈنس گائڈ	لاہور	ماہنامہ	۴۲۰
۴۵۱	سرمایۂ فراست	بھوپال	ماہنامہ	۴۲۱
۴۵۲	شیخ چلی	سیالکوٹ	ہفتہ وار	۴۲۱
۴۵۳	شوکت ہند	بمبئی	ہفتہ وار	۴۲۱
۴۵۴	رہبرِ ہند	لاہور	ہفتہ میں دوبار	۴۲۱
۴۵۵	نصرت السنت	بنارس	ماہنامہ	۴۲۱
۴۵۶	صلح کل	گورکھپور	روزنامہ	۴۲۱
۴۵۷	آئینۂ سخن	انبالہ	ماہنامہ	۴۲۲
۴۵۸	عبدالحلیم نادمؔ			۴۲۴

۱۸۸۶ء

۴۵۹	تصویرِ سخن	متھرا	ماہنامہ	۴۲۵
۴۶۰	دانشِ ہند	ملتان	ہفتہ وار	۴۲۵
۴۶۱	ریاضِ ہند	امرتسر	ہفتہ وار	۴۲۵
۴۶۲	زمیندار	گوجرانوالہ	ماہنامہ	۴۲۵
۴۶۳	سہیل	بنارس	ہفتہ وار	۴۲۵
۴۶۴	ظریف الہند	میرٹھ	ہفتہ وار	۴۲۶

۴۶۵	حسین علی فرحت			۴۲۶
۴۶۶	عطار	کان پور	ماہنامہ	۴۲۶
۴۶۷	فصیح الاخبار	الہ آباد	ہفتہ وار	۴۲۶
۴۶۸	طوفان	سیال کوٹ	ہفتہ وار	۴۲۶
۴۶۹	بلاو دوپیازہ	لاہور	ہفتہ وار	۴۲۷
۴۷۰	ملکی نامہ بر	لاہور	ہفتہ وار	۴۲۷
۴۷۱	ملکی شہدا	لاہور	ہفتہ وار	۴۲۷
۴۷۲	وزیر الملک	سیالکوٹ	پندرہ روزہ	۴۲۷
۴۷۳	پاٹے خاں	لاہور	ہفتہ وار	۴۲۷
۴۷۴	تیس مار خاں	لاہور	ہفتہ وار	۴۲۷
۴۷۵	ایسٹ انڈین ریلوے	کلکتہ	ماہنامہ	۴۲۸
۴۷۶	دھرم پرکاش	سنبھل	ہفتہ وار	۴۲۸
۴۷۷	معاون مجمع محمدی	کراچی	ہفتہ وار	۴۲۸
۴۷۸	مشتہر	دہلی	پندرہ روزہ	۴۲۸
۴۷۹	اخبار عالم	کان پور	پندرہ روزہ	۴۲۸
۴۸۰	آفتاب ہند	اعظم گڑھ	ہفتہ وار	۴۳۰
۴۸۱	آفتاب عالم	آرہ	ماہنامہ	۴۲۰
۴۸۲	جلوہ ایزدی	میرٹھ	ہفتہ وار	۴۳۱
۴۸۳	زینت الاخبار	گورکھ پور	ہفتہ وار	۴۳۱
۴۸۴	نیو گائڈ	لاہور	ہفتہ وار	۴۳۱
۴۸۵	نسیم جنت	آگرہ	ماہنامہ	۴۳۱

۴۸۶	امپیریل پیپر	لاہور	ہفتہ وار	۴۳۱
۴۸۷	تہذیبِ سخن	کھولاپور	ماہنامہ	۴۳۲
۴۸۸	البیلا	بدایوں	ہفتہ وار	۴۳۲
۴۸۹	بیربر	سیالکوٹ	ہفتہ وار	۴۳۲
۴۹۰	گلدستۂ کلام	دہلی	ماہنامہ	۴۳۲
۴۹۱	مجمع العلوم والفنون	لاہور	ماہنامہ	۴۳۲
۴۹۲	غنچۂ مراد	شملہ	ماہنامہ	۴۳۳
۴۹۳	اعتراض	بمبئی	ماہنامہ	۴۳۳
۴۹۴	پنجاب ادبی نیوز	ہوشیارپور	ہفتہ وار	۴۳۳
۴۹۵	منشی مالک رام شاد			۴۳۳
۴۹۶	نالۂ زخمی	شیوراج پور	ماہنامہ	۴۳۴
۴۹۷	آرہ گزٹ	آرہ	ہفتہ وار	۴۳۶
۴۹۸	افسوں	فتح گڈھ	ماہنامہ	۴۳۶
۴۹۹	موجِ ظرافت	ہوشنگ آباد	ہفتہ وار	۴۳۶
۵۰۰	سری گورمت پرکاشک	راولپنڈی	ماہنامہ	۴۳۷
۵۰۱	خالصہ گزٹ	لاہور	ہفتہ وار	۴۳۷
۵۰۲	آئینۂ سخن	فتح پور	ماہنامہ	۴۳۷
۵۰۳	انسٹی ٹیوٹ	پٹنہ	ہفتہ وار	۴۳۷
۵۰۴	ترجمانِ حقیقت	قصور	ہفتہ وار	۴۳۷
۵۰۵	چمنِ ہند	شملہ	پندرہ روزہ	۴۳۷
۵۰۶	عزیز الاخبار	مدراس	ہفتہ وار	۴۳۸

۵۰۷	گلدستۂ نعتیہ	رائے پور	ماہنامہ	۴۳۸
۵۰۸	مذاق کا پتلا	رامپور	ہفتہ وار	۴۳۸
۵۰۹	سحر بابل	فتح پور	ماہنامہ	۴۳۸
۵۱۰	مبارک	گورکھ پور	ہفتہ وار	۴۳۹
۵۱۱	نغمۂ بہار	لکھنؤ	ماہنامہ	۴۳۹
۵۱۲	سید مہدی حسن عقیلؔ			۴۴۰
۵۱۳	سحر سامری	لکھنؤ	ہفتہ وار	۴۴۲
۵۱۴	منشی دیا شنکر فرحتؔ			۴۴۲
۵۱۵	لطیف الاخبار	گورکھ پور	ہفتہ وار	۴۴۴
۵۱۶	نجم الہند	جون پور	ہفتہ وار	۴۴۴
۵۱۷	نغمۂ عنادل	بنارس	ماہنامہ	۴۴۴
۵۱۸	صحیفۂ نامی	لکھنؤ	پندرہ روزہ	۴۴۴
۵۱۹	فیروز پنچ	فیروز پور	ہفتہ وار	۴۴۴
۵۲۰	پنجاب سماچار	تحصیل اونہ	عشرہ وار	۴۴۴
۵۲۱	معائنہ	لاہور	ہفتہ وار	۴۴۵
۵۲۲	باغبان	لاہور	ماہنامہ	۴۴۵
۵۲۳	مرچنٹ انبالہ	انبالہ	ہفتہ وار	۴۴۵
۵۲۴	نور الاسلام	پٹنہ	ماہنامہ	۴۴۵
۵۲۵	جریدہ انتظامیہ	بھوپال	ماہنامہ	۴۴۵
۵۲۶	سحر آفریں	سیہور	ماہنامہ	۴۴۶
۵۲۷	مہر پنچ	میرٹھ	ہفتہ وار	۴۴۶

۵۲۸	مخبر مبرور	بمبئی	ہفتہ میں دوبار	۴۴۶
۵۲۹	ذکرالحبیب	جے پور	ماہنامہ	۴۴۶
۵۳۰	دہلی گائڈ	دہلی	عشرہ وار	۴۴۶
۵۳۱	نواب مرزا دہلوی			۴۴۷
۵۳۲	مرقع عالم	ہردوئی	ماہنامہ	۴۴۹
۵۳۳	حکیم محمد علی خاں			۴۵۰
	۱۸۸۷ء			
۵۳۴	انتخاب الحکمت	گورداسپور	ماہنامہ	۴۵۲
۵۳۵	آئینہ انگریزی سوداگری	لندن	سہ ماہی	۴۵۲
۵۳۶	پنجاب ریویو	امرتسر	ماہنامہ	۴۵۲
۵۳۷	چشمۂ حیات	الہ آباد	ماہنامہ	۴۵۴
۵۳۸	ریاض نبوی	شیوراج پور	ماہنامہ	۴۵۴
۵۳۹	قیصرالاخبار	اناؤ	ہفتہ وار	۴۵۴
۵۴۰	کالیستھ ریفورم ایسوسی ایشن	آگرہ	ماہنامہ	۴۵۴
۵۴۱	ہمت	گوجرانوالہ	ہفتہ وار	۴۵۵
۵۴۲	چلتا پرزا	دہلی	ہفتہ وار	۴۵۵
۵۴۳	دل گداز	لکھنؤ	ماہنامہ	۴۵۵
۵۴۴	مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی			۴۵۹
۵۴۵	اسکول ماسٹر	گوجرانوالہ	ہفتہ وار	۴۶۹
۵۴۶	صدر پنچ	دہلی	ہفتہ وار	۴۷۲
۵۴۷	معنی	جون پور	ماہنامہ	۴۷۲

۵۴۷	جوبلی پیپر	لکھنؤ	پندرہ روزہ	۴۷۳
۵۴۸	احتشام الاخبار	جاورہ	ہفتہ وار	۴۷۳
۵۴۹	فیض عام	امرتسر	ہفتہ وار	۴۷۳
۵۵۰	جعفر زٹلی	لاہور	ہفتہ وار	۴۷۳
۵۵۱	ملا محمد بخش لاہوری			۴۷۴
۵۵۲	روشنی	لاہور	ہفتہ وار	۴۷۴
۵۵۳	اخبار الاخیار	دہلی	ہفتہ وار	۴۷۴
۵۵۴	منشی محمد الدین دہلوی			۴۷۸
۵۵۵	منشی حبیب الدین سوزاں			۴۸۲
۵۵۶	دوست	دہلی		۴۸۶
۵۵۷	بابو جھبال سنگھ شیدا			۴۸۶
۵۵۸	لمعات الاخلاق	بریلی	ہفتہ وار	۴۸۷
۵۵۹	نامۂ منظوم	مرزاپور	ماہنامہ	۴۸۷
۵۶۰	راوی	لاہور	ہفتہ وار	۴۸۸
۵۶۱	پبلک نیوز	لاہور	ہفتہ وار	۴۸۸
۵۶۲	بچہ	گورکھپور	ماہنامہ	۴۸۸
۵۶۳	افسر الاخبار	گول کنڈہ	ہفتہ وار	۴۸۸
۵۶۴	کھتری ہتکاری	آگرہ	ماہنامہ	۴۸۸
۵۶۵	دکن پنچ	حیدرآباد	ہفتہ وار	۴۸۸
۵۶۶	دوست ہند	بھیرہ	ہفتہ وار	۴۸۹
۵۶۷	شریر	لاہور	پندرہ روزہ	۴۸۹

۵۶۸	لسان الملک	میرٹھ	ماہنامہ	۴۸۹
۵۶۹	ناردمن	میرٹھ	ہفتہ وار	۴۸۹
۵۷۰	مناد	فیروز والا	ہفتہ وار	۴۸۹
۵۷۱	نغمۂ ہند	لاہور	ہفتہ وار	۴۹۰
۵۷۲	خادم الطلبا	دہلی	سہ ماہی	۴۹۰
۵۷۳	منشی ذکاء اللہ دہلوی			۴۹۰
۵۷۴	خیال محبوب	حیدرآباد دکن	ہفتہ وار	۴۹۸
۵۷۵	داغِ دل	بریلی	ماہنامہ	۴۹۸
۵۷۶	بنگلور اخبار	بنگلور	ہفتہ میں دوبار	۴۹۸
۵۷۷	پیام	ناگپور	ہفتہ وار	۴۹۸
۵۷۸	مشیر ہند	لدھیانہ	ہفتہ وار	۴۹۹
۵۷۹	انبالہ گزٹ	انبالہ	ہفتہ وار	۴۹۹
۵۸۰	بہارِ سخن	گورکھپور	ماہنامہ	۴۹۹
۵۸۱	منشی محمد مبین جلیس			۴۹۹
۵۸۲	جوبلی گزٹ	میرٹھ	ہفتہ وار	۵۰۰
۵۸۳	انیس	پٹنہ	ہفتہ وار	۵۰۰
۵۸۴	سرمۂ روزگار	آگرہ	ہفتہ وار	۵۰۰
۵۸۵	مدبر عالم	دہلی	ہفتہ وار	۵۰۰
۵۸۶	آفتاب محشر	علی گڑھ	پندرہ روزہ	۵۰۱
۵۸۷	نوید امید	کانپور	ماہنامہ	۵۰۱
۵۸۸	ویکلی رپورٹ	آگرہ	ماہنامہ	۵۰۱

۵۸۹	ہلال	بھوپال	ماہنامہ	۵۰۱
۵۹۰	ادیب	لکھنؤ	ماہنامہ	۵۰۱
۵۹۱	بہارِ ہند	لکھنؤ	ماہنامہ	۵۰۱
۵۹۲	مچھو بیگ عاشق			۵۰۱
۵۹۳	خورشید	اعظم گڑھ	ہفتہ وار	۵۰۳
۵۹۴	گلزارِ سخن	حیدرآباد دکن	ماہنامہ	۵۰۳
۵۹۵	ریاض المصطفیٰ	کان پور	ماہنامہ	۵۰۳
۵۹۶	گل و بلبل	حیدرآباد دکن	ماہنامہ	۵۰۳
۵۹۸	تہذیب سخن	کان پور	ماہنامہ	۵۰۳
۵۹۹	شورِ عنادل	علی گڑھ	ماہنامہ	۵۰۴
۵۹۹	مطلع سخن	اورنگ آباد	ماہنامہ	۵۰۴
۶۰۰	منشی بشیر الدین افسر			۵۰۴
۶۰۱	پیسہ اخبار	گوجرانوالہ	ہفتہ وار	۵۰۵
۶۰۲	منشی محبوب عالم			۵۲۱

۱۸۸۸ء

۶۰۳	گلزارِ اودھ	بریلی	ہفتہ وار	۵۲۷
۶۰۴	سرورِ قیصری	کھیر ضلع علی گڑھ	پندرہ روزہ	۵۲۷
۶۰۵	امرتسر گزٹ	امرتسر	ہفتہ وار	۵۲۷
۶۰۶	رہبر	مرادآباد	ہفتہ وار	۵۲۷
۶۰۷	آفتابِ سخن	سرسی ضلع مرادآباد	ماہنامہ	۵۲۸
۶۰۸	منشی آل احمد سحر			۵۳۰

۶۰۹	منشی احمد حسین مہر			۵۳۰
۶۱۰	بلبل ہند	مراد آباد	ہفتہ وار	۵۳۱
۶۱۱	وکیل قومی	لکھنؤ	پندرہ روزہ	۵۳۱
۶۱۲	عبداللہ حسرتی			۵۳۱
۶۱۳	آئینۂ روزگار	غازی پور	ہفتہ وار	۵۳۲
۶۱۴	حامئ اسلام	لکھنؤ	ماہنامہ	۵۳۲
۶۱۵	داغ	اجمیر شریف	ماہنامہ	۵۳۳
۶۱۶	معلم تجارت	اندور	ماہنامہ	۵۳۳
۶۱۷	آگرہ پنچ	آگرہ	ہفتہ وار	۵۳۳
۶۱۸	سرمور گزٹ	ناہن انبالہ	ہفتہ وار	۵۳۳
۶۱۹	اختر ہند	لکھنؤ	ہفتہ وار	۵۳۴
۶۲۰	اشرف گزٹ	لکھنؤ	ہفتہ وار	۵۳۴
۶۲۱	سفیر دکن	حیدرآباد دکن	روزنامہ	۵۳۴
۶۲۲	نسیم سنبھل	سنبھل	ہفتہ وار	۵۳۴
۶۲۳	حسن	حیدرآباد دکن	ماہنامہ	۵۳۵
۶۲۴	حسن بن عبداللہ			۵۳۵
۶۲۵	رسالہ مدرسہ علوم اسلامیہ	لاہور	ماہنامہ	۵۳۶
۶۲۶	گلشن داغ	رتلام	ماہنامہ	۵۳۸
۶۲۷	عبدالرحیم صبا			۵۳۸
۶۲۸	نظم	لکھنؤ	پندرہ روزہ	۵۳۹

۱۸۸۹ء

۶۲۹	انتخاب	لکھنؤ	ماہنامہ	۵۵۱
۶۳۰	سید محمد مصطفیٰ خورشید			۵۵۱
۶۳۱	سحاب سخن	جودھ پور	ماہنامہ	۵۵۶
۶۳۲	آگرہ پنچ	آگرہ	ہفتہ وار	۵۵۶
۶۳۳	کرنیل	مرادآباد	ہفتہ وار	۵۵۹
۶۳۴	پنجاب	امرت سر	ہفتہ وار	۵۶۰
۶۳۵	پنجاب گزٹ	سیالکوٹ	ہفتہ وار	۵۶۱
۶۳۶	خیر اندیش	انبالہ	ہفتہ وار	۵۶۱
۶۳۷	محبوب القلوب	حیدرآباد دکن	ہفتہ وار	۵۶۱
۶۳۸	روزانہ اخبار دہلی	دہلی	روزنامہ	۵۶۱
۶۳۹	نسیم سحر	مرزاپور	ہفتہ وار	۵۶۱

۱۸۹۰ء

۶۴۰	کھتری سماچار	لاہور	ہفتہ وار	۵۶۳
۶۴۱	لالہ ہیرا لال کپور			۵۶۴
۶۴۲	نظام ہند	دہلی	ہفتہ وار	۵۶۶
۶۴۳	مرقع المشاہیر	جودھپور	ماہنامہ	۵۶۶
۶۴۴	مذاق	میرٹھ	ہفتہ وار	۵۶۶
۶۴۵	کان پور گزٹ	کان پور	ہفتہ وار	۵۶۶
۶۴۶	وکیل ہند	دہلی	ہفتہ وار	۵۶۶
۶۴۷	محمڈن ہیرلڈ	بمبئی	ہفتہ وار	۵۶۶
۶۴۸	مسلم ہیرلڈ	بمبئی	روزنامہ	۵۶۷

۶۴۹	ست دھرم پرچارک	جالندھر	ہفتہ وار	۵۶۸

۱۸۹۱ء

۶۵۰	گل چیں	لکھنؤ	ماہنامہ	۵۶۹
۶۵۱	روہیل کھنڈ گزٹ	بریلی	ہفتہ وار	۵۷۳
۶۵۲	پنجاب سماچار	لاہور	ہفتہ وار	۵۷۳
۶۵۳	اردو اخبار	مرادآباد	ہفتہ وار	۵۷۳
۶۵۴	خیر خواہ زمینداراں	لوڑیہ	ہفتہ وار	۵۷۳
۶۵۵	لائل خالصہ گزٹ	سیالکوٹ	ہفتہ وار	۵۷۴
۶۵۶	قمر	سندیلہ	ماہنامہ	۵۷۴

۱۸۹۲ء

۶۵۷	دامن بہار	آگرہ	ماہنامہ	۵۷۵
۶۵۸	پولس نیوز	میرٹھ	ہفتہ وار	۵۷۷
۶۵۹	الوقت	گورکھپور	ہفتہ وار	۵۷۸
۶۶۰	مشیر دکن	حیدرآباد دکن	روزنامہ	۵۸۳
۶۶۱	انتخاب عالم	بدایوں	ہفتہ وار	۵۸۳
۶۶۲	مولوی سدید الدین صاحب شائق			۵۸۳
۶۶۳	تحفۂ محمدیہ	کانپور	ماہنامہ	۵۸۴
۶۶۴	کپور تھلہ اخبار	کپور تھلہ	ہفتہ وار	۵۸۵
۶۶۵	ہمالہ	راولپنڈی	ہفتہ وار	۵۸۵
۶۶۶	انڈیا گزٹ	بمبئی	ہفتہ وار	۵۸۵
۶۶۷	روہیلا اخبار	مرادآباد	ہفتہ وار	۵۸۵

۱۸۹۳ء

۶۶۸	تبلیغ	جبلپور	پندرہ روزہ	۵۸۷
۶۶۹	مولانا عبدالجبار صاحب عمر پوری			۵۸۹
۶۷۰	جلسہ احبابِ شملہ	مظفر نگر	پندرہ روزہ	۵۹۲
۶۷۱	ظہور الاسلام صاحب گوہرؔ			۵۹۴
۶۷۲	محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج میگزین	علی گڑھ	ماہنامہ	۵۹۵
۶۷۳	مولانا شبلی نعمانی صاحب			۵۹۷
۶۷۴	زبان	دہلی	ماہنامہ	۵۹۹
۶۷۵	مولانا عبدالرحمٰن صاحب راسخؔ دہلوی			۶۰۱
۶۷۶	ادیب	لکھنؤ	پندرہ روزہ	۶۳۵
۶۷۷	نور علی انور	لدھیانہ	ہفتہ وار	۶۳۵
۶۷۸	اخبار اسلام	آگرہ	ہفتہ وار	۶۳۵
۶۷۹	سول اینڈ ملٹری نیوز	لدھیانہ	ہفتہ وار	۶۳۵
۶۸۰	عالم افروز	بمبئی	عشرہ وار	۶۳۶
۶۸۱	بہار روزگار	بمبئی	ہفتہ میں دوبار	۶۳۶
۶۸۲	معین الہند	اجمیر	ہفتہ وار	۶۳۷
۶۸۳	وکیل اسلام	بمبئی	روزنامہ	۶۳۷
۶۸۴	محمڈن نیشنل میگزین	سیالکوٹ	ماہنامہ	۶۳۷

۱۸۹۴ء

۶۸۵	عروج بہار	بمبئی	ماہنامہ	۶۳۸
۶۸۶	سید اسحاق حسین شررؔ			۶۴۰

۶۸۷	بندھیل کھنڈ پنچ	جھانسی	ماہنامہ	۶۴۱
۶۸۸	الحاتمی	مدراس	ہفتہ وار	۶۴۱
۶۸۹	المسلم	راولپنڈی	ہفتہ وار	۶۴۱
۶۹۰	حی العالم	رائے پور	ہفتہ وار	۶۴۲
۶۹۱	انصاف پسند	لاہور	ہفتہ وار	۶۴۲
۶۹۲	دکن گزٹ	حیدرآباد	ہفتہ وار	۶۴۲
۶۹۳	سرحدی اخبار	راولپنڈی	ہفتہ وار	۶۴۲
۶۹۴	کثافت	مظفرنگر	ہفتہ وار	۶۴۳
۶۹۵	کوکب ہند	بمبئی	پندرہ روزہ	۶۴۳
۶۹۶	آئینہ ہند	بمبئی	ہفتہ وار	۶۴۳
۶۹۷	ورنیکلر ایڈورٹائزر	لکھنؤ	ہفتہ وار	۶۴۳
۶۹۸	انڈین ریفارمر	لکھنؤ	ہفتہ وار	۶۴۳
۶۹۹	بشیر الملک	بمبئی	ہفتہ وار	۶۴۳
۷۰۰	روشنی	لکھنؤ	ماہنامہ	۶۴۴

۱۸۹۵ء

۷۰۱	دہلی پنچ	دہلی	ہفتہ وار	۶۴۵
۷۰۲	افضل الاخبار	دہلی	ہفتہ وار	۶۴۷
۷۰۳	گلِ رعنا	بھوپال	ماہنامہ	۶۴۹
۷۰۴	گلدستۂ سخن	لدھیانہ	ماہنامہ	۶۵۱
۷۰۵	خلیفہ بخت بہادر بخت			۶۵۳
۷۰۶	مخبر دکن	حیدرآباد دکن	ماہنامہ	۶۵۴

۷۰۷	سید عبدالقادر صاحب			۶۵۴
۷۰۸	گلدستہ مداح النبی	جھجر	ماہنامہ	۶۵۵
۷۰۹	وکیل	امرتسر	ہفتہ وار	۶۵۷
۷۱۰	زبدۃ الاخبار	لاہور	ہفتہ وار	۶۷۹
۷۱۱	فریاد ہند	الہ آباد	پندرہ روزہ	۶۷۹
۷۱۲	شہرۂ آفاق	گیا	ہفتہ وار	۶۷۹
۷۱۳	لبرل	اعظم گڈھ	ہفتہ وار	۶۸۰
۷۱۴	جہاں نما	امرتسر	ہفتہ وار	۶۸۰
۷۱۵	چودھویں صدی	راولپنڈی	ہفتہ وار	۶۸۰
۷۱۶	کشف الحقائق	بمبئی	ماہنامہ	۶۸۰
۷۱۷	مراۃ الاخبار	بمبئی	ہفتہ وار	۶۸۰
۷۱۸	پنجاب آرگن	وزیرآباد	ہفتہ وار	۶۸۰
۷۱۹	انتخاب لاجواب	لاہور	ماہنامہ	۶۸۱
۷۲۰	آریہ پتر	بریلی	ماہنامہ	۶۸۱

۱۸۹۶ء

۷۲۱	خدنگ نظر	لکھنؤ	ماہنامہ	۶۸۲
۷۲۲	منشی نوبت رائے نظرؔ			۶۸۵
۷۲۳	دوآبہ	ہوشیارپور	ہفتہ وار	۶۸۹
۷۲۴	پنڈت ہری لال شرما			۶۹۰
۷۲۵	پروانہ	میرٹھ	ماہنامہ	۶۹۱
۷۲۶	بمبئی پنچ بہادر	بمبئی	ہفتہ وار	۷۰۳

۷۲۷	خورشید نور	سہارن پور	ہفتہ وار	۷-۳
۷۲۸	تازہ اخبار	پنڈی دادن خاں	ہفتہ وار	۷-۳
۷۲۹	بمبئی البواہ پنچ	بمبئی	ہفتہ وار	۷-۳
۷۳۰	زندہ دل	لکھنؤ	ہفتہ وار	۷-۴
۷۳۱	جوہر ہند	دیوارڑھی	ہفتہ وار	۷-۴
۷۳۲	الرشید	الہ آباد	ہفتہ وار	۷-۴
۷۳۳	آئینہ عالم	جھانسی	پندرہ روزہ	۷-۵
۷۳۴	سفیر	بمبئی	ہفتہ میں دو بار	۷-۵
۷۳۵	جسٹس دی پیس آف بمبئی	بمبئی	ہفتہ وار	۷-۵
۷۳۶	جامع العلوم	مراد آباد	ہفتہ وار	۷-۵
۷۳۷	ملک و ملت	حیدرآباد دکن	ہفتہ وار	۷-۵

۱۸۹۷ء

۷۳۸	تحفہ سرحد بنوں	بنوں	ہفتہ وار	۷-۶
۷۳۹	ڈاکٹر تھیوڈور			۷-۶
۷۴۰	منشی پیارے لال شاکر			۷-۸
۷۴۱	الہادی	پٹنہ	ماہنامہ	۷۱۰
۷۴۲	الحکم	قادیان	ہفتہ وار	۷۱۰
۷۴۳	محمد یعقوب صاحب			۷۱۱
۷۴۴	افسر	حیدرآباد دکن	ماہنامہ	۷۱۱
۷۴۵	بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب			۷۱۳
۷۴۶	مقبول عالم	بمبئی	ہفتہ وار	۷۱۸

۴۷	سلطان الاخبار	بمبئی	روزنامہ	۱۹

۱۸۹۸ء

۴۸	دبدبۂ آصفی	حیدرآباد دکن	ماہنامہ	۲۱
۴۹	سرکشن پرشاد شاد			۲۲
۵۰	اخبار بھرت پور	بھرت پور		۲۴
۵۱	پیام محبوب	حیدرآباد دکن	ماہنامہ	۲۴
۵۱/۱	شمس الکلام	حیدرآباد دکن	"	۲۴
۵۲	محمد حیدر خاں دل			۲۴
۵۳	تذکرۃ القرآن	نارنول پٹیالہ	ماہنامہ	۲۵
۵۴	تہذیب نسواں	لاہور	ہفتہ وار	۲۶
۵۵	مولوی سید ممتاز علی صاحب			۲۹
۵۶	انوار الاسلام	سیالکوٹ	پندرہ روزہ	۲۷
۵۷	معارف	علی گڈھ	ماہنامہ	۲۷

۱۸۹۹ء

۵۸	جلوۂ محبوب	حیدرآباد دکن	ماہنامہ	۳۰
۵۹	غلام ہمدانی گوہر			۳۱
۶۰	محبوب الکلام	حیدرآباد دکن	ماہنامہ	۳۵
۶۱	المعلومات	جے پور	ماہنامہ	۳۵
۶۲	ادیب	فیروزآباد	ماہنامہ	۳۸
۶۳	شرارہ	مرادآباد	پندرہ روزہ	۴۳
۶۴	آریہ مسافر	جالندھر	ماہنامہ	۴۴
۶۵	البشیر	اٹاوہ	ہفتہ وار	۴۷

۱۹۰۰ء

۷۶۶	خادم الاسلام	کلکتہ	ماہنامہ	۷۴۸
۷۶۷	کرزن گزٹ	دہلی	ہفتہ وار	۷۴۹
۷۶۸	نسیم	دہلی	ماہنامہ	۷۵۶
۷۶۹	آفتاب دکن	مدراس		۷۵۹
	ضمیمہ			۷۵۹
۷۷۰	نظام الملک (۱۸۸۷ء)	مراد آباد	ہفتہ وار	۷۵۹
۷۷۱	بھارگو پتر کا (۱۸۸۸ء)	جے پور	ماہنامہ	۷۶۱
۷۷۲	قنوج پنچ (۱۸۹۰ء)	قنوج	مہینے میں تین بار	۷۶۱
۷۷۳	حرف آخر			۷۶۲
۷۷۴	فہرست مضامین			۷۷۰